Ali's

Mere Khayalon…

everything… is not enough…

Mere Khayalon......

Ali

I Dedicate this book to my Parents
“Syed Mohammad Hussain Shah Zaidi & Syeda Lakht-e-Zehra Zaidi.”

Miss you Ammi & Daddy.

Ali

کچھ باتیں

میرا نام سید محمد علی شاہ زیدی ہے، آپ لوگ مجھے 'علی' کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں۔ میں اپنے والدین کا نالائق بیٹا اور تین بڑے بھائی اور دو بڑی بہنوں کا سب سے چھوٹا بھائی ہوں۔ نالائق کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کیوں کہ اکثر مجھے اپنے والد سے یہ جملہ سُننے کو ملتا رہا ہے۔ والد کا ذکر چلا تو یہ بتا تا چلوں کے میرے والد سعودی عرب ریاض میں سعودی ارامکو کمپنی میں ملازم تھے اور ہم چھ بہن بھائی اپنے والدین کے ہمراہ مزے سے سعودی عرب ریاض میں زندگی بسر کرتے رہے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد کراچی گلشن اقبال میں رہے اور پھر کراچی یونیورسٹی سے بی کام کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں جدّہ سعودی عرب میں مقیم ہوں، جہاں اپنی ایک بیٹی کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میں یہاں ایک لا فرم میں ملازم ہوں جہاں سیکھنے کو بہت کچھ ملا۔ کچھ سال پہلے زوجہ سے علیحدگی زندگی کا ایک کڑوہ ترین باب رہا ہے لیکن سچ پوچھیے تو مجھے زیادہ کڑوہ پسند نہیں اس لیے اپنی زندگی کو زیادہ ڈپریشن میں دھکیلنے کا مجھے کچھ خاص شوق نہیں۔

چلیے یہ تو ہوا میرا چھوٹا سا تعارف۔ اب کچھ اس بارے میں بات ہو جائے کہ ناول لکھنے کا شوق کہاں سے اور کیسے ہوا۔ تیسرے نمبر پر بڑے بھائی سید علی سجاد شاہ ایک ایسے انسان ہیں جن میں کئی صلاحیتیں موجود ہیں۔ کتابوں سے اُن کا لگاؤ شروع سے ہی ہے اور اُن کے اسی لگاؤ کو دیکھ کر میں نے بھی اپنی پسند کی کچھ کتابیں اُن کی لائبریری سے چُرا کر پڑھنا شروع کیں۔ مجھے بچپن سے ہی کہانیوں کا بہت شوق تھا اور یہ شوق مجھے اشتیاق احمد تک لے گیا جو کہ اسّی کی دہائی میں پاکستان کے مشہور ترین ناول نگار تھے۔ محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید..... یہ کردار یقین جانیے انگلینڈ کے شرلاک ہومز سے کہیں زیادہ منفرد اور بہترین ہیں۔ آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی لیکن ہولی ووڈ کی معروف فلم اوینجرز جیسی کہانی

اشتیاق احمد اپنے ناولوں میں لکھ چکے ہیں۔ ہیروز کا ملک اور دُنیا کے لیے یکجا ہونا اور سُپر ولن کا مقابلہ کرنا ہم یہ اُن کے خاص نمبروں میں پڑھا کرتے تھے۔ بچّوں کے لیے جاسُوسی کہانیاں جس انداز میں انھوں نے لکھی ہیں سچ پوچھیے جواب نہیں۔ کاش ہمارے پاس ہالی ووڈ یا بولی ووڈ جیسی فلم انڈسٹری ہوتی تو آج اُن کے کرداوں پر کئی فلمیں بن چکی ہوتیں۔ سچ ہے پاکستان میں اپنے لوگوں کی قدر نہیں۔

جب میں نے یہ ناول لکھنا شروع کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے لکھنے کا انداز بالکل جناب اشتیاق احمد صاحب جیسا ہے۔ جس طرح وہ کہانی کو بیان کرتے ہیں بالکل اُسی طرح کا اسلوب میں نے بھی اختیار کیا ہے۔ میں اُن کی تحریر سے بے حد متاثر ہوں اور یقینی طور پر وہ میرے پسندیدہ ناول نگار ہیں۔

جو ناول آپ پڑھ رہے ہیں دراصل اس ناول کی بُنیاد 1999 میں رکھی تھی۔ پہلا ڈرافٹ صرف چالیس صفحوں پر مشتمل تھا اور کہانی کسی اسپیڈ ٹرین کی رفتار سے دوڑتی چلی گئی۔ لیکن بیس سال اس کہانی پر کام کرتے کرتے آج یہ کہانی کئی سو صفحوں تک پہنچ گئی ہے۔ میں کوئی پروفیشنل ناول نگار نہیں ہوں اور نا ہی کبھی کتاب لکھنے کے بارے میں سوچا۔ میں کیا جانوں کہ کتاب کس طرح لکھی جاتی ہے؟ مجھے تو شاعری سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہیں۔ اگر آپ کہانی پڑھ کر یہ کہیں کہ ناول نگار لکھنے میں تھوڑا کچا ہے تو غلط نا ہوگا۔ لیکن اگر آپ اجازت دیں تو میں دل سے یہ بات کہنا چاہوں گا اور سمجھانا چاہوں گا کہ دراصل میرے پاس کچھ خیال موجود تھے۔ میرے تصور میں کچھ کردار موجود تھے، جنھیں میں اکثر سوچتا رہتا تھا، بس ہمّت کر کے اُنہی کرداروں کو کتاب کی شکل میں بدل ڈالا اور آج آپ سب کے سامنے اپنے خیالوں کو ظاہر کر رہا ہوں۔ اس لیے اس کہانی کا نام میرے خیالوں.... رکھا گیا۔

آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہو کہ ان بائیس برسوں کے اندر میں اٹھارہ کے قریب ناول لکھ چکا ہوں اور آج تک ان ناولوں کو کسی نے نہیں پڑھا۔ اُس کی سب سے بڑی وجہ یہ رہی کہ کسی نے مجھے گھاس تک نہ ڈالی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ زمانہ اب انٹرنیٹ کا ہے۔ لوگوں کو کتابوں میں زیادہ دلچسپی نہیں رہی۔ سچ پوچھیے تو مجھے خُود کتابوں میں دلچسپی نہیں رہی۔ بھلا کہاں اب کسی کے پاس اتنا وقت ہے کہ کتاب پڑھ کر اپنا وقت برباد کرے۔ جب آپ آسانی کے ساتھ انٹرنیٹ پر کئی چیزوں کو جان سکتے ہیں تو پھر ایک ایک صفحہ پلٹنا زرا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ علی صاحب نے اس دور میں کتاب کو شائع کرنا کیوں ضروری سمجھا؟ بس یوں سمجھیے کہ میں اپنے ان ناولوں کو کتاب کی شکل میں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں تاکہ مرنے کے بعد کم از کم دُنیا اتنا تو کہہ سکے کہ موصوف کچھ کتابیں لکھ کر گئے ہیں۔

کہانی کا مرکزی کردار روحیل ہے۔ میں نے اپنے ہر ناول میں مرکزی کردار روحیل کو رکھا ہے، اُس کی سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ مجھے یہ نام بے حد پسند ہے، کئی دوست اور احباب مجھے روحیل ہی کہہ کر

پُکارتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ میں چاہتا ہوں کہ پڑھنے والے کو یہ بات شروع سے پتا ہو کہ مرکزی کردار کون ہے تا کہ پہلے صفحے سے ہی وہ روحیل کے حوالے سے ناول کو پڑھیں۔ ہماری کہانی کا یہ ہیرو جس کے پاس دُنیا جہاں کی ہر چیز موجود ہے، دھن دولت، گھر، گاڑیاں، کیا کچھ نہیں ہے اُس کے پاس لیکن محبت انسان کو دولت سے نہیں نصیب سے ملتی ہے۔اس سے زیادہ میں اس کہانی کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہوں گا۔کہانی صرف روحیل کی ہی نہیں بلکہ اُسکے ساتھ ساتھ جُڑے کئی کرداروں کی بھی ہے۔ ہر کردار کی اپنی ایک کہانی، اپنا ماضی اور اپنی زندگی ہے۔ یوں سمجھیے کہ میرے خیالوں ... میں آپ کو ایک خاندان کو دیکھنے کا اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔ یہ میرے اٹھارہ ناولوں میں سے سب سے پسندیدہ ناول ہے۔ میں جب کبھی اس ناول کو دوبارہ ڈرافٹ کرنے کی کوشش کرتا تو ہر بار میرے ذہن میں محترمہ حسینہ معین صاحبہ کا لکھا ہوا 'تنہایاں' میرے تصور میں آجاتا۔کیا ڈرامہ تھا! پی ٹی وی کا ایک اعلیٰ ترین شاہکار۔ جسے کوئی دیکھے تو بس دیکھتا چلا جائے۔جس طرح اُس ڈرامے میں بہنوں کا رشتہ آپس میں دکھایا ہے بلاشبہ ہمارے ٹیلی وژن تاریخ کا ایک نُمایاں شاہکار ہے۔ میرے خیالوں .... میں آپ کو کچھ اُسی انداز کا ماحول ملے گا۔ کہانی کا ہر کردار منفرد ہے اور اُمید ہے کہ آپ کو ہر کردار پسند آئے گا۔

ناول پڑھنا شروع کیجیے، تب تک میں ذرا کافی پی لوں جو کہ نجانے کب سے میرے انتظار میں پڑے پڑے ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ شکریہ

علی

یکم مارچ 2023

سعودی عرب

صحرا سنّاٹا......دُھول......دھوپ
اور کچھ بھی تو نہیں......!

میلوں دور پھیلا ہوا ایک ویران صحرا...... جہاں زندگی نہ موت......بس تنہائی...... ویرانی میں لپٹا ہوا یہ صحرا کسی کو زندگی دے بھی کیسے سکتا تھا...... جینے کی اُمنگ اور نہ ہی کوئی اُمید......بس......خوف کے اِس ریگستان میں...... وہ سفید لباس میں لپٹی......اپنے آپ میں گُم......کھوئی کھوئی سی......اپنی بانہوں میں الجھی ہوئی......اپنی ہی یادوں میں کھوی ہوئی......اپنے زخموں میں، اپنے درد میں زندگی کو تلاش کرتی ہوئی جھوم رہی تھی......اس کی زلفیں اُس کا پردہ تھیں جو اُس کے چہرے کو ڈھانپ رہی تھیں......اس کی بانہیں وہ واحد سہارا تھیں جن میں سما کر...... برستے ہوئے تیروں سے......وہ خود کو بچانا چاہتی تھی......وہ آسماں سے گرتے ہوئے نوکیلے پتھروں سے......اپنے وجود کو ڈھانپنا چاہتی تھی مگر یہ ممکن نہیں......جس طرح خواب......زمیں پر......آئینے کی طرح......ٹوٹ کے بکھر جاتے ہیں......کچھ اسی طرح وہ ٹوٹ کے بکھری تھی......محبت کا تو اُسے علم نہیں......مگر ہاں......اس نے نفرت کو بہت قریب سے دیکھا...... بہت قریب سے جانا تھا......انھیں نفرتوں کے صحرا میں......وہ ریت کے ذرّوں کو......اپنی بانہوں میں سما رہی تھی......اس کی حسین لمبی زلفیں......بادلوں کی طرح فضا میں لہرا رہی تھیں......اس کی گوری بانہیں جیسے ہوا میں بہہ رہی تھیں...... اُس کے بدن پر لپٹا سفید لباس اُس کے بدن پر جھوم رہا تھا......دھول اور ریت......اُسے چھو رہی تھیں......تنہائی اُسے اپنے اندر سمانا چاہتی تھی......اداسی اُسے اپنے ساتھ لے جانا

چاہتی تھی......ایک اندھیرا جو برسوں سے......اُسے اپنی طرف مائل کر رہا تھا......اسے اپنے اندر سمانا چاہتا تھا......مگر وہ......وہ مقابلہ کر رہی تھی جینے کے لیے......وہ مقابلہ کر رہی تھی......اپنی سانسوں کے لیے......مگر ایک کمسن نازک سی لڑکی......تنہا مقابلہ کرے بھی تو کیسے کرے؟......دُور دُور تک......کوئی نہیں جو اسے اِس ویرانے سے نکال سکے......کوئی نہیں جو اُسے سمجھ سکے......کوئی نہیں جو اُس کے درد کو جان سکے......وہ کس کرب میں تھی...... یہ وہی جانتی تھی......دُنیا سے اُسے کوئی شکایت نہ تھی......بس ایک التجا تھی......کہ جو حال دُنیا نے اُس کا کیا......اب کوئی پلٹ کر کبھی اُسے دیکھنے نہ آئے......کبھی کوئی پلٹ کر اس کی خیریت نہ معلوم کرے......کبھی کوئی اس کے پاس آ کر اُس کے زخموں پر مرہم نہ رکھے......وہ ڈرتی تھی کہ اُس کے زخموں کو کوئی دیکھ نہ لے......وہ اپنے درد میں تنہا جینا چاہتی تھی......وہ اپنے درد کو بخوبی جانتی تھی......اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں......اور کوئی نہیں......اور کوئی نہیں......!

''ہاہ!''

روحیل کی گھبرا کر آنکھ کھلی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

سانسیں تیز تھیں، دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، عجیب سا خواب دیکھا تھا اُس نے۔

اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی......کسی تاریک صحرا میں گم ہو گئی ہے اور وہ اُس کے لیے کچھ نہیں کر سکا......کچھ بھی نہیں......!

وہ اسپتال کے صوفے پر لیٹا تھا......بالکل تنہا......بوکھلا کر اس نے اپنے ہاتھوں پر بندی گھڑی کو دیکھا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس تنہائی اور خاموشی میں گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز......اُس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی......مگر ایک اور آواز......اُس کے کانوں تک آ رہی تھی......Beep کی آواز......جو بستر پر لیٹی مریضہ کی دھڑکن کی آواز تھی......وہ مریضہ کوئی اور نہیں اُس کی بیوی تھی...... جو اس لمحے......زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی!

روحیل نے اٹھ کر اپنا کالا کوٹ اتارا......اور اپنی ٹائی کو ڈھیلا کیا...... بھیانک خواب نے اسے......ابھی تک فکر مند کیا ہوا تھا......گہرا سانس لے اس نے خدا کا شکر ادا کیا......کہ جو اس نے دیکھا وہ صرف ایک خواب ہی تو تھا......مگر حقیقت سے سے بہت قریب......حد سے زیادہ قریب......اسی کیفیت میں اس نے کچھ پل بتا دیے......یہی کچھ سوچتے ہوئے اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھایا......اور گلاس اپنے لبوں سے لگا لیا......دو گھونٹ پانی پیا......تو اُس کے کھوئے ہوئے اوسان...... واپس آنے لگے...... گہرا سانس لے کر اُس نے اپنا سر صوفے سے لگا یا...... کچھ پل کے لیے آنکھیں بند کر لیں......تھکن سے اس کا برا حال تھا......وہ سونا چاہتا تھا۔ تھوڑی سی سکون بھری نیند، اس سے زیادہ

اُس کی خواہش نہیں تھی......مگر وہ سو نہ سکا......وہ اپنی بیوی کو اس حال میں......تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

ایک بار پھر......اس نے اپنی آنکھیں کھولیں......اور اپنے سیدھے ہاتھ پر بندے چاندی کے بریسلیٹ کو دیکھنے لگا......ایک خوبصورت بریسلیٹ جو کسی اور نے نہیں اس کی بیوی نے اُسے پہنایا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک اداس مسکراہٹ آ گئی......اس نے نظر اٹھا کر اپنی بیوی کو دیکھا......جو اسپتال کے بستر پر بے سدھ پڑی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔

روحیل اُسے دیکھتا رہ گیا......اُسے اُس کا حسین چہرا نظر آیا......بہت حسین تھی اس کی بیوی......اس کا حسن دیکھنے والا تھا......لبوں پر مسکراہٹ......جھیل جیسی آنکھیں......اُس کا چہرا دیکھ کر اسے دنیا بھر کا سکوں ملتا تھا......مگر......آج اس چہرے پر......تکلیف تھی......کرب تھا......دکھ تھا......لبوں پر آکسیجن ماسک تھا......اور اسی کرب اور درد میں......وہ گہری نیند سو رہی تھی......نجانے کب سے......!

روحیل اپنی جگہ سے اٹھا......بوجھل قدموں سے چلتا ہوا اُس کے پاس آیا......وہ سکون سے آنکھیں بند کیے ایک ایسی جنگ میں شامل تھی جہاں وہ اکیلی لڑ رہی تھی......وہ اسے تکنے کے سوا کیا کر سکتا تھا......کچھ بھی تو نہیں......وہ اُس کا چہرا دیکھتا گیا......دیکھتا گیا......دیکھتا چلا گیا......اُسے یاد آیا کہ کس طرح اس کمزور سی لڑکی نے......اس کی دنیا بدل کر رکھ دی تھی......کیسے اس نے اُس کے جیون میں قدم رکھا......اور ایک دوست سے بڑھ کر وہ اس کی جیون ساتھی بنی......مگر جن اندھیروں میں وہ گھری ہوئی تھی......کوئی دیا اُس اندھیرے کو روشن نہ کر سکا۔

روحیل اُس کا چہرا دیکھتا رہا اور اپنے ماضی میں ڈوبنے لگا۔

اُسے پرانی یادوں نے آن گھیرا......!

☆......☆

رات سرد تھی۔ کراچی سویا ہوا تھا۔قریب قریب رات کے تین بج رہے ہوں گے۔ بھلے مانس اشرف صاحب اپنی زوجہ کے ہمراہ خواب گاہ میں نیند کے آغوش میں تھے۔ درمیانے قد کے اشرف صاحب صورت سے ہی شریف اور اصول پسند نظر آتے تھے۔ ہونٹوں پر گہری کالی مونچھیں، سانولا رنگ اور آنکھوں پر نظر کا بڑا چشمہ، ماتھے سے بال کب کے رخصت ہو چکے تھے مگر انھیں اس بات سے کوئی مسئلہ نہ تھا، کیوں کہ ان کے ساتھ اُن کی جیون ساتھی تہمینہ بیگم جو موجود تھیں، اُن کا سب سے بڑا سہارا......! جن سے اُن کی شادی کو قریب بیس سال گزر چکے تھے۔تہمینہ بیگم نہ صرف اُن کی زوجہ تھیں بلکہ ایک دوست بھی تھیں، جنھوں نے اشرف صاحب کا ہر مشکل گھڑی میں ساتھ دیا تھا۔ان کے ہاں اولاد نہیں تھی لیکن اولاد کی کمی نے اُن کی محبت میں کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔

اِس گہرے سنّاٹے اور تاریک رات میں کسی نے اُن کے گھر کے مرکزی دروازے پر دستک دی۔

پہلے تو اشرف صاحب نے اسے اپنا وہم سمجھا لیکن جب دستک دوبارہ ہوئی تو وہ چونک کر اُٹھے۔

’’یہ کون آ گیا اس وقت؟‘‘

انھوں نے گھبرا کر خود کلامی کی اور سائڈ میز پر رکھا ہوا کلاک پیس دیکھا۔رات کے تین بج رہے تھے۔

’’تہمینہ!......تہمینہ! اٹھو۔‘‘

اشرف صاحب نے گھبرا کر اپنی بیگم کو اٹھایا۔

’’کیا ہوا؟‘‘

تہمینہ بیگم نے نیند میں پوچھا۔

درمیانا قد، چہرے پر معصومیت اور کندھوں تک بال......تہمینہ بیگم ایک ماڈرن خاتون تھیں اور لوگ انھیں ان کے اچھے اخلاق کی وجہ سے بہت پسند کیا کرتے تھے۔ انھوں نے نیند میں اپنے شوہر سے سوال کیا ہی تھا کہ پھر دستک ہوئی اور وہ بھی چونک اٹھیں۔

''یہ...... یہ رات کے تین بجے کون آ گیا ہے؟'' تہمینہ بیگم نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے تو ڈاکو لگ رہے ہیں۔'' اشرف صاحب نے گھبرا کر کہا۔

''اشرف! ڈاکو دستک دے کر آتے ہیں؟'' تہمینہ بیگم نے انھیں گھورا۔

''اتنی رات گئے کون آسکتا ہے؟''

اشرف صاحب نے ڈر کر پوچھا۔

''ڈریں نہیں، ہمّت کریں جا کر دیکھیں۔''

تہمینہ بیگم نے انھیں دھکا دیا۔

''تم بھی ساتھ چلو۔'' اشرف صاحب نے ڈر کر کہا۔

''اشرف! آپ دیکھ آئیں نا، رات کو عورت دروازے پر جاتی ہوئی اچھی لگے گی کیا؟'' تہمینہ بیگم نے جھلاّ کر کہا۔

''ہاں یہ بات بھی صحیح کہی تم نے۔''

اشرف صاحب بڑبڑائے۔

اسی وقت ایک بار پھر ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''جائیں اشرف! دیکھیں بھی کون ہے؟'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

''ہاں میں جاتا ہوں......مگر!'' اشرف صاحب کہتے کہتے رُک گئے۔

''مگر کیا؟'' انھوں نے تنگ آ کر پوچھا۔

''تم بھی چلونا۔'' اشرف صاحب نے گھبرا کر پھر سے اپنی بات کہی۔

''اچھا بابا! میں بھی چلتی ہوں، چلیے۔''

تہمینہ بیگم نے تنگ آ کر کہا اور دونوں میاں بیوی بستر سے اٹھے۔

اشرف صاحب نے اپنا کُرتا شلوار درست کیا۔

جلد ہی وہ سیڑھیاں اتر کر مرکزی دروازے کی طرف جا رہے تھے۔

دستک مستقل ہو رہی تھی۔

''رُکیے! میں دیکھتی ہوں۔''

تہمینہ بیگم نے آگے بڑھ کر کہا اور دروازے کے Eye-Hole سے جھانکا۔

انھیں ایک لڑکی نظر آئی۔

تہمینہ بیگم چونک گئیں۔

''کیا ہوا تہمینہ! کون ہے؟''

اشرف صاحب نے پریشان ہوکر پوچھا مگر تہمینہ بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ کھولنے لگیں۔

اب جو انھوں نے دروازہ کھولا تو اُن کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا۔ ان کے سامنے اُن کی بھانجی زارا موجود تھی۔ زارا کی چھوٹی بہن ثمینہ بھی اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ البتہ منجھلی بہن، سمیرا بے حس و حرکت فٹ پاتھ پر بیٹھی تھی۔ جیسے اُس کی روح نجانے کب سے اُس کا ساتھ چھوڑ کر اس جہاں سے رخصت ہوگئی ہو۔

''زارا!......تم......اس وقت؟'' تہمینہ بیگم حیران رہ گئیں۔

''آنی!''

زارا تڑپ کر رو پڑی اور تہمینہ بیگم کے گلے لگ گئی۔

چھوٹی ثمینہ نے بھی دیر نہ کی اور اُن کی بانہوں میں آ گئی۔

''زارا! ثمینہ! کیا ہوا میری جان؟ تم لوگ یہاں کراچی میں، اِس وقت اور اس حال میں؟''

تہمینہ بیگم حیرت کے عالم میں پوچھنے لگیں لیکن بچیاں مستقل روئے جا رہی تھیں۔

اشرف صاحب بھی پریشان ہو کر بیگم کی بھانجیوں کو تکنے لگے۔

اسی وقت اُن کی نظر سمیرا پر پڑی جو بے جان سی فٹ پاتھ پر بیٹھی تھی۔ اُسے یہ احساس تک نہ تھا کو اس کی آنی دروازے پر موجود ہیں، وہ وہیں تنہا اکیلی بیٹھی رہی......جیسے اسے کچھ سنائی ہی نہ دیا ہو۔

☆......☆

صبح ہونے والی تھی۔ سورج اپنی روشنی سے کراچی کو روشن کر رہا تھا۔ ایسے میں آصف جاگ کر انگڑائی لینے لگا۔ بتیس سال کا یہ نوجوان اپنی بہن نتاشہ کے ساتھ گھر کا اکلوتا بیٹا تھا۔ آصف کا کمرا صاف ستھرا اور ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اس کی والدہ کئی بار اُس کے کمرے میں آ کر اپنی پسند کا کچھ کرنے کی کوشش کرتیں، مگر آصف انھیں کسی چیز کو چھونے نہیں دیتا تھا، وہ اپنے کام خود کرنے کا عادی تھا۔ آصف کی اس ضدی عادت سے شفیق صاحب اور شکیلہ بیگم اکثر پریشان رہتے، وجہ یہ تھی کہ وہ کسی کی نہیں سُنتا تھا اس لیے کسی کو اُس کے معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں تھی۔

وہ بہت وجیہہ اور خوبصورت تھا۔ کتابی چہرہ، بڑھی ہوئی داڑھی، چھ فٹ قد اور اس کے گورے رنگ پر

کئی لڑکیاں فدا ہوتی تھیں، مگر آصف کو لڑکیوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جناب ابھی تک کنوارے تھے۔

آصف اٹھا اور برا سا منہ بنا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے مگر اسے کوئی جلد بازی نہیں تھی، اُسے کہیں نہیں جانا تھا، وجہ یہ تھی کہ جناب نوکری نہیں کرتے تھے۔ ایسا نہیں کہ وہ ہڈحرام طبیعت کا مالک تھا، بس اُسے ضد تھی اپنی پسند کی نوکری تلاش کرنے کی۔ آصف نے ایم بی اے کیا ہوا تھا اور اسے کئی اچھی نوکریوں کی آفرز آ چکی تھیں لیکن آصف اپنی طبیعت کی وجہ سے زیادہ دیر کسی نوکری پر نہیں ٹک پاتا تھا۔ دفتروں کی سیاست سے اُسے سخت نفرت تھی۔

اُس کے والد شفیق صاحب کی کئی کپڑے کی فیکٹریاں تھیں جن سے آمدنی ٹھیک ٹھاک ہو جاتی۔ پیسے کی فراوانی میں آصف کے اوپر کوئی خاص پریشر نہیں تھا۔ وہ زیادہ تر وقت گھر پر گزارتا اور گھر کو صحیح رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ آصف کے تو دوست بھی گنے چُنے تھے۔

کالی ٹی شرٹ اور سُرمئی ٹراؤزر پہنے وہ آنکھوں کو ملتا ہوا نیچے اُترا تو اپنی ماں شکیلہ بیگم کو امریکن کچن میں ناشتہ تیار کرتے ہوئے دیکھا۔

گورا چہرا، بال بندے ہوئے، لمبا قد اور پُروقار شخصیت...... اپنی ماں کو دیکھ کر آصف کو ہمیشہ سکون محسوس ملتا تھا۔ اُسے اپنی والدہ سے بے پناہ محبت تھی۔ کچن میں کھانے کی میز پر اس وقت اس کی چھوٹی بہن نتاشہ موجود تھی جو مزے سے ناشتہ کر رہی تھی۔

قریب ایک سو دس کلو کی یہ سولہ سال کی بچّی انتہائی معصوم اور پیاری تھی۔

نتاشہ کو کھانے سے ایک الگ ہی لگاؤ تھا۔

”گڈ مارننگ امّی!“ آصف نے نیچے آتے ہوئے کہا۔

”گڈ مارننگ! ہو گئی صبح آپ کی؟“ شکیلہ بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔

”آج تو پھر جلدی اٹھ گیا امّی! رات کو نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔“

آصف نے کُرسی کھینچی اور نتاشہ کے پاس بیٹھ گیا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ شکیلہ بیگم نے ناشتہ بناتے ہوئے پوچھا۔

”پتا نہیں امی! بس رات کو ایسا فریش ہوتا ہوں کے آپ مجھ سے اولمپکس میں مقابلے کروا لیں۔“ آصف نے منہ بنا کر بتایا۔

”آپ اولمپکس میں جاؤ گے تو کانسی کا تمغہ بھی نہیں ملے گا...... ہاہاہا۔“ نتاشہ ہنسنے لگی۔

”ویری فنی!“ آصف نے اُس کے سر پر ہاتھ مارا اور ٹوسٹ اٹھا لیا۔

''بھائی جان! یہ میرا ہے۔'' نتاشا رونے والی ہوگئی۔

''موٹی کھا کھا کے پھولے جا رہی ہے، وزن کم کرنا ہے یا نہیں؟''

آصف نے اپنی گول مٹول بہن کو چھیڑا۔

''امّی! دیکھیں بھائی جان بدتمیزی کر رہے ہیں۔'' نتاشہ نے پلٹ کر اپنی ماں سے شکایت کی۔

''کیوں تنگ کر رہے ہو آصف؟'' شکیلہ بیگم نے آملیٹ لا کر آصف کے سامنے رکھا۔

''اس کو تنگ کرنے میں مزہ ہی اتنا آتا ہے۔'' آصف نے نتاشہ کے گال کھینچے۔

''آہ! میرا گال......'' نتاشہ نے چڑ کر اپنا گال پکڑ کے کہا۔

''آصف کھانے دو اُسے اور جاؤ باہر لان سے اخبار لے آؤ۔'' شکیلہ بیگم نے اُسے ڈانٹا۔

''یہ اخبار والا لان میں ہی اخبار پھینک کر کیوں جاتا ہے؟ سارے سیاست دان گیلے ہو جاتے ہیں۔'' آصف نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہے نا، ایسے ہی شاید شرم سے پانی پانی ہو جائیں۔'' شکیلہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''واہ امّی! آج کی بہترین بات آپ نے ابھی کر دی۔'' آصف نے ہنس کر کہا۔

''باتیں کم کرو اور جاؤ اخبار لے کر آؤ۔'' شکیلہ بیگم نے ناشتہ بناتے ہوتے کہا۔

''اوکے امّی۔'' آصف کے منھ سے نکلا پھر پلٹ کر نتاشہ سے مخاطب ہوا:

''موٹی! میرا آملیٹ نہیں کھانا۔''

''جائیں جائیں! مجھے آپ کے آملیٹ میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔'' نتاشہ نے منھ بنا کر کہا۔

"Now that's like a good girl..."

یہ کہ کر آصف باہر کی طرف چلا گیا۔ مرکزی دروازہ کھول کر باہر نکلا تو ٹھنڈی صبح میں ہلکی سی دھوپ آصف کو لبھانے لگی۔ وہ مسکرا کر اپنا پیارا محلہ دیکھنے لگا۔ کراچی میں یہ ایک پیاری سی کالونی تھی جہاں سب کے گھر ایک جیسے بنے ہوئے تھے۔ سب محلے والوں کے لان بھی آپس میں ملے ہوئے تھے۔ پیاری سی سڑک تھی اور سڑک کے اُس پار اسی طرح کے گھروں کا سلسلہ تھا۔ اس نے دیکھا کئی بچّے اس کول جا رہے تھے تو کئی لوگ اپنی اپنی نوکریوں کے لیے نکل رہے تھے۔

وہ مسکرا کر اپنا محلّہ دیکھنے لگا۔ قُدرتی مناظر کو دیکھ کر اُسے خوشی ملتی تھی۔

وہ چلتا ہوا لان کی طرف آیا اور اخبار اُٹھانے لگا۔ اُس کا شک صحیح ثابت ہوا، اخبار آدھا گیلا ہو چکا تھا۔

''شٹ!''

آصف کے منھ سے نکلا اور وہ اخبار کو کھول کر سُکھانے کی کوشش کرنے لگا۔

اسی وقت اس کی نظر برابر والے گھر پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ برابر والے گھر کی بالکونی میں ایک لڑکی اپنے بال سکھا رہی ہے۔

لمبے قد کی خوبصورت لڑکی اپنی زلفوں کو سکھانے میں مصروف تھی۔

آصف نے ایک نظر اُس لڑکی کو دیکھا اور اخبار لے کر واپس اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

''امّی! کچھ دیکھا آپ نے؟'' آصف نے اندر آتے ہوئے کہا۔

''ہاں دیکھا، ہمیں نیا فرائی پین لینا پڑے گا۔'' شکیلہ بیگم نے فرائی پین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''امی! میں مذق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' آصف نے جھلا کے کہا۔

''تو میں نے کیا مذاق کیا؟'' شکیلہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''میں باہر کی بات کر رہا ہوں۔'' آصف نے منھ بنا کر کہا۔

''ارے بابا! میں کچن میں ہوں تو باہر کیسے دیکھوں گی؟''

شکیلہ بیگم نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں یہ بھی ہے۔'' آصف بڑبڑایا۔

''پر ہوا کیا؟'' انھوں نے پوچھا۔

''امی! آپ کو یاد ہے، میں نے آپ کو تین لڑکیوں کے بارے میں بتایا تھا؟ پچھلے تین مہینے سے کچھ لڑکیاں اشرف صاحب کے گھر میں نظر آ رہی ہیں؟ وہ تین لڑکیاں ابھی بھی اشرف صاحب کے گھر پر موجود ہیں۔ ابھی دیکھا ہے میں نے، اُن میں سے ایک بالکونی میں اپنے بال سکھا رہی تھی۔''

آصف نے جل کر بتایا۔

''اب بے چاری بالکونی میں بال نہیں سکھائے گی تو کہاں سکھائے گی؟''

شکیلہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''امی! اشرف صاحب ہمارے گھر پر کرائے دار ہیں اور ماہانہ کرایہ دیتے ہیں۔ کانٹریکٹ کے مطابق اشرف صاحب اپنا گھر کسی اور کو کرائے پر نہیں دے سکتے تو پھر کیسے انھوں نے تین لڑکیوں کو اپنے گھر ٹھہرا لیا؟ یہ تو کانٹریکٹ کی خلاف ورزی ہے۔'' آصف نے پُرزور انداز میں کہا۔

''بھیا شرف بھائی تو ہمیں کرایہ دے رہیں ہے نا؟ تو پھر کیا مسئلہ ہے؟''

شکیلہ بیگم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی امّی! ہمارا گھر صرف اُن میاں بیوی کے لیے ہے، ایسا تو نہیں ہوسکتا نا کہ وہ اپنا پورا خاندان

ٹھہرا لیں؟''

آصف نے اپنی والدہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جب پُورا خاندان آئے گا تب دیکھا جائے گا فی الحال تم اپنا ناشتہ کرو۔''

شکیلہ بیگم نے اس کی بات کو نظر انداز کیا اور آصف نے منھ بنا کر اپنی پلیٹ کی طرف دیکھا تو اُچھل پڑا۔

''ارے! میرا آملیٹ کہاں گیا؟

اس نے بوکھلا کر پوچھا اور نتاشہ کو گھورا۔

نتاشہ ہنستے ہوئے آملیٹ کا آخری نوالہ کھا رہی تھی۔

☆......☆

''سانوں! نہر والے پُل تے بُلا کے او سانوں نہر والے پُل تے بلُلا کے سوہنا ماہی کتھے رہ گیا......او سانوں نہر والے پُل تے بُلا کے او سانوں! او سانوں......!''

اشرف صاحب کا نوکر نزرل زور زور سے گانا گاتے ہوئے گھر کی صفائی میں مصروف تھا۔ ویسے تو نزرل کی عمر پچاس سے زیادہ تھی لیکن گانے کے معاملے میں وہ ایک دم بچّہ بن جاتا۔ کریم کلر کا کُرتا شلوار، ویسٹ کوٹ پہنے نزرل اپنی دُنیا میں مگن رہتا تھا۔ سر اور موچھوں کے بال سفید تھے اور جناب کو موسیقی سے کافی لگاؤ تھا۔ ایسے میں کسی نے چُپکے سے مرکزی دروازہ کھولا اور اندر جھانکا۔ لمبا، خوش شکل، گھنی موچھیں اور چہرے پر چھائی مستی۔ کوثر، اشرف صاحب کا اکلوتا بھتیجا تھا۔ اس کی عمر لگ بھگ چالیس سال کی تھی مگر جناب کو شادی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''ہائے ہائے نزرل!......اتنا ظلم مت کر! پیارا گانا برباد مت کر!''

کوثر نے اپنا سر پیٹ کر کہا۔

''کوثر صاب! آپ کو ہمارا گانا بُرا لگا؟'' نزرل نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا۔

''نہیں میرے پیارے! تیری سُریلی آواز سن کر تو فرشتے بھی دوڑ کر آجاتے ہیں۔ میرا بُرا لگنا کس کھیت کی مولی ہے، میں تو صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ کچھ میڈم نُور جہاں کا تو خیال کرلو، کہاں میڈم اور کہاں تم؟'' کوثر کہتا چلا گیا۔

''کوثر صاحب! آپ کو تو پتا ہے کہ میڈم نور جہاں کی آواز مجھے کس قدر پسند ہے۔ ہائے ہائے کیا حسین گانے ہوتے تھے اُن کے۔''

نزرل نے میڈم نور جہاں کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ حسین گانوں کو کیوں چھیڑ رہے ہو، ایسے ہی رہنے دو!''

کوثر نے مستی میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

''جناب! میڈم تو زندہ ہی اپنے گانوں میں ہیں، اگر گانے نہ گاؤں تو میڈم کو سب بھول جائیں گے نا۔'' نزرل نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''اوہ! ہاں یہ بات تو ہے، چلو! پھر شروع ہو جاؤ۔''

کوثر نے خوش ہو کر کہا اور نزرل نے گانا شروع کیا۔

''لٹ الجھی سُلجھا جا رے بالم میں نا لگاوں گی ہاتھ رے......!''

''نزرل!''

ایسے میں اشرف صاحب نے نیچے آتے ہوئے نزرل کو ڈانٹا۔

''تمھاری اس الجھی لٹ پر اگر میری لت چل گئی نا تو تمھاری نوکری گئی۔''

''معافی صاحب جی۔'' نزرل نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔

''اتنا زور زور سے گانا کون گاتا ہے بھائی؟'' اشرف صاحب نے جھنجلا کر پوچھا اور کوثر کے پاس بیٹھے جو کہ ہنسے جا رہا تھا۔

''کیا کروں صاب جی! اب تفریح کے لیے کچھ تو انسان کرے گا نا۔ سارا سارا دن ثمینہ بٹیا ٹی وی کے سامنے رہتی ہیں، اب یہ بوڑھا کہیں تو دل لگائے گا ناں۔''

نزرل نے منھ بنا کر کہا۔

''چلو اب تمھاری پریشانی ختم، سمیرا اور ثمینہ کا ویسے ہی بی کام میں ایڈمشن ہو گیا ہے اور آج اُن کا پہلا دن ہے۔ اب تم آرام سے ٹی وی دیکھ سکتے ہو۔'' اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''اسی خوشی میں تو گانے زیادہ آ رہے ہیں کہ دونوں بچیوں کا داخلہ ہو گیا۔''

نزرل نے خوش ہو کر کہا۔

''چلو ثمینہ تو ناک میں دم رکھتی ہے لیکن سمیرا کے جانے پر کیوں خوش ہو رہے ہو؟ اُس نے کیا بگاڑا ہے تمھارا؟'' کوثر نے الجھ کر پوچھا۔

''سمیرا بی بی کو تو اللہ ہی پوچھے، نہ وہ کسی سے بات کرتی ہیں نہ کچھ کہتی ہیں، بالکل اللہ میاں کی گائے ہیں۔'' نزرل نے کہا۔

''یہ تو ہے، سمیرا بہت معصوم ہے۔'' کوثر نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن ثمینہ بی بی توبہ توبہ توبہ!''

نزرل کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہہ ہی رہا تھا کہ اچانک اکیس سال کی خوبصورت لڑکی منہ بناتے ہوئے اُس کے پیچھے نمودار ہوئی۔ ثمینہ نے اس وقت کالج یونیفورم پہنا ہوا تھا اور بال باندھے ہوئے تھے لیکن اُس کا حُسن سادے سے یونیفارم میں بھی جھلک رہا تھا۔ گورا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں اور لمبے بال۔ ثمینہ کا حُسن دیکھنے والا تھا۔

''نزرل بابا! حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور نزرل بری طرح اچھلا۔

''بب...... بب ثمینہ بی بی آپ؟'' وہ گھبرا کر بولا۔

''جج جی میں!...... اور کیا شکائتیں کر رہے ہیں آپ میری خالو جان سے؟''

ثمینہ نے آنکھیں نکالیں۔

''ثمینہ بی بی! میری کیا اوقات کہ میں کسی سے کوئی شکایت کروں۔''

نزرل نے دانت نکالے۔

''بس بس! سب پتا ہے مجھے کہ کیا چل رہا ہے۔ اس گھر میں خوشیاں منائی جارہی ہیں کہ ثمینہ سے جان چھوٹی۔''

ثمینہ نے چڑ کر کہا اور خالو کے پاس جا بیٹھی۔

''صرف پانچ گھنٹے کے لیے۔'' اشرف صاحب نے منہ بنا کر کہا۔

''پانچ گھنٹے کم ہوتے ہیں کیا خالو جان؟'' ثمینہ نے انھیں گھورا۔

''بالکل نہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہمیں اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔'' کوثر نے پُرزور انداز میں کہا۔

''یہ بات! دیں تالی کوثر بھائی!'' ثمینہ نے کوثر کے ہاتھ پر تالی ماری۔

''ایک تو تم لوگ ایک ساتھ ہو کر میری ٹانگ کھینچتے ہو۔''

اشرف صاحب نے سر پکڑ کر کہا۔

''نہیں کھینچے گے۔ آپ بس آج مجھے کلاس میں نہ بھیجیں، پلیز!'' ثمینہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''بیٹا! کلاس میں جاؤ گی، پڑھو گی تو اچھا رہے گا نا؟''

اشرف صاحب نے اُسے سمجھایا۔

''مجھے نہیں پڑھنا وڑھنا!'' ثمینہ نے منہ بنا کر کہا اور ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئی۔

''اف میرے خدا، یہ لڑکی میرے ہاتھ نہیں آنے والی، جاؤ اپنی آنی کو آواز دو، تمھیں ویسے ہی دیر ہو رہی ہے کالج کے لیے۔''

اشرف صاحب نے سر پکڑ کر کہا۔

''او کے!'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا اور سیڑھیوں کے پاس جا کر اپنی آنی کو آواز دی۔

''آنی! سمیرا باجی! آ جایئے نیچے۔''

تہمینہ بیگم نے ثمینہ کی آواز سنی تو بالوں میں پونی باندھتی ہوئی نیچے کی طرف چل دیں۔ ایسے میں اُن کی نظر زارا پر پڑی جو بالکونی میں اپنے بال سکھا رہی تھی۔ زارا ثمینہ اور سمیرا کی سب سے بڑی بہن تھی۔ چھبیس سال کی خوبصورت زارا، گورا رنگ، خوبصورت جسامت اور بہنوں میں سب سے زیادہ بہادر اور مضبوط۔ یہ زارا کا ہی کمال تھا کہ وہ اپنی چھوٹی بہنوں کو لاہور سے کراچی اپنی آنی کے پاس لے آئی تھی۔

تہمینہ بیگم زارا کو دیکھ کر مسکرائیں اور کہنے لگیں:

''ماشاءاللہ کیا حسن آیا ہے آپ پر، دیکھنا کتنی گاڑیاں رکی ہیں باہر؟''

انھوں نے زارا کو چھیڑا۔

''آنی آپ بھی نا!'' زارا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بھئی خدا حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔''

تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''نہ حسن ہے اور نہ ہی نزاکت۔ بلکہ آپ اتنا کھلا پلا رہی ہیں کہ میں موٹی ہو رہی ہوں۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''کوئی موٹی نہیں ہو رہیں، اتنی پیاری ہو رہی ہو۔ کسی کی نظر نہ لگے بس۔''

تہمینہ بیگم نے زارا کو پیار کیا۔

''آپ کی محبت ہے آنی! جو ہم بے سہارا بہنوں کو رہنے کے لیے چھت دی۔''

زارا نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''خبردار! جو آج کے بعد یہ بات کہی۔ میں خالہ ہوں تمھاری کوئی پرائی تو نہیں۔ خالہ ماں جیسی ہوتی ہے، یہ گھر جتنا میرا اور اشرف کا ہے اُتنا ہی تم تینوں کا بھی ہے۔'' انھوں نے پیار سے اُسے سمجھایا اور زارا مسکرانے لگی۔

''ابھی بہت سے کام کرنے ہیں، تم لوگوں کی شادیاں کرنی ہیں، پھر تین تین دامادوں کو بھی جھیلنا ہے، ہائے! میں اکیلی کیا کیا کروں گی۔''

انھوں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آنی۔'' زارا نے شرما کر کہا۔

”ارے! تو کیا غلط کہہ رہی ہوں، بھی یہ حسن کسی نہ کسی پر تو بجلی بن کر گرے گا ناں، کوئی تو ہوگا جو دیوانہ ہوگا۔“ تہمینہ بیگم نے اُسے چھیڑا اور زارا ہنسنے لگی۔

ایسے میں ثمینہ کے چلّانے کی آواز پھر آئی۔

”آنی! آپی! سمیرا باجی!“

”یہ لیں! سنبھال لیں پہلے ثمینہ کو۔ پھر کوئی کام کے بارے میں سوچیے گا۔“ زارا نے منھ بنا کر کہا۔

”ثمینہ کو سنبھالنا تو واقعی میرے بس میں بھی نہیں۔ ویسے سمیرا کہاں ہے؟“

تہمینہ بیگم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”اپنے کمرے میں۔“ زارا نے مسکرا کر جواب دیا۔

”چلو تم نیچے جاؤ، میں سمیرا کو لے کر آتی ہوں۔“

تہمینہ بیگم نے پیار سے یہ جملے کہے اور زارا سر ہلا کر نچلی منزل کی طرف چلی گئی۔

تہمینہ بیگم نے اپنے قدم سمیرا کے کمرے کی طرف بڑھا دیے۔

☆......☆

”آج ہمارے کالج کا پہلا دن ہے، آنی کہتی ہیں کے مستقبل کے لیے پڑھائی بہت ضروری ہے۔

نئی زندگی، نئے دوست بنیں گے، زندگی کی مٹھاس کو محسوس کرسکو گی لیکن جس کی زندگی سے مٹھاس کو نوچ لیا گیا ہو، جس کے دل میں زہر کو بھر دیا گیا ہو، اُسے زندگی کی مٹھاس کہاں محسوس ہوگی؟ جب زندگی میں کوئی رنگ نہ ہو تو ہر رنگ بے معنی لگتا ہے۔“

سمیرا دنیا سے بے خبر بیٹھی اپنی ڈائری لکھ رہی تھی۔

یونیفارم پہنے ہوئے وہ کالج جانے کے لیے بالکل تیار تھی لیکن جانے سے پہلے اس نے اپنی ڈائری میں محو ہو کر یہ سب کچھ لکھنا شروع کر دیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں موتی جیسے آنسو ٹکے تھے۔ گلابی ہونٹ، گوری رنگت، لمبا قد، لمبے بال اور خوبصورت جسم۔ سمیرا قدرت کا جیتا جاگتا کرشمہ تھی۔ ایسے میں تہمینہ بیگم نے دھیرے سے دروازے پر دستک دی۔

”سمیرا بیٹے؟ اندر آؤں؟“

تہمینہ بیگم کو کوئی جواب نہ ملا، وہ سمیرا کی طبیعت سے پُوری طرح واقف تھیں، اس لیے مسکرا کر دروازہ کھول دیا۔ انھوں نے دیکھا۔ سمیرا بستر پر بیٹھی ہوئی ڈائری لکھ رہی تھی۔ تہمینہ بیگم نے اپنی بچّی کو پیار سے

دیکھا۔ سمیرا اس قدر محو ہو کر ڈائری لکھ رہی تھی کہ اُسے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ تہمینہ بیگم کمرے میں موجود ہیں۔

''سمیرا؟''

تہمینہ بیگم نے پیار سے آواز دی اور سمیرا بری طرح اچھل پڑی۔

''ارے ڈرو مت! میرا مقصد تمھیں ڈرانا نہیں تھا۔''

تہمینہ بیگم نے ہنس کر کہا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''کر لی اپنی اس دوست ڈائری سے باتیں؟''

تہمینہ بیگم نے مسکرا کر پوچھا اور سمیرا مسکرا کر ڈائری بیگ میں رکھنے لگی۔

''کیا لکھتی رہتی ہو اس میں؟'' انھوں نے ہنس کر پوچھا۔

''کچھ نہیں آنی! بس اِدھر اُدھر کی باتیں۔''

سمیرا نے اپنی سُریلی آواز میں جواب دیا اور بیگ کی زپ بند کی۔

''ہم...... اس کا مطلب ہے کہ آنی تمھاری بیسٹ فرینڈ نہیں ہے، جن سے تم دل کی باتیں نہیں کہتیں۔'' تہمینہ بیگم نے جھوٹی موٹی ناراضی ظاہر کی۔

''نہیں آنی! ایسا مت سوچیں آپ ہمارے لیے کیا ہیں، ہم بیان بھی نہیں کر سکتے۔'' سمیرا نے پریشان ہو کر کہا۔

''ارے میری جان! مذاق کر رہی ہوں۔ تم پریشان مت ہو جایا کرو۔''

تہمینہ بیگم نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور سمیرا سر جھکا گئی۔ انھوں نے پیار سے اُس کا چہرا تھاما اور کہنے لگیں: ''سمیرا بیٹا! سنبھالو اپنے آپ کو جو ہو گیا اُسے بُرا خواب سمجھ کر بھول جاؤ، اب آگے کی طرف دیکھو...... دیکھو نہ اللہ نے کتنا پیارا گھر دیا ہے تم لوگوں کو، ثمینہ کا مستقبل کتنا اچھا ہو گیا ہے، اب تمھیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں میری جان! اب تو گھر بسانے ہیں تم لوگوں کے۔''

اُن کی بات سُن کر سمیرا نے اُن کا چہرا دیکھا اور سر جھکا کر کہنے لگی۔

''آنی! آپ کے اور خالو جان کے بہت احسان ہیں ہم پر...... ورنہ ہم کہاں جاتے کس کے در پر دستک دیتے؟ آپ نے ہمیں چھت دی اس کا احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے...... لیکن پلیز یہ گھر بسانے والی بات کر کے میرا دل چھلنی مت کیا کریں، میں سب کچھ سہہ سکتی ہوں لیکن یہ باتیں نہیں......''

یہ کہتے ہوئے سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

''اچھا اچھا...... بس شش۔''

تہمینہ بیگم نے اُسے گلے سے لگایا اور سمیرا رونے لگی۔

''ٹھیک ہے نہیں کروں گی اب ایسی کوئی بات، میں تو بس ایسے ہی کہہ رہی تھی۔ میرا تمھارا دل دکھانے کا بالکل مقصد نہیں تھا میرا بچّہ!''

تہمینہ بیگم نے گھبرا کر کہا اور سمیرا آنسو پونچھنے لگی۔

''چلو، آج تمھارے کالج کا پہلا دن ہے۔ اچھے سے جاؤ اور دل لگا کر پڑھو۔ پڑھائی میں تو دل لگتا ہے نا؟''

اُنھوں نے بات کو بدلتے ہوئے کہا اور سمیرا سر ہلانے لگی۔

''آؤ نیچے چلیں، اس سے پہلے کہ ثمینہ چلّا چلّا کر گھر اُٹھا دے۔''

تہمینہ بیگم کی بات سُن کر سمیرا ہنس پڑی اور ان کے گلے لگ گئی۔

☆......☆

''کوثر بھائی! آپ کسی کام کے بھی ہیں یا نہیں؟'' ثمینہ نے کوثر کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''حکم کرو! ایسا کام کروں گا کہ کام تمام کر دوں گا۔'' کوثر نے چٹکی بجا کر کہا۔

''تو پھر کچھ ایسا کریں نا آپ کہ کالج کی چھٹی ہو جائے۔'' ثمینہ نے مچل کر کہا۔

''بیٹا! آج پہلا دن ہے اور چھٹی؟'' کوثر نے آنکھیں نکالیں۔

''کوثر بھائی پلیز نا! میرا بالکل دل نہیں کر رہا۔'' ثمینہ نے بیزار ہو کر کہا۔

''نہ بھئی نہ! چچا جان میری جان نکال دیں گے۔'' کوثر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''اچھا! ابھی تو طرم خان بن رہے تھے۔ کام تمام کر دوں گا۔ حد ہوتی ہے۔''

ثمینہ نے اپنا تکیہ کلام کہا۔

''دیکھو تم چیلنج مت کرو مجھے۔'' کوثر نے اُسے انگلی دکھا کر کہا۔

''ہاں ہاں کیا چیلنج، کر کے دکھائیں کچھ۔'' ثمینہ نے جوش دلایا۔

''بس ٹھیک ہے، تم ایک کام کرو، وہ چادر اوڑھ کر جلدی سے صوفے پر لیٹ جاؤ، پھر دیکھو کوثر بھائی کا کمال۔''

کوثر نے جوش میں آتے ہوئے یہ جملے کہے اور ثمینہ جلدی سے چادر لے کر صوفے پر لیٹ گئی۔

''اب ذرا کھانسو!'' کوثر نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اہو......اہو۔'' ثمینہ نزاکت سے کھانسی۔

''بیٹا! شرمانے والی کھانسی نہیں۔ کورونا والی کھانسی!'' کوثر نے چڑ کر کہا۔

''اب کیا منھ پھاڑ کر کھانسوں؟'' ثمینہ نے آنکھیں نکالیں۔

''ہاں نا! اداکاری میں جان ڈالو جان۔'' کوثر نے مکّا لہراتے ہوئے کہا۔

''حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے منھ بنایا اور زور زور سے کھانسنے لگی۔

''ہائے ہائے کوئی ہے جو اس بے چاری کی مدد کو آئے۔'' کوثر نے چلّا کر کہا۔

''کیا ہوا؟ کیا ہوا؟''

تہمینہ بیگم، زارا اور اشرف صاحب فوراً لاونج میں آئے۔

سمیرا بھی نیچے اُترتی ہوئی آئی اور گھبرا کر ماجرا دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟ ارے پوچھیے کیا نہیں ہوا! میری بے چاری چھوٹی ثمینہ کب سے کھانس رہی ہے لیکن کسی نے اس کی ذرا پروانہ کی، اے اللہ! تُو دیکھ رہا ہے نا۔''

کوثر روتے ہوئے اوورایکٹنگ کرنے لگا اور ثمینہ کھانستے ہوئے اُسے !Thumbs-Up دینے لگی۔

''تھینک یو!'' کوثر روتے ہوئے بولا۔

''کوثر! یہ کیا ڈرامہ ہے؟'' اشرف صاحب نے تنگ آ کر پوچھا۔

''ڈرامہ نہیں چچا جان! یہ حقیقیت ہے، بے چاری ثمینہ کو بخار ہے اور آپ لوگ اُسے کالج بھیج رہے ہیں، نامنظور!'' کوثر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''اچھا! سمجھ گئی۔'' تہمینہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''صرف آپ ہی سمجھ سکتی ہیں چچی جان! ورنہ تو کوئی نہ سمجھے اس بے چاری کے درد کو۔''

کوثر نے روتے ہوئے کہا اور ثمینہ نے پھر کھانستے ہوئے !Thumbs-Up دکھایا۔

''تھینک یو!'' کوثر نے روتے ہوئے کہا۔

''ثمینہ! چلو ڈرامہ بند کرو۔'' زارا نے اُسے ڈانٹا۔

''آپی! آپ کو مجھ بے چاری پر ترس نہیں آ رہا؟'' ثمینہ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بالکل نہیں آ رہا، ایسی بھونڈی ایکٹنگ دیکھ کر تو بالکل نہیں آ رہا۔'' زارا نے منھ بنا کر کہا۔

''آئے ہائے بیمار کے اوپر الزام ذرا سوچیے!...... اس حال میں اگر یہ کالج گئی اور ٹیچر کے سامنے کھانس لیا وہ تو اسے کورونا وارڈ میں بھیج دیں گے۔ پھر ہماری چھوٹی بے چاری Isolation میں اکیلی رہی گی اور پھر ویکسین کے انجکشن لگیں گے۔ امریکیوں کے بنائے ہوئے چھوٹے جاسوس اس کے خون میں شامل ہو جائیں گے اور انھیں پتا چل جائے گا کہ ثمینہ ٹی وی پر کون سا ڈرامہ دیکھتی ہے...... نجانے پھر

آ گے کیا کچھ ہو جائے ہائے ہائے!''

کوثر روتے ہوئے کہتا چلا گیا۔

''کورونا وارڈ میں جانے کی کیا ضرورت ہے، ہم ابھی ثمینہ کا علاج کرتے ہیں، آخر کو ہم اس کے خالو ہیں۔''

اشرف صاحب نے پیار سے کہا اور ثمینہ معصومیت سے انھیں دیکھنے لگی۔

''ہے نا ثمینہ بیٹے؟'' اشرف صاحب نے پیار سے کہا۔

''خالو جان! یو آر بیسٹ۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''نزرل! ڈنڈا لانا ذرا۔'' اشرف صاحب نے آواز دی۔

''ڈنڈا؟'' کوثر اور ثمینہ ایک ساتھ بولے۔

''ہاں ڈنڈا! وہ بھی بڑا والا! تھوڑا سا سر پر پڑے گا تو بیماری اپنے آپ ہی ختم ہو جائے گی۔''

اشرف صاحب نے ہنس کر کہا۔

''یا اللہ! آپ مجھ بے چاری کو ڈنڈے سے ماریں گے؟'' ثمینہ نے انھیں گھور کر دیکھا۔

''مارنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی، بس ڈنڈے کو دیکھتے ہی تمھارے ہوش اُڑ جائیں گے۔'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے چڑ کر کہا۔

''لیجیے! صبح ہی صبح کا تازہ تازہ ڈنڈا۔ ابھی ابھی چُوہے مار کر آیا ہوں اسی سے، مزے کی بات یہ ہے کہ چوہوں کا بھی کورونا ختم ہو گیا۔''

نزرل نے ڈنڈا لاتے ہوئے کہا اور ثمینہ واقعی ڈر گئی۔

''ارے واہ! بڑے عرصے بعد دیکھا لیاقت بھائی کو۔'' اشرف صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''لیاقت بھائی کون؟'' کوثر اور ثمینہ ایک ساتھ حیران ہو کر بولے۔

''میرا ڈنڈا! میرا لیاقت! میں پیار سے اسے لیاقت کہتا ہوں۔ ڈنڈا ہاتھ میں لیا اور کٹ! اس لیے لیاقت!''

اشرف صاحب نے خوش ہو کر کہا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''کیا خیال ہے ثمینہ؟ ابھی بھی طبیعت خراب ہے؟'' تہمینہ بیگم نے ہنس کو پوچھا۔

''کوثر بھائی! کچھ کریں۔'' ثمینہ نے گھبرا کر کہا۔

''میرا خیال ہے ثمینہ تم اٹھ ہی جاؤ، اس سے پہلے کہ لیاقت بھائی میری خیریت پوچھ لیں۔'' کوثر نے

ڈرتے ہوئے کہا۔

’’کوثر بھائی یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔‘‘ ثمینہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

’’کوئی بات نہیں ثمینہ! آج کالج چلی جاؤ، اگلی بار اپنی سُپر ایکٹنگ سے تمھیں روک لوں گا۔‘‘ کوثر نے اکڑ کر کہا۔

’’سپر سے تھوڑی اوپر کی ایکٹنگ کیجیے گا ورنہ......‘‘

ثمینہ کہہ ہی رہی تھی کے وہ سب ایک ساتھ بولے ’’حد ہوتی ہے۔‘‘

یہ کہہ کر سب ہنسنے لگے اور ثمینہ پیر پٹخنے لگی۔

’’چلو شکر ہے یہ ڈرامہ ختم ہوا۔ آئیں ذارا! دونوں کو کالج تک چھوڑ کر آئیں، آپ لوگوں نے دفتر نہیں جانا؟‘‘

تہمینہ بیگم نے اشرف صاحب اور کوثر سے پوچھا۔

’’جانا ہے، بالکل جانا ہے، ورنہ دفتر میں بھی لیاقت صاحب آ سکتے ہیں۔‘‘

کوثر نے گھبرا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

جلد ہی کوثر اور اشرف صاحب دفتر کے لیے چلے تو ایسے میں ثمینہ نے سمیرا کا بازو پکڑا۔

’’باجی، باجی؟ کوئی چانس نہیں؟‘‘

اس کی بات سُن کر سمیرا مسکرا دی۔

’’جانا تو پڑے گا۔‘‘

’’حد ہوتی ہے۔‘‘

ثمینہ بیچارگی کے عالم میں اُٹھی اور سمیرا ہنسنے لگی۔

جلد ہی دونوں بہنیں کالج جانے کے لیے نکل کھڑی ہوئیں۔

☆......☆

رات کے گیارہ بجے ثمینہ بستر پر اُلٹی لیٹی اپنا ہوم ورک کرنے کی کوشش میں مصروف تھی جب کہ سمیرا ڈیسک پر بیٹھی اپنی پڑھائی کر رہی تھی۔

ثمینہ منھ بنا کر کچھ لکھتی اور پھر مٹا دیتی، پھر سوچنے لگتی۔ کچھ خیال آتا تو کچھ لکھتی لیکن پھر مٹا دیتی۔ جب یہی عمل کرتے ہوئے دس منٹ گزر گئے تو جھنجلا کر کہنے لگی۔ ’’باجی!‘‘

’’کیا ہوا ثمینہ؟‘‘ سمیرا نے لکھتے ہوئے پوچھا۔

’’باجی نہیں سمجھ آ رہا یہ سوال، کیا کروں؟‘‘ ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''دل لگاؤ گی تو سب سمجھ آ جائے گا۔''سمیرا نے جواب دیا۔

''اب نہیں لگ رہا دل تو کیا کریں، یہ پڑھائی بھی اللہ جانے کس نے بنائی ہے۔ بہت ہی کوئی بورنگ چیز ہے۔''ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''اب پڑھائی کو تو نہ کوسو۔''سمیرا نے پڑھتے ہوئے کہا۔

''تو مدد کریں نا میری! چھوڑ دیں کچھ دیر کے لیے اپنی پڑھائی۔''ثمینہ نے چڑ کر کہا تو سمیرا پلٹ کر کہنے لگی۔

''اچھا بابا بتاؤ کیا مسئلہ آ رہا ہے؟''

سمیرا اپنی ٹیبل سے اُٹھی اور اُس کے پاس جا کر بستر پر بیٹھی۔

''یہ دیکھیں۔''ثمینہ نے کہا پھر کہنے لگی۔

"Which one of the following is true with regard to cash discount?,is it A: Discount on prompt paymant?. B: Discount on price at sales?. C: Discount given cash? or D: Reduction in face value?"۔

"It's C. Discount given cash"۔سمیرا نے جواب دیا۔

''کیسے؟''ثمینہ نے الجھ کر پوچھا۔

''بھئی! سمپل سی بات ہے، سوال میں سیدھی کیش ڈسکاونٹ کی بات ہو رہی ہے، اس لیے آپشن سی صحیح ہے۔''سمیرا نے اُسے سمجھایا۔

''اوہ اوکے!''ثمینہ چونکی اور کاپی کو دیکھنے لگی۔

''دل لگاؤ ثمینہ پڑھائی میں۔''سمیرا نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''کیا کریں باجی! یہ دل ہی تو نہیں لگتا۔''

ثمینہ نے مستی میں اپنی بانہیں سمیرا کے گرد ڈا پھیلا لیں۔

''اچھا؟ پھر کن چیزوں میں دل لگتا ہے آپ کا؟''سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

''انسان کے سپنے بڑے بڑے ہونے چاہئیں۔''ثمینہ نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''تم انسان ہو؟''سمیرا نے ہنس کر پوچھا۔

''تو میں کیا آپ کو بندر لگتی ہوں؟''ثمینہ نے اُسے گھور کر پوچھا۔

''میں نے تو تمھیں بندر نہیں کہا۔''سمیرا ہنس کر بولی۔

''حد ہوتی ہے۔ مطلب اپنی بہن بھی مجھے انسان نہیں سمجھ رہی۔''ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

’’فضول باتیں نہیں کرو اور ہوم ورک کرو۔‘‘
سمیرا نے اُٹھتے ہوئے یہ جملے کہے اور واپس آ کر اپنے ڈیسک پر بیٹھ گئی۔
’’باجی! میں سوچ رہی تھی کہ ہم لوگ ٹیوشن لگا لیتے ہیں۔‘‘ ثمینہ بستر پر اُچھل کر بیٹھی۔
’’اُس سے کیا ہوگا؟‘‘ سمیرا نے اپنی کتابیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
’’اچھا ٹیوٹر ہوگا نا، تو ہمارا ہوم ورک کر دیا کرے گا۔‘‘ ثمینہ نے ہاتھ ہلا کر کہا اور سمیرا ہنسی۔
ایسے میں زارا اندر آئی۔ ’’کیا باتیں ہو رہی ہیں؟‘‘
’’آپی آپی! آپ یہاں بیٹھو! اور بتاؤ میں جو کہہ رہی ہوں، کیا غلط کہہ رہی ہوں؟‘‘
ثمینہ نے اُس کا ہاتھ تھاما اور بستر پر بٹھایا۔
’’دیکھیں، میں کہہ رہی ہوں کہ ہم لوگ ٹیوشن لے لیتے ہیں۔‘‘
ثمینہ نے اپنی آپی کو دیکھ کر کہا۔
’’ویری گُڈ۔ اچھی بات ہے۔‘‘ زارا نے تعریف کی۔
’’ہے نا! اب اچھا ٹیوٹر آئے گا تو ہمارا ہوم ورک بھی کر دے گا، پڑھائی کی پڑھائی بھی ہوگئی اور کام بھی نکل آئے گا۔ اس طرح کسی غریب کا بھلا بھی ہو جائے گا، اُسے کچھ پیسے مل جائیں گے۔‘‘ ثمینہ نے جلدی جلدی کہا۔
’’اچھا؟ تو یہ خیالات ہیں تمھارے؟‘‘ زارا نے منھ بنا کر کہا۔
’’ہاں نا آپی! دیکھا نا آپ کو بھی پسند آیا نا آئیڈیا؟‘‘ ثمینہ نے خوش ہو کر پوچھا۔
’’تم بہت ترقی کرو گی ثمینہ!‘‘ زارا نے طنز کیا۔
’’وہ تو مجھے پتا ہے۔‘‘ ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔
’’ثمینہ! مذاق ایک طرف لیکن پڑھائی نہیں کرو گی تو زندگی میں آگے کیسے بڑھو گی؟‘‘ سمیرا نے پلٹ کر پوچھا۔
’’شادی کروں گی۔‘‘ ثمینہ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔
’’شادی؟‘‘ سمیرا نے خشک لہجے میں کہا، دوسری طرف زارا مسکرانے لگی۔
’’ہاں بھی شادی۔ مجھے پتا ہے کہیں دُور کوئی ایک اُلّو کا پٹھا میرے لیے پڑھ رہا ہوگا۔ مجھے بس اپنی بیوٹی کا خیال رکھنا ہے، باقی محنت تو وہ کرے گا۔‘‘
ثمینہ نے اترا کر کہا تو زارا ہنسنے لگی۔
’’خوابوں سے باہر نکلو ثمینہ۔‘‘ سمیرا نے خشک لہجے میں کہا۔

''خواب ہی تو حقیقت میں ڈھلتے ہیں۔'' ثمینہ نے شوخ لہجے میں جواب دیا۔

''اور حقیقت کیا ہے؟ کیا ہے حقیقت؟ ہماری اوقات ہی کیا ہے؟ مت بھولو ثمینہ کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کس حال میں آئے ہیں۔''

سمیرا خشک لہجے میں کہتی چلی گئی اور ثمینہ خاموش ہوگئی۔ ایک پل کے لیے وہ سہم گئی۔

زارا بھی سمیرا کی طرف دیکھنے لگی۔

''شادی کے سپنے نہیں دیکھو ثمینہ! جب بُرا وقت آتا ہے تو شہر بھی پرایا لگنے لگتا ہے۔ ہم بچپن سے جس شہر میں رہے کوئی ایک نوالا تک کھلانے نہیں آیا وہاں...... گوشت نوچنے کے لیے لوگ تیار بیٹھے تھے۔ مت بھولو کے آنی اگر ہمیں چھت نہ دیتیں تو ہم نجانے کہاں ہوتے۔''

سمیرا کہتی چلی گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

ثمینہ بھی اُداس ہوگئی۔ زارا پریشان ہو کر اپنی بہنوں کو تکنے لگی۔

''کبھی کبھی امی بہت یاد آتی ہیں۔''

ثمینہ نے اُداس لہجے میں کہا اور اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔

زارا نے پیار سے اپنی دونوں بہنوں کی طرف دیکھا اور اطمینان سے کہا:

''ادھر آؤ تم دونوں میرے پاس۔''

زارا کی بات سُن کر سمیرا اٹھی اور زارا کے پاس آکر بیٹھی۔

ثمینہ نے بھی زارا کے پاس بیٹھ کر اُس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''میں جانتی ہوں کہ ہم جن حالات سے نکل کر آئے ہیں وہ بہت مشکل تھے، خدا کسی دُشمن پر بھی ایسا وقت نہ لائے...... لیکن ہم اُن حالات سے، اس وقت سے نکل آئے ہیں اور یہی جینے کے لیے کافی ہے۔ اللہ نے ہم پر کرم کیا اور ہم اُس زندگی سے بہت دُور نکل آئے ہیں۔ اب ہمیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔''

زارا نے پیار سے انھیں دیکھ کر سمجھایا۔

''سچ کہا آپی! مگر...... مگر امی تو وہیں رہ گئیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''

سمیرا سکتے کے عالم میں کہنے لگی۔

''لیکن تمھاری آپی تم دونوں کے ساتھ ہیں اور آپی امی سے کم ہے کیا؟...... بولو؟''

زارا نے پیار سے پوچھا اور سمیرا سوچنے لگی۔

''جب تک میں اور آنی زندہ ہیں تم لوگوں کو کچھ نہیں ہوگا، یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔''

زارا نے اپنی بہنوں کو دیکھ کر کہا اور وہ دونوں اُس سے لپٹ گئی ں۔

زارا نے بھی پیار سے اپنی بہنوں کو سینے سے لگا لیا۔

دروازے کے دوسری طرف تہمینہ بیگم اور اشرف صاحب یہ گفتگو سُن رہے تھے۔

اُن دونوں کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ انہی آنسوؤں کے ساتھ وہ دونوں اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

''اشرف! سمجھ نہیں آتا اپنی بچّیوں کی تنہائی کیسے ختم کروں۔''

تہمینہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

''پریشان مت ہو تہمینہ، وقت سب بہتر کر دے گا۔''

اشرف صاحب نے آنسو پونچھے اور چشمہ لگا یا۔

''جانتی ہوں اشرف! زارا مضبوط ہے، وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گی۔ ثمینہ ابھی بچّی ہے وہ وہ بھی سنبھل جائے گی، سمیرا کا مسئلہ ہے۔''

''سب سے زیادہ غم بھی تو اُسے ہی ملا ہے۔'' اشرف صاحب نے غمگین لہجے میں کہا۔

''لیکن یہ غم اُسے کھائے جا رہا ہے۔ مجھے اُس کے لیے بہت زیادہ ڈر ہے۔'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا اور اشرف صاحب سوچنے لگے۔

''سمیرا نے شادی سے صاف انکار کر دیا ہے، کوئی شادی کا لفظ بھی کہے تو اُسے بُرا لگتا ہے، جیسے کسی نے اُسے گالی دے دی ہو، کیا ہو گا میری بچّی کا؟''

تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر اپنی بات کہی۔

اشرف صاحب نے اپنی بیوی کو ایک نظر دیکھا اور اٹھ کر ان کے پاس آئے۔ دھیرے سے وہ اپنی بیوی کے برابر بیٹھے اور دھیمے لہجے میں کہنے لگے۔

''تہمینہ ہماری شادی کو بیس سال ہو گئے...... ان بیس سالوں میں...... نجانے کتنے مشکل وقت تم نے اور میں نے دیکھے ہیں...... یقین کرو یہ حالات بھی گزر جائیں گے...... ہم اولاد سے محروم رہے...... لیکن ہماری محبت...... اور ساتھ ایک دوسرے کے لیے کافی رہا...... لیکن آج یہ بچّیاں ہمارے پاس ہیں، اب مجھے نہیں لگتا کے ہم بے اولاد ہیں...... ایسا لگتا ہے یہ ہماری ہی بچیاں ہیں۔''

اشرف صاحب کی بات سُن کر تہمینہ بیگم انھیں پیار سے دیکھنے لگیں۔

''اور ایک باپ...... کبھی اپنی بچیوں کے لیے...... برا نہیں چاہے گا...... میں ان تینوں کی خوشیوں کے لیے کچھ بھی کر گزروں گا تہمینہ...... کچھ بھی......!''

اشرف صاحب جذباتی ہو کر کہتے گئے اور تہمینہ بیگم سوچنے لگیں۔

’’تم اور زارا بس کوشش کرو کہ کسی طرح سمیرا کا ذہن خوشیوں کی طرف مائل ہو جائے، باقی اللہ پر چھوڑ دو......تم دیکھنا تہمینہ سب بہتر ہو جائے گا۔‘‘

انھوں نے اپنی زوجہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’کاش کوئی اللہ کی طرف سے فرشتہ آئے اور میری بچّی کو اس کی خوشیاں دلا دے۔‘‘

تہمینہ بیگم روتے ہوئے کہتی گئی اور اشرف صاحب کے کندھے پر سر رکھ لیا۔

نجانے دونوں میاں بیوی کب تک ایک دوسرے کو دلاسا دیتے رہے۔

☆......☆

’’کم آن روحیل! کم آن!‘‘

ہیوی بائیک، کالی جینز، کالی جیکٹ اور آنکھوں پر چشمہ، اٹھائیس سال کا یہ نوجوان روحیل ملک کے سب سے بڑے وکیل بالاج علی کا بیٹا تھا۔

روحیل کو موٹر سائیکلیں بہت پسند تھیں۔ اُسے ہواؤں سے گفتگو کرنا اچھا لگتا تھا اور ابھی بھی وہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

وجہ شرط تھی جو اس نے اپنے دوست کے ساتھ لگائی تھی۔

روحیل ایک خوش شکل اور ہنر مند نوجوان تھا۔ کیا نہیں تھا جو روحیل کو نہ آتا ہو۔ ہر ہنر اُس کے پاس موجود تھا۔ ہاں مگر ایک چیز تھی، اُسے ہار نہیں پسند تھی وہ ہر مقابلے کو جیتنا جانتا تھا، صرف جیتنا۔

اپنے والد کی طرح وہ بھی وکالت پڑھ چکا تھا اور ملک کی سب سے بڑی Law Firm میں اپنے والد کے ساتھ Junior Partner تھا لیکن وکالت نے اُسے بورنگ نہیں بننے دیا۔ روحیل کا جب دل کرتا وہ زندگی کا مزہ لیتا۔ اس لمحے بھی وہ مزے لے رہا تھا۔ ہیوی بائیک بھگاتے ہوئے، اُس کا دوست سعد اُس سے آگے نکلنے کی پُوری پُوری کوشش کر رہا تھا لیکن روحیل بڑی مہارت سے اُس کے سر پر پہنچنے والا تھا۔ سعد یہ بات جانتا تھا کہ ہر بار کی طرح روحیل ہی ریس جیتے گا اس لیے وہ بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا لیکن روحیل مستقل اُس سے قریب ہو رہا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ پولیس کی گاڑی سائرن بجاتی ہوئی ان کے پیچھے لگ گئی۔ روحیل اور سعد نے پلٹ کر پولیس کو دیکھا۔ بجائے اس کے کہ وہ بائیکس کو روک دیتے، دونوں نے رفتار بڑھا دی اور پولیس کی گاڑی سے دُور ہونے لگے۔ اب اس ریس میں دو بائیکس اور پولیس کی گاڑی بھی شامل تھی۔ سعد اور روحیل نے گلیاں مڑنا شروع کیں، ایک گلی میں دونوں مُڑے تو سعد نے اپنا ہیلمٹ اوپر کر کے کہا۔

’’کیا کرنا ہے؟ فارمولا نمبر چالیس لگا دیں؟‘‘

’’لگانا ہی پڑے گا، پولیس پیچھے آ گئی ہے۔‘‘ روحیل نے بھی اپنا ہیلمٹ اوپر کر کے کہا۔

’’لیکن یاد رکھنا، ریس تم ختم کر رہے ہو!‘‘ سعد نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’جی نہیں بیٹا! ریس تم ختم کر رہے ہو، فارمولا چالیس تم نے پہلے بولا ہے۔‘‘ روحیل نے مسکرا کے اُسے دیکھا۔

’’ایس ہول!‘‘

سعد کے منھ سے جل کر نکلا اور وہ دائیں طرف مُڑ گیا۔ روحیل ہنستا ہوا بائیں طرف مُڑا۔ پولیس ڈگمگا گئی لیکن انھوں نے بھی پھرتی سے فیصلہ لیا اور بائیں طرف روحیل کے پیچھے لگ گئے۔

روحیل نے پلٹ کر دیکھا پولیس اُس کے پیچھے ہے تو رفتار اور بڑھا دی اور نکلتا چلا گیا۔

پولیس کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اور پلٹ کر پیچھے دیکھا، جیسے ہی روحیل نے سامنے دیکھا تو ایک چھوٹی بچّی سڑک پر آ گئی!

’’ہٹو!‘‘

روحیل چلّا اُٹھا اور اس کی بائیک سلپ ہوئی۔

بائیک اور روحیل پھسلتے ہوئے جا کر فٹ پاتھ سے جا لگے۔

’’آہ!......‘‘

روحیل کے منھ سے نکلا اور پلٹ کر بچّی کی طرف دیکھا۔ بچّی اُسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

"Really?"۔

اُس کے منھ سے جل کر نکلا اور وہ سر زمین پر رکھ کر لیٹ گیا۔ جلد ہی لوگ اُس کے اردگرد جمع ہو گئے۔

اس نے دیکھا پولیس کی گاڑی تیزی سے گزرتی چلی گئی۔

’’بھائی چوٹ تو نہیں آئی؟‘‘ کسی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

’’میں ٹھیک ہوں! میں ٹھیک ہوں!‘‘

اس نے اٹھتے ہوئے یہ جملے کہے اور کپڑے جھاڑے۔

روحیل نے اس لمحے سخت جیکٹ اور سخت کپڑے کی پینٹ پہنی تھی۔ یہ کپڑے خاص کر بنے ہی اُن لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو موٹر سائکل چلاتے ہیں۔ ایک نظر اپنی بائیک پر ڈالی تو نقصان اُسے بھی اتنا نہیں ہوا تھا۔

’’ٹھیک تو ہو نا؟‘‘ کسی نے پوچھا۔

’’جی جی بالکل آپ لوگ فکر نہ کریں۔‘‘ اس نے لوگوں کو بھیجا اور لوگ منھ بنا کر چل دیے۔

"I need a drink"

روحیل نے سر ہلا کر اپنے آپ سے کلام کیا اور ہاتھوں پر سے دستانے اُتارے۔

ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو سامنے ہی ایک جنرل اسٹور نظر آیا۔ وہ اسٹور کی طرف چل پڑا۔

جلد ہی وہ جنرل اسٹور کے اندر داخل ہوا۔ یہ ایک پیارا سا اسٹور تھا لیکن کاؤنٹر پر کھڑے انکل نے روحیل کو دیکھ کر بُرا سا منھ بنایا۔

روحیل بھی انھیں دیکھ کر منھ بنانے لگا۔ اب اُس کے قدم فریزر سیکشن کی طرف تھے۔ جلد ہی مشروبات کے سامنے پہنچا اور ایک ماؤنٹین ڈیو کا کین نکالا۔ کھٹک کر کے اس نے کین کھولا اور منھ سے لگا لیا۔

"آپ کو پہلے قیمت دینی چاہیے تھی۔" کاونٹر پر سے انکل نے جل کر طنز کیا۔

"نہ بھی دوں تو کیا کر لو گے؟"

روحیل نے جل کر جواب دیا اور انکل گھبرا گئے۔

دو چار گھونٹ پی کر اُسے تھوڑا سکون ملا کہ اچانک اُس کے نظر ایک لڑکی پر پڑی، ایک حسین لڑکی پر۔

جارجٹ کا دوپٹہ پتلی سی گردن پر ڈلا ہوا، کندھے پر بیگ لٹکا ہوا، گورا رنگ اور خوبصورت جسم، لمبے بال اور لمبا قد۔ وہ اس وقت کتابوں کے سیکشن کے سامنے کھڑی کتابیں نکال نکال کے دیکھ رہی تھی۔

روحیل اُسے دیکھنے لگا۔ ایک عجیب سا احساس اُسے اس لڑکی کو دیکھ کر ہوا، نجانے کیوں مگر نظریں اُسی پر ٹک سی گئیں، اُسے دیکھنے سے ہی اس قدر سکون مل رہا تھا، نجانے اُس سے کلام کر کے کیسا محسوس ہوگا۔ وہ کھڑا یہی کچھ سوچتا رہا، پھر نجانے اُسے کیا سوجھی، اس نے سوچا کہ چل کر اس حسینہ سے بات کرنی چاہیے۔

اب روحیل اُس لڑکی کے قریب ہونے لگا۔ جیسے جیسے وہ اُس کے قریب ہو رہا تھا، اُس کا دل دھڑک رہا تھا، اس نے اپنی زندگی میں کئی خوبصورت لڑکیاں دیکھی تھیں، یورپ، امریکا سے لے کر پاکستان تک وہ حُسن کا دیدار کر چکا تھا، مگر نجانے اس لڑکی میں ایسی کیا بات تھی جو اُسے اپنی طرف کھینچے چلی جا رہی تھی۔

روحیل بالکل اُس کے عین پیچھے پہنچ گیا، وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک کہیں سے دو بچّے کھیلتے ہوئے آئے اور اُس لڑکی سے بُری طرح ٹکرائے۔

لڑکی گھبرا کر پیچھے ہوئی تو وہ بُری طرح روحیل سے ٹکرا گئی۔ جو کتابیں وہ دیکھ رہی تھیں، سب نیچے گر گئیں۔

اُس کے ٹکرانے سے ساری ماؤنٹین ڈیو روحیل پر گر گئی، ایک ہی لمحے میں یہ ہنگامہ ہو گیا۔

خدایا! روحیل کے منھ سے بوکھلاہٹ میں نکلا۔

''آئی ایم سوری، آئی ایم سوری!'' وہ گھبرا کر بولی اور کتابیں اٹھانے لگی۔

''اٹس اوکے، کوئی بات نہیں، بچّوں نے بھی دیکھا نہیں اور بھاگتے چلے آئے۔''

روحیل نے اُس کے پاس بیٹھ کر کتابیں اٹھانا شروع کیں۔

وہ معافی مانگ کر خاموش ہوگئی۔

روحیل نے ایک پل کے لیے اُسے دیکھا اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ اتنی نازک اور خوبصورت تھی وہ، جس کی کوئی مثال نہیں۔

''میرا نام روحیل ہے، روحیل بالاج۔''

اس نے اپنا تعارف کروایا۔ لڑکی خاموشی سے کتابیں اٹھانے لگی۔

''میں کارپوریٹ وکیل ہوں، میرے پوپس اس ملک کے سب سے بڑے وکیل ہیں۔ آپ کا نام؟'' اس نے پیار سے پوچھا اور وہ بیزاری سے روحیل کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ویسے جس طرح آپ نے کتابیں گرائی ہیں، مجھے لگتا ہے آپ کو ایک اچھے وکیل کی شدید ضرورت ہے۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور وہ خاموشی سے کتابیں رکھنے لگی۔

''سمیرا؟''

ایسے میں ایک آواز نے دونوں کو چونکایا۔

''جی آپی۔'' سمیرا نے اپنی آپی کو دیکھ کر کہا۔

''چلیں؟'' زارا نے پیار سے پوچھا۔

''جی۔''

سمیرا نے خشک لہجے میں یہ جملے کہے اور ایک نظر روحیل کو دیکھ کر چلتی بنی۔

روحیل اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تب ہی اس کی نظر نیچے پڑی دو کتابوں پر پڑی۔

اس نے جھک کر کتاب اٹھائی تو وہ شاعری کی کتاب تھی۔ لیکن دوسری کتاب کوئی ڈائری تھی، روحیل نے دیکھا اُس پر پین سے کچھ لکھا ہوا تھا۔

''سُنیے!...... سنیے میڈم؟'' روحیل نے اُسے آواز دی۔

''آپی! چلیں یہاں سے۔''

سمیرا نے گھبرا کر یہ جملے کہے اور زارا نے ایک نظر روحیل کی طرف دیکھا۔

وہ الجھ گیا۔ دونوں بہنیں چلتی بنیں اور دکان سے نکل گئیں۔

روحیل چلتا ہوا کاونٹر پر آیا۔اس نے دیکھا، بڑی بہن سوزوکی آلٹو میں بیٹھی، سمیرا اُس کے برابر اور وہ لوگ چلتے بنے۔

’’ایک سو ساٹھ روپے۔‘‘ انکل نے جل کر کہا۔

’’اس لڑکی کے؟‘‘ روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’اُس سوڈا کے جو تم گرا کر آئے ہو!‘‘ انکل نے جل کر کہا۔

’’بہت ہی کوئی جل ککڑے ہو قسم سے۔‘‘

روحیل نے بھی جل کر جواب دیا اور پیسے دیے۔

اب وہ تیزی سے باہر نکلا تو سُوزوکی دُور ہوتی جا رہی تھی۔

’’ہمم گاڑی جانی پہچانی سی ہے۔‘‘ روحیل بڑبڑایا۔

’’اور تم بھی جانے پہچانے سے ہو۔‘‘

ایک آواز نے روحیل کو اُچھلنے پر مجبور کر دیا، پلٹ کر دیکھا تو پولیس والے کھڑے مسکرا کر اپنی جیت کا جشن منا رہے تھے۔

"NO!"۔روحیل کے منہ سے نکلا اور پولیس نے اُسے جکڑ لیا۔

☆......☆

’’کیا کہا اُس نے؟ شکل سے تو پیارا لگ رہا تھا۔‘‘

زارا نے گاڑی چلاتے ہوئے مسکرا کر سمیرا کو چھیڑا جو مستقل باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔

’’میں نے دیکھا تھا وہ تمھارے پاس آیا تھا، بتاؤ نا کیا کہا اُس نے؟‘‘

زارا نے مسکرا کر پوچھا۔

’’آپی۔‘‘ سمیرا نے بُرا مان کر کہا۔

’’پھر بھی پتا تو چلے کیا کہہ رہا تھا؟‘‘ زارا نے ہنس کر پوچھا۔

’’وہی جو لڑکے کرتے ہیں، لائن مارنا۔‘‘ سمیرا نے چڑ کر جواب دیا۔

’’دوستی کرنے میں کوئی حرج نہیں، لڑکا بہتر لگ رہا تھا۔‘‘

زارا نے پیار سے اپنی بہن کو دیکھ کر کہا۔

’’آپ کو میں ایسی لگتی ہوں کہ راہ چلتے لڑکوں سے بات کر لوں؟‘‘

سمیرا نے بُرا مان کر پوچھا۔

’’نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔‘‘ زارا گڑبڑا گئی۔

’’تو پھر آپی؟اس گفتگو کا کیا فائدہ؟‘‘

سمیرا نے خشک لہجے میں اپنی بات کہی اور زارا خاموش ہوگئی۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ سمیرا کچھ سُننے کے مُوڈ میں نہیں ہے۔

جلد ہی وہ گھر پہنچے۔ زارا نے گاڑی اپنے گھر کے سامنے پارک کی اور دونوں بہنیں اُتر کر سامان نکالنے لگیں۔

’’آپی! وہ دیکھیں۔‘‘

سمیرا نے شفیق صاحب کے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

زارا نے پلٹ کر دیکھا تو اُسے سفید بنیان اور سفید شلوار پہنے ایک شخص لان میں پانی ڈالتا ہوا نظر آیا۔

’’یاد ہے آپ کو خالو جان کہہ رہے تھے، مالی چاہیے؟‘‘ سمیرا نے زارا کو یاد دلایا۔

’’اوہ ہاں! تم اندر چلو میں اُس سے بات کر کے آتی ہوں۔‘‘

زارا نے سامان سمیرا کو دیا اور سمیرا اندر کی طرف چلی۔

زارا نے اپنے قدم شفیق صاحب کے گھر کی طرف بڑھا دیے۔

’’او بھائی! سنو!‘‘ زارا نے اُسے آواز دی مگر وہ اپنی دُنیا میں مگن پانی ڈالتا رہا۔

’’بھائی صاحب!‘‘

زارا نے زور سے آواز دی۔

آصف نے چونک کر آواز سنی اور پلٹ کر دیکھا تو اُسے وہی لڑکی نظر آئی جو اشرف صاحب کی بالکونی میں اپنے بال سکھا رہی تھی۔

’’جی میں؟‘‘ آصف نے الجھ کر پوچھا۔

’’ہاں ہاں بھائی تم!......اور کیا تمھارے فرشتے؟‘‘

زارا نے منھ بنا کر کہا اور آصف ادھر اُدھر دیکھ کر چلا۔

’’کتنے لوگے؟‘‘ زارا نے اک دم سے پوچھا۔

’’جی؟‘‘ آصف دھک سے رہ گیا۔

’’ارے بھائی کتنے لوگے؟، ہمارے لان میں بھی پانی ڈال دیا کرنا۔‘‘ زارا نے چڑ کر کہا۔

’’جی کیا ڈال دوں؟‘‘ آصف نے گڑبڑا کر پوچھا۔

’’پانی اور کیا۔ پودوں کی رکھوالی کے لیے کہہ رہی ہوں کوئی بینک کا اکاونٹ نہیں کھولنا۔‘‘

زارا نے چڑ کر کہا۔

''پانی؟'' آصف حیران ہو کر بولا۔

''ہاں، ہفتے میں تین دن پودوں کو پانی دے دو اور تھوڑی رکھوالی کر لو۔ پندرہ سو روپے سے ایک روپے زیادہ نہیں دیں گے ہم، ابھی سے بتا رہے ہیں۔

''زارا کہتی چلی گئی۔

''میڈم! آپ مجھے کیا سمجھ رہی ہیں؟'' آصف نے جل کر پوچھا۔

''جانتی ہوں۔'' زارا نے اطمینان سے کہا۔

''کیا؟'' آصف نے آنکھیں نکالیں۔

''یہی کہ تم کوئی معمولی مالی نہیں ہو، خاص مالی ہو لیکن پیسے میں پھر بھی زیادہ نہیں کروں گی۔ کام کرنا ہے کرو ورنہ نکلو ہماری پراپرٹی سے۔''

زارا نے اشارہ کر کے کہا۔

''دیکھتے ہیں، کون پراپرٹی سے نکلتا ہے۔''

آصف نے جل کر کہا اور پیر پٹخ کر جانے لگا۔

''ارے! بڑے بدتمیز ہو۔ ایک تو تمھیں نوکری دے رہی ہوں اوپر سے نخرے، اچھا دو ہزار پر آجاؤ گے؟''

زارا نے اُسے آواز دے کر پوچھا اور آصف نے پلٹ کر اُسے دیکھا، پھر تلملا کر چل دیا۔

ایسے میں تہمینہ بیگم گھر سے نکلیں۔ ''یہ تم کس سے بات کر رہی ہو؟''

''مالی کو پٹا رہی تھی، دو ہزار میں بھی نہیں مانا۔'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''اوہ چلو کوئی اور دیکھ لیں گے، اندر آجاؤ، کوثر سموسے وغیرہ لے کر آیا ہے۔''

تہمینہ بیگم نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اوکے آنی۔'' زارا نے مسکرا کر کہا اور اندر کی طرف چل دی۔

☆......☆

''جب بھی چاہیں ایک نئی صورت بنا لیتے ہیں لوگ ...... جب بھی چاہیں ایک نئی صورت بنا لیتے ہیں لوگ ...... ایک چہرے پر کئی ...... چہرے ...... سجا لیتے ہیں لوگ ......''

گول مٹول سے شفیق صاحب اپنے پُرانے رکارڈ پر مہدی حسن کی غزلیں سُنتے ہوئے جھومنے لگے۔

وہ سفید بال اور سفید داڑھی میں شکیلہ بیگم کو بے حد حسین لگتے تھے۔ چہرے پر گول چشمہ لگا ہوا اور سادہ طبیعت۔ یہ بھلے مانس شکیلہ بیگم کے ادنیٰ شوہر اور آصف، نتاشہ کے والد تھے۔ ایسے میں شکیلہ بیگم

اندر آئیں اور اپنے شوہر کو غزلوں پر جھومتے ہوئے دیکھ کر اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔ منھ بنا کر انھوں نے اپنے قدم بڑھائے۔ شفیق صاحب اُن سے بے خبر آرام سے صوفے پر بیٹھے ہوئے جھوم رہے تھے۔ شکیلہ بیگم نے انھیں ایک نظر دیکھا اور ریکارڈ پلے بند کر دیا۔

''ارے! یہ کس نے کیا؟'' شفیق صاحب ایک دم سے چونکے۔

''میرے علاوہ اس گھر میں یہ حرکت کوئی اور کر بھی نہیں سکتا۔'' شکیلہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''او ہو بھئی تمھیں موسیقی کا بالکل علم نہیں ہے، موسیقی انسان کی روح میں اُترتی ہے اور اندر ہی اندر انسان کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔''

شفیق صاحب نے جھوم کر کہا۔

''یہ دیکھو ذرا! بیٹا ہے کہ بتیس سال کا ہو گیا اور جناب کا بچپنا ابھی تک نہیں گیا۔'' شکیلہ بیگم نے منھ بنا کر انھیں دیکھا۔

''ارے بیگم بوڑھے ہو کر کرنا بھی کیا ہے، دل جوان رہنا چاہیے ہمیشہ......'' شفیق صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''دل جوان ضرور رہنا چاہیے لیکن ساتھ ساتھ ذمے داری کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے۔ اس کی فکر ہے آپ کو؟'' شکیلہ بیگم نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''فکر کر کے ہم کیا کر لیں گے۔ وقت نے جو کرنا ہے وہ ہو کر رہے گا۔'' شفیق صاحب اپنے پسندیدہ صوفے پر بیٹھے۔

''یہ بات تو خیر صحیح ہے، نصیب اور وقت سے کوئی نہیں جیت سکتا۔'' شکیلہ بیگم نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم ہی بتاؤ شکیلہ! جب تم ہم سے شادی کر کے آئی تھیں؟ میرے پاس تھا ہی کیا؟ ایک کمرا اور اُس میں کارٹن کے فرنیچر۔ لیکن تم میری زندگی میں نا صرف نصیب لے کر آئیں بلکہ دو خوبصورت اولادیں بھی۔'' شفیق صاحب نے پیار سے کہا اور شکیلہ بیگم مسکرانے لگیں۔

''ہم تمھارا شکریہ کیسے ادا کریں بھلا؟'' شفیق صاحب نے محبت میں ڈوبے ہوئے پوچھا۔

''صرف اپنا خیال رکھ کر اور گھر کی طرف تھوڑی توجہ دے کر۔''

شکیلہ بیگم نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''کیوں گھر کو کیا ہوا؟'' شفیق صاحب نے برابر میں سے اپنا سگار اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''نتاشہ کا وزن اور آصف کی عمر نکلی جا رہی ہے، جناب نے اپنا کیریئر اسٹارٹ ہی نہیں کیا۔ ان دونوں

کا کچھ کرنا ہے یا نہیں؟''

شکیلہ بیگم نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

''دیکھو نتاشہ کو تو تم سنبھالو، کیوں کہ ڈاکٹر نے مجھے سختی سے منع کیا ہے وزن اُٹھانے سے، یہاں تک کہ وزن کے بارے میں سوچنے سے بھی منع کیا ہے۔ رہی بات آصف کی اُس کو تو کوئی سنبھالنے والی آئے گی اب۔'' شفیق صاحب نے ہنس کر کہا۔

''اس کے لیے بھی آصف کو محنت کرنی ہوگی نوکری کرنی ہوگی، جناب کو اپنی نیچر تبدیل کرنی ہوگی، کوئی ایسے تو اپنی بیٹی نہیں دے دے گا نا۔''

شکیلہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا اور شفیق صاحب کہنے لگے۔

''شکیلہ! وقت اور نصیب۔''

''جی جی پتا ہے وقت اور نصیب کا لیکن ہمیں بھی اپنی طرف سے کوشش کرنی چاہیے نا۔''

شکیلہ بیگم نے اُن کی بات کو کاٹ کر کہا۔

''بھی کوئی لڑکی نظر بھی تو آئے، ابھی تک تو ہمیں کوئی نظر ہی نہیں آئی۔''

شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''چلیں مان لیا کہ نوکری کی پروا نہیں کرتے اور لڑکی ڈھونڈتے ہیں لیکن یہ جناب مانیں بھی تو سہی، وہ تو شادی کے نام سے بھاگتا ہے۔'' شکیلہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''مان جائے گا، تم لڑکی ڈھونڈنا شروع کرو مان جائے گا۔''

شفیق صاحب نے اطمینان سے یہ جملے کہے۔

ایسے میں آصف سفید بنیان اور شلوار میں پیر پٹختا ہوا اندر آیا اور آ کر طیش میں بولا۔

''ڈیڈی! یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''خاموش! اس گھر میں بدتمیز کہنے کا حق صرف مجھے ہے، You بدتمیز!''

شفیق صاحب نے بھڑک کر کہا۔

''میں آپ کو نہیں کہہ رہا۔'' آصف نے جھنجلا کر کہا۔

''اوہ اچھا، پھر یقیناً تم اپنی ماں کو کہہ رہے ہو گے لیکن بیٹا ان کے اخلاق کے ہی تو ہم دیوانے ہوئے تھے، جبھی تو یہ تمھاری امّاں ہیں پھر بدتمیزی کیسی؟'' شفیق صاحب نے ہنس کر کہا۔

''اور تم مجھے بدتمیز کیوں کہہ رہے ہو؟'' شکیلہ بیگم نے اُسے گھورا۔

''اُفف! میں آپ کو بھی بدتمیز نہیں کہہ رہا۔'' آصف نے سر پکڑ کر کہا۔

”تو پھر نتاشہ نے کچھ کیا ہوگا۔“ انھوں نے سوچتے ہوئے کہا۔

”ڈیڈی! میری بات سُن لیں، پلیز!“ آصف نے ہاتھ جوڑے۔

”اچھا بابا اچھا! بولو کیا بات ہے۔“ انھوں نے ہار مان کر کہا۔

”یہ جو آپ کے کرائے دار ہیں نا! یہ اپنی حد سے گزر رہے ہیں۔“ آصف نے ہاتھ چلا کر کہا۔

”کون؟ اشرف؟“ شفیق صاحب نے چونک کر پوچھا۔

”ہائے! کیا کر دیا اشرف بھائی نے؟ اتنے اچھے انسان تو ہیں وہ۔“ شکیلہ بیگم نے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”میں اُن کی بات نہیں کر رہا۔“ آصف جھنجلایا۔

”یار! تم آخر پوری بات کر کیوں نہیں رہے؟“ شفیق صاحب نے بھی جھنجلا کر کہا۔

”اس لیے کے آپ لوگ میری بات سُن ہی نہیں رہے۔ میں بات کر رہا ہوں اُن تین لڑکیوں کی جو اشرف صاحب کے گھر پر بنا کرایہ دیے رہ رہی ہیں اور آج اُن میں سے ایک نے مجھ سے بدتمیزی بھی کی۔“ آصف تلملا کر بولا۔

”بدتمیزی وہ بھی تمھارے ساتھ؟“ شفیق صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

”جی!“ آصف نے جل کر کہا۔

”او کے کیا کہا اُس نے؟“ انھوں نے الجھ کر پوچھا۔

”میں آپ لوگوں کو بتاؤں گا تو آپ لوگوں کو بھی غصہ آ جائے گا، اس نے مجھے بُلا کر مالی کہا اور دو ہزار روپے تنخواہ کی آفر بھی دی۔“

آصف نے آنکھیں نکال کر بتایا اور شفیق صاحب، شکیلہ بیگم کا قہقہہ اُبل پڑا۔ دونوں بری طرح ہنسنے لگے۔

”آپ...... آپ لوگ ہنس رہے ہیں؟“ آصف نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”اچھا میں ہنس رہا ہوں؟ مجھے تو لگا کہ میں قہقہہ لگا رہا ہوں۔“ شفیق صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور شکیلہ بیگم بھی ہنسنے لگیں۔

”ڈیڈی!“ آصف نے جل کر کہا۔

”ارے تو اس میں غصے کی کیا بات ہے؟ تم اپنا حلیہ تو دیکھو۔ گندے الگ لگ رہے ہو۔ مالی نہ سمجھے تو کیا سمجھے؟ یہ کوئی طریقہ ہے ایسے باہر جا کر پانی ڈالنے کا؟“ شکیلہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

”آپ کو پتا ہے مجھے پودوں سے کتنا پیار ہے۔“ آصف نے جل کر کہا۔

''ہاں ہاں لیکن انسان ایک قمیص تو پہن ہی سکتا ہے، جاؤ جا کر کپڑے پہن کر آؤ۔'' شکیلہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ورنہ تنخواکاٹ لیں گے۔''

شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا اور شکیلہ بیگم کھلکھلا کر ہنسی۔

''واہ واہ واہ! گندہ! میلا! مالی! اور بھی کچھ رہ گیا ہے تو کہہ دیں۔'' آصف نے جل کر کہا اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔

''میں جا رہا ہوں۔'' آصف نے تنگ آ کر کہا۔

''کہاں؟'' شکیلہ بیگم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''اوپر، اپنے کمرے میں وہ بھی نہانے۔''

آصف نے جل کر کہا اور اوپر جانے لگا۔ ایسے میں نتاشہ نیچے آ رہی تھی تو آصف کو دیکھ کر بولی۔

''بھائی جان یہ آپ ہو یا مالی؟''

نتاشہ کی بات سن کر ایک بار پھر گھر میں قہقہے ابل پڑے اور آصف تلملا کر رہ گیا۔

☆......☆

''اُس کا ابّا بڑا بیمار ہے بھئی بلّے بلّے!''

''واہ واہ واہ واہ!''

حوالات میں بیٹھے قیدیوں نے روحیل کے شعر کی تعریف کرتے ہوئے ہلّا بول دیا۔

اس وقت وہ لاک اپ میں بند تھا اور چبوترے پر بیٹھا سمیرا کی ڈائری کھول کر بے فضول شاعری کر رہا تھا۔ اُس کے سامنے مزدور ٹائپ حوالات کے قیدی بیٹھے تھے جو اس کی شاعری سُن کر دیوانے ہو رہے تھے۔

''تو بھائی اُس کا ابّا بڑا بیمار ہے بھئی بلّے بلّے اور وہ شادی کے لیے تیار ہے بھئیبلّے بلّے!''

''واہ واہ واہ واہ!'' سب نے داد دی۔

''شش!'' روحیل نے سب کو خاموش کرا کر اپنے پاس بُلایا، سارے قیدی اُس کے پاس ہوے۔ روحیل نے سب کو دیکھ کر دھیرے سے کہا۔

''آٹھواں بچّہ وہ میری گود میں دے کر بولیں!''

''واہ واہ واہ!'' قیدی تعریف کرنے لگے اور روحیل نے شعر مکمل کیا۔

''آٹھواں بچّہ وہ میری گود میں دے کر بولیں یہ میرا آخری شاہکار ہے بھئی بلّے بلّے!''

''ارے واہ! ارے واہ! ہٹ جاو!'' ایک قیدی کو حال چڑھ گئے اور سب دیوانے ہو گئے۔

''بیٹھے بیٹھے اطمینان! ابھی تو پُوری کتاب باقی ہے۔''

روحیل نے ڈائری کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ سب پھر سے اُس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

''عرض کیا ہے؟'' روحیل نے ڈائیری کو دیکھا۔

''واہ!'' ایک قیدی بولا اور سب اُسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔

''ہاں جی تو عرض کیا ہے۔ تم سے ملنے کے لیے میں کیا جانوں؟''

روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا۔

'آہا! آہا!' سب قیدیوں نے ہاتھ اٹھا کر تعریف کی۔

''تم سے ملنے کے لیے میں کیا جانوں،

تم پیار کرو پر میں کیوں مانوں!

جلدی سے رشتہ لے کر آؤ میرے گھر،

آنے چاہیے چاچا، پھوپا اور ماموں!''

روحیل نے ڈائری پڑھتے ہوئے شعر کہا۔

''ارے واہ!''

سب کے سب پاگل ہو کر ناچنے لگے۔ روحیل اُن سب کو دیکھ کر ہنسے جا رہا تھا۔

''خوچہ ہماری لیے بھی تو شعر کہو!'' ایک خان صاحب نے فرمائش کی۔

''خان صاحب آپ کی اس خواہش پر ایک شعر ہے۔'' روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ارشاد! ارشاد!''

''لکھا ہے۔

آپ نے میرے دل سے کھیلا؟

آپ نے میرے من سے کھیلا!''

روحیل نے ڈائری کو دیکھ کر کہا۔

''واہ واہ واہ واہ!'' سب نے تعریف کی۔

''آپ نے میرے دل سے کھیلا

آپ نے میرے من سے کھیلا!

دغا دغا وئی وئی وی دغا دغا!''

''ارے واہ واہ واہ!''

روحیل کا یہ کہنا تھا کو حوالات میں بھونچال آ گیا اور سب قیدی بُری طرح اُچھل اُچھل کر ناچنے لگے۔شاعری ہٹ ہوگئی تھی ۔ایسے میں ایک کانسٹبل آ گیا اور حوالات کا دروازہ کھولا۔

''چلیے روحیل صاحب!ایس ایچ او صاحب بلا رہے ہیں۔''

''نہیں یار!ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے۔''ایک قیدی نے اُداس ہوکر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''یہ ڈسکو نہیں حوالات ہے، سمجھے!''

کانسٹبل نے اکڑ کر یہ جملے کہے اور وہ سب ہنسنے لگے۔کانسٹبل گھبرا گیا۔

''جانیں دیں کمشنر صاحب! ان لوگوں کی عادت ہے۔ چلیے آپ کے ایس ایچ او صاحب سے ملاقات کرلیں۔''

روحیل نے اٹھتے ہوئے یہ جملے کہے اور ڈائری اپنی جیکٹ کے اندر رکھی۔لاک اپ سے نکلتے ہوئے پلٹ کر اپنے دوستوں کو ہاتھ ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

''اچھا بھائیو! زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔''

''مت جاؤ خوچہ مت جاؤ تم چلے گئے تو ہم رات کو کس کے ساتھ سوئے گا؟''

خان صاحب نے رومانوی انداز میں کہا۔

''کمشنر صاحب! میرا خیال ہے ہمیں تھوڑی جلدی کرنی چاہیے۔''

روحیل نے گھبرا کر یہ جملے کہے اور جلدی سے حوالات سے نکلا۔اب وہ چلتا ہوا ایس ایچ او کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔اندر داخل ہوا تو دیکھا، اُس کے بہترین دوست فخاد اور سعد ایس ایچ او کے سامنے بیٹھے تھے۔

''آیئے آیئے سرکار! بیٹھیے۔''ایس ایچ او نے طنز کیا۔

''تھینک یو وسیم! ویسے آج جتنا مزہ آ رہا تھا نا، اتنا مزہ کبھی نہیں آیا۔''

روحیل نے کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''روحیل بالاج، ملک کے سب سے بڑے وکیل کا بیٹا۔ بالاج صاحب کی تعریف میں کچھ بھی کہوں وہ کم ہے، ملک میں اُن کی عزّت ہر سیاسی پارٹی کرتی آئی ہے،اس لیے ان کے بارے میں کچھ کہنا سُورج کو دیا دکھانے کے برابر ہے۔لیکن تم خود بہت بڑے وکیل ہو،قریب بارہ Law Firms پاکستان میں اور چار بیرونِ ملک ہیں، تمھیں زیب دیتا ہے اس طرح لاک اپ آنا؟''وسیم منہ بنا کر کہتا چلا گیا۔

''ٹیکنیکلی میں کبھی لاک اپ نہیں آیا، کیوں کہ میری FIR کٹی ہی نہیں۔''روحیل نے مسکرا کر کہا اور

فحاد، سعد ہنسنے لگے۔

''لیکن تمھاری یہ Competitive Nature کی وجہ سے آج تمھاری جان چلی جاتی۔ تمھیں اندازہ ہے کہ کتنی رفتار سے تم بائیک چلا رہے تھے؟'' وسیم نے جل کر کہا۔

''وسیم ٹھیک کہہ رہا ہے روحیل، یہ جو تیری ہار نا ماننے والی طبیعت ہے نا ایک دن نقصان کرا دے گی۔'' سعد نے منھ بنا کر کہا۔

''بھائی ایک بار کوئی مقابلہ ہار جاؤ تو فرق نہیں پڑتا۔'' فحاد نے بھی اُسے سمجھایا۔

''ابھی تو تم دونوں پیسے ڈھیلے کرو، نقصان میرا ہوا ہے اور مجھے اپنی بائیک بھی ٹھیک کرنی ہے۔'' روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''شرط لگانا غیر قانونی ہے۔'' وسیم نے انگلی دکھا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں، ہم تھانے سے نکل کر حساب کر لیں گے۔''

روحیل نے مستی میں کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''لیکن تم نے پولیس والوں کو بتایا کیوں نہیں کہ تم روحیل بالاج ہو؟''

وسیم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یار وہ اپنی ڈیوٹی کر رہے تھے اور میں واقعی بائیک بہت تیز چلا رہا تھا۔ مجھے اریسٹ ہونا چاہیے تھا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''ڈرامے کرا لو اس سے، اسے اچھی طرح پتا تھا ہم یہاں موجود ہوں گے تو ایک سیکنڈ میں چھوڑ دیے جاؤ گے......'' سعد نے منھ بنا کر کہا۔

''ہاں! حوالات کے مزے لیتا ہے یہ۔'' فحاد نے بھی جل کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، میں قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا۔ پولیس نے اپنی ڈیوٹی نبھائی اس لیے حوالات چلا آیا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''تم نہیں سُدھرو گے روحیل چلو بالاج صاحب کو سلام کہنا۔'' وسیم نے مسکرا کر کہا۔

''بالکل نہیں۔ پوپس کو پتا چل گیا نا کہ میں پھر سے بائیک تیز چلا رہا تھا تو بہت ناراض ہوں گے، اس لیے تمھارا سلام اُن تک نہیں پہنچا سکتا۔'' روحیل نے ان کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ کوئی مسئلہ نہیں، کوئی نا کوئی ٹوپی ہم سوچ ہی لیں گے۔'' سعد نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ہاں پلیز! بس یہ ایک غیر قانونی کام کرنا ہوگا ہمیں۔''

روحیل نے سوچتے ہوئے کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

جلد ہی تینوں وسیم سے ہاتھ ملا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

☆......☆

جہاں روحیل کے لبوں پر دن میں ہنسی تھی رات گیارہ بجے اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ وجہ بالاج صاحب تھے جن سے روحیل کو اب ملاقات کرنی تھی اور اس کی عین ممکن کوشش یہ تھی کہ بالاج صاحب سے ٹکراو نہ ہی ہو تو بہتر ہے۔ روحیل خاموشی سے اپنے بنگلے پر لوٹا۔ باہر کھڑے گارڈز نے فوراً ہی دروازہ کھولا اور روحیل بنا شور کیے بائیک اندر لے گیا۔ خاموشی سے اس نے اپنی بائیک گیراج میں کھڑی کی جہاں پہلے سے ہی اس کی آٹھ بائیکس موجود تھیں۔ اُس کے والد نے اُسے ہر رنگ کی اسپورٹس بائیک دلائی ہوئی تھی۔ اپنا ہیلمٹ وہیں رکھ کر وہ دبے پاوں گھر کی طرف بڑھا۔

گھر کا مرکزی دروازہ کھول کر اس نے دائیں اور بائیں دیکھا تو عالیٰ شان بنگلہ خالی نظر آیا۔ اس نے من ہی من میں شکر خدا ادا کیا اور دبے پاوں اندر آیا۔ اُسے کسی بھی حال میں اوپر والی منزل پر جانا تھا۔ جلد ہی اُس کا گزر گھر کے لاونج سے ہوا جہاں اُس کے والد بالاج صاحب خاموشی سے بیٹھے ہوئے ٹی وی پر خبریں دیکھ رہے تھے۔ روحیل انھیں دیکھ کر ایک بار پھر دبے پاوں اوپر جانے لگا۔ دل سے دعا کر رہا تھا کہ بالاج صاحب اسے پکڑ نہ لیں۔

''بہت جلدی آ گئے برخُوددار!''

بالاج صاحب کی آواز سُن کر روحیل کا دم نکل گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔

''آج بھی کوئی میٹنگ تھی؟ یا کوئی مقابلہ؟''

بالاج صاحب نے اپنا چشمہ اُتار کے پلٹ کر اُسے دیکھ کے پوچھا۔ اُن کی شخصیت میں ایک وقار تھا، گورا چہرا، لمبا جسم اور سفید داڑھی۔ بالاج صاحب ملک کے نامور وکیل تھے اور سیاست میں بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ اُن کی یہی دلچسپی دیکھ کر کئی بڑی سیاسی پارٹیاں اُن سے اہم مشورہ کرتی تھیں۔ بالاج صاحب کو سیاست میں آنے کے لیے کئی پارٹیوں نے ٹکٹس بھی دیے، مگر انھوں نے اپنا موقف صرف مشوروں کی حد تک رکھا۔ دولت کا انبار ان کے پاس موجود تھا لیکن اتنی دولت ہونے کے باوجود اپنی بیگم کے انتقال کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔

"Pops! Pops! I am so so sorry!"۔ روحیل نے گھبرا کر ان کے پاس آ کر کہا اور جلدی سے بولا۔

''آپ کو پتا ہے آج کیا ہوا؟''

''مجھے پتا ہے۔'' بالاج صاحب نے اطمینان بخش لہجے میں کہا۔

''کیا پتا ہے؟'' روحیل نے چونک کر پوچھا۔

''یہی کہ آج مجھے تمھارے ساتھ ایک بہت ہی امپورٹنٹ کلائنٹ کے ساتھ جانا تھا اور چاہتا تھا کہ تم ان کے میٹیر کے نوٹس لو لیکن جناب حوالات چلے گئے اور واپسی پر اپنے دوستوں کے ساتھ نکل گئے، ہے نا؟ یہی ہوا نا؟'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''اور کتنا شرمسار کریں گے پوپ؟ کہا نا غلطی ہوگئی۔''

روحیل نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

'اٹس اوکے، ابھی جوان ہو، اچھا ہے جوانی جیو۔ لیکن تھوڑا کام پر بھی دل لگاو، یاد رکھو، وکیل کی Reputation بہت ضروری ہوتی ہے اور تم ویسے بھی کورپوریٹ وکیل ہو۔''

انھوں نے اُسے دیکھ کر سمجھایا۔

''جانتا ہوں پوپس، آپ سے سیکھنے کو بہت ملتا ہے مجھے۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''اور مجھے تم سے۔'' بالاج صاحب نے ہنس کر کہا اور روحیل بھی ہنس پڑا۔

''کہو حوالات میں کیا کر کے آئے؟'' بالاج صاحب نے مزے سے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں، بیچارے لاک اپ میں بند تھے ان کے ساتھ تفریح کرنے لگا اور ایک خان صاحب مجھے لبھانے کی کوشش کرنے لگے۔''

روحیل نے معصومیت سے بتایا اور بالاج صاحب ہنسنے لگے۔

''ماشااللہ بھائی!''

ایسے میں زین کی آواز آئی اور دونوں نے پلٹ کر زین کی طرف دیکھا۔ زین اس گھر کا سب سے چھوٹا بیٹا اور روحیل، بالاج صاحب دونوں کا لاڈلا تھا۔ اکّیس سال کا زین شرارتوں میں اپنے بھائی پر ہی گیا تھا لیکن ذہین بھی بے حد تھا۔ یہ ایک خوش شکل نوجوان تھا جو اپنے والد اور بھائی کی طرح وکالت پڑھ رہا تھا۔

''یعنی کے آپ ترقی کر گئے۔ سارا، نادیہ اور ثناء کے بعد اب آپ پٹھانوں سے بھی دوستی کرنے لگے۔'' زین نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''آیئے جناب آیئے فرصت مل گئی آپ کو اپنی گیم سے؟''

روحیل نے اُسے اپنے پاس بُلاتے ہوئے کہا۔

''بھائی آپ کو تو پتا ہے آنلائن گیمز کے مقابلے کتنی دیر چلتے ہیں لیکن میری چھوڑیے اپنی کہیے، مطلب کوئی نہ ملا تو خان صاحب ہی صحیح۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''قسمت قسمت کی بات ہے پیارے۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''وہ Joke ہے نا پوپس، کہ ایک سُنسان سڑک پر خان صاحب جا رہے تھے، سامنے سے ایک لڑکی سائیکل پر آ رہی تھی۔ لڑکی نے خان صاحب کو دیکھ کر کہا۔ خان صاحب لُوٹ لو جو لُوٹنا ہے۔ خان صاحب نے سائیکل لی اور بھاگ گئے۔''

زین کی بات سُن کر وہ دونوں ہنسے پڑے۔

''بے شرم ہو گئے ہو تم دونوں۔'' بالاج صاحب نے دونوں کو ڈانٹا۔

''بے شرمی سے یاد آیا، پوپس کچھ پیسے چاہیے تھے۔'' زین نے اپنے والد کو دیکھ کر کہا۔

''ابھی پچھلے ہفتے ہی میں نے تمھیں پیسے دیے ہیں۔'' روحیل نے منھ بنا کر کہا۔

''وہ تو آپ نے دیے تھے نا، پوپس نے تھوڑی۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''کتنے چاہیے؟'' بالاج صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

''دو لاکھ روپے، کچھ چیزیں لینی ہیں کمرے کے لیے۔'' زین نے دانت نکال کر کہا۔

''گیمز کے لیے ہی لینی ہوں گی۔'' روحیل نے منھ بنا کر کہا۔

''Objection my lord! میرے ساتھی وکیل مجھے کچھ زیادہ تنگ کر رہے ہیں۔'' زین نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

''Objection over ruled! آپ نے پنگا لینے کی عادت بنا لی ہے۔''

روحیل نے منھ بنا کر کہا۔

''Objection my lord!! بھائی پنگا جیسا لفظ عدالت میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' زین نے اپنے والد کو دیکھ کر کہا۔

''Objection over ruled! یہ بھائی پنگے کے ساتھ ساتھ سیدھے ہاتھ کا جھاپڑ بھی دے سکتا ہے۔'' روحیل نے جل کر کہا۔

''Objection my lord! یہ سیدھا سیدھا Phsyical Abuse کا کیس بن رہا ہے۔''

زین نے بوکھلا کر کہا۔

''Objection over ruled! میں ثبوت کو Deny کر دوں گا!''

روحیل نے مستی میں کہا اور بالاج صاحب ہنس پڑے۔

''کسی نے سچ کہا ہے، پاکستان میں انصاف ہے ہی نہیں۔'' زین نے منھ بنا کر کہا۔

''میں نہیں مانتا! میں آج تک کوئی کیس نہیں ہارا اور ہر کیس میں اپنے موکل کو انصاف دلایا

ہے۔" بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"بڑی بات ہے پوپس، اس عمل سے آپ اس قدر کامیاب ہوئے۔" روحیل نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"سیدھے راستے پر رہو اللہ ضرور کامیاب کرتا ہے۔ راستہ مشکل ہے مگر ناممکن نہیں۔"
انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ آپ دونوں کے سراط مستقیم میں میرے پیسے رہ گئے۔"
زین نے جل کر یہ جملے کہے اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

"روحیل جاؤ تجوری میں سے دو لاکھ نکال کر دے دو اس کو۔"
بالاج صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوکے پوپس۔"
روحیل نے ہنستے ہوئے کہا اور اٹھا اور تجوری کی طرف بڑھا۔ جلد ہی تجوری کھلی اور اس نے پیسے نکالے۔ تجوری کو بند کر کے پلٹ کر زین کی طرف آیا۔

"لیجیے ہماری محنت کی کمائی۔" روحیل نے چڑ کر اُسے پیسے دیے۔

"پوپس اور بڑا بھائی ہو تو ایسے، ہم تینوں واقعی نا بیسٹ فرینڈز ہیں۔"
زین نے مسکرا کر اپنے والد کے پاس بیٹھا۔

"سُوپر بیسٹ فرینڈز!"
روحیل بھی مسکرا کر اپنے والد کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا۔ بالاج صاحب نے دونوں کے سروں پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہنے لگے۔

"ہماری دوستی اور محبت نے ہی اس گھر کو چلایا ہے۔ روحیل پانچ سال کا تھا اور تم صرف ایک سال کے، جب تمھاری ماں چل بسی، ایک بہت بڑی ذمے داری مجھ پر چھوڑ گئی ...... تمھارے ماموں شفیق اور مامی شکیلہ نے تم لوگوں کی پرورش میں میرا بھرپور ساتھ دیا میں یہ بات فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اس مشن میں کامیاب رہا ہوں۔"

"We Love you Pops!" روحیل نے انھیں دیکھ کر کہا۔

"Yes we do" زین نے مسکرا کر کہا۔

"And, I love you both" بالاج صاحب نے پیار سے کہا، پھر کہنے لگے۔

"لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اس گھر میں ایک بہو آ جانی چاہیے۔"

''بالکل!'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''اچھا؟ تو زین تم کب شادی کر رہے ہو؟'' روحیل نے اُسے چھیڑا۔

''میں شادی وادی نہیں کر رہا بلکہ آپ کر رہے ہیں۔ مجھے ایک عدد بھابھی ماں چاہیے بس!'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''میں کس سے شادی کروں؟'' روحیل نے منہ بنا کر کہا۔

''وہ ہے نا، سارا، ثناء؟ تمھاری گرل فرینڈز۔'' بالاج صاحب نے ہنس کر کہا۔

''پوپس وہ میری گرل فرینڈز نہیں ہیں صرف دوست ہیں اور دوستوں سے شادی نہیں ہوتی۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''تو کیا پٹھانوں سے شادی کرنی ہے؟ تم نا سدھر جاؤ۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ایک دوں گا گردن کے پیچھے۔'' روحیل نے اٹھ کر کہا اور زین بچنے لگا۔

''اچھا لڑو نہیں تم دونوں، مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تم نے ان سے شادی نہیں کرنی تو پھر شادی کس سے کرنی ہے؟'' بالاج صاحب نے اپنے بیٹے سے پوچھا۔

''یہ شادی کا ٹاپک کہاں سے آ گیا؟'' روحیل نے چڑ کر پوچھا۔

''آئے ہائے! ہائے! ہائے! آپ کیا سولہ سال کی کمسن لڑکی ہیں جو اس طرح شرما رہے ہیں؟ ارے بھائی بتاؤ یار کیسی بیوی چاہیے؟ ان فیکٹ چاہیے بھی کے نہیں؟''

زین نے چڑ کر پوچھا۔

''ضرور چاہیے اور میں کوئی شرما نہیں رہا۔'' روحیل نے منہ بنا کر کہا۔

''تو پھر کیا مسلہ ہے؟'' زین نے ہاتھ چلا کر پوچھا۔

''یار ایسی ساتھی ملے جو مجھے، تمھیں اور پوپس کو سنبھال لے......کوئی ایسی آئے جو میری بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ اس گھر کی بہو اور بیٹی بن کر رہے......لیکن I Don't think سارا اور ثناء ایسی بُہو بن سکتی ہیں۔''

روحیل نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا اور بالاج صاحب نے اُسے مسکرا کر دیکھا۔

''واہ بھائی! آپ کے جواب نے تو دل جیت لیا۔'' زین نے تعریف کر کے کہا۔

''بس! جیسے ہی یہ لڑکی ملے گی رشتہ پکّا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''اور تمھاری شادی کہاں کریں؟'' بالاج صاحب نے مسکرا کر زین سے پوچھا۔

''میرا بھی کچھ کچھ یہی جواب ہے پوپس جو بھائی نے دیا۔'' زین نے سر کھجا کر کہا۔

''پوپس اس کی شادی نتاشا سے کر دیں۔خوش رہیں گے دونوں۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''خدا کا خوف کرو بھائی! میں اُسے کھلا کھلا کے ہی ساری دولت ختم کر دوں گا۔اس سے بہتر ہے میں آصف بھائی سے شادی کرلوں۔'' زین نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور وہ تینوں ہنسنے لگے۔

''روحیل مجھے تمھارے خیالات جان کر فخر محسوس ہوا'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"I won't let you down Pops!"۔

روحیل نے مسکرا کر کہا اور بالاج صاحب نے اُسے مسکرا کر دیکھا۔

اپنے والد اور بھائی سے گفتگو کر کے روحیل اپنے کمرے میں آیا اور دھپ کر کے اپنے نرم بستر پر بیٹھا۔اُس کا کمرا بھی اس بنگلے کی طرح عالی شان تھا۔کیا کچھ نہیں تھا اُس کے کمرے میں۔بڑی سی کھڑکی جس پر مخمل کے پردے ڈلے ہوئے تھے۔مہنگے ترین صوفے اور ایک کونے میں بڑا سا پیانو۔روحیل کا کمرا کسی Five Star ہوٹل سے کم نہیں تھا۔روحیل تھک کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ اُس کا موبائل وائبریٹ ہوا۔پلٹ کر دیکھا تو سارا کا نام لکھا نظر آیا۔روحیل نے مسکرا کر فون اٹھایا۔

"Think of a devil and the devil is here"۔

''وہ تو خیر میں ہوں۔''

انتہائی رومانوی انداز میں سارا نے یہ جملے کہے۔سارا ایک خوبصورت اور بڑے باپ کی بگڑی ہوئی شہزادی تھی جس کا مقصد صرف کلبز میں جانا اور عیّاشی کرنا تھا۔ان دنوں وہ روحیل کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی تھی۔

''لیکن یہ بتاؤ تم کب اپنے اندر کا شیطان جگاؤ گے؟''

اس نے رومانوی انداز میں پوچھا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''پتا نہیں،اب جو سویا ہوا ہے اُسے سوتا ہی رہنے دو۔''

''کبھی نہ کبھی تو آگ بھڑک اٹھے گی، جب بجھانے کے لیے کوئی نہ ملے گی تو میرے پاس ہی آؤ گے۔'' سارا نے رومانوی انداز میں کہا۔

''نہیں، میں تب بھی سعد اور فخاد کے پاس چلا جاؤں گا۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''کیوں؟ Gay ہو گیا؟'' اس نے منہ بنا کر پوچھا۔

''بالکل نہیں لیکن اچھے دوست خوبصورت بانہوں کی قید سے بہتر ہیں۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''دیکھ لو روحیل، ایسی باہیں تمھیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔'' سارا نے مچلتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایسی بانہوں کی تلاش ہے بھی نہیں جو ڈھونڈنے سے مل جائیں۔نصیب میں ہو گا تو خود چل کر

میرے پاس آئیں گی۔'' روحیل نے مسکرا کر جواب دیا۔
''اچھا؟ اتنا بھروسہ ہے نصیب پر؟'' سارا نے مستی میں پوچھا۔
''بالکل!'' اس نے جواب دیا۔
''تو سمجھو تمھارے نصیب نے تمھاری پسند لا کر کھڑی کر دی ہے، بس اب اپنی عقل کو آواز دو تا کہ اُسے نظر آ جائے۔'' سارا نے اک بار پھر رومانوی انداز میں کہا۔
''اس معاملے کو میں عقل سے نہیں دل سے پرکھنا چاہتا ہوں۔''
روحیل نے مسکرا کر جواب دیا۔
''دل سے بھی پرکھ لینا، میں نے روکا نہیں ہے تمھیں۔'' سارا نے پیار سے کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔
''اس کول اور کالج سے ہم دونوں ساتھ ہیں مجھے یاد ہے اس کول میں بھی میں ایسے ہی جتنا پاس آنے کی کوشش کرتی تھی تم اُتنا ہی دُور ہو جاتے تھے...... تمھارے چکّر میں کتنے ہی لڑکوں کو ٹاٹا کہا ہے میں نے۔'' سارا نے منھ بنا کر کہا۔
''تو اچھی بات ہے نا! کوئی تو تمھیں راہ حق پر لے کر آیا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔
''ٹھیک ہے اب تم نے اس کام کی ذمے داری لی ہے تو تھام لو میرا ہاتھ لے چلو مجھے راہ حق پر۔'' سارا نے مسکرا کر کہا۔
''سارا، اس کول سے تم میرے ساتھ ہو اب تو تم مجھے میری چھوٹی بہن لگنے لگی ہو۔''
روحیل نے مستی میں کہا۔
''Shut Up!۔'' سارا بھڑک گئی اور روحیل ہنسنے لگا۔
''تمھارا نا ابھی دماغ خراب ہوا ہے، ہر بات کا ٹیڑھا جواب دے رہے ہو۔''
سارا نے جل کر کہا۔
''ہاں آج حوالات میں کچھ ٹیڑھے لوگوں سے ملاقات ہوئی شاید اُس کا اثر ہے۔''
روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔
''مجھے واقعی یقین نہیں آتا کبھی کبھی تمھاری حرکتوں پر۔ ایک چھوٹا سا بینکر بھی نا پولیس کو چکما دے سکتا ہے لیکن ملک کے اتنے بڑے وکیل کا بیٹا حوالات چلا گیا۔''
سارا نے حیران ہو کر کہا۔
''زندگی جینے کا نام ہے۔ ویسے بھی مجھے اچھا نہیں لگتا پولیس والوں کو یہ کہنا کہ ''تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟'' یا ''تمھیں پتا ہے میرا باپ کون ہے؟۔ سراسر غلطی میری تھی اس لیے حوالات گیا۔'' روحیل نے

اُسے سمجھایا۔

''تو پولیس والوں کے ساتھ حوالات چلے گئے، کیا خیال ہے؟ میرے ساتھ کل شیریٹن چل سکتے ہو؟'' سارا نے مسکرا کر پوچھا۔

''آئیڈیا بُرا نہیں۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''اوکے، پھر کل شیرٹن پر ہی ملاقات کرتے ہیں میں انتظار کروں گی، بائے۔''

سارا نے پیار سے کہا۔

''بائے۔''

روحیل نے مختصر جواب دیا اور فون رکھا اور کپڑے بدلنے کے لیے اٹھ گیا۔ جلد ہی وہ کالا بنیان اور کالا ٹراوزر پہن کر بستر پر لیٹ گیا اور آج کے ایڈونچر سے بھرے دن کے بارے میں سوچنے لگا۔ واقعی آج بائیک بہت زیادہ ہی تیز چلائی اور خدانا خواستہ بڑا حادثہ ہوجاتا تو کیا ہوتا، پھر تھانے میں جس طرح کے لوگ اُسے ملے، بروقت اگر وہ ڈائری لے کر شاعری نہ شروع کرتا تو اُس کا کام ہوگیا تھا۔

''ڈائری؟''

روحیل کے منہ سے نکلا اور وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ اُٹھ کر اپنے Closet میں گیا اور جیکٹ کی اندر والی جیب سے ڈائری نکالی۔ چلتا ہوا اپنی Writting Table کے پاس آکر بیٹھا۔ پاس رکھے لیمپ کو روشن کیا اور کُرسی پر بیٹھ کر ڈائری کو دیکھنے لگا۔ پہلا صفحہ دیکھا تو نام لکھا نظر آیا۔

''سمیرا راشد۔'' روحیل کے منہ سے نکلا اور اس نے صفحہ پلٹا۔ لکھا تھا۔

''ہم نجانے کیسے لاہور سے زندہ کراچی آگئیں، نجانے کیسے ہم آنی کے گھر پہنچ گئے۔

مجھے یقین تھا کہ میری موت یقینی ہے لیکن یہ سانسیں بہت ضدّی ہیں، یہ خدا کے کہنے سے ہی چلتی ہیں، اُس کے کہنے سے ہی رُکتی ہیں۔ لیکن میرے اوپر ہوئے ظلموں کو دیکھ کر بھی خدا کو ترس نہ آیا، میری سانسیں چل رہی تھیں، دل دھڑک رہا تھا لیکن ہاں مجھ میں اب زندگی نہیں ہے۔''

روحیل حیران رہ گیا، یہ کس قسم کی تحریر تھی؟ اس نے اگلا صفحہ پڑھا۔

''آج کوثر بھائی سے ملاقات ہوئی، بہت اچھے ہیں وہ، کوئی سوال نہیں بس بچّوں کی طرح ہم سے بات کرنا، ہمیں انسان سمجھنا۔ ثمینہ تو پہلے دن سے ہی اُن کی دوست بن گئی تھی۔ لیکن زندگی کے اس سفر میں شاید میں اکیلی ہی ہوں کون

ہے جو میرے پاس ہے؟ درحقیقت کوئی نہیں......کوئی نہیں۔''

''کوثر؟ نام تو سُنا سُنا لگ رہا ہے۔'' روحیل بڑبڑایا اور پھر اس نے اگلا صفحہ پلٹا، لکھا تھا۔

''خالو جان اور آنی کا احسان میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ آج انھوں نے مجھے جوڑے دلائے، میں منع کرتی رہ گئی لیکن انھوں نے میری ایک نہ سُنی اور مجھے اچھے کپڑے دلائے۔ شاید ان کی زندگی میں جس اولاد کی کمی تھی، وہ مجھے دیکھ کر پُوری ہوگئی۔ اللہ انھیں بہت خوش رکھے، بس یہی دعا ہے کسی کا ایسا نصیب نہ ہو جیسا میرا ہے۔ آمین۔

روحیل نے اگلا صفحہ پلٹا۔

''آج ہمارے کالج کا پہلا دن ہے، آنی کہتی ہیں کے مستقبل کے لیے پڑھائی بہت ضروری ہے، نئی زندگی نئے دوست بنیں گے، زندگی کی مٹھاس کو محسوس کرسکو گی لیکن جس کی زندگی سے مٹھاس کو نوچ لیا ہو، جس کے دل میں زہر کو بھر دیا ہو، اُسے زندگی کی مٹھاس کہاں محسوس ہوگی؟ جب زندگی میں کوئی رنگ نہ ہو، تو ہر رنگ بے معنی لگتا ہے۔''

روحیل ایک ایک کر کے ہر صفحہ پڑھتا گیا لیکن سوائے ڈپریشن سے بھرپور باتوں کے سوا اور کچھ نہ لکھا تھا۔ اپنے آپ کو کوسنے اور اپنی زندگی سے مایوسی کے سوا کچھ نہیں تھا اُس ڈائری میں۔ وہ حیران رہ گیا۔ اتنی خوبصورت لڑکی کے اندر اس قدر اندھیرا ہے؟ سوائے دکھوں کے سمیرا نے اپنی ڈائری میں کچھ نہ لکھا تھا۔ روحیل نے کوشش کی کہ کہیں سے کوئی نمبر یا ای میل لکھا مل جائے۔ لیکن اُس میں کچھ نہ لکھا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے اپنا سمارٹ فون نکالا اور فیسبک پر سمیرا راشد لکھ کر ڈھونڈنے لگا۔ کئی سمیرا راشد نظر آئیں لیکن وہ جانتا تھا کہ ان میں کوئی لڑکی وہ سمیرا نہیں ہے جو اُسے آج ملی تھی۔ تھک ہار کر اس نے اپنا فون رکھا اور سوچنے لگا۔ اس کی نظریں ڈائری پر جمی تھیں۔ اس نے ڈائری اٹھائی اور لبوں پر اُداس مسکراہٹ لا کر کہنے لگا۔

''خیر سمیرا بی بی جہاں رہو خوش رہو۔''

یہ کہہ کر روحیل نے لیمپ بند کیا اور اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

☆......☆

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ کراچی سُنسان پڑا تھا، سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔ اشرف صاحب کا گھر بھی اس لمحے تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اپنی بیگم تہمینہ کے ہمراہ آرام فرما رہے

تھے جب کہ زارا، ثمینہ اور سمیرا ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔قریب قریب رات کے تین بج رہے ہوں گے کہ سمیرا کو اپنا سانس رُکتا محسوس ہوا۔ سرد کمرے میں بھی سمیرا کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا اور جلد سانس اُکھڑنے لگا۔سوتے ہوئے اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے جیسے کوئی اُس کا گلا گھونٹ رہا ہو اُس کا دل نکل کر حلق میں آ گیا ہو......دل ہے کہ سنبھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ وہ سوتے ہوئے بے چین ہونے لگی۔

زارا کی آنکھیں کھلیں اور اس نے چونک کے پلٹ کر سمیرا کی طرف دیکھا تو اُسے تڑپتا ہوا پایا۔ وہ بُری طرح لمبی لمبی سانس لے رہی تھی۔یہی وہ لمحہ تھا کہ سمیرا بُری طرح چلّانے لگی۔

”نہیں۔......نہیں۔نہیں۔نہیں......!“

”سمیرا؟ سمیرا؟“

زارا تڑپ کر اُٹھی اور اُسے تھامنے کی کوشش کی۔سمیرا گہری نیند میں تڑپنے لگی۔اس شور سے ثمینہ کی آنکھ کھلی اور وہ بھی چونک کر اٹھ بیٹھی۔

”سمیرا......سمیرا......بس سمیرا!“

زارا نے اُسے تھامنے کی کوشش کی لیکن سمیرا بُری طرح تڑپنے لگی۔

باہر کی لائٹ جلی اور اشرف صاحب، تہمینہ بیگم کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔

”پھر اٹیک ہوا؟“ اشرف صاحب نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

”جی۔“ زارا نے فکر میں جواب دیا۔

”سمیرا؟ سمیرا بیٹے؟“

اشرف صاحب نے اُسے تھامنا چاہا لیکن سمیرا اب بُری طرح تڑپ رہی تھی وہ چلّائے جا رہی تھی۔

”یا اللہ۔“ تہمینہ بیگم کے منھ سے نکلا۔اشرف صاحب نے مشکل سے سمیرا کو شانوں سے پکڑ کر اُٹھایا۔ وہ اب بُری طرح کانپ رہی تھی۔

”اٹھو بیٹا! اُٹھو چلو میرے ساتھ۔“

اشرف صاحب اُسے تھام کر اٹھانے لگے اور سمیرا زندہ لاش کی طرح ان کے ساتھ چلنے لگی۔اس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔اسی حال میں اشرف صاحب اُسے اپنے کمرے میں لے کر آئے اور پیار سے اُسے بستر پر لٹایا۔سمیرا نے لیٹتے ہی کمبل اس طرح پکڑ لیا جیسے وہ اونچائی سے گر رہی ہو۔تہمینہ بیگم اُس کے برابر میں لیٹیں اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دعائیں پڑھنے لگیں۔اشرف صاحب، زارا اور ثمینہ اس وقت انھیں ہی دیکھ رہے تھے۔تہمینہ بیگم نے دعا پڑھ کر سمیرا کے ماتھے پر پھونکا اور فکر مند ہو کر بولیں۔

''میں یہیں لیٹتی ہوں اس کے پاس۔''

''ہاں ٹھیک ہے میں نیچے صوفے پر لیٹ جاتا ہوں۔''

اشرف صاحب نے سر ہلا کر کہا اور پلٹ کر زارا سے کہنے لگے۔

''چلو تم لوگ سو جاؤ، رات بہت ہو رہی ہے صبح کالج بھی جانا ہے۔''

''جی۔''

زارا کے منھ سے نکلا اور وہ ثمینہ کو لے کر کمرے میں چلی گئی۔ تہمینہ بیگم اب پیار سے سمیرا کا ماتھا سہلا رہی تھیں اور سمیرا کو کچھ قرار آنے لگا تھا۔ سب جانتے تھے کہ اب سمیرا سنبھل جائے گی۔

زارا چلتی ہوئی کمرے میں آئی تو ثمینہ فکر میں کہنے لگی۔

''آپی ہمیں چاہیے کہ ڈاکٹرز کو دکھائیں، مہینے میں ایک بار سمیرا باجی کو یہ اٹیک ضرور آتا ہے۔''

''دکھایا تھا ثمینہ! ڈاکٹرز نے Severe Anxiety بتائی ہے۔'' زارا نے جواب دیا۔

''لیکن کوئی دوا تو ہوگی اسکی؟'' ثمینہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''اتنی سی عُمر میں دوائیں لینا عقلمندی نہیں ہے، ان شاءاللہ سمیرا خود سے بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ میرا دل کہتا ہے۔'' زارا نے سوچتے ہوئے کہا اور پلٹ کر بولی۔

''چلو اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔''

اُس کے کہنے پر ثمینہ سر ہلا کر رہ گئی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔ زارا نے لیمپ بجھایا اور ثمینہ کا سر سہلانے لگی۔ جلد ہی ثمینہ واپس نیند کے آغوش میں چلی گئی مگر زارا کی آنکھوں سے نیند اب غائب ہو چکی تھی۔ سمیرا کا حال کیا ہو رہا تھا، وہ اپنی صحت کو لے کر کیا کر رہی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔ خدا سے دعا کرنے کے سوا زارا کے پاس کچھ نہ تھا۔

☆......☆

سمیرا جب صبح اُٹھی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں بلکہ اپنی آنی کے کمرے میں موجود ہے۔ اُسے کچھ یاد نہیں کہ رات کو اُس پہ کیا بیتی تھی۔ گھر والوں نے بھی اُسے مزید پریشان کرنا بہتر نہ سمجھا اور ادھر اُدھر کے جواب دے کر معاملہ رفع دفع کیا۔ سمیرا کو سوتے ہوئے اس قسم کے دورے پڑ رہے تھے، ڈاکٹرز کو دکھایا تو انھوں نے یہی کہا کہ شدید انزائٹی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ وہ لوگ دوائی دینے کے لیے تیار تھے مگر زارا اس بات پر رضامند نہیں تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی جوان بہن ابھی سے دواؤں کی عادی ہو جائے اس لیے زارا کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ سمیرا اپنے آپ ٹھیک ہو اور زندگی کی خوشیوں کی طرف مائل ہو۔ اس واقع کو دو دن گزر گئے اور زندگی حسب معمول گزرنے لگی۔ ایک روز صبح

نزرل برتن دھوتے ہوئے زور زور سے گانا گائے رہا تھا:
''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ!...... مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ!''
ہال میں بیٹھے کوثر، زارا اور ثمینہ بُرے بُرے منھ بنا رہے تھے۔ زارا اس لمحے بیٹھی ہوئی ثمینہ کے بالوں میں تیل لگا رہی تھی۔
''یار اس ریڈیو کا کچھ کرنا پڑے گا۔'' کوثر نے سر پکڑ کہا۔
''کچھ نہیں کرنا بھئی، آج کل ماسی بھی نہیں مل رہی۔ لے دے کر یہ نزرل بابا ہی ہیں جو گھر کے کام کر دیتا ہے۔'' زارا نے ثمینہ کے سر کی مالش کرتے ہوئے کہا۔
''لیکن ساتھ میں یہ ریڈیو پاکستان بھی تو آ گیا ہے۔'' کوثر نے جل کر کہا۔
''کوثر بھائی اچھا ہے نا، فری میں میڈم نُور جہاں کے گانے سُننے کو مل رہے ہیں۔''
زارا نے مسکرا کر کہا۔
''وہ تو ٹھیک ہے زارا لیکن ہمارے کانوں پر بھی تو رحم کھائے۔ ان کا کیا قصور ہے؟''
کوثر نے منھ بنا کر کہا۔
''کوثر بھائی آپ ایک کام کریں، یہاں سے نکل کر تھورا مائیکل جیکسن سُن لیا کریں۔'' ثمینہ نے آنکھیں بند کیے ہوئے کہا۔
''اُس سے کیا ہوگا؟'' کوثر نے حیران ہو کر پوچھا۔
''تھوڑا ڈفرنٹ لگے گا۔'' ثمینہ نے مستی کے عالم میں کہا اور زارا ہنسنے لگی جب کہ کوثر بُرے بُرے منھ بنانے لگا۔
''ثمینہ صحیح سے بیٹھو!'' زارا نے اُسے ڈانٹا۔
''آپی! میں تھک گئی۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔
''کوئی تھکی وکی نہیں ہو تم۔ بال دیکھو تمھارے کتنے خراب ہو رہے ہیں، تمھیں اپنا کچھ ہوش بھی ہے کہ نہیں؟'' زارا نے منھ بنا کر کہا۔
''آپی! مجھے نہیں لگتا کہ تیل سے کچھ ہوتا ہے بالوں پر، یہ صرف ایک Myth ہے۔'' ثمینہ نے بُرا سا منھ بنا کر کہا۔
''ثمینہ ٹھیک کہہ رہی ہے، اگر تیل سے کچھ ہوتا تو میری یہ ٹنڈ نہیں نکل رہی ہوتی۔'' کوثر نے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔
''اس لیے کہہ رہی ہوں کوثر بھائی جلدی سے کوئی ڈھونڈ لیں۔ ابھی بھی وقت ہے......'' زارا نے

مسکرا کر کہا۔

''ارے میری پیاری بہنا! جس دن آمدنی اچھی ہو جائے گی اُس دن شادی بھی ہو جائے گی۔لڑکی ڈھونڈنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔'' کوثر نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''آپ کی باتوں سے تو لگ رہا ہے کہ لڑکی دیکھی جا چکی ہے۔'' زارا نے ہنس کر پوچھا۔

''نہیں بھائی۔ میں غریب کہاں لڑکی ڈھونڈوں گا۔لیکن میرے پاس ایک عدد چچی اور تین پیاری پیاری بہنیں ہیں۔تم لوگ ڈھونڈو گے نا۔'' کوثر نے اکڑ کر کہا۔

''اچھا تو یعنی یہ ذمے داری ہماری؟'' زارا نے ہنس کر پوچھا۔

''بالکل!'' کوثر نے اترا کر کہا۔

''کوثر بھائی کے لیے لڑکی میں دیکھوں گی۔'' ثمینہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''پہلے بال تو ہٹا لو آنکھوں پر سے، پھر لڑکی دیکھو گی نا۔'' کوثر نے ثمینہ کو دیکھ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''آپی!......آپی!''

ایسے میں اوپر سے سمیرا کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

''چلو بھی! میں اوپر سے ہو کر آتی ہوں۔ ورنہ سمیرا کا مُوڈ خراب ہوا تو گھر کا ماحول گیا۔''

زارا نے ڈر کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔زارا اپنے ہاتھ دھونے کے لیے بڑھی۔ایسے میں ثمینہ اُچک کر کوثر کے پاس بیٹھ گئی۔

''تو ہماری پسند چلے گی؟'' ثمینہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

''بالکل!'' کوثر نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''میڈم نسرین کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' ثمینہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

''یہ کس بلا کا نام ہے؟'' کوثر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بلا نہیں ہیں۔ ہماری کلاس میں ہیں، ماشاءاللہ اتنی اچھی نیچر کی ہیں کسی بچّی کو کچھ نہیں کہتیں اور ہمارے ہوم ورک بھی چیک نہیں کرتیں۔ بلکہ کہتی ہیں کہ جو کرنا ہے کلاس میں کرو بس مجھے تنگ نا کرو۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر بتایا۔

''کافی اچھی ہیں۔'' کوثر نے منھ بنا کر کہا۔

''آپ شادی کر لیں اُن سے۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''اچھا؟ یعنی کے تمھاری ٹیچر تمھارے لیے اچھی اور شادی کروں میں؟'' کوثر نے ہنس کر کہا۔

''ہاں نا! آپ شادی کرلیں گے ناتو میرے مارکس اچھے آئیں گے۔'' ثمینہ نے خوش ہوکر کہا۔

''یہ توتم نے حد کردی ثمینہ۔'' کوثر نے منھ بنا کر کہا۔

''کوئی حد نہیں ہوئی، ہدجب ہوتی ہے جب ثمینہ کہتی ہے۔'' ثمینہ نے اترا کر کہا۔

''شکریہ ثمینہ لیکن میرا خیال ہے کہ تم زارا اور سمیرا سے بھی مشورہ کرلو۔''

کوثر نے گھبرا کر کہا اور ثمینہ خوش ہونے لگی۔

زارا اوپر چلتی ہوئی آئی اور کمرے کا دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ سمیرا نے پُورا کمرا پھیلا دیا تھا۔ کتابیں، بستر، کمبل سب کچھ اُلٹ کر رکھ دیا۔

''سمیرا؟ یہ کیا؟'' زارا نے حیران ہوکر پوچھا۔

''آپی؟ آپی آپ نے میری ڈائری دیکھی ہے؟'' سمیرا نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''وہ کالی سی ڈائری جو تم لکھتی رہتی ہو؟'' زارا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی؟'' سمیرا نے پریشان ہوکر کہا۔

''وہ ڈائری تمھارے پاس ہی نہیں رہتی تھی؟'' زارا نے اندر آتے ہوئے کہا۔

''جی آپی! لیکن ابھی نہیں مل رہی۔ خدا جانے کہاں گئی۔'' سمیرا پریشان ہوکر کہنے لگی۔

''تم نے کہیں نیچے تو نہیں رکھی؟'' زارا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں، میں یا تو اپنے بیگ میں رکھتی تھی یا کمرے میں۔ یہاں کہیں نہیں۔''

سمیرا نے پریشان ہوکر کہا۔

''اچھا پریشان نہیں ہو، مل جائے گی۔ میں ڈھونڈتی ہوں۔''

زارا نے اُسے حوصلہ دیا اور اُس کے ساتھ مل کر ڈائری ڈھونڈنے لگی۔ سمیرا ابھی پریشان ہوکر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''سمیرا بیٹا فری ہو؟''

ایسے میں تہمینہ بیگم نے دروازے پر آ کر پوچھا۔

''جی آنی؟'' سمیرا دوپٹہ صحیح کر کے ان کے پاس گئی۔

''یہاں آنا، ذرا میرے کمرے میں......''

انھوں نے پیار سے سمیرا کو بُلایا اور سمیرا ان کے کمرے کی طرف چل دی۔ دروازہ کھول کر اندر گئی تو تہمینہ بیگم ایک چھوٹا سا باکس رکھے بیٹھی تھیں۔

''جی آنی؟ کہیے؟'' سمیرا نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں بس تمھیں کچھ دکھانا ہے۔“

تہمینہ بیگم نے پیار سے یہ جملے کہے اور چھوٹا سا باکس کھولا۔ سمیرا نے دیکھا اُس میں کچھ زیورات تھے۔

”ارے آنی، یہ تو آپ نے پہلے کبھی نہیں دکھائے۔“ سمیرا نے پیار سے کہا اور زیور دیکھنے لگی۔

”یہ دیکھو، یہ چھ کنگن ہیں، ڈیزائن چیک کرو۔“ تہمینہ بیگم نے اُسے کنگن دکھائے۔

”واو! بہت خوبصورت ہیں، یہ پاکستان کے نہیں لگ رہے۔“ سمیرا نے انھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”سعودی عرب کے ہیں تمھارے خالو جب عُمرہ کرنے گئے تھے تو یہ لے کر آئے تھے۔“

تہمینہ بیگم نے بتایا۔

”سعودیہ کا سونا تو ویسے کتنا اچھا ہوتا ہے۔“ سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

”خالص ہوتا ہے، دیکھو نا اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی چمک ویسی کی ویسی ہے۔“ تہمینہ بیگم نے اُسے دیکھ کر کہا۔

”آپ گئی ہیں سعودیہ؟“ سمیرا نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

”ایک دو بار عمرہ کرنے۔ لیکن تمھارے خالو ماشاءاللہ کئی بار گئے ہیں۔“

تہمینہ بیگم نے بتایا پھر مسکرا کر پوچھا۔

”تمھیں اچھے لگے؟“

”بہت خوبصورت کنگن ہیں۔“ سمیرا نے خوش ہو کر کنگن دیکھے۔

”اور یہ دیکھو، یہ ہار ہے۔ کتنے کیریٹ کا لگ رہا ہے؟“

انھوں نے سمیرا کو ہار دیتے ہوئے پوچھا۔ سمیرا نے سونے کا ہار لیا اور اپنے سینے پر رکھ کر کہنے لگی۔

”آنی یہ 22 لگ رہا ہے مجھے۔“

”18 ہے لیکن کہیں سے نہیں لگ رہا، ہے نا؟“ انھوں نے مسکرا کر کہا۔

”بہت خوبصورت ہے۔“ سمیرا نے تعریف کی۔

”اور اب مزے کی بات بتاؤں؟“ تہمینہ بیگم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی؟“ اس نے اُن کی طرف دیکھا۔

”یہ سب تمھارا ہے۔“

تہمینہ بیگم نے مسکرا کر اُسے بتایا اور سمیرا دھک سے رہ گئی۔ وہ حیرت کے عالم میں اُن کا چہرا تکنے لگی، اتنے قیمتی زیورات اس کی آنی نے سمیرا کو یونہی دے دیے تھے۔

”زارا کے لیے میں نے الگ رکھے ہوئے ہیں لیکن یہ یہ کنگن اور ایک ہار تمھارا ہے۔“ انھوں نے پیار

سے بتایا۔

''پر، پر آنی؟'' سمیرا گھبرا گئی۔

''کوئی پر ور نہیں اور پلیز یہ احسان والی باتیں شروع مت کر دینا۔ یہ میں نے اس لیے اپنے پاس رکھے تھے کہ جب میری بیٹیاں ہوں گی تو میں اُن کی شادی پر انھیں دوں گی۔ خدا نے مجھے اولاد سے نہیں نوازا، کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ایک دن میرے گھر میں تم لوگ آ جاؤ گی اور جو حسرت میرے دل میں تھی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ میں یہ سونا کسی اور کو نہیں اپنی بیٹی کو ہی دے رہی ہوں۔ تو احسان کیسا؟ تمھیں اچھے لگے؟''

تہمینہ بیگم نے پیار سے اُس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ سمیرا نے انھیں ایک نظر دیکھا اور پھر سونے کے کنگن کو۔ اُس کے لب ہلے۔

''آنی بہت اچھے لگے......لیکن ان سے زیادہ آپ کی محبت اچھی لگی......اللہ کرے ہر یتیم کو آپ جیسی خالا اور خالو جان ملیں...... پر پر یہ شادی کی بات کر کے میرا دل نہیں جلایا کریں۔''

یہ کہہ کر سمیرا اٹھ کھڑی ہوئی۔

تہمینہ بیگم مسکرا کر اُس کے پاس گئیں۔ اُس کے شانوں کو تھاما۔

''سمیرا میں جانتی ہوں کہ تجھے شادی سے نفرت ہے......لیکن میرا بچّہ زندگی ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی......آج ہم سب ہیں تمھارے پاس لیکن کل ہم نہیں رہیں گے تب تم کیا کرو گی؟''

''اللہ کرے میری زندگی آپ لوگوں کو لگ جائے لیکن آپ لوگوں کا سایہ ہمارے سر سے نہ ہٹے۔'' سمیرا نے پلٹ کر کہا۔

''ایسا نہیں کہو، ہم نے اس قدر جی کر کیا کرنا ہے؟ زندگی تمھاری پڑی ہے، تم جوان ہو خوبصورت ہو، کیا نہیں ہے تمھارے پاس؟'' تہمینہ بیگم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نصیب نہیں ہے آنی...... میں وہ بدنصیب ہیں جس کی زندگی میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں میرے نصیب میں خوشیاں نہیں ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بھول جاؤ اپنی تاریکی کو، سمیرا بھول جاو...... کہیں ایسا نہ ہو......کہ تم اس اندھیرے میں کہیں کھو جاو۔'' تہمینہ بیگم بھی رونے والی ہو گئیں۔

''کیسے بھول جاؤں اس اندھیرے کو آنی؟ کس طرح بھول جاوں؟ اندھیرے کو ختم کرنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور میری زندگی میں کوئی روشنی نہیں ہے کوئی روشنی نہیں۔'' سمیرا نے روتے

ہوئے کہا۔

’’میرا بچّہ۔‘‘ تہمینہ بیگم نے اُسے پیار کرنا چاہا لیکن سمیرا کہنے لگی۔

’’آپ جو شادی کی بات بار بار کرتی ہیں کیا کہوں گی اپنے شوہر کو؟ کیا کہوں گی اپنی سسرال کو؟ کہ اُن کی بہو......‘‘

’’آپی! آنی! جلدی آئیں آپ لوگ نیچے۔ کوثر بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈ لی ہے۔‘‘

ثمینہ کی آواز نے اُن دونوں کو چونکا دیا۔ سمیرا سر جھکا گئی۔ تہمینہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔

’’اچھا چلو ان باتوں کو چھوڑو۔ نیچے چلتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں۔ ہم پھر کبھی اس بارے میں بات کریں گے۔‘‘

’’نہیں آنی اب ہم کبھی اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔ وعدہ کریں مجھ سے۔‘‘

سمیرا نے اُن کا ہاتھ تھاما اور تہمینہ بیگم گڑبڑا گئیں۔ وہ پریشانی کے عالم میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

☆......☆

’’احمد میں چاہتا ہوں کہ آپ ساری فائلز تیار رکھیں اور ایک ایک انوایس بھی ساتھ میں لگائیں، کام کافی آگے بڑھ گیا ہے اور ابھی تک Payments نہیں ہوئی ہیں۔ اکاؤنٹس ٹیم سے پوچھ کر Statement of Account نکلوائیں۔‘‘

بالاج صاحب اپنے اعلیٰ شان دفتر میں بیٹھے ہوئے اپنے سیکریٹری کو ہدایت دے رہے تھے۔

’’جی سر، میں آج ہی یہ کام کرتا ہوں۔‘‘ سیکریٹری نے سر جھکا کر کہا۔

’’یہ بتائیں جمال اینڈ کمپنی کی طرف سے کوئی جواب آیا؟ ہم نے ان کو دوبارہ پرپوزل بھجوایا تھا۔‘‘ بالاج صاحب نے فائلز دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’سر وہ روحیل صاحب۔‘‘ سیکریٹری گھبرا کر بولا۔

’’کیا ہوا؟‘‘ بالاج صاحب نے اُسے دیکھا۔

’’روحیل صاحب نے اُن سے کانٹریکٹ ختم کرنے کو کہا ہے۔ روحیل صاحب خوش نہیں ہیں جمال کمپنی سے۔‘‘ اس نے گھبراتے ہوئے بتایا۔

’’کیوں؟‘‘ بالاج صاحب نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔

’’یہ تو وہی بتا سکتے ہیں۔‘‘ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

’’کیا ایکسٹنشن ہے روحیل کا؟‘‘ انھوں نے فون اٹھایا۔

"115"۔ اس نے جواب دیا اور بالاج صاحب نے روحیل کو فون ملایا۔ جلد ہی سلسلہ ملا اور روحیل

نے فون اٹھایا۔

"Yes Pops?۔"

"ادھر آؤ۔"

یہ کہہ کر بالاج صاحب نے فون رکھا اور سیکریٹری کو جانے کے لیے کہا۔ جلد ہی روحیل پیلی شرٹ، کالی پینٹ اور بلو ٹائی پہنے اندر داخل ہوا۔

"جی پوپس! کہیے؟" اس نے اندر آ کر پوچھا۔

"یہ تم جمال اینڈ کمپنی سے کانٹریکٹ کیوں ختم کر رہے ہو؟"

انھوں نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پوپس پیسوں کا مسئلہ ہو رہا ہے، یہ لوگ ہمیں ہماری فیس نہیں دے رہے۔"

روحیل نے اپنے والد کو دیکھ کر بتایا۔

"ہاں اُن کا بینک اکاونٹس کا مسلہ ہے۔" بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہم انھیں already discounted ریٹس پر کام دے رہے ہیں، ماہانہ انویس بھی بھیج رہے ہیں لیکن فیس ابھی تک نہیں دی ان لوگوں نے۔" روحیل نے بتایا۔

"ہمم۔" بالاج صاحب نے گہری سوچ میں چلے گئے۔

"بہتر ہے کہ ہم Realistic رہیں، جو کلائنٹ ہمیں پیسہ نہیں دے رہے ہم کیوں اُن سے اُمید لگا کر رکھیں Uncollected revenue ہمارے لیے خطرناک ہے۔"

روحیل نے جواب دیا۔

"تمھاری بات صحیح ہے روحیل لیکن اگر ہم نے کانٹریکٹ ختم کر دیا تو جمال اینڈ کمپنی کسی اور Law Firm کے پاس چلی جائے گی اور یہ ہمارے لیے نقصان دہ ہوگا۔ جمال کمپنی کا مارکیٹ میں نام ہے۔" بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

"جس ریٹ پر ہم انھیں آفر دے رہے ہیں، مجھے نہیں لگتا کہ مارکیٹ میں کوئی ایسی آفر دے گا پوپس......" روحیل نے انھیں دیکھ کر کہا۔

"نہیں۔ جمال اینڈ کمپنی بڑا نام ہے، لوگ بڑا نام اپنے ساتھ شامل کرنے کے لیے ریٹس مزید کم کر سکتے ہیں۔" جمال صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا اور روحیل سوچنے لگا۔

"کبھی کبھی مارکیٹنگ کی خاطر ایسے کلائنٹس کے نخرے اٹھانے پڑتے ہیں۔"

انھوں نے اپنے ہاتھوں میں پین گھماتے ہوئے کہا۔

’’آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔‘‘ روحیل نے اس پہلو کی طرف سوچتے ہوئے کہا۔

’’کیا تم نے انھیں کانٹریکٹ ختم کرنے کے لیے کہہ دیا ہے؟‘‘ انھوں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

’’ہمم جی۔‘‘ روحیل نے گھبرا کر جواب دیا۔

’’یہ غلط ہے، تم انا کا مسلہ بنا لیتے ہو۔ کم از کم مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا۔‘‘

بالاج صاحب نے نرم لہجے میں کہا۔

’’سوری پوپس! لیکن میں نے اکاونٹس کو دیکھتے ہوئے یہ بہتر فیصلہ سمجھا۔‘‘ روحیل نے جواب دیا۔

’’چلو خیر ہے، تم ایک کام کرو، جمال کمپنیز کی فائل آفتاب کو دے دو۔‘‘

بالاج صاحب نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

’’پوپس! آپ میری فائل آفتاب کو دے رہے ہیں؟‘‘ روحیل نے جل کر کہا۔

’’روحیل آفتاب کا تجربہ زیادہ ہے اور وہ کام کو سنبھال سکتا ہے۔ اس میں کوئی بُرائی نہیں......‘‘ انھوں نے پیار سے کہا۔

’’لیکن آپ کو پتا ہی ہے کہ آفتاب کے ساتھ میرا چھتیس کا آکڑا ہے۔‘‘

روحیل نے منھ بنا کر کہا۔

’’روحیل آفتاب ایک تجربہ کار وکیل ہے، مارکیٹ اُسے جانتی ہے اور یہ مت بھولو کے میرے بعد یہ فرم تمھاری ہی ہے، تم ہی اس کے مالک ہو۔ اس طرح تم ہمیشہ آفتاب کے باس رہو گے۔ اس لیے چھتیس کا آکڑا رکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔‘‘ انھوں نے پیار سے سمجھایا اور روحیل سوچنے لگا۔

’’خیر ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے......‘‘ بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور روحیل سوچنے لگا۔

"You may go now"۔ بالاج صاحب نے روحیل کو کہا اور وہ باہر چلا گیا۔ بالاج صاحب نے فون اٹھایا۔

’’ہیلو؟‘‘

’’کہاں غائب ہو بھائی؟ نہ کوئی فون نہ خبر!‘‘

دوسری طرف سے شفیق صاحب کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

’’بس یار یہیں ہیں آپ کے بے وفا شہر میں۔‘‘ بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

’’بے وفا شہر نہیں آپ ہو گئے ہیں جو ہمارے لیے وقت ہی نہیں نکالتے۔‘‘ شفیق صاحب نے منھ بنا کر کہا۔

’’وقت ہی تو نہیں ہے میرے پاس شفیق۔اسی کی تلاش ہے اب۔‘‘

انھوں نے نرم لہجے میں کہا۔

’’جانتا ہوں بالاج۔زہرا کی موت کے بعد سے جس طرح تم نے کاروبار اور گھر کو سنبھالا ہے اُس میں وقت کی قُربانی تو ہونی ہی تھی۔تم نے تو دوبارہ شادی بھی نہیں کی۔‘‘ انھوں نے مسکرا کر کہا۔

’’تم تو جانتے ہی ہو مجھے کسی پرائی عورت کی نہیں زہرا کی ضرورت تھی اُس کے جانے کے بعد کوئی اور زہرا بن نہیں سکتی تھی۔‘‘انھوں نے زہرا بیگم کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

’’تمھاری محبت عظیم ہے بالاج...... مجھے یاد ہے جب تم نے زہرا کا ہاتھ مانگا تھا...... میں نے تم سے وعدہ لیا تھا کہ میری بہن کا خیال رکھنا...... تم نے مسکرا کر کہا...... کہ زہرا میرے پاس تمھاری امانت ہے...... پلٹ کر مجھے زہرا کا خیال رکھنے کے لیے کہا...... تمھاری محبت عظیم تھی،بس خدا کو شاید کچھ اور منظور تھا......‘‘شفیق صاحب نے دکھی ہو کر کہا۔

’’کبھی کبھی ہم خدا کے فیصلوں کو سمجھ نہیں پاتے،شفیق نجانے اس میں کیا بہتری تھی۔‘‘ بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

’’لیکن جس طرح تم نے روحیل اور زین کی پرورش کی ہے اُس کا جواب نہیں۔‘‘شفیق صاحب نے پیار سے کہا۔

’’سچ پوچھو...... تو میں نے پرورش صرف روحیل کی کی ہے...... زین کو تو روحیل نے ہی پالا ہے...... چھوٹی سی عمر میں ہی...... وہ اپنے بھائی کا خیال رکھتا...... اس کو کھلانا...... نہلانا...... اس کو رات کو کہانی سُنانا...... روحیل بہت چھوٹی سی عمر میں ہی گھر کا ذمہ دار بیٹا بن گیا...... میں اگر کبھی بستر پر چشمہ لگا کر سو جاوں...... تو روحیل آ کر میرا چشمہ اُتار کر...... مجھے کمبل اوڑھاتا ہے...... دس سال کے بچّے سے کوئی یہ توقع کر سکتا ہے بھلا؟......‘‘

بالاج صاحب پیار سے کہتے چلے گئے۔

’’خدا تمھیں اور تمھارے گھر کو ہر مصیبت سے دُور رکھے۔‘‘شفیق صاحب کا دل بھر آیا۔

’’آمین۔خیر تم بتاو،آصف اور نتاشہ کیسے ہیں؟‘‘ بالاج صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

’’ٹھیک ہیں، الحمدللہ۔تمھاری بھابھی تمھیں اور بچّوں کو بہت یاد کر رہی ہیں،کبھی آ جاو تم لوگ چائے پر یار۔‘‘انھوں نے مسکرا کر کہا۔

’’جلد آؤں گا۔‘‘ بالاج صاحب نے جواب دیا۔

’’ارے ہاں وہ میرے ایگریمینٹس کا کیا ہوا؟‘‘شفیق صاحب نے پوچھا۔

''تیّار ہیں، بس تمھیں پہنچانا باقی رہ گئے ہیں۔ کہو تو روحیل کے ہاتھ بھجوا دوں؟''
انھوں نے پوچھا۔
''ہاں یار اگر ہو سکے تو۔'' شفیق صاحب نے خوش ہو کر کہا۔
''ٹھیک ہے، میں اُسے کہتا ہوں۔'' بالاج صاحب نے کہا اور فون رکھ کر دوبارہ روحیل کا نمبر ملایا۔
''Yes Pops?''۔ روحیل کی آواز آئی۔
''آ یئے۔'' بالاج صاحب نے اُسے بُلایا اور فون رکھا۔ جلد روحیل دوبارہ داخل ہوا۔
''جی پوپس؟'' اس نے اندر آ کر پوچھا۔
''یار یہ فائل ہے تمھارے ماموں جان کو دینی ہے، میں چاہتا ہوں تم دے آؤ اور ذرا چائے وغیرہ پیلو۔ تمھاری مامی تمھیں یاد کر رہی ہیں۔'' انھوں نے فائل دیتے ہوئے کہا۔
''اوکے پوپس، ابھی جاوں؟'' روحیل نے فائل لیتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں؟ کیسے جاوگے؟'' انھوں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
''بائیک۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔
''مرسیڈیز لے جاو۔'' انھوں نے اطمینان سے کہا۔
''نہیں، بائیک!'' روحیل نے خوش ہو کر کہا۔
"Alright but no speeding okay!"۔ انھوں نے تاکید کی۔
''آپ بے فکر ہو جائیں پوپس، ابھی ٹاسک اسپیڈ ینگ نہیں بلکہ ایگر مینٹس کو پہنچانا ہے۔''
روحیل نے آنکھ مار کر یہ جملے کہے اور کمرے سے نکل گیا۔
بالاج صاحب مسکرا کر اُسے دیکھنے لگے۔

☆......☆

خوبصورت موسم، ٹھنڈی ہوا، سفید بادل اور ہلکا ٹریفک، جو کہ کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ روحیل نے اپنا بیگ اس وقت کندھوں پر ٹنگایا ہوا تھا اور وہ اپنے ماموں کے گھر کی طرف رواں دواں تھا۔ ایسے میں اس کی نظر گرلز کالج پر پڑی۔ گرلز کالج کے دوسری طرف کچھ لڑکے بالوں میں جیل لگائے اور چشمہ لگائے لائن مارنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ جب کہ دوسری طرف لڑکیاں اپنے گھر جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ روحیل بُرا سا منھ بنا کر لڑکوں کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ کیا ٹھرکی پن ہے۔ جہاں لڑکیاں دیکھیں وہیں لڑکے رُک گئے۔ ایسے میں اس نے دیکھا کالج کی ایک لڑکی بالکل الگ تھلگ ہو کر سب سے دُور کھڑی تھی۔ روحیل کی نظر اُس پر پڑی اور وہ اُچھل پڑا!

”اوے! یہ تو سمیرا ہے۔“

اُس کے منھ سے نکلا اور وہ بے دھڑک اُس کے پاس بائیک لے گیا۔ جس کام پر وہ لڑکوں کو کوس رہا تھا اب خود کرنے جا رہا تھا۔ دوسری طرف سمیرا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔ روحیل نے اُس کے پاس جا کر بائیک روکی اور خوش ہو کر بولا۔

”Hey...۔“

سمیرا گھبرا گئی۔

”کتنی چھوٹی دنیا ہے سمیرا! اُس دن جنرل اسٹور پر ملاقات ہوئی اور آج یہاں، ایسے سڑک پر!“ روحیل نے خوش ہو کر کہا۔

”دیکھیے! آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں۔“ سمیرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”یاہو!“

ایک دم سے روحیل چلایا اور سمیرا ایک قدم پیچھے ہوئی۔

”اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں تو سمجھا تھا ہماری سمیرا گُونگی ہے۔ منھ میں زبان ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ تو اچھا خاصا بول لیتی ہے۔ تھینک یو اللہ میاں! اور میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ آپ نے مجھ سے پہلا جملا ”دیکھیے“ کہا۔ ہائے اللہ!“

روحیل اترا کر کہے جا رہا تھا اور سمیرا گھبرا گئی۔

”اب اتنی ساری باتیں ہم نے کر لی ہیں تو کیا ہی اچھا ہو کہ کہیں چل کر چائے بھی پی لی جائے، ویسے بھی کراچی شہر کا کچھ پتا نہیں۔ کب کہاں سے کوئی غنڈا بائیک پر آجائے اور تمھیں روک کر باتیں کرنے لگے، اس لیے میں کہتا ہوں تمھیں ایک وکیل کی ضرورت ہے۔ اور مجھ سے اچھا وکیل فی الحال اس شہر میں نہیں پولیس کو چھوڑ کر۔“ روحیل نے خوش ہو کر کہا۔

”دیکھیں!“ سمیرا نے تیز آواز میں کہا اور اپنے لفظ کو سوچ کر گڑبڑا گئی۔

روحیل اس کی یہ ادا دیکھ کر ہنسنے لگا۔

”میرا مطلب نہیں دیکھیں! لیکن دیکھیں آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں۔“ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

”ریلیکس میں کوئی پیچھا نہیں کر رہا، یہاں سے اتفاق سے گزر رہا تو تم پر نظر پڑی، تمھاری ایک چیز ہے میرے پاس رُکو دیتا ہوں تم خوش ہو جاؤ گی......“

روحیل نے ہنستے ہوئے کہا اور بیگ میں ہاتھ ڈالنے لگا۔

”آپی! آپی!“

سمیرا نے اشارہ کیا اور روحیل نے دیکھا وہی آلٹو اُس کے پاس آ کر رُکی اور وہی لڑکی گاڑی سے اُتری جو اُس دن سمیرا کے ساتھ تھی۔

''آپی یہ مجھے چھیڑ رہا ہے۔'' سمیرا نے ایک دم سے کہا۔

''ایک سیکنڈ۔''

زارا نے طیش میں آ کر یہ جملے کہے اور آستینیں اوپر کر کے روحیل کے پاس آئی۔ وہ خاموشی سے ہاتھ باندھیں زارا کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''کیا بات ہے کیا مسلہ ہے؟'' زارا نے اکڑ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں آپی میں تو بس انہیں۔''

روحیل نے بیگ کی طرف اشارہ کر کے کہنا چاہا لیکن زارا نے اس کی بات کاٹ دی۔

''آپی؟ میں تمھاری آپی؟ تم میرے باپ کی عمر کے ہو اور میں تمھاری آپی ہوں؟ خبردار جو مجھے آپی کہا سمجھے! میرا نام زارا ہے زارا اور میں تم جیسے لُچے لفنگے کی آپی نہیں ہوں، گندے موالی! لڑکیوں پر بُری نظر ڈالتے ہو تمھیں شرم نہیں آتی؟ تمھارے گھر پر ماں، بہن، پھوپی نانی کوئی نہیں؟ شکل دیکھو پورے لنگور! کپڑے دیکھو ایسا لگ رہا ہے برسوں سے نہایا نہیں۔ گٹر کے کیڑے مکوڑے اور چوہے جیسے بال! جا کر پہلے اپنی شکل دھو پھر اُس کے بعد تھوڑا سا تیزاب لے کر اپنا چہرا ملو تا کہ میل اُترے۔ اُس کے بعد پھر جا کر اندر سے کچھ انسان کی شکل آ جائے گی۔ اپنے آپ کو سلمان خان سمجھتے ہو کیا؟ شکل سے ہی شکتی کپور لگ رہے ہو۔ حرکتیں بھی شکتی کپور جیسی! بڑے آئے دلپ کمار! اپنے ہاتھ دیکھو اور ٹانگیں دیکھو بالکل مکڑے جیسی، چہرا تمھارا کسی پاگل کُتے جیسا! تم تمھارا خاندان بلکہ اُن سے بھی جو لوگ جڑے ہیں سب پاگل ہیں اور پاگل خانے میں تم لوگوں کو بیٹھ کر لُوڈو کھیلنا چاہیے۔ موالی، غنڈے ستیاناس ہو تمھارا! اللہ کرے تمھاری ٹانگیں ٹوٹ جائیں اور یہ اسکوٹر، یہ اسکوٹر بھی خراب ہو جائے!''

زارا کہتی چلی گئی اور روحیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔ سمیرا بھی آنکھیں پھاڑے اپنی آپی کو تک رہی تھی۔

''اسکوٹر؟'' روحیل نے حیران ہو کر اپنی Heavy Bike کو دیکھا۔

''ہاں ہاں اسکوٹر ٹر! اور تم پھٹیچر! شکل سے بالکل بندر! بالکل بندر! آئے ہائے! واقعی بندر ہو، یہ دیکھو ذرا اپنی ناک اور اپنی آنکھیں! اُفف توبہ! آئندہ اگر میری بہن کا پیچھا کیا نا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔ اگلی بار کسی لڑکی کو چھیڑا نا تو نام یاد کر لینا، زارا! ٹھیک ہے نا؟''

زارا نے طیش میں اُنگلی دکھا کر کہا اور روحیل اُسے دیکھتا رہا۔

''چلو سمیرا!''

زارا نے سختی سے اپنی بہن کو حکم دیا اور سمیرا گھبرا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ جلد ہی زارا نے گاڑی چلائی اور روحیل انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔ پاس کھڑے لڑکے روحیل کو دیکھ کر مستی میں بولے۔

''کیوں بھائی؟ ہو گئے گندے؟''

یہ کہہ کر وہ سب ہنسنے لگے۔ روحیل نے ہیلمٹ لگایا اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''بھائیو! ہے جذبہ جنون تو ہمّت نہ ہار!''

"!!Yeah"۔ سب لڑکے چلائے اور خوش ہونے لگے۔ روحیل نے اپنی بائیک چلا دی۔

زارا نے اس کی کافی بے عزتی کی تھی لیکن روحیل کو غصے سے زیادہ ہنسی آ رہی تھی۔ یہ لڑکیاں بہت بھولی تھیں اور وہ اُن کی معصومیت پر مسکرا رہا تھا۔ جلد ہی ایک سگنل پر روحیل نے اپنی بائیک روکی۔ دائیں طرف دیکھا تو دھک سے رہ گیا، برابر میں وہی آلٹو کھڑی تھی اور زارا اُسے گھورنے لگی۔ سمیرا اس لمحے گھبرائی ہوئی تھی۔ روحیل خاموش رہا۔ زارا نے اپنی گاڑی کے شیشے نیچے کیے اور تلملا کر بولی۔

''کیا بات ہے؟ کیوں پیچھا کر رہے ہو؟''

''آپی یقین مانیں میں پیچھا نہیں کر رہا، میں تو اپنے ماموں کے گھر جا رہا ہوں۔'' روحیل نے جلدی جلدی کہا۔

''تو ماموں کا رستہ بھی یہیں سے آتا ہے کیا؟'' زارا نے گھور کر کہا۔

''جی۔'' روحیل نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! ٹھیک ہے، اب پہلے تم یہاں سے جاؤ گے پھر ہم نکلیں گے۔'' زارا نے جل کر کہا۔

"Deal!"

روحیل نے تنگ آ کر جواب دیا اور وہ لوگ سگنل کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ آخر سگنل ہرا ہوا اور روحیل نے اپنی بائیک رفتار سے آگے بڑھائی۔ روحیل نے آئینے میں دیکھا، آلٹو دائیں طرف مُڑ گئی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

روحیل بائیک پر جلد ہی شفیق صاحب کے گھر پہنچا لیکن یہ کیا؟ شفیق صاحب کے گھر کے برابر وہی آلٹو کھڑی ہوئی تھی جس میں زارا اور سمیرا تھیں۔

''اشرف صاحب کی گاڑی؟ Damn It مجھے تو پہلے سے ہی شک ہو رہا تھا کہ اس گاڑی کو کہیں دیکھا ہے۔''

روحیل بڑبڑایا اور بائیک سے نیچے اُترا۔ اب وہ اپنے ماموں کے گھر کی طرف بڑھا اور بیل بجائی

لیکن دروازے پر کوئی نہیں آیا۔

''لگتا ہے کوئی گھر پر نہیں ہے؟''

روحیل نے سوچتے ہوئے اپنے آپ سے یہ جملے کہے اور پھر دستک دی لیکن کوئی باہر نہ آیا۔ اس نے اپنا فون نکالا اور آصف کا نمبر ملانے لگا لیکن کچھ خیال آتے ہی وہ رُک گیا۔ مسکرا کر اس نے اپنے قدم اشرف صاحب کے گھر کی طرف بڑھا دیے۔ وہ دروازے پر گیا اشرف صاحب کے گھر کی بیل بجا دی۔

بیل کی آواز سُن کر سمیرا نے آئی ہول سے باہر دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔

''آپی! وہ لڑکا یہاں بھی پہنچ گیا!''

روحیل اب تیسری بار بیل بجا رہا تھا لیکن کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ مایّوس ہو کر وہ پلٹا اور منہ بنا کر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

''آدم ہے نہ کوئی آدم زاد!''

''یا!''

اچانک دروازہ کھلا تھا اور نزرل اُس پر کُودا! دونوں لڑھکتے ہوئے لان میں جا گرے۔ اب دونوں ہی گتھم گتھا ہو چکے تھے۔

''نزرل بابا چھوڑیے گا نہیں۔''

زارا نے جوش دلاتے ہوئے کہا، اُس کے پیچھے سمیرا تھی، اُس کے پیچھے ثمینہ اور اُس کے پیچھے کوثر ڈرے ہوئے انھیں دیکھنے لگا۔

''آپ بے فکر رہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ لفنگا کیسے بچتا ہے۔'' نزرل نے روحیل کی کمر پر چڑھتے ہوئے کہا۔

''Back off!!۔'' روحیل نے تکلیف میں کہا۔

''کوثر بھائی حد ہوتی ہے۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ جائیں بابا کی مدد کریں۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

''اوہ ہاں میں آ رہا ہوں بابا! مر یومت!''

کوثر نے بوکھلا کر کہا اور دوڑ لگائی۔ تینوں بہنیں جھگڑے کو دیکھنے لگیں۔ آخر کار نزرل اور کوثر نے روحیل کو اٹھایا اور دُور لان میں پھینکا۔

"Aaah! lady gaga!"۔ روحیل کے منہ سے تکلیف میں نکلا۔

''یا اللہ! روحیل!'' کوثر کی نظر روحیل پر پڑی تو وہ دھک سے رہ گیا۔

’’روحیل صاحب!‘‘ نزرل بھی بولا۔

’’روحیل! یہ تم ہو، میں تو سمجھا کوئی غنڈہ ہے۔‘‘ کوثر نے اُس کے پاس آ کر کہا۔

’’کوثر بھائی یہ آپ ہو؟ میں تو سمجھا کوئی پاگل جانور ہے۔‘‘ روحیل نے تکلیف کے عالم میں کہا۔

’’سوری سوری سوری میرے بھائی! اٹھو!‘‘ کوثر نے اُسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

’’آوچ!‘‘ روحیل تکلیف کے عالم میں اُٹھا۔

’’یہ کیا ہو رہا ہے۔‘‘

گھر کے اندر سے اشرف صاحب کی غصیلی آواز آئی اور سب کی جان نکل گئی۔ ان کے پیچھے تہمینہ بیگم بھی موجود تھیں۔

’’کوثر، نزرل! یہ کیا ہو رہا ہے؟‘‘ اشرف صاحب نے سخت لہجے میں پوچھا۔

’’وہ وہ......وہ۔‘‘ نزرل کے منہ سے نکلا اور گھبرا کر گانے لگا۔

’’لٹ اُلجھی سلجھا جا رے بالم، میں نا لگاوں گی ہاتھ رے!‘‘

’’کیا بک رہے ہو؟‘‘ اشرف صاحب نے غصے میں پوچھا۔

’’وہ جی مرا مطلب میں نے تو ہاتھ ہی نہیں لگایا، کوثر بھائی مار رہے تھے۔‘‘ نزرل نے ساری ٹوپی کوثر پر ڈال دی۔

’’کون میں؟‘‘ کوثر نے نزرل کو گھور کر دیکھا۔

’’کوثر تم نے کیوں ہاتھ اٹھایا روحیل پر؟‘‘ اشرف صاحب نے غصے میں پوچھا۔

’’ان کی غلطی نہیں ہے اشرف صاحب، انھیں نہیں پتا تھا کہ میں ہوں۔‘‘ روحیل نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’لیکن پھر بھی! یہ سب ہوا کیوں؟‘‘ اشرف صاحب نے غصے میں پوچھا۔

’’وہ چچا جان مجھے زارا نے کہا۔‘‘ کوثر نے ٹوپی زارا کی طرف گھما دی اور سب کی گردنیں زارا کی طرف مُڑ گئیں۔

’’زارا کیا بات ہے؟‘‘ تہمینہ بیگم نے زارا کو گھور کر پوچھا۔

’’وہ آنی وہ سمیرا۔‘‘ زارا کچھ کہنے لگی۔

’’سمیرا؟ کیا ہوا؟‘‘

تہمینہ بیگم سمیر کی طرف پلٹیں اور سمیرا بُری طرح گھبرا گئی۔ روحیل نے صاف دیکھا، سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ رہے تھے۔ ایک سیکنڈ کی بھی دیر کیے بنا وہ آگے بڑھا اور ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔

’’ارے آپ لوگ اتنا سنجیدہ نہ ہوں، کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہوئی۔ میں اصل میں ماموں جان کو کچھ

فائلز دینے آیا تھا۔ وہ گھر پر ہیں نہیں اس لیے یہاں آ گیا۔ ان کو لگا کہ شاید میں کوئی چور یا ڈاکو ہوں۔''

''چور یا ڈاکو؟ تم تینوں کو پتا ہے روحیل کون ہے؟ یہ اس ملک کے سب سے بڑے وکیل بالاج علی کا بیٹا ہے، خود بہت اچھا وکیل ہے اور تم لوگوں نے اسے چور ڈاکو سمجھا!'' اشرف صاحب نے تلملا کر کہا۔

''سوری خالو۔'' زارا گھبرا کر بولی۔

''بیٹا یہ بہت غلط ہوا۔ روحیل ہمیں معاف کر دینا بیٹا۔'' اشرف صاحب نے معافی مانگی۔

''ارے نہیں انکل آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔ سچ پوچھیے تو کوثر بھائی اور نزرل بابا کے مکّوں میں Iodine کی بہت کمی تھی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ہیں؟'' کوثر اور نزرل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''لیکن اب تم آئے ہو تو چائے پی کر جاو گے۔'' تہمینہ بیگم نے آگے آ کر کہا۔

''نہیں آنٹی جی، میں بس اب چلوں گا۔ یہ کچھ فائلز ہیں، بس یہ ماموں جان کو دے دیجیے گا۔'' روحیل نے بیگ میں سے فائلز نکالتے ہوئے کہا۔

''بیٹا چائے پی لو۔'' تہمینہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''نہیں آنٹی جی، بس اب چلوں گا۔'' روحیل نے کمر پکڑ کر کہا۔

''سنیے!''

اچانک زارا کی آواز آئی۔ روحیل نے دیکھا وہ اُس کے قریب آ رہی تھی۔ زارا چلتی ہوئی روحیل کے پاس آئی اور دھیرے سے کہنے لگی۔

''دیکھیے، جو ہوا اُس پر ہم شرمندہ ہیں۔ لیکن آپ سمیرا کو نہیں جانتے۔ اگر آپ ایسے چلے گئے تو وہ اپنے آپ کو کوستی رہے گی اور اندر ہی اندر ختم ہو جائے گی۔ پلیز اُس کی خاطر اندر چلیے اور چائے پی لیجیے اُس کے دل پر سے بوجھ ہٹ جائے گا۔''

زارا کی بات سُن کر روحیل دنگ رہ گیا، بلاشبہ وہ سچ کہہ رہی تھی۔ جو کچھ روحیل نے ڈائری میں پڑھا تھا اُس سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سمیرا بالکل ایسا ہی کرے گی جیسا زارا کہہ رہی ہے۔ اس نے ایک نظر سمیرا پر ڈالی تو وہ پریشان کھڑی نظر آئی۔ اُس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ سمیرا اندر ہی اندر ڈوب رہی ہے۔ یہ دیکھ کر روحیل مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میرے خیال سے ایک کپ چائے پی ہی لینی چاہیے......''

''ارے واہ! یہ ہوئی نا بات!''

اشرف صاحب نے خوش ہو کر یہ جملے کہے اور روحیل کے شانوں پر ہاتھ رکھا اور اُسے اندر چلنے کے

لیے کہا۔

''لفنگاہاں؟'' روحیل گزرتے ہوئے نزرل کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔

''میں لفنگا جی! میرا خاندان لفنگا!''

نزرل نے گھبرا کر کہا اور روحیل ہنس پڑا۔ آخر کار وہ لوگ اندر آ کر بیٹھے۔ سمیرا نزرل کے ساتھ باورچی خانے میں چلی گئی۔

''روحیل، کوثر کو تو تم جانتے ہی ہو۔ یہ زارا، سمیرا اور ثمینہ ہیں ہماری بھانجیاں۔'' اشرف صاحب نے تعارف کروایا۔

''السلام علیکم۔'' روحیل نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' زارا نے جواب دیا۔

''بھئی میں ذرا ماڈرن ٹائپ کی ہوں اس لیے میں تو ڈائریکٹ شیک ہینڈ کروں گی۔'' ثمینہ نے مزے سے کہا اور ہاتھ آگے کیا۔ سب ہنسنے لگے۔

''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ثمینہ جی۔'' روحیل نے ہنستے ہوئے ہاتھ ملایا۔

''یہ ہمارے خاندان کی پرمپرا ہے کہ جسے مل کر ہم سے خوشی ہوتی ہے اُسے ایک آئس کریم کھلانی ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے مستی میں کہا۔

''ثمینہ۔'' سمیرا نے اُسے ڈانٹا۔

''ارے! اس میں بُرائی ہی کیا ہے، آئس کریم کوئی بُری چیز تو نہیں۔ کیوں روحیل بھائی؟'' ثمینہ نے پلٹ کر پوچھا۔

''بالکل! جب کہو آئس کریم حاضر ہے۔'' روحیل نے خوش ہو کر کہا۔

''اچھا بے وفا ثمینہ! پارٹنر بدل لیا۔'' کوثر نے جل کر کہا۔

''یہ آپ کی سزا ہے، کیوں روحیل بھائی؟'' ثمینہ نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''بالکل! بلکہ میں تو کہتا ہوں انکل سب سے پہلے تو آپ انھیں پھنکوائیں باہر۔'' روحیل نے بیٹھتے ہوئے کوثر کو دیکھ کر کہا۔

''میں! میں! میں!'' کوثر گھبرا گیا۔

''جی آپ! ایک تو پہچانا بھی نہیں اوپر سے نزرل کو بھیج دیا لڑنے۔'' روحیل نے منھ بنا کر کہا۔

''بہادری کی اعلیٰ مثال ہیں آپ۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کوثر کو دیکھا۔

''معاف کر دو بھائی لوگ! روحیل اب کوئی کیس نہیں کر دینا میرے اوپر۔'' کوثر نے ہاتھ جوڑ کر کہا اور

سب ہنسنے لگے۔

''اجی ہماری کیا اوقات کے کیس کریں؟ لوگ تو ہمیں سلمان خان کے طعنے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم شکتی کپور جیسے لگتے ہیں ہیرو والی بات ہم میں کہاں؟''

روحیل نے مسکرا کر کہا اور زارا، سمیرا ایک دوسرے کو دیکھ کر شرمندہ ہونے لگی۔

''کوئی نہیں، تم تو سلمان خان سے بھی زیادہ اچھے ہو۔'' تہمینہ بیگم نے اس کی تعریف کی۔

''یہ تو آپ کا دل ہے نا آنٹی جی، ورنہ تو لوگ سمجھتے ہیں کے پاگلوں والا خاندان ہے ہمارا! جو کہ نہا تا بھی نہیں ہے۔''

روحیل نے بیچارگی کے عالم میں یہ جملے کہے اور زارا اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔ سمیرا گھبرا گئی اور جلدی سے کہنے لگی۔

''میں میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ کچن میں چلی گئی۔

''پاگل ہیں وہ لوگ جو ایسا سوچتے ہیں، بالاج بھائی تو جتنے اچھے انسان ہیں ایسا تو کوئی ہے ہی نہیں۔ میرے خیال سے تم پانچ سال کے تھے اور زین ایک برس کا تھا جب تمھاری ماں چل بسی، بالاج بھائی نے ماں بن کر تم دونوں کی پرورش کی۔ یہ تو ایک عظیم باپ ہی ایسا کر سکتا ہے۔''

تہمینہ بیگم پیار سے کہتی چلی گئیں اور سمیرا نے کچن میں جاتے ہوئے روحیل کی طرف دیکھا۔

''بس آنٹی جی، نصیب میں کچھ چیزیں آپ کے حق میں نہیں ہوتیں...... اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم جینا چھوڑ دیں...... ہر رات کے بعد سُورج دوبارہ طلوع ہوتا ہے...... یہی کہتا ہوا کہ اُمید ابھی بھی باقی ہے۔''

روحیل نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور کن اکھیوں سے سمیرا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کن اکھیوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''تو آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا؟'' زارا نے غم زدہ ہو کر پوچھا۔

''جی۔ بریسٹ کینسر ان کو لے چلا۔ بہت چھوٹے تھے ہم جب امی چلی گئیں۔ زین کو تو خیر ماں کا پیار ملا ہی نہیں لیکن مجھے اپنی ماں کی جھلک یاد ہے۔ بہت خوبصورت تھیں میری والدہ۔''

روحیل نے پیار سے کہا۔

''زہرا بھابھی تو بہت پیاری تھیں۔ اتنے لمبے لمبے بال تھے ان کے۔ سمیرا کی طرح ہی لگتی تھیں لمبی اور خوبصورت۔ بالاج بھائی کا پُورا گھر انھوں نے سنبھال لیا تھا۔''

تہمینہ بیگم نے انھیں یاد کرتے ہوئے کہا۔

''جی، پوپس آج بھی انھیں بہت یاد کرتے ہیں۔'' روحیل نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ظاہر ہے، زہرا بھابھی کے بعد بالاج بھائی نے شادی نہیں کی نہ کسی اور عورت کی طرف دیکھا ......'' اشرف صاحب نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''پوپس کا ایمان، مذہب اور زندگی صرف محبت ہے۔ اور کسی سے محبت کرتے رہنا موت کی محتاج نہیں ہوتی......امی بے شک نہیں رہیں لیکن پوپس کی محبت آج بھی زندہ ہے۔'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''حقیقیت ہے۔''

اشرف صاحب نے تعریف میں سر ہلایا اور وہ لوگ باتیں کرنے لگے۔ زارا اٹھ کر کچن میں آئی تو سمیرا چائے تیار کر چکی تھی۔ زارا نے صحیح سے ٹرے سجا کر سمیرا کو دی اور وہ چائے لے کر لاونج کی طرف چلی گئی۔ جلد ہی سمیرا نے چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھی اور چائے کا کپ نکال کر اپنے خالو کو پیش کیا۔

''روحیل کو دو پہلے۔'' اشرف صاحب نے پیار سے کہا۔

''ارے آپ لیجیے۔'' روحیل نے اک دم سے کہا۔

''نہیں نہیں تم لو۔''

اشرف صاحب نے التجا کی اور سمیرا نے چائے کا کپ روحیل کی طرف بڑھایا۔ روحیل نے اُس کا چہرا دیکھتے ہوئے چائے کا کپ لیا۔ سمیرا خاموشی سے سب کے لیے چائے نکالتی رہی۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوئی تو پلٹ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ روحیل نے چائے کا ایک سپ لیا اور کہا۔

''اچھا انکل، تو تینوں آپ کی بھتیجیاں ہیں؟''

''یہ میری بھانجیاں ہیں لیکن بیٹیوں سے بڑھ کر۔'' تہمینہ بیگم نے پیار سے بتایا۔

''آنی تو ہماری امی جیسی ہیں۔'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا اور تہمینہ بیگم کے گرد بانہیں ڈالیں۔

''اور آپ کے والدین کہاں ہیں؟''

روحیل کے اس سوال نے سب کو اک پل کے لیے گھبرا دیا۔ اس نے صاف محسوس کیا کہ ثمینہ تک گھبرا گئی۔ کوثر، اشرف صاحب اور تہمینہ بیگم کے چہروں پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ اس لمحے حیران ہوا۔

''اہم یہ میری بڑی بہن نسیمہ کی بیٹیاں ہیں۔ لاہور میں ہوتی تھیں، ایک حادثے میں میری بہن اور بہنوئی کا انتقال ہو گیا اور بچّیاں یتیم ہو گئیں۔ اس لیے میں انھیں لاہور سے یہاں لے آئی۔'' تہمینہ بیگم نے جلدی جلدی بتایا۔

''اوہ!'' اُس کے منھ سے نکلا۔

''ثمینہ نے آتے ہی سہیلیاں بنالیں، زارا میری بیسٹ فرینڈ بن گئی لیکن سمیرا سمیرا بہت اکیلی ہے اندر سے، اُس کا کوئی دوست نہیں۔'' تہمینہ بیگم نے پیار سے کہا اور روحیل سوچنے لگا۔

''سمیرا باجی تو چڑی رہتی ہیں سب سے۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''ثمینہ! آپ زیادہ نہیں بولنے لگیں ہیں کچھ؟'' اشرف صاحب نے اُسے ڈانٹا۔

''حد ہوتی ہے۔کوئی بولے تو اُسے ڈانٹ پڑ جاتی ہے، کوئی نہ بولے تو فکر ہو جاتی ہے۔کوثر بھائی آپ کچھ کیوں نہیں بولتے؟'' ثمینہ نے کوثر کی طرف دیکھا۔

''پتا نہیں ثمینہ آج شاید میرا دن نہیں ہے۔'' کوثر نے گھبرائے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''بس دعا یہی ہے کہ جلد ہی ان بچّیوں کے گھر بس جائیں۔'' تہمینہ بیگم نے ثمینہ کو دیکھ کر کہا۔

''آپ پریشان نہیں ہوں، ان شااللہ سب بہتر ہوگا۔'' روحیل نے پیار سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا انکل، اجازت دیں۔''

''بھئی آئے ہو تو کھانا کھا کر جاتے۔'' اشرف صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اور آئس کریم بھی!'' ثمینہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''نہیں انکل جی پھر کبھی لیکن ثمینہ سے وعدہ رہا! اگلی بار آؤں گا تو زبردست آئس کریم کی پارٹی ہوگی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''کچھ سیکھیں!'' ثمینہ نے کوثر کو ہاتھ مار کر کہا۔

''ہاں ہاں سیکھ رہا ہوں۔'' کوثر نے بُرا سا منھ بنا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''انکل جی بس یہ فائل ماموں کو دے دیجیے گا۔'' روحیل نے اشرف صاحب سے کہا۔

''بالکل بالکل تم بے فکر رہو!''

اشرف صاحب نے اطمینان بخش لہجے میں یہ جملے کہے اور روحیل انھیں اللہ حافظ کہہ کر گھر کے مرکزی دروازے سے چلا گیا۔ دروازے تک سب ہی اُسے الوداع کہنے کے لیے آئے، روحیل لان سے چلتا ہوا اپنی بائیک کی طرف چلا تو پیچھے کا دروازہ بند ہوا۔ اُس کے لبوں پر اس لمحے ایک مسکراہٹ تھی۔ عجیب اُچھل کُود والی ملاقات رہی، کوثر اور نزرل کی حرکتوں کو یاد کر کے وہ مسکرانے لگا۔ پلٹ کر اس نے اپنا ہیلمٹ اٹھایا اور اُسے پہننے لگا۔ ایسے میں اشرف صاحب کے گھر کا مرکزی دروازہ ایک بار پھر کھلا۔

''سنیے؟''

ایک خوبصورت آواز نے روحیل کو جکڑ لیا اور اس نے پلٹ کر دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ نیلے کُرتے شلوار میں، بالوں کو لہراتی ہوئی سمیرا باہر آئی تھی اور اب اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔

روحیل کا دل دھڑک گیا...... وہ اُسے تکنے لگا۔ سمیرا اپنے بال کھولے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''جی میڈیم! کہیے؟ کچھ اور کہنا ہے اس بندر والی شکل کے آدمی سے؟'' روحیل نے اپنے آپ پر قابُو پا کر طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

سمیرا چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔

''میں میں معافی چاہتی ہوں۔''

سمیرا کی معافی سے روحیل نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا...... میں غلطی پر ہوں ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔'' سمیرا نے شرمسار ہو کر کہا۔

''تمھیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں، غلطی میری بھی ہے۔ بجائے اس کے کے میں تمھیں تمھاری چیز لوٹا دیتا، میں تم سے مذاق کرنے لگا آئی ایم سوری ٹُو۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''کونسی چیز؟ کیا بھلا؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ایک سیکنڈ۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور بیگ میں سے اُس کی ڈائری نکالی۔

''یہ، یہ آپ کے پاس کیسے؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا اور جلدی سے ڈائری لی۔

''اُس دن جنرل اسٹور پر آپ کے بیگ سے گری تھی۔ یہی ڈائری لوٹانا چاہتا تھا آپ کو۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

آپ، آپ نے پڑھی تو نہیں؟'' سمیرا نے گھبرا کر پوچھا۔

''جھوٹ نہیں کہوں گا، تھوڑی سی پڑھی ہے۔ لیکن سوائے دکھوں کے مجھے اور کچھ نہیں ملا۔'' روحیل نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا اور سمیرا سر جھکا گئی۔

''سمیرا دکھ ہم سب کی زندگیوں میں ہیں...... کسی کی زندگی مکمل نہیں...... ہر کوئی اپنے حصے کی خوشیوں اور غموں کو جھیل رہا ہے...... میرے کئی دوستوں کی والدہ موجود ہیں...... لیکن کسی کے والد نہیں...... میرے پاس میرے والد ہیں پر والدہ نہیں...... ہر ایک کی زندگی میں تھوڑا ہے اور تھوڑے کی خواہش ہے...... میں مانتا ہوں کہ تمھارے پاس آج تمھارے والدین نہیں...... لیکن تمھارے پاس اتنی محبت کرنے والی خالا ہیں، خالو ہیں...... دو بہنیں ہیں تمھارے اپنے تمھارے ساتھ ہیں...... خدا نے کچھ سوچ کر ہی اتنی بڑی دولت سے تمھیں نوازہ ہے...... سنبھال کر رکھو اسے خوش رہنے کے لیے یہ ایک بہت بڑی وجہ ہے......''

روحیل پیار سے کہتا گیا اور سمیرا اُسے دیکھنے لگی۔

''اور اگر نہیں سنبھال سکتی تو یاد رکھو تمھیں ایک وکیل کی شدید ضرورت ہے۔'' اس نے اک دم مستی

میں کہا اور سمیرا مسکرانے لگی۔

''یہی مسکراہٹ دیکھنا چاہتا تھا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا شرما گئی۔

''بہرحال، ایک چھوٹی سی گستاخی کی ہے۔ اپنا نمبر تمھاری ڈائری پر لکھ دیا ہے، جب دل کرے اس وکیل کو مم میرا مطلب دوست کو فون کر لینا وعدہ ہے مایوس نہیں کروں گا مسکراہٹ ہی لاوں گا لبوں پر جیسے ابھی تمھارے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی ہے ہے نا؟''

روحیل کا یہ کہنا تھا کہ سمیرا مسکرانے لگی اور نظریں جھکا گئی۔ روحیل مسکرایا اور کہنے لگا۔

''بس یہی مسکراہٹ دیکھنا چاہتا تھا......''

سمیرا کا دل دھڑک گیا اور وہ روحیل کو محو ہو کر دیکھنے لگی۔ روحیل نے اپنا ہیلمٹ پہنا اور بائیک کو اسٹارٹ کر کے سمیرا کی طرف دیکھا۔ سمیرا اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ چل دیا اور سمیرا اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اُس کے لبوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔ سمیرا نجانے کتنے ہی پل روحیل کو جاتے ہوئے تکتی رہی۔

☆......☆

اسپتال گہرا سنّاٹا...... خاموشی ......اور روحیل کی خوبصورت یادیں جیسے جیسے وہ ان پلوں کو یاد کیے جا رہا تھا...... مسکرائے جا رہا تھا...... سچ تھا یہ اس کی زندگی کے...... حسین پلوں میں سے کچھ پل تھے......اس نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف دیکھا......اس کی بیوی سمیرا......آنکھیں بند کیے بستر پر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی......اس حال میں بھی وہ حسین تھی......اس حال میں بھی وہ خوبصورت تھی......اس کی معصومیت اور تکلیف اُس کے چہرے پر عیاں تھی......اور روحیل......روحیل کچھ نہیں کر سکتا تھا......کچھ بھی نہیں......

گہرے سنّاٹے نے انھیں اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا......مونیٹر کے بیپ کی آواز......اور گھڑی کے چلنے کی آواز...... کمرے کو پُرہول کیے دے رہی تھی...... جینے کا آسرا روحیل کے پاس بھی نہ تھا......اگر اُس کے پاس کچھ تھا تو بس یادیں......جنھیں وہ یاد کر کے...... جیے جا رہا تھا......روحیل خاموشی سے اس سنّاٹے کی چیخوں کو سُنتا رہا...... پلٹ کر ایک بار پھر......اس نے اپنے ہاتھوں پر بندے......اُس چاندی کے بریسلیٹ کو دیکھا......لبوں پر ایک اُداس مسکراہٹ لا کر......وہ اپنے بریسلیٹ کو ہلانے لگا......جیسے جیسے وہ اس بریسلیٹ کو دیکھتا اُسے وہ سب یاد آتا گیا...... جو اس کی زندگی کے......خوبصورت لمحوں میں سے کچھ لمحے تھے......آنکھوں میں آنسو لیے یادوں کے کرب کو سہتے ہوئے......وہ سب یاد کرتا چلا گیا سب کچھ......سب کچھ......!

سمیرا اور روحیل کے دل اب دوستی کی طرف مائل ہو چکے تھے اور نجانے کیوں روحیل اس بات سے بے انتہا خوش تھا۔ اس دوران سمیرا نے روحیل کو فون کیا نہ ہی روحیل نے اُس سے ملنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک مسکراہٹ دونوں کے لبوں پر ہر وقت رہتی۔ روحیل اپنے دفتر میں کام تو کر رہا تھا لیکن اُس کے خیالوں میں صرف سمیرا تھی۔ وہ حیران تھا کہ عام سی لڑکی جو کالج جاتی ہے، خاموش رہتی ہے اُن سب لڑکیوں سے بڑھ کر کیسے ہو گئی جن لڑکیوں نے دُنیا دیکھ رکھی تھی، زندگی گزارنے کا اسٹینڈرڈ کہیں زیادہ اوپر تھا شاید وہ سمیرا سے زیادہ حسین بھی تھیں لیکن سمیرا میں ایک خاص بات تھی وہ خاص بات روحیل جانتا تھا لیکن ابھی تک اس خاص بات کا ذکر اس نے کسی سے نہ کیا۔ خاص تو دُور اس نے تو ابھی تک سمیرا کے بارے میں بھی کسی کو نہیں بتایا۔ بس اپنے دل کی بات اپنے دل میں ہی رکھی اپنے خیالوں میں وہ کئی بار اس بات کا ذکر کرتا رہا مگر کسی سے کچھ کہا نہیں...... سمیرا کے آنے سے اس کی زندگی جیسے بدل سی گئی سب کچھ اچھا لگنے لگا تھا سب کچھ نیا لگنے لگا تھا ایک عجیب سی لہر اُس کے بدن میں تھی اور وہ مسکرا کر اپنا کام کرتا رہتا۔

دوسری جانب سمیرا کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر بھی موجود تھی۔ اب وہ آنکھیں بند کرتی تو اُسے اپنا ماضی نہیں بلکہ روحیل کی شرارتیں نظر آتیں اور وہ مسکرانے لگتی۔ اس نے اپنی ڈائری میں پہلی بار کچھ ایسا لکھا جس میں کوئی اندھیرا نہیں تھا کوئی تاریکی نہیں تھی۔

”دیوانہ ہے بالکل، بالکل دیوانہ!

وہ مستیاں کرتا ہوا میری زندگی میں آیا اور مجھے مسکراہٹیں دے کر چلا گیا۔

وہ مسکراہٹ جو میں کبھی بھول آئی تھی لیکن اس نے مجھے جینے کا مطلب سمجھایا۔

کیا کچھ نہیں ہوا اُس کے ساتھ، اس کی والدہ نہیں ہیں، مگر وہ اپنے گھر کو دیکھتا ہے، اپنے والد اور چھوٹے بھائی کا خیال رکھتا ہے، وہ مسکرانا جانتا ہے، جینا جانتا ہے، یہاں تک کے نزرل بابا اور کوثر بھائی نے اُسے اٹھا کر پٹخ بھی دیا، مگر وہ مسکراتا رہا ہنستا رہا دوسروں کی نادانی کو سمجھتا رہا...... ہاں دیوانہ ہے بالکل دیوانہ ہے کاش میں بھی اُسی کی طرح جینا سیکھ سکوں۔''

یہ صفحہ لکھ کر سمیرا مسکرانے لگی اور کھڑکی سے باہر حسین رات کو تکنے لگی۔

دوسری طرف روحیل سارا کے ساتھ شیریٹن میں بیٹھا رات کا کھانا کھا رہا تھا، سارا اُس سے کئی باتیں کر رہی تھی مگر اُس کے مائنڈ میں صرف سمیرا تھی۔ وہ حیران تھا، آخر ایسا کیا ہے اُس میں جو دل اُسی کے بارے میں سوچے جا رہا ہے؟ جتنا وہ اس بارے میں سوچتا اُتنا ہی اپنے خیالوں میں گُم ہوتا چلا جاتا۔

آخر کار وہ دن آیا۔ دن گرم تھا اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ حسب معمول ثمینہ اور سمیرا کالج گئی ہوئی تھیں اور اشرف صاحب بینک میں تھے۔ ایسے میں تہمینہ بیگم اور زارا گھر پر اکیلی تھیں۔ زارا صوفے پر اپنے حسین پاوں رکھ کر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن تراش رہی تھی، دوسری طرف تہمینہ بیگم کاوچ پر لیٹی ہوئیں ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

''آج گھر میں کچھ زیادہ ہی سنّاٹا نہیں ہو رہا؟'' تہمینہ بیگم نے ٹی وی چینل بدلتے ہوئے کہا۔

''نزرل بابا بھی کام پر نہیں آئے نا۔'' زارا نے مسکرا کر کہا اور اپنے ناخن دیکھتی رہی۔

''ہاں آج اُس بچارے کو بخار ہو رہا تھا۔ میں نے تو کہا ہے کہ کچھ دن آرام کر کے آئے، خدانا خواستہ کورونا نہ ہوا ہو۔'' تہمینہ بیگم نے ٹی وی دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان شا اللہ ٹھیک ہوں گے، فکر کی کوئی بات نہیں ہوگی۔'' زارا نے انھیں سمجھایا۔

''سمیرا اور ثمینہ کے آنے میں بھی ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔ تم کیا بنا رہی ہو آج دوپہر؟'' تہمینہ بیگم نے زارا سے پوچھا۔

''آلو مٹر کا سالن بنایا ہے۔'' زارا نے مختصر جواب دیا۔

''ہاں تیار کر کے رکھو۔ سمیرا تو خیر کچھ نہیں کھاتی لیکن ثمینہ کو آتے ہی کھانا چاہیے ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے پہاڑ توڑ کر آ رہی ہیں میڈم!'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور زارا ہنسنے لگی۔

''بہت شرارتی ہوتی جا رہی ہے خیر اچھی بات ہے...... خوش ہے بچّی......'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''آپ نے اتنے لاڈ پیار سے جو رکھا ہوا ہے۔'' زارا نے پیار سے کہا۔

''کیوں نا کروں لاڈ، اتنی پیاری بچّی دی ہے اللہ نے مجھے۔'' تہمینہ بیگم نے اترا کر کہا اور زارا

مسکرانے لگی۔ ایسے میں وہ اٹھیں۔

''چلو میں کچھ سامان لے آؤں باہر سے، تمھیں گاڑی تو نہیں چاہیے نا ابھی؟''

''نہیں آنی، آپ آرام سے جائیں، مجھے ویسے بھی بس سمیرا کو پک کرنا ہوتا ہے۔ ثمینہ تو خود بس سے آجاتی ہے۔'' زارا نے اپنے ناخن دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے، چلو میں جا رہی ہوں، کچھ چاہیے ہو تو موبائل پر میسیج کر دینا۔ ویسے چلنا چاہو تو چلو......'' تہمینہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آنی سر پر تیل لگایا ہوا ہے اور مجھے نہانا بھی ہے آج۔ آپ جائیں۔''

زارا نے انھیں دیکھ کر کہا اور تہمینہ بیگم اپنا بیگ اٹھا کر چل دیں۔ زارا اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اوپر کی طرف چلی گئی۔ کمرے میں آ کر اس نے اپنے بندے ہوئے بال کھولے اور دُوپٹہ اُتارا۔ اب وہ غسل خانے کی طرف بڑھی، جیسے ہی اس نے لائٹ کے بٹن کو دبایا، باتھ روم کا بلب ایک دم سے فیوز ہوا۔

''اوہ!''

زارا کے منھ سے نکلا۔ غسل خانے میں اتنی روشنی نہیں تھی کہ وہ نہا سکے، پریشان ہو کر اس نے دو چار بار بٹن دبایا لیکن بلب نہ چلا۔

''کیا مصیبت ہے۔''

زارا بڑبڑائی اور نیچے کی طرف چلی گئی۔ قدم اُس کے باورچی خانے کی طرف تھے۔ ایک کیبنیٹ کھول کر اس نے بلب کو تلاش کیا اور یہ دیکھ کر اُسے خوشی ہوئی کہ ایک نیا بلب رکھا ہوا مل گیا۔ زارا نے بلب نکالا اور واپس کمرے کی طرف آئی، اب جو غسل خانے میں قدم رکھا تو یہ دیکھ کر پریشان ہو گئی کے چھت کافی اونچی ہے اور اُس سے یہ بلب نہیں لگ سکتا تھا۔

''کیا کروں۔'' زارا پریشان ہو کر اپنے آپ سے بولی اور چلتی ہوئی بالکونی کی طرف آئی۔ ادھر اُدھر دیکھا تو اُسے شفیق صاحب کے گھر سے ایک لڑکا نکلتا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''سُنیے بھائی! ؟'' زارا نے اُسے آواز دی۔

آصف چونکا اور پلٹ کر پیچھے دیکھا، پھر اس کی نظر بالکونی پر پڑی۔

''ارے باپ رے! آج کیا سمجھ رہی ہے۔'' آصف نے ڈر کر اپنے آپ سے کہا پھر سنبھل کر بولا۔

''جی؟''

''ایک سیکنڈ ذرا آیئے گا۔''

زارا نے جلدی سے اُسے بُلایا اور نیچے کی طرف چلی گئی۔ آصف گڑبڑا گیا اور الجھے ہوئے قدموں

سے اشرف صاحب کے گھر کی طرف جانے لگا۔ جلد ہی وہ ان کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ زارا نیچے آئی اور دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے دروازہ کھول کر سلام کیا۔

''وعلیکم سلام۔'' آصف نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''آپ ہمارے پڑوسی ہیں شاید؟'' زارا نے پیار سے پوچھا۔

''شاید نہیں یقیناً۔'' آصف نے جل کر جواب دیا۔

''جی جی وہ اصل میں کیا ہے کہ مجھے نہانا ہے۔'' زارا نے اک دم سے کہا۔

''جی؟'' آصف دھک سے رہ گیا۔

''وہ میرا مطلب، غسل خانے کا بلب فیوز ہو گیا ہے۔ میرے پاس بلب ہے اگر آپ چل کر بلب لگا دیں تو مہربانی ہوگی۔'' زارا نے تفصیل سے اپنی بات کہی۔

''اوہ اوکے۔'' آصف کے منہ سے نکلا۔

''میں آپ کو حمت دے رہی ہوں۔'' زارا نے شرمسار ہو کر کہا۔

''نہیں اس میں زحمت کی کوئی بات نہیں، ویسے بھی یہ گھر ہمارا ہی ہے۔ آپ لوگ یہاں پر ہمارے گھر پر کرائے پر ہیں۔'' آصف نے جل کر کہا۔

''اچھا؟'' زارا حیران ہوئی۔

''کیوں؟ آپ مجھے کیا سمجھ رہی تھیں؟ مالی؟'' آصف نے جل کر پوچھا۔

''ارے ہاں! آپ تو اُس دن والے مالی ہیں۔'' زارا نے اک دم سے چونک کر کہا۔

''میں مالی نہیں ہوں!''

آصف نے تلملا کر یہ جملے کہے پھر اپنے غصے کو برداشت کر کے کہنے لگا۔

''میں اپنے باغیچے کا خود خیال رکھتا ہوں۔ اپنی چیزوں کا خیال رکھنے والے مالی نہیں ہو جاتے۔''

''سوری، میں نے پہچاننے میں غلطی کر دی۔'' زارا نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

''اٹس اوکے، چلیے آپ کا بلب لگا دوں۔''

آصف نے خشک لہجے میں اپنی بات کہی اور زارا اُسے لے کر اوپر آئی۔ جلد ہی وہ غسل خانے کے سامنے تھے۔

''یہ دیکھیے، اوپر لگا ہے بلب، یہ رہا نیا والا۔'' زارا نے اُسے بلب دیتے ہوئے کہا۔

''کُرسی ملے گی؟'' آصف نے آستین اوپر کرتے ہوئے پوچھا۔

’’جی ابھی لائی۔‘‘

زارا نے جلدی سے کہا اور پلٹی۔ جلد ہی وہ کُرسی لے کر آئی۔ آصف نے کُرسی غسل خانے کے بیچ و بیچ رکھی اور اُس پر چڑھ کر پُرانا بلب اُتارنے لگا۔

’’آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کب سے رہ رہے ہیں؟......‘‘ آصف نے بدستور خشک لہجے میں بات کرنے لگا۔

’’ہم بھانجیاں ہیں آنی کی۔ لاہور سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔‘‘ زارا نے اُسے دیکھ کر بتایا۔

’’اوہ تو اس کا مطلب دو خاندان ایک گھر میں رہ رہے ہیں۔‘‘ آصف نے طنز کیا۔

’’آپ کے لہجے سے ایسا لگ رہا ہے کہ آپ کو ہمارا رہنا نہیں پسند؟‘‘ زارا نے بُرا مان کر کہا۔

’’نہیں ایسی کوئی بات نہیں لیکن بات حق کی ہے۔ ہم نے یہ گھر کرائے پر اشرف صاحب کو دیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی اور کو بھی گھر پر ٹھہرا لیں۔‘‘ آصف نے بلب لگاتے ہوئے کہا۔

’’تو آپ مجھے کرایہ بتا دیں، میں آپ کو کرایہ دینا شروع کر دوں گی۔‘‘ زارا نے جل کر کہا۔

’’ٹھیک ہے، میں آپ کا الگ سے کانٹریکٹ بنوا دوں گا۔‘‘ آصف نے کُرسی پر چڑھے ہوئے کہا۔

’’گویا آپ کرایہ لے لیں گے؟‘‘ زارا نے گھبرا کر پوچھا۔

’’بالکل! چاہے مجھے اُس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے!......‘‘

آصف کے آخری جملے خوف میں ادا ہوئے کیوں کہ کُرسی پھسل گئی اور وہ جا کر سیدھا ٹب میں گرا! گرتے ہوئے اُس کا ہاتھ ٹب میں لگے شاور پر لگا اور شاور چل پڑا! اب آصف ٹب میں لیٹا بھیگ رہا تھا۔

’’ارے ارے! سنبھل کے!‘‘ زارا کہتی رہ گئی۔

’’کیا مصیبت ہے۔‘‘ آصف مکمل طور پر گیلا ہو گیا اور ٹب سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔

’’لایئے ہاتھ دیجیے!‘‘ زارا نے ہاتھ بڑھایا۔

’’نہیں شکریہ!‘‘ آصف نے بدتمیزی سے جواب دیا اور ٹب سے نکلا۔ اب وہ پُورا گیلا ہو چکا تھا۔

’’آئی ایم سوری، میں تولیہ لاتی ہوں!‘‘ زارا نے گھبرا کر کہا۔

’’بہت شکریہ! خدا حافظ!‘‘

آصف نے تلملا کر یہ جملے کہے اور پیر پٹخ کر کمرے سے باہر نکلا۔ زارا بھی گھبرا کر اُس کے پیچھے چلی۔ آصف لمبے لمبے ڈگ بھرتا مرکزی دروازے پر پہنچ گیا اور دروازہ کھول کر باہر نکلنے ہی والا تھا کہ زارا نے ایک بار پھر معافی مانگی۔

’’مجھے واقعی بہت افسوس ہے آپ بھیگ گئے۔‘‘

’’دس ہزار!‘‘ آصف نے پلٹ کر کہا اور زارا جھٹکے سے رُکی۔

’’دس ہزار! ماہانہ دینا ہوگا، ورنہ سامان باندھو اور نکلو یہاں سے۔‘‘ آصف نے جل کر کہا۔

’’کیا یتیموں سے اس طرح برتاو کیا جاتا ہے؟‘‘

زارا رو پڑی اور آصف دھک سے رہ گیا۔ اُس کا سارا غصہ اک دم سے بیٹھ گیا۔ وہ حیران ہو کر زارا کی طرف دیکھنے لگا۔ زارا نے روتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ آصف وہیں جما کھڑا رہ گیا۔ زارا کے جملوں نے اس کو ہلا دیا تھا۔ آصف اُسے روتے ہوئے چُپ بھی نہ کرا سکا۔ بوجھل قدموں سے وہ گھر سے باہر نکلا اور زارا نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

آصف اب الجھن کا شکار ہو گیا۔ اس نے سوچا کے دوبارہ دستک دے لیکن مناسب نہ سمجھا۔ کچھ سوچ کر وہ واپس پلٹ کر چلا گیا۔ زارا دروازہ بند کر کے نجانے کب تک روتی رہی۔ ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ آصف نے گرنے سے پہلے بلب لگا دیا تھا۔

☆......☆

’’میری سمجھ نہیں آ رہا تجھے ایک کالج کی لڑکی میں کیا نظر آ گیا؟‘‘

سعد نے حیرت کے عالم میں روحیل سے پوچھا۔ اس وقت وہ اور فحاد دونوں روحیل کے دفتر میں موجود تھے۔ روحیل ٹائی لگائے اپنی ڈیسک پر بیٹھا تھا۔ سعد اور فحاد بھی سُوٹ پہنے ہوئے اُس کے سامنے موجود تھے۔

’’پتا نہیں لیکن بس اس کو جاننے کا جی چاہ رہا ہے۔‘‘ روحیل نے پین ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

’’مجھے پتا ہے تیری نیچر کا۔ تجھے کوئی چیز حاصل کرنے کی لگ جائے تو تُو کر کے رہتا ہے۔‘‘ فحاد نے منہ بنا کر کہا۔

’’ہاں یہ ہار نہیں مانتا۔‘‘ سعد نے تائید کی۔

’’ایسی بات نہیں ہے یار۔‘‘ روحیل نے چڑ کر کہا۔

’’تو پھر کیا بات ہے؟ ایک لڑکی جس نے تجھ سے زیادہ بات بھی نہیں کی، ایک عام سے کالج میں پڑھ رہی ہے، بھلا اُس میں کیا خاص بات ہو سکتی ہے؟‘‘ سعد نے حیران ہو کر پوچھا اور روحیل خاموش رہا۔

’’سارا یا ثناء سے زیادہ تو اچھی نہیں ہو گی نا! وہ لڑکیاں لنڈن سے پڑھ کر آئی ہیں، اسٹائلش ہیں اور نئے دور کو سمجھتی ہیں۔ ایک عام سے کالج میں پڑھنے والی لڑکی جو کہ زیادہ بات بھی نہیں کرتی، نہ تجھے فون کر رہی ہے نہ وٹس ایپ! پھر بھی تُو اس کو لے کر سوچے جا رہا ہے؟ یہ ضد نہیں تو اور کیا ہے؟‘‘

فحاد بھی حیرت کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

"یہ بات نہیں ہے یار!" روحیل نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"بھائی تم ہمیں سمجھا دو! یقین مانو ابھی آئیڈیا دوں گا۔" سعد نے دعوہ کر کے کہا۔

"کیسا آئیڈیا؟" روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

"اُس کالج والی کو پٹانے کا۔" سعد نے چٹکی بجا کر کہا۔

"مجھے کسی کو پٹانہ شٹانہ نہیں ہے، بس سمیرا کہ جاننے کا دل کرتا ہے۔" روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ایسی کیا خاص بات ہے؟ کیا بہت خوبصورت ہے؟" سعد نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

"ہے تو حسین چہرا اور اُتنی ہی گہرای..... نجانے کیا کچھ لکھا ہے اُس گہرائی میں بس اُن سطروں کو پڑھنے کا جی چاہتا ہے......" روحیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

"نیچر کی کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بہت مشکل! لڑکوں سے دُور رہنے والی۔" روحیل نے مسکرا کر کہا۔

"بس! ثابت ہوا! بھائی کو ضد ہے اور کچھ نہیں۔" فحاد نے ہاتھ چلا کر کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔" روحیل نے ہنس کر جواب دیا۔

"تُو نہیں مانے گا! ہم چاہیں کچھ کہ لیں۔ یہ بھی ضد ہے۔" فحاد نے اُنگلی دکھا کر کہا۔

"میں کہ رہا ہوں نا ایسی بات نہیں ہے۔" روحیل نے تنگ آ کر جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

سعد نے ہاتھ باندھ کر پوچھا اور روحیل ان کے چہرے تکنے لگا۔ تھوڑا پیچھے ہو کر اس نے اپنی ٹیبل کی دراز کھولی اور ایک تصویر نکال کر ان کے سامنے رکھی۔ سعد اور فحاد نے تصویر کو ایک ساتھ دیکھا۔

"یہ تو تیرے پوپس نہیں ہیں؟" سعد نے الجھ کر پوچھا۔

"ہاں!" روحیل نے جواب دیا۔

"اور یہ ساتھ میں کون ہیں؟ تمھاری موم؟" سعد نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بالکل۔" روحیل نے جواب دیا۔

"کافی خوبصورت ہیں۔"

سعد نے تعریف کی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسی حیرت میں وہ روحیل کی طرف دیکھنے لگا۔ روحیل مسکرا کر سعد کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ تم دونوں ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" فحاد نے الجھ کر پوچھا۔

"روحیل تُو ابھی جا، جا کر اُسے کالج سے پک کر!" سعد نے بے چین ہو کر کہا۔

''کیا؟ تجھے کیا ہو گیا بھائی؟'' فخاد نے حیران ہو کر پوچھا۔
''تُو چُپ کر! روحیل جا رہا ہے کہ نہیں؟'' سعد نے مچل کر پوچھا۔
''یار ایسے کیسے چلا جاوں؟ اس کی بڑی بہن زارا اُسے پک کرتی ہے کالج سے۔'' روحیل نے الجھ کر کہا۔
''ارے کچھ نہیں ہوگا، زارا اب تجھے جانتی ہے، اس لیے وہ بُرا نہیں مانے گی۔تم جاؤ ابھی اور اُسے پک کرو۔'' سعد نے مچلتے ہوئے کہا۔
"Do you think it's a good idea?"۔روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔
''بالکل! بہت اچھا آئیڈیا ہے۔دیر مت کر جا کر اُس سے بات کر۔ویسے بھی اس کو جاننا تیرے لیے زیادہ ضروری ہے۔'' سعد نے بےچین ہو کر کہا۔
''سعد، مجھے لگتا ہے تُو پاگل ہو گیا ہے اس کی طرح۔'' فخاد نے جل کر کہا۔
''تُو نہیں سمجھے گا فخاد، روحیل کا اس لڑکی سے ملنا بہت ضروری ہے۔'' سعد نے جھنجلا کر کہا۔
''ہم یہاں آئے تھے اس کو سمجھانے، تُو الٹا اس کو الجھا رہا ہے۔'' فخاد نے بھی جھنجلا کر کہا۔
''لیکن روحیل نے مجھے بہت کچھ سمجھا دیا ہے۔''
سعد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور روحیل مسکرانے لگا۔
''اب دیر مت کر، جلدی جا اور ہاں! بائیک پر مت جانا۔'' سعد نے اُسے سمجھایا۔
''کیوں؟'' روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔
''لگاوں گا کان کے نیچے ایک رکھ کر، ہیوی بائیک پر سمیرا کو بٹھائے گا؟ وہ ویسے ہی شرمیلی ہے اور شرما جائے گی۔گاڑی لے کر جا۔مرسیڈیز نکال۔''
سعد نے اُسے ڈانٹا اور روحیل کی آنکھوں میں چمک دوڑ گئی۔

☆......☆

دوپہر دو بجے حسب معمول کالج کی چھٹی ہوئی اور سب لڑکیاں کالج گیٹ سے باہر نکلنے لگیں۔سمیرا سر جھکائے کندھے پر بیگ لٹکا کر باہر نکلی اور اپنی آپی کو ڈھونڈنے لگی۔ایسے میں ایک نئی کالی مرسیڈیز اُس کے پاس آ کر رُکی۔سمیرا نے چونک کر گاڑی کو دیکھا۔گاڑی کا دروازہ کھلا اور روحیل کالا سوٹ، کالا چشمہ پہنے گاڑی سے اُترا۔سمیرا اُسے دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔
''Hi۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔
''آپ؟'' سمیرا نے حیران ہو کر کہا۔

''کیوں میں یہاں نہیں آ سکتا؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا آج بھی اپنے ماموں کے گھر جا رہے تھے آپ؟''

سمیرا نے مسکرا کر پوچھا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''نہیں سچ پوچھو تو میں تمھیں پک کرنے آیا ہوں۔''

''شکریہ! آپی آنے والی ہی ہوں گی۔ میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' سمیرا نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

''وہ نہیں آئیں گی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''کیوں؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اصل میں میں پہلے گھر ہی گیا تھا، سوچا کے تمھارے ساتھ ایک کپ کوفی کا ہو جائے تو آپی نے کہا کہ ان کے سر میں درد ہے اسی لیے میں تمھیں یہاں لینے آ گیا۔'' روحیل نے جلدی جلدی بہانا بنایا۔

''اوہ۔'' سمیرا کے منھ سے نکلا۔

''اب ایسا ہے کہ کوئی آپ کو پک کرنے نہیں آ رہا تو کیا خیال ہے؟ چلیں؟''

روحیل نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور سمیرا نے ایک پل روحیل کو دیکھا اور گھبرا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ روحیل مسکرایا اور ڈرائیونگ سیٹ کی طرف چلا گیا۔ دروازہ کھول کر وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

عین اسی وقت پیچھے سے زارا اپنی آلٹو میں آئی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ سمیرا روحیل کے ساتھ جا رہی ہے۔ زارا مسکرانے لگی اور دل ہی دل میں شکر خدا کرتے ہوئے کہا۔

''سمیرا تیری تو نکل پڑی۔''

پرل کونٹینینٹل ہوٹل کے سوئمنگ پُول کے پاس سمیرا ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ ٹیبل پر لگی چھتری دھوپ روکنے کے لیے کافی تھی اور ارد گرد لوگ سوئمنگ پُول میں نہانے کی تیّاری کر رہے تھے۔ ایسے میں روحیل اپنے ہاتھوں میں دو گلاس لیے ہوئے آیا۔

''لو، یہ پیو۔ it is called frappacuino تمھیں اچھا لگے گا۔''

روحیل نے اُسے گلاس دیتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ملک شیک جیسا لگ رہا ہے؟'' سمیرا نے اپنے ڈرنک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ملک شیک ہی سمجھو لیکن اس میں کافی بلینڈ ہے Which is why it is frappacuino۔''

روحیل نے مستی میں کہا اور سمیرا نے ایک گھونٹ پیا۔ پہلا گھونٹ ہی اُسے بہت بھایا۔

’’ہمم بہت مزے کا ہے۔‘‘سمیرا نے تعریف کی۔
’’کہا تھا نا تمھیں اچھا لگے گا۔‘‘ روحیل نے مسکرا کر کہا اور اپنا فراپ پیا۔
’’لیکن مجھے یہاں بہت عجیب لگ رہا ہے، میں کالج یونیفارم میں اتنے پیارے ہوٹل میں بیٹھی ہوں......‘‘سمیرا نے گھبرا کر کہا۔
’’تو کیا ہوا، کالج یونیفارم ہی پہنا ہوا ہے کوئی قیامت تھوڑی نہ آ جائے گی۔‘‘ روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا پھر اپنا سوٹ دکھا کر کہنے لگا۔
’’یہ دیکھو، میں بھی اپنے یونیفارم میں ہوں۔‘‘
اس کی بات سُن کر سمیرا ہنسنے لگی۔روحیل بھی مسکرانے لگا۔
’’آپ کس چیز کے وکیل ہیں؟ عدالت تو جاتے ہوں گے۔‘‘سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
’’میں دراصل کارپوریٹ وکیل ہوں۔میرا عدالت سے کم واسطہ پڑتا ہے۔‘‘ روحیل نے جواب دیا۔
’’کارپوریٹ وکیل؟‘‘سمیرا نے الجھ کر پوچھا۔
’’یعنی کمپنیوں کے کام کرنا، ان کے ایگریمینٹس بنانا، کانٹریکٹس دیکھنا اور اُن کی بڑی بڑی ڈیل کو قانونی طور پر Accurate رکھنا۔ ہمارے پاس Litigation وکیل بھی ہیں جو عدالت جا کر کیس لڑتے ہیں۔‘‘ روحیل نے جواب دیا۔
’’اوہ اچھا۔‘‘سمیرا نے سر ہلا کر کہا۔
’’تمھیں لگتا تھا کہ میں عدالت جاتا ہوں؟‘‘ روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔
’’جی مجھے ایسا ہی لگا، جیسا فلموں میں ہوتا ہے جج کے سامنے وکالت۔‘‘سمیرا نے مسکرا کر کہا۔
’’جیسا فلموں میں دکھاتے ہیں ویسا حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا۔کورٹ کیس لڑنا بہت مشکل کام ہے اس لیے میں نے کارپوریٹ رہنے کا فیصلہ کیا۔‘‘ روحیل نے جواب دیا۔
’’لیکن کبھی کوئی کیس لڑا ہے آپ نے؟‘‘سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
’’شروع شروع میں میرا ایک دوست تھا، اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ اس کی بیوی اُس سے بچّوں کا خرچہ اور مہر کی رقم طلب کر رہی تھی جو کہ قریب قریب دس لاکھ روپے بن گئے۔غریب آدمی اُسے اندازہ نہیں تھا کہ مہر اس قدر دینا پڑ جائے گا۔تو میں نے اُس کا کیس لڑا تھا۔کافی دلائل اُس کے حق میں دیے اور کسی حد تک کافی پیسے کم کروائے۔ بے چارہ آج بھی شکریہ کے میسیج کرتا ہے۔کچھ ہی دن بعد میں نے ایک لڑکی کی طلاق کا کیس لڑا۔ اس بار میرا مقابلہ لڑکے والوں سے تھا۔تو جو دلائل میں نے اپنے دوست کے کیس میں دیے تھے انھیں کو موڑ توڑ کر میں نے یہاں استعمال کیا۔‘‘

روحیل نے بتایا اور سمیرا مسکرا کر سُننے لگی۔

''کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری اپنی کوئی سوچ نہیں، ہماری اپنی کوئی پہچان نہیں۔ کلائنٹ نے آ کر اپنا کیس بیان کیا، اگر کیس سمجھ آیا تو بس آپ اُس کے حق کے لیے لڑنے لگے۔ Either a defendant or plantiff۔ بس یہی سوچ کہ میں نے پوپس کو بولا کہ میں کارپوریٹ وکیل بننا چاہتا ہوں۔'' روحیل نے تفصیل سے بتایا۔

''پوپس؟'' سمیرا نے حیران ہوکر پوچھا۔

''میرے والد، میں انھیں پوپس کہہ کر پُکارتا ہوں۔'' روحیل نے مسکرا کر بتایا۔

''اوہ اچھا۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''پوپس کے بعد گھر میں ہے زین، میرا چھوٹا بھائی۔ تم اُس سے ملو گی تو ہنستی رہ جاوگی، بہت مستی خور ہے۔'' روحیل نے مسکرا کر بتایا۔

''ہمارے گھر میں ثمینہ ایسی ہے۔ اُسے ہر وقت شرارت سوجھتی ہے، آپ کے تو پیچھے پڑ گئی تھی آئسکریم کے لیے۔'' سمیرا نے مسکرا کر بتایا اور روحیل ہنس کر کہنے لگا۔

''میں نے ایسا آئسکریم لوور آج تک نہیں دیکھا۔''

اُس کے کہنے پر سمیرا ہنسنے لگی۔

''ارے ہاں اُس دن آنٹی بتا رہی تھیں تم لوگوں کے بارے میں، ویسے مجھے بہت افسوس ہوا تمھارے دونوں والدین چل بسے۔'' روحیل نے غمگین لہجے میں کہا۔

''دونوں؟'' سمیرا چونکی۔

''ہاں، اُس دن آنٹی بتا رہی تھیں کہ ایک حادثے میں دونوں کا انتقال ہوا۔ بہت افسوس ہوا سُن کر۔'' روحیل نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''جی؟ جی بس نصیب کی باتیں ہیں۔'' سمیرا نے مختصر جواب دیا۔

''پریشان مت ہوں، اب میں ہوں نا، اب تمھیں مزید نصیب کو کچھ کوسنا نہیں پڑے گا۔''

روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا مسکرانے لگی۔ کچھ پل ٹھہر کر اس نے روحیل کو دیکھا اور دھیرے سے پوچھا۔

''میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو؟'' روحیل نے اپنا فراپ پیتے ہوئے کہا۔

''آپ اتنے عمیر ہیں، ملک میں Law Firms ہیں، پیسا ہے، دوستیں بھی ہوں گی...... پھر مجھ سے

دوستی کیوں؟''

سمیرا نے الجھ کر یہ سوال پوچھا اور روحیل ایک پل کے لیے سوچنے لگا، نفی میں سر کو ہلا کر کہنے لگا۔

''پتا نہیں......شاید تم ان چیزوں کی پرواہ نہیں کرتیں......کہ میرا کیا اسٹیٹس ہے......اور مجھے یہ بات بہت پسند آئی............یہی جان کر بس دل کیا کے تم سے بات کروں تمھیں جانوں۔''

''ضروری تو نہیں کہ میں آپ کے معیار پر پوری اُتروں؟'' سمیرا نے گھبرا کر کہا۔

''دوستی میں معیار نہیں دیکھا جاتا، صرف دوستی دیکھی جاتی ہے۔ اگر تمھیں لگتا ہے کہ میری باتیں بہت پکاوں ہیں اور میں تمھیں بالکل اچھا نہیں لگ رہا تو تمھیں سو فیصد حق ہے مجھے الوداع کہنے کا۔ میں وعدہ کرتا ہوں پھر کبھی پلٹ کر تمھیں پریشان نہیں کروں گا۔ لیکن اگر تمھارا دل کہتا ہے کہ میں وہ انسان ہوں جس سے تم کچھ باتیں کہ سکتی ہو......تو پھر اس دوست کی دوستی دیکھنا۔''

روحیل نے اُسے دیکھتے ہوئے یہ جملے کہے اور سمیرا لبوں پر مسکان سجا کر سر جھکا گئی۔

''تمھاری مسکراہٹ بہت خوبصورت ہے، اسے ہمیشہ اپنے لبوں پر ایسے ہی رکھو۔''

روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا مسکرانے لگی۔ روحیل نے صاف دیکھا، اُس کے چہرے پر جو خوشی تھی وہ ظاہر کر رہی تھی کہ اُسے یہ سائنکس قدر اچھا لگ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ مسکرانے لگا۔ سمیرا نے سر اٹھایا اور گھڑی دیکھ کر کہنے لگی۔

''چلیں بہت دیر ہو رہی ہے، آپی پریشان ہو جائیں گی۔''

''چلو۔''

روحیل نے اُسے مزید روکنا بہتر نہ سمجھا اور اُٹھ گیا۔

اسی لمحے سوئمنگ پول پر سارہ اپنی کچھ دوستوں کے ساتھ اندر آئی اور چونک کر روحیل کی طرف دیکھا۔ اس نے صاف دیکھا کہ روحیل کسی لڑکی کے ساتھ ہے جس نے کالج یونیفارم پہنا ہوا ہے۔ سارہ نے اپنا چشمہ نیچے کیا اور روحیل کو تکتی رہی۔

☆......☆

زارا اور کوثر بار بار کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہے تھے۔

''آئی سمیرا؟'' تہمینہ بیگم نے پیچھے سے مچل کر پوچھا۔

''نہیں ابھی تک نہیں، کافی دیر نہیں ہو گئی آنی؟'' زارا نے پریشان ہو کر پلٹ کے پوچھا۔

''پریشان نہیں ہو، روحیل اچھا لڑکا ہے۔'' کوثر نے اطمینان سے جواب دیا۔

''پھر بھی، سمیرا اتنی دیر تک کسی لڑکے کے ساتھ؟ مجھے تو اب گھبراہٹ ہو رہی ہے۔'' زارا نے پریشان

ہو کر کہا۔

''ارے بھائی روحیل خاندانی لڑکا ہے، یقیناً ٹریفک میں پھنس گئے ہوں گے۔تم اس کی فکر مت کرو۔'' کوثر نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

''کوثر ٹھیک کہہ رہا ہے، آدھا گھنٹا اور انتظار کر لیتے ہیں پھر اُس کے بعد میں روحیل کو فون کروں گی۔'' تہمینہ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آ گئی! آ گئی! سمیرا آ گئی!''

کوثر نے مچل کر بتایا اور وہ تینوں کھڑکی پر کُود پڑے۔تینوں نے دیکھا کالی مرسیڈیز اشرف صاحب کے گھر کے سامنے رُکی۔روحیل گاڑی سے اُترا اور دوڑ کر سمیرا کے دروازے کی طرف گیا۔جینٹل مین کی طرح اس نے سمیرا کا دروازہ کھولا۔

''اووووو......'' زارا، کوثر، تہمینہ بیگم کے منہ سے نکلا۔تینوں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

''شکریہ۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا اور گاڑی سے اُتری۔

''ہمم! اگر چاہو تو میں کل بھی تمھیں پک کر سکتا ہوں۔'' روحیل نے پیار سے تجویز پیش کی۔

''نہیں آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں؟ آنی اور آپی ہیں نا۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

''ارے بھئیتھوڑا آرام کرنے دو انہیں، کچھ تکلیف میں اٹھا لوں گا تو کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا ہنس پڑی۔

''چلیں میں آپی سے پوچھ کر آپ کو بتاوں گی۔''

''اوکے۔'' روحیل مسکرایا۔

''اچھا اللہ حافظ......'' سمیرا نے مسکرا کر کہا اور اپنا بیگ لے کر اندر کی طرف چلی۔نجانے اس لمحے روحیل کو کیا ہوا، سمیرا کا اُس سے دُور ہونا اُس کے دل کو تڑپا سا گیا۔

''سمیرا؟......''

روحیل نے اُسے آواز دی اور سمیرا نے اپنی زلفیں ہوا میں لہرا کر پلٹ کے اُسے دیکھا۔روحیل کو اس پل اپنا دل جاتا ہوا محسوس ہوا، سمیرا کی ادا نے اُسے گھائل کر دیا۔وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چاہتا تھا کہ سمیرا اُس سے دُور جائے۔

''کہیے؟'' سمیرا نے پیار سے پوچھا۔

دو پل ٹھہر کر روحیل مسکرایا اور دل کو سمجھا کر صرف اتنا کہہ سکا۔

''کچھ نہیں۔''

''اووووو!'' کھڑکی سے دیکھتے ہوئے زارا، کوثر اور تہمینہ بیگم ایک بار پھر متاثر ہوئے۔

''او کے اللہ حافظ۔''

سمیرا نے پیار سے جواب دیا اور اندر کی طرف چلی گئی۔ روحیل اُسے جاتے دیکھتا رہا، جب وہ دروازے پر پہنچ گئی تو روحیل نے اپنی آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ لگایا اور گاڑی میں بیٹھا۔ جلد ہی اس نے گاڑی رفتار پر چھوڑ دی۔ سمیرا نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا اور مسکرا کر گھر کا دروازہ کھولا۔ اندر آئی تو زارا، کوثر اور تہمینہ بیگم دانت نکالے اُس کے سامنے کھڑے تھے۔

''یہ آپ لوگوں کے منہ کیوں کھلے ہیں؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ایسے ہی! ڈاکٹر نے کہا ہے کہ منہ کھلا رہنا چاہیے، اس سے سانس اچھا آتا ہے۔'' کوثر نے جلدی سے کہا اور وہ سب نارمل ہو گئے۔

''آپی؟ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟ روحیل نے بتایا کے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' سمیرا نے زارا کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہیں۔ تم روحیل کے ساتھ تھیں؟'' زارا نے فُل ایکٹنگ کی اور تہمینہ بیگم نے اپنا ماتھا پیٹا۔

''آپ نے ہی تو بھیجا تھا روحیل کو؟''

سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا اور تہمینہ بیگم نے زور سے زارا کی چٹکی لی۔

''اوہ ہاں یاد آیا! مجھے اتنا سر درد اتنا سر درد تھا کہ بس!'' زارا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں سمیرا! پتا ہے اتنا درد تھا کہ درد نے بھی باہر آ کر پوچھا کہ اور ہوں یا کافی ہے؟'' کوثر نے بھی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور دونوں خواتین نے اُسے گھورا۔

''یا اللہ۔'' سمیرا پریشان ہو گئی۔

''ہاں نا! ایسے میں گاڑی چلانا کتنا خطرناک ثابت ہوتا ہے نا چاچی؟'' کوثر نے بھی بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بالکل! اور سمیرا یہ تم نے بہت اچھا کیا جو روحیل کے ساتھ آ گئی۔ بھئی روحیل خاندانی ہے، اچھا ہے، پڑھا لکھا ہے، رکھوالی کرنا جانتا ہے، میں تو تم دونوں کی عقلمندی پر فدا ہو گئی۔'' تہمینہ بیگم نے تعریف کی۔

''واہ واہ واہ!'' کوثر نے تعریف کی پھر مچل کر بولا۔

''اسی بات پر تعریف پر گانا ہونا چاہیے۔ نزرل بابا حاضر ہوں!''

کوثر کا یہ کہنا ہی تھا کہ نزرل بابا کچن سے ناچتے ہوئے نکلے۔

''یہ چاند سا روشن چہرا زلفوں کا رنگ سنہرا

یہ جھیل سی جیسی آنکھیں کوئی راز ہے ان میں گہرا''

تب ہی کوثر اور نزل بابا نے مل کر گایا۔

''تعریف! کروں کیا اس کی جس نے تمھیں بنایا''

اُن دونوں کا دیوانہ پن دیکھ کر خواتین ہنسنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔ سمیرا اس لمحے ہنسے جا رہی تھی۔

''اوفوہ! بس بھی کرو تم دونوں۔'' تہمینہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''اوکے، نزرل بابا!...... بیک ٹو برتن پلیز!'' کوثر نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''اوکے!'' نزرل بابا ناچتے ہوئے واپس کچن میں چلے گئے اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''چلو یہ اچھا ہوا کہ سمیرا آ گئی بس اب ثمینہ بھی آنے والی ہوگی، ویسے روحیل ہے بہت اچھے دل کا لڑکا بے چارہ اپنا کام کاج چھوڑ کر سمیرا کو پک کرنے گیا۔'' تہمینہ بیگم نے کن اکھیوں سے سمیرا کی طرف دیکھا۔

''واقعی اتنے اچھے لڑکے کہاں ہوتے ہیں بھلا۔'' زارا نے بھی جملہ دیا۔

''اس میں کوئی شک نہیں......''

سمیرا نے دھیرے سے جیسے اپنے آپ سے یہ جملے کہے اور اُن تینوں کے چہرے کھل اُٹھے۔ سمیرا یہ کہہ کر اوپر والی منزل کی طرف چلی گئی۔ زارا، کوثر اور تہمینہ بیگم خوشی کے مارے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ سمیرا آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگی اور کوثر، زارا، تہمینہ بیگم اُسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

جیسے ہی سمیرا نظروں سے اوجھل ہوئی تو وہ تینوں لپک کر اُٹھے۔

''یہ چاند سا روشن چہرا زلفوں کا رنگ سنہرا
یہ جھیل سی جیسی آنکھیں کوئی راز ہے ان میں گہرا
تعریف کروں کیا اس کی جس نے تمھیں بنایا!''

یہ گانا گا کر تینوں ہنسنے لگے۔ اس لمحے وہ بہت خوش تھے، سمیرا کی زندگی میں مسکراہٹ لوٹ رہی تھی اور یہ بہت بڑی بات تھی۔

☆......☆

''ابے یار!''

ایک شام زین کا گزر ایک خوبصورت سڑک سے ہو رہا تھا کہ اچانک اس کی گاڑی جھٹکے لے کر رُک گئی۔ زین نے اُتر کر ایک لات گاڑی کے ٹائر پر ماری۔

''آوچ!''

تکلیف کے عالم میں وہ خود اپنا پاؤں پکڑ کر رہ گیا، گہرا سانس لے کر اس نے اپنا فون نکالا اور ٹریکر

کمپنی فون کرنے لگا۔ جلد ہی دوسری طرف سے ایک لڑکی کی آواز آئی۔

''السلام علیکم سر، کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''

''ہاں وہ میں ایکچوئلی بتانا بھول گیا کہ میں آج کراچی سے باہر ایک فارم ہاؤس جا رہا ہوں، میرے خیال سے ٹریکر والوں نے میری گاڑی بند کر دی ہے۔'' زین نے منھ بنا کر کہا۔

''گاڑی کا نمبر بتایے سر۔'' اس نے کہا۔

"ZXY-1691"۔ زین نے جواب دیا۔

''ایک سیکنڈ سر۔'' لڑکی نے جواب دیا پھر کچھ دیر بعد بولی۔

''جی سر گاڑی ہم نے ہی بند کی ہے۔''

''ارے واہ کتنے اچھے ہیں آپ لوگ! مہربانی کر کے اون کر دیجیے۔'' زین نے جل کر کہا۔

''او کے سر، دس منٹ بعد آپ دوبارہ اسٹارٹ کریں آپ کی گاڑی چل جائے گی۔'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

''تھینکس۔''

زین نے منھ بنا کر یہ جملے کہے اور فون بند کر کے انتظار کرنے لگا۔ اسی دوران ایک کالج بس اُس سے کچھ دُور رُکی۔ شاید بس میں کے ٹائر میں کوئی مسلہ ہوا تھا۔ بس کا ڈرائیور اُتر کر ٹائر چیک کرنے لگا اور کالج کی لڑکیاں اُتر کر کھڑی ہو گئیں۔ زین نے منھ بنا کر انھیں دیکھا اور پھر چہرا دوسری جانب کر لیا۔ اُسے انتظار اپنی گاڑی کا تھا۔ ایک بار پھر گردن گھما کر بس کی طرف دیکھا تو لڑکیاں نیچے اُتر آئیں تھیں۔ اُن میں سے ایک لڑکی کو دیکھ کر اُس کا دل دھڑکا۔ ساری لڑکیوں میں سے سب سے زیادہ چنچل وہی تھی۔ وہ مستقل سب سے باتیں کیے جا رہی تھی۔ سادگی اُس کے چہرے پر غضب کی تھی اور ہوا سے کبھی اس کی زلف لہرا جاتی تو وہ اور حسین لگتی۔ زین محو ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ وہ لڑکی سب سے گُھل مل رہی تھی، ہنس رہی تھی، بول رہی تھی۔ وہ بلا کی خوبصورت تھی۔ اُس کے ہاتھ، اُس کا انداز اور اُس کا جسم دیکھنے کے قابل تھا۔ زین اب محو ہو رہا تھا اور اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ دوسری طرف لڑکی نے بھی نوٹس کیا کہ کوئی ہے جو مستقل اُسے دیکھے جا رہا ہے۔ اس نے بُرا سا منھ بنایا اور پھر اپنی سہیلیوں سے باتیں کرنے لگئی۔ زین مسکرا کر رہ گیا۔

اس پوری کارروائی میں صرف دس منٹ لگے ہوں گے کہ بس دوبارہ چلنے کے قابل ہوئی۔ لڑکیاں ایک ایک کر کے واپس بس میں چڑھنے لگیں۔ زین مستقل اُدھر ہی دیکھتا رہا۔ آخر کار وہ بھی بس میں چڑھ گئی اور جلد ہی بس چل پڑی۔ زین مسکرا کر بس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''تو یہ تھی دُنیا کی سب سے چھوٹی لو اسٹوری۔''

اُس کے منھ سے نکلا اور مسکرا کر اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کی تو چل پڑی۔ اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے گاڑی چلا دی۔

☆......☆

آدھی رات ہو چکی تھی مگر آصف کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ وہ پریشان ہو کر کبھی سر جھکا لیتا تو کبھی کھڑکی سے باہر چاند کو دیکھتا۔ اس لمحے وہ بالکل خاموش تھا لیکن من ہی من میں بہت بے چین۔ اُسے رہ رہ کر زارا کے آنسو یاد آ رہے تھے۔ جو اس نے کیا وہ غلط تھا بہت غلط، اُسے بہت پچھتاوا ہو رہا تھا لیکن سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کرے تو کیا کرے۔ انھیں سب سوچوں میں وہ گُم تھا کے ایسے میں اُس کے کمرے کی لائٹ جلی۔ آصف نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو اس کی والدہ موجود تھیں۔

''آصف؟'' شکیلہ بیگم نے اندر آ کر کہا۔

''امی آپ۔'' آصف کے منھ سے نکلا۔

''بیٹا کیا بات ہے؟ کیا پریشانی کھائے جا رہی ہے تمھیں؟ سب ٹھیک تو ہے؟'' شکیلہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''میں میں ٹھیک ہوں امّی! مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔'' آصف نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''ہمم......''

شکیلہ بیگم کے منھ سے نکلا اور وہ اندر آ گئیں۔ آصف بستر پر ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ شکیلہ بیگم پیار سے اپنے بیٹے کے پاس بیٹھیں۔

شام سے دیکھ رہی ہوں، کوئی پریشانی تمھیں کھائے جا رہی ہے۔ کھانا صحیح سے کھا رہے ہو اور نہ ہی کسی سے بات کر رہے ہو۔ میں تمھاری والدہ ہوں تمھارے چہرے کو پڑھ سکتی ہوں۔'' انھوں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''نہیں امی میں ٹھیک ہوں۔'' آصف نے ادھر اُدھر دیکھ کر جواب دیا۔

''اب اپنی امی سے جھوٹ کہو گے؟''

انھوں نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور آصف گڑبڑا گیا۔

اس کی سمجھ نہیں آیا کہ وہ شکیلہ بیگم کو کیا جواب دے۔

''ماں ہوں تمھاری دُشمن نہیں مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟'' انھوں نے پھر پوچھا۔

''امی میں میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا اور اور آپ مجھے ڈانٹیں گی بھی۔''

آصف نے گھبرا کر کہا۔

”ایسا کیا کر دیا تم نے کو تمھیں ڈانٹ پڑے گی؟“ شکیلہ بیگم نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

”امی مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔“ آصف نے پریشان ہوکر بتایا۔

’کیا ہوا؟“ انھوں نے پریشان ہوکر پوچھا۔

”امی میں نے آپ کو بتایا تھا نا اُن تین لڑکیوں کے بارے میں؟“

آصف نے اپنی کہانی کہنا شروع کی۔

”ہاں؟ تو؟“ انھوں نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔

”میری ملاقات اُن تین لڑکیوں میں سے ایک سے ہوئی۔ شاید اُن کی سب سے بڑی بہن سے۔ میں نے پوچھا کہ وہ یہاں کیوں موجود ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ لاہور سے آئی ہیں اور تہمینہ آنٹی کی بھانجیاں ہیں۔ میں نے بدتہذیبی سے کہا کہ وہ ایسے نہیں رہ سکتیں اور انھیں کرایہ ادا کرنا ہوگا، امی وہ رو پڑی کہنے لگی کہ کیا کسی یتیم سے ایسے برتاو کیا جاتا ہے؟ امی میں نے بہت بدتمیزی کی تھی۔“

آصف نے شرمسار ہوکر سب کچھ بتایا۔

”اوہ۔“ شکیلہ بیگم کے منھ سے نکلا۔

”میں کیا کروں امی میں نے ایک یتیم لڑکی کا دل دکھایا ہے۔“ آصف نے پریشان ہوکر کہا۔

”بات تو تم نے بہت غلط کی ہے لیکن چلو انسان سے ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے اشرف بھائی سے شکایت نہ کردی ہو، تمھارے ڈیڈی تو اشرف صاحب کو بہت پسند کرتے ہیں۔ انھوں نے تو بغیر کرائے کے رہنے کے لیے کہا تھا اشرف بھائی کو۔ یہ تو اشرف بھائی کی ضد تھی کہ انھوں نے کرائے کی بات کی۔“ شکیلہ بیگم نے آصف کو دیکھ کر بتایا۔

”یا اللہ امی میں کیا کروں؟ ڈیڈی تو بہت ناراض ہوں گے۔“ آصف نے پریشان ہوکر کہا اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔

”پریشان مت ہو۔“

شکیلہ؟ بیگم کے منھ سے نکلا اور وہ کچھ سوچنے لگی۔ کچھ پل رُک کر انھوں نے کہا۔

”تم ایک کام کر سکتے ہو“

”وہ کیا امّی؟“ اس نے مچل کر پوچھا۔

”تم اُس سے معافی مانگو۔ سوری کہو اُسے۔“ شکیلہ بیگم نے آصف کو دیکھ کر کہا۔

”میں؟ سوری؟ میں کسی کو سوری نہیں کہتا۔“ آصف نے گھبرا کر کہا۔

”اور یہی تمھاری پریشانی کی وجہ ہے، اپنی غلطی تسلیم کرنے سے کوئی چھوٹا نہیں ہوجاتا، اگر تم سوری

کر لیتے ہو تو ہو سکتا ہے اُس کا دل بھی صاف ہو جائے۔ سوری کرنا بہت اچھی بات بیٹا، اپنی غلطی کو تسلیم کرنا اچھی بات ہے۔'' انھوں نے اپنے بیٹے کو سمجھایا۔

''ہمم۔'' آصف نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آصف جو درخت جھکنا نہیں جانتے اُن کا اپنا غرور انھیں غرق کر دیتا ہے......طوفان درختوں کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے مگر چھوٹی چھوٹی کلیاں گھاس طوفان سے لڑ جاتے ہیں، اپنی غلطی مان لینے میں کوئی بُرائی نہیں کم از کم اس طرح تمھارے دل کا بوجھ ہلکا ہو سکے گا۔''

شکیلہ بیگم کی بات سُن کر آصف سوچنے لگا۔

''تم جلد اُسے سوری بولو اور میں بھی تہمینہ سے جا کر مل آؤں گی۔''

شکیلہ بیگم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ تہمینہ آنٹی سے کیوں ملیں گی؟'' آصف نے چونک کر پوچھا۔

''بھئی بہت دن ہو گئے ہیں، میں تہمینہ کے پاس نہیں گئی۔ کل جا کر ایک کپ چائے پی لوں گی۔ اگر اُس لڑکی نے تہمینہ کو کچھ کہا ہو گا تو میرے جانے سے اُس کا مُوڈ اچھا ہو جائے گا۔ خیر......اب تم پریشان نہیں ہو، آرام سے سو جاو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

شکیلہ بیگم نے پیار سے اپنے بیٹے کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور آصف نے اُن کا ہاتھ تھاما۔

''میں آپ کو بہت تنگ کرتا ہوں نا؟'' آصف نے شرمسار ہو کر کہا۔

''بالکل نہیں، تم میرے شہزادے ہو، بس اب بڑے ہو جاو۔'' انھوں نے پیار سے کہا۔

''میں بڑا ہوں گا امّی، وعدہ ہے میرا۔''

آصف نے پیار سے یہ جملے کہے اور شکیلہ بیگم اپنے بیٹے کو مسکرا کر دیکھنے لگیں۔

☆......☆

جہاں آصف اپنی والدہ سے گفتگو کرنے کے بعد سونے کے لیے لیٹ چکا تھا وہیں برابر والے گھر میں ثمینہ منھ بنا کر زارا کے ساتھ اپنے بستر کی چادر صحیح کر رہی تھی۔

''میری ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ پڑھائی بنائی کس نے ہے؟''

ثمینہ نے اپنے بستر کی چادر صحیح کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تمھیں رات بارہ بجے ہی ایسے خیال کیوں آتے ہیں؟'' زارا نے چادر بچھائی اور بستر پر لیٹی۔

''اچھی خاصی رات بنائی ہے اللہ میاں نے۔ آرام سے انسان اس وقت باغیچے میں بیٹھے اور گرم گرم چائے پیے، لیکن نہیں، کالج جانا ہے اس لیے سو!'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا اور بستر پر بیٹھی۔

''اچھا؟ تو اگر ہم کچھ نہ کریں تو پھر ہم میں اور جانوروں میں کیا فرق رہ گیا؟'' زارا نے چڑ کر پوچھا۔

''میں تو کہتی ہوں کوئی فرق ہونا ہی نہیں چاہیے، بلکہ ہم جانور ہی اچھے تھے! کوئی کالج کا چکّر نہ ہی نوکری کا۔ آرام سے جنگل میں گھوموں، ناچو، گاو، کپڑے بھی نہیں پہنو!'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''اور پھر پیچھے سے کوئی چیتا آئے اور ہمیں کھا جائے۔'' زارا نے منھ بنا کر کہا۔

''حد ہوتی ہے آپی، مطلب آپ نے اگر جانور بننا ہے تو بھولا معصوم جانور کیوں؟ میں تو ٹائیگر بنتی۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''اچھا؟ ٹائیگر؟'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''ہاں ٹائیگر! سمیرا باجی آپ اگر جانور ہوتیں تو کیا بنتی؟'' ثمینہ نے بستر پر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو بلّی بنتی! اسے بلّیاں پسند ہیں۔'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''آپ لوگوں کی اتنی علمی گفتگو میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔'' سمیرا اس وقت کُرسی پر بیٹھی ڈیسک پر کالج کا کام کر رہی تھی۔

''باجی یہ اتنی علمی گفتگو ہے کہ بہت جلد آپ نیشنل جیوگرافک پر سُنیں گی۔ ویسے آپی آپ کیا ہوتیں؟۔'' ثمینہ نے کمبل اوڑھتے ہوئے پوچھا۔

''میں کیا ہوتی؟'' زارا نے بھی لحاف اپنے پیروں پر لیا۔

''میرا مطلب جانور؟'' ثمینہ نے ہاتھ چلا کر پوچھا۔

''تم مجھے جانور کہہ رہی ہو؟'' زارا نے آنکھیں نکالیں۔

''نہیں نہیں میں تو بس ایسے ہی۔'' ثمینہ گھبرا گئی۔

''اب باتیں بند کرو اور سو جاو۔'' زارا نے اُسے ڈانٹا۔

''اچھا یہ خوب ہے۔ سمیرا باجی کو تو پھٹ سے آپ نے بلّی کہہ دیا، خود کی باری آئی تو ڈانٹنا شروع؟ حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''اچھا تم بتاو میں کیا ہوتی؟'' زارا نے کروٹ لے کر پوچھا۔

''آپ خرگوش ہوتیں۔'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا وہ کیوں؟'' زارا نے ہنس کر پوچھا۔

''جتنا آپ کو گاجر کا حلوہ پسند ہے اُس حساب سے آپ بگز بنی کی بہن ہیں۔'' ثمینہ نے ہنس کر کہا۔

''ٹھہر جا! ذرا میں ابھی پٹائی کرتی ہوں۔'' زارا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آہ! باجی بچاو!'' ثمینہ بھاگ کر سمیرا کے پاس آ گئی اور اُس کا ہاتھ ہلایا۔

’’ستیاناس ہو ثمینہ! میرا رجسٹر خراب کر دیا تم نے۔‘‘ سمیرا نے چڑ کر کہا۔

’’اور آپی میرا تیّا پانچا کر دیں گی اس کی پرواہ نہیں؟‘‘ ثمینہ نے آنکھیں نکالیں۔

’’آپی سے کاکروچ نہیں مرتا، تمھیں کیا ماریں گی۔‘‘ سمیرا نے منہ بنا کر کہا اور وہ ہنسنے لگیں۔

’’اچھا بس باتیں بند! اب سو جاؤ۔ سمیرا رات کے بارہ بج گئے ہیں بیٹا!‘‘ زارا نے دونوں کو ڈانٹا۔

’’بارہ بج گئے؟‘‘ سمیرا نے حیران ہو کر گھڑی دیکھی۔

’’ہاں آؤ بستر پر۔‘‘ زارا نے لیٹتے ہوئے کہا۔

’’اہم آپی آپ لوگ لیٹیں، بس میں یہ ایک صفحہ لکھ کر آتی ہوں۔‘‘ سمیرا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

’’ارے تو لکھ لو ہم کچھ نہیں کہہ رہے۔‘‘ زارا نے اُسے دیکھ کر کہا۔

’’ہاں ہم کون سا بچیّاں ہیں جو آپ کا صفحہ پھاڑ دیں گے۔‘‘ ثمینہ نے مستی میں کہا۔

’’ثمینہ! دوں گی اب زور کا، چلو لیٹو!‘‘

زارا نے اُسے ڈانٹا اور ثمینہ اُچھل کر کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

’’میں آتی ہوں آپی، اوکے۔‘‘

سمیرا نے گھبرا کر کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ زارا نے لائٹس بند کیں اور خود بھی لیٹ گئی۔ ابھی کچھ منٹ ہی ہوئے تھے کہ ثمینہ کی آواز آئی۔

’’حد ہوتی ہے۔‘‘

’’ثمینہ!‘‘

زارا نے اُسے ڈانٹا اور وہ آنکھیں بھینچ کر سونے لگی۔

☆......☆

رات بارہ بجے بالاج صاحب کے گھر پر روحیل اپنے پوپس کو کمبل اوڑھا رہا تھا۔ بالاج صاحب نے ہاتھ میں کتاب لی ہوئی تھی اور وہ اپنی کتاب میں کھوئے ہوئے تھے۔

’’بس پوپس! اب سو جائیں۔‘‘ روحیل نے ان کے ہاتھ سے کتاب لی۔

’’ارے! آخری چیپٹر ہے بھئی۔‘‘ بالاج صاحب نے تنگ آ کر کہا۔

’’کل پڑھ لیجیے گا۔ صبح آپ کی Arbitration Hearing ہیں، اب سو جائیں۔‘‘ روحیل نے اُن کا بستر صحیح کرتے ہوئے کہا۔

’’کبھی کبھی لگتا ہے کہ خدا نے مجھے بیٹا نہیں بیٹی دی ہے۔‘‘ بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

’’بیٹیاں زیادہ وفادار ہوتی ہیں، اس لیے اگر آپ مجھے بیٹی سمجھیں......I Don't Mind۔‘‘

روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اس گھر کو ایک حقیقی بیٹی کی ضرورت ہے۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا اور روحیل مسکرانے لگا۔

''تمھاری مسکراہٹ کچھ کہہ ہی ہے برخوردار۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا؟ کیا کہہ رہی ہے؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''یہی کہ کوئی مل گئی ہے۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''پوپس آپ تو جانتے ہیں مجھے روز ہی لڑکیاں ملتی ہیں لیکن ضروری تو نہیں کہ ہر ایک سے شادی کر لی جائے۔''

''نہیں اس بار جو ملی ہے وہ شادی والی ہی ہے۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''Tell me one good reason!... کہ آپ کو ایسا کیوں لگا کہ مجھے کوئی مل گئی ہے؟'' روحیل نے اپنے باپ کو چیلنج کیا۔

''اوہو! یہ بات ہے؟'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''جی یہی بات ہے وکیل صاحب! ثابت کریں کہ مجھے کوئی مل گئی ہے۔'' روحیل نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔

''ٹھیک ہے ابھی کیے دیتا ہوں ثابت۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا پھر کہنے لگے۔

''اُس دن شفیق کے گھر جانے کے لیے جب میں نے تم سے کہا مرزیڈیز لے جاؤ تو تم اپنی بائیک ہی لے کر گئے رائٹ؟''

''وہ تو میں ہمیشہ لے کر جاتا ہوں؟ اس میں کون سی بڑی بات ہے؟'' روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''لیکن کچھ دن پہلے دوپہر کو تم اچانک دفتر سے نکلے اور مرسیڈیز لے کر گئے۔''

بالاج صاحب نے شوخ لہجے میں اپنی بات کہی اور روحیل انھیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

''اگر فخاد اور سعد سے ملنا ہوتا تو تم بائیک پر ہی جاتے لیکن کوئی تھی جسے تم نے گاڑی میں بٹھانا بہتر سمجھا۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور روحیل ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے لگا پر خاموش ہو گیا۔

''دیکھا برخوردار! بالاج علی نام ہے میرا۔''

وہ ہنس کر کہنے لگے اور روحیل بھی ہنس پڑا۔

''پوپس!!You are genius۔''

''اب بتاؤ کون ہے؟''

بالاج صاحب نے مسکرا کر پوچھا اور روحیل سر جھکا گیا۔ وہ سمیرا کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُس کا چہرا اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ ایک نظر اپنے والد کو دیکھ کر اس نے کہا۔

''ایک لڑکی ...... ہے تو...... مگر پوپس، کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ خود اس کو دیکھیں؟ خود سے پرکھیں اور پھر مجھے بتائیں کے وہ کیسی ہے؟''

''اور اگر مجھے وہ تمھارے قابل نہیں لگی تو؟'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تو ٹھیک ہے، ریجیکٹ!'' روحیل نے مزے سے کہا۔

''سوچلو! میں بالاج علی ہوں مجھے پٹانا اتنا آسان نہیں۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"It's a deal!"۔ روحیل نے ہاتھ آگے کر کے کہا اور بالاج صاحب نے اُس سے ہاتھ ملایا۔

''چلیں بس اب آپ سو جائیں۔''

روحیل مسکرا کر اٹھا اور بالاج صاحب کے ماتھے کو چُوما۔ بالاج صاحب بھی سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اس نے ان کے کمرے کی لائٹس بند کیں اور کمرے سے باہر نکلا۔ اب اُس کے قدم زین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جلد ہی اس نے زین کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ گیم کھیلتا ہوا نظر آیا۔

''زین بند کرو۔'' روحیل نے سرد لہجے میں کہا۔

''بھائی بس ختم ہو رہا ہے۔'' زین نے جواب دیا اور پھر سے گیم میں مشغول ہو گیا۔

''یہ آنلائن گیم ختم ہو ہی نہ جائیں۔ ان کا مقصد ہی یہی ہے کہ User کو Engage رکھیں۔ بند کرو۔'' روحیل نے ڈانٹا۔

''بھائی میں ہار جاؤں گا۔'' زین نے پریشان ہو کر کہا۔ روحیل اندر آیا اور اُس کے بستر پر بیٹھ کر کہا۔

''بند کرو اور یہاں آؤ۔''

زین نے پلٹ کر اپنے بھائی کو دیکھا اور منہ بنا کر اپنے Headset پر کہا۔

"Gotta go guys!, all the best"۔

کہہ کر اس نے اپنا ہیڈ سیٹ اُتارا اور گیم بند کر کے پلٹا۔

"Happy?"۔

''بہت زیادہ۔ اب یہاں بیٹھو میرے پاس۔'' روحیل نے مسکرا کر اُسے بُلایا اور زین منہ بنا کر بیٹھا۔

''زین، زندگی کی اصل ہار اور جیت اصلی دنیا میں ہے۔ یہ Virtual گیمز بنائے ہی اس لیے گئے ہیں کہ آپ اپنے آپ کو فاتح محسوس کریں لیکن حقیقت میں آپ کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔'' روحیل نے اُسے سمجھایا۔

”یہ سب پُرانی باتیں ہیں بھائی، آج کَل آپ کو پتا نہیں کہ کیمینگ میں کتنا اسکوپ ہے لوگ ملین بنا رہے ہیں۔“ زین نے منھ بنائے ہوئے کہا۔

”جانتا ہوں لیکن ایک اور چیز ہوتی ہے جسے کہتے ہیں Worth Value۔ تم اگر اس کام میں پیسہ بنا بھی لو تو اس کی ویلیو کیا ہے؟ کام ایسا کرو جو ہمارے لیے اور تمھارے لیے فائدے مند ہو۔“ روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا۔

”اور ایسا کیا کام ہو سکتا ہے؟“ زین نے پلٹ کر پوچھا۔

”ویل حقیقت میں جیو! موسم کو دیکھو، باہر نکل کر دیکھو اپنے آپ تمھیں ویلیو مل جائے گی۔“ روحیل نے مسکرا کر کہا اور زین سوچنے لگا۔

”کیا سوچنے لگے میاں؟“ روحیل نے ہنس کر پوچھا۔

”ہم نہیں کچھ نہیں بس وہ آپ کی بات کہ باہر نکلو ویلیو مل جائے گی......ایک چیز ملی تو تھی جس کی ویلیو واقعی بہت زبردست تھی۔“ زین نے مسکرا کر یاد کرتے ہوئے کہا۔

”کون؟“ روحیل نے الجھ کر پوچھا۔

”یاد ہے بھائی جب میری گاڑی ٹریکر والوں نے بند کر دی تھی؟ اُسی دن ایک کالج بس آکر میری گاڑی کے پاس آکر رُکی۔ اُس میں سے ایک بچّی اُتری۔ بھائی میں بیان نہیں کر سکتا کس قدر خوبصورت تھی۔“ زین نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”آپس کی بات ہے میں بھی آج کل ایک کالج گرل سے مل رہا ہوں، کہیں ایک ہی لڑکی تو نہیں ہے؟......“ روحیل نے گھبرا کر پوچھا۔

”آپ کی والی بھی کالج میں ہے؟“ زین نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”ہاں پر وہ کالج بس میں نہیں آتی جاتی۔ اتنا مجھے پتا ہے۔“ روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

"So we're cool?"۔ زین نے شکر خدا کرتے ہوئے پوچھا۔

"Yeah, we're cool"۔ روحیل نے مسکرا کر کہا۔

”کیا بچّی تھی بھائی، بہت ہی حسین۔“ زین نے تعریف کی۔

”بات کی تم نے اُس سے؟ فون نمبر؟“ روحیل نے مچل کر پوچھا اور زین نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیوں؟“ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

”بھائی! انڈیا پاکستان کا بارڈر اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا ایک لڑکے کی زندگی میں یہ فیصلہ کرنا کہ وہ لڑکی سے بات کرے یا نہیں؟ کیوں کہ اگر لڑکی بُرا مان گئی تو harrassment کا کیس اور اگر آپ نے کچھ

نا کیا تو آپ سے بڑا asshole کوئی نہیں۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہتا چلا گیا۔

''سو فیصد سچ کہا۔'' روحیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بس یہی سوچ کر میں نے کوئی بات نہیں کی، I chose to be an asshole۔'' زین نے اُداس ہو کر کہا۔

''چلو فکر نہیں کرو، نصیب میں ہوگی تو دوبارہ مل جائے گی۔ اب سو چلو!'' روحیل نے اُسے سونے کے لیے کہا اور زین بستر پر آ کر لیٹا۔

''بھائی، ایک لاکھ روپے چاہیے۔'' زین نے لیٹ کر کہا۔

''زین پھر سے؟'' روحیل نے چڑ کر کہا۔

''بھائی میں کیا کروں کمپیوٹر خراب ہو رہا ہے، اب اس کو اپگریڈ کرنے کے لیے پیسے چاہیے نا۔'' زین نے منہ بنا کر کہا۔

''اچھا اوکے، کل تجوری سے پیسے نکال کر دے دوں گا، پریشان مت ہو۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''بھائی! ہم لوگ اتنے اکیلے کیوں ہیں؟'' زین نے لیٹ کر پوچھا۔

''کون کہتا ہے تم اکیلے ہو؟ میں ہوں تمھارے ساتھ، یہ ایک لاکھ روپے کون دے رہا ہے؟'' روحیل نے جواب دیا۔

''بھائی میں نے لفظ 'ہم' استعمال کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے پاس آپ ہو، پوپس ہیں لیکن آپ کے پاس کون ہے؟ پوپس کے پاس کون ہے؟ امی کے بنا تو ہم اکیلے ہی ہیں، کوئی عورت نہیں جسے ہم ماں کہہ سکیں، بہن کہہ سکیں۔''

زین نے حسرت بھرے لہجے میں یہ جملے کہے اور روحیل سوچنے لگا۔

''یہ اکیلا پن کب ختم ہوگا؟'' زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''بہت جلد بہت جلد......''

روحیل نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور زین سونے لیٹ گیا۔ اُس کے کمرے کی لائٹس آف کر کے روحیل باہر نکلا۔ وہ چلتے ہوئے زین کی باتوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کوئی بھی گھر ہو وہ عورت سے ہی جنّت بنتا ہے، وہ تینوں مل کر چاہے جتنی محبت آپس میں بانٹ لیں لیکن گھر کا آنگن ایک عورت کے آنے سے ہی بستا ہے۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے وہ سوئمنگ پول کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا سارہ وہ لڑکی ہے جو اس گھر کو سنبھال سکتی ہے؟ یا......

ایسے میں اُس کا موبائل بجا۔ روحیل نے اپنی جینز کی پوکٹ سے فون نکالا اور نام پڑھا۔

''اشرف صاحب کے گھر سے؟......خیریت؟''

روحیل نے نمبر دیکھ کر بڑبڑایا اور فون پک کیا۔

''السلام علیکم؟''

''اہمم روحیل؟''

دوسری طرف سے سمیرا کی آواز سُن کر روحیل اُچھل پڑا! اُس کا دل نکل کر حلق میں آ گیا۔

''سمیرا؟'' اُس کے منھ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''روحیل بات کر رہے ہیں؟'' سمیرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''ہاں میں ہی ہوں کیسی ہو؟'' اس نے سنبھل کر پوچھا۔

''اچھی ہوں آپ کیسے ہیں؟'' سمیرا نے پیار سے پوچھا۔

''اچھا ہوں......'' روحیل نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

''سوری میں نے آپ کو لیٹ فون کیا سب کے سونے کا انتظار کر رہی تھی اس لیے نیچے آ کر فون کر رہی ہوں۔'' سمیرا نے صوفے پر بیٹھے ہوئے کہا۔

''اور یہ تم نے بہت اچھا کام کیا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور نیچے کی طرف چلا۔

''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' سمیرا نے پیار سے پوچھا۔

''تم مجھے کبھی ڈسٹرب نہیں کرتیں۔'' روحیل نے محو ہو کر کہا اور سمیرا مسکرانے لگی۔

''ان فیکٹ آج میں بہت خوش ہوں۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیوں کہ آج پہلی بار تم نے مجھے فون کیا ہے، کچھ تو اسپیشل ہے آج کی رات۔''

روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''میری کال اتنی اہمیت رکھتی ہے؟'' سمیرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''سچ پوچھو تو میں خود نہیں جانتا کہ تمھاری ایک کال کی کیا اہمیت ہے میرے لیے کوئی حساب ہی نہیں۔'' روحیل نے دھیرے سے جواب دیا۔

''چلیں اگر ایسا ہے تو اب سے بار بار فون کرتی رہوں گی۔'' سمیرا نے ہنس کر کہا۔

''اجی اجازت ہے، آپ فون کرنا تو شروع کیجیے۔''

روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی اور پوچھ بیٹھی۔

''آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں کہ دن بھر آپ کو کوئی فون نہیں کرتا۔''

''یقین کرو یہ فون جب بجنا شروع ہو جائے تو بند ہونے کا نام ہی نہیں لیتا، دن بھر لوگوں کے فون آتے رہتے ہیں، کبھی کسی کو کچھ چاہیے تو کبھی کسی کو کچھ۔ لیکن ایسا کوئی نہیں جو مجھے کال کر کے میری خیریت پوچھے۔ کچھ خاص نہیں لیکن کم از کم اتنا پوچھے کے روحیل تم نے کھانا کھایا؟ تمھیں کوئی پریشانی تو نہیں؟، Don't worry... I am here۔''

روحیل کہتا گیا اور سمیرا دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی باتوں کو سُننے لگی۔

''ابھی پوپس اور زین سے بھی اسی بارے میں بات ہو رہی تھی، اس کال سے لے کر لا فرم تک، میں سب کے کام ہی آیا ہوں جس پر مجھے فخر ہے لیکن دوڑتے بھاگتے اس دور میں، کہیں تو سکوں کا سانس مل سکے کہیں تو کوئی مجھ سے بھی پوچھ لے کہ میں کیسا ہوں......۔'' روحیل نے دھیرے سے کہا۔

''شاید......یہی زندگی ہے......''

سمیرا نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور روحیل اُس کے جملے سُننے لگا۔

''آپ ذمے دار ہیں دوسروں کو سہارا دینا جانتے ہیں...... بہت خُوش نصیب ہیں وہ لوگ جو آپ کے آس پاس رہتے ہیں، انھیں بھروسہ ہے کہ آپ ہیں ان کے لیے...... مگر کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جنھیں ہر کوئی......سہارا تو دینا چاہتا ہے مگر وہ سہارا لینے کے قابل نہیں رہے...... ہر کوئی ہاتھ بڑھاتا ہے......مگر وہ اُس کھائی سے نکل نہیں سکتے...... وہ اپنے اندھیروں میں رہ رہے ہیں، پھنسے ہیں، نکل نہیں سکتے......''

سمیرا جیسے اپنے آپ سے کہتی چلی گئی اور روحیل اُسے بغور سُننے لگا۔

''اسی لیے اپنی باتیں اپنی ڈائری سے کہتی ہوں...... زندگی سے اتنا مقابلہ کر سکتی ہوں کہ جو دل میں ہے وہ انگلیوں کے ذریعے قلم سے ہوتا ہوا...... صفحوں کی دہلیز پر لہروں کی طرح بہتا چلا جاتا ہے...... اتنی سکت ہے مجھ میں۔''

سمیرا کہتی رہی اور روحیل سکتے کے عالم میں اُسے سُنتا رہا۔

''یہی زندگی ہے...... ہر ایک کے اپنے اپنے امتحان ہیں...... ہر ایک کی اپنی اپنی منزل ہے اس زندگی کے سفر میں ہمیں بس اپنی منزل تک جانا ہے اس بیچ...... کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں۔'' سمیرا نے اپنی بات کہی۔

''صحیح کہا تم نے...... کبھی کبھی......سب کچھ بہت بے معنی لگتا ہے۔'' روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ کے پاس آپ کے الجھے ہوئے سوالوں کے معنی موجود ہیں...... آپ کے والد کی صورت میں، آپ کے بھائی کی صورت میں...... آپ میں اتنی طاقت ہے کہ انکا کہا پُورا کر سکتے ہیں...... ذرا سوچیے...... میرے پاس کیا ہے میں خود اُس اندھیرے میں ہوں...... کہ ثمینہ کے لیے کچھ نہیں کر سکتی......

آپی کے لیے کچھ نہیں کرسکتی...... یہ بے بسی کی وہ منزل ہے...... جہاں کوئی نہیں جانا چاہتا۔‘‘سمیرا نے بھاری دل کے ساتھ کہا۔

’’سمیرا۔‘‘ روحیل کے منھ سے نکلا اور سمیرا اُسے بغور سُننے لگی۔

’’میں نہیں جانتا...... کہ ایسا کون سا اندھیرا ہے جو تمھیں اپنی طرف کھینچتا چلا جا رہا ہے......مگر میں اندھیروں سے لڑکر...... تمھیں روشنی تک لے جاؤں گا......روحیل بالاج نام ہے میرا ہار نہیں مانتا آسانی سے۔‘‘ روحیل کی بات سُن کر سمیرا ہنس پڑی۔

’’اچھا؟‘‘

’’ایسا میرے دوست کہتے ہیں، سعد اور فہاد۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کافی Competitive ہو جاتا ہوں، خیر...... مجھے جیت بہت پسند ہے۔‘‘ روحیل نے مسکرا کر کہا۔

’’کبھی ہار کے دیکھیے گا۔‘‘

سمیرا کے یہ جملے روحیل کا دل ٹھہرا گئے۔ وہ سکتے کے عالم میں سمیرا کے جملے سُن کر رہ گیا، وہ کس طرح اُس سے کہتا کہ ہار تو پہلے سے ہی وہ قبول کیے بیٹھا ہے وہ دل ہار چکا ہے......

مگر نجانے کیوں وہ یہ کہہ نہ پایا۔

’’چلیے رات بہت ہوگئی ہے اب آپ سو جائیں۔‘‘ سمیرا نے پیار سے کہا۔

’’سمیرا......‘‘ روحیل کے منھ سے نکلا۔

’’جی؟‘‘ اس نے دھیرے سے کہا۔

’’اہم تم کسی دن فری ہو؟‘‘ اس نے اپنے آپ کو سنبھل کر پوچھا۔

’’میرا کچھ خاص شیڈول نہیں ہے بس گھر سے کالج اور کالج سے گھر۔‘‘ سمیرا نے بتایا۔

’’اگر ممکن ہو تو کسی دن ملاقات کر سکتے ہیں؟‘‘ روحیل نے پیار سے پوچھا۔

’’خیریت؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟‘‘ سمیرا نے چونک کر پوچھا۔

’’تم نے کیسے جانا کہ کوئی خاص بات ہے؟‘‘ روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’آپ کے لہجے سے محسوس ہوا۔‘‘ سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

’’کیا بات ہے۔ہم وکیل ہیں تو آپ تو پولیس والی نکلیں۔‘‘ روحیل نے ہنس کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔

’’بس کچھ خاص ہے......‘‘ روحیل نے پیار سے کہا۔

’’روحیل پلیز، اس بار میں یونیفارم میں کہیں نہیں جاؤں گی۔‘‘ سمیرا نے گھبرا کر کہا۔

’’ارے تم فکر کیوں کرتی ہو؟ بہت کم لوگ ہیں جو یونیفارم میں اچھے لگتے ہیں، تم اُن میں سے ایک

ہو۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''نہیں پھر بھی، ایسے نہیں۔ آپ ایک کام کریں مجھے کالج سے نہیں بلکہ گھر سے پک کر لیجیے گا۔ میں کالج سے واپس آ کر تھوڑا تیار ہو جاؤں گی۔'' سمیرا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''سادگی کا کوئی جواب نہیں...... '' روحیل نے اُسے سمجھایا۔

''بے فکر رہیں، میک اپ مجھے بھی کچھ خاص نہیں پسند۔''

سمیرا نے ہنس کر یہ جملے کہے اور روحیل ہنس پڑا۔

''ٹھیک ہے ملاقات ہوتی ہے پھر''

''اوکے......بائے۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''بائے۔''

یہ کہہ کر روحیل نے فون بند کیا اور مسکرا کر اپنے سوئمنگ پول کو تکنے لگا۔ بڑی بے لگام سی ہو گئی تھیں اس کی نگاہیں، ہر شے میں ایک ہی چہرا جو ڈھونڈنا چاہتی تھیں۔ ایک نیا رشتہ روحیل کی زندگی میں ایک الگ ہی رنگ لے آیا تھا۔ روحیل کا مقصد سمیرا سے کچھ حاصل کرنا نہیں تھا، بس ایک خواہش اس کی زیارت کی ہی تھی۔ وہ اس لمحے بہت خوش تھا بہت خوش......

دوسری طرف سمیرا بھی مسکرائے جا رہی تھی اور روحیل کے بارے میں سوچنے لگی۔ روحیل اُسے زندگی کا احساس دیتا تھا جو اُسے بہت پسند تھا۔ زندگی میں پہلی بار سمیرا نے محسوس کیا کہ اس جہاں میں کوئی ہے جو اُس کا ہے۔ کچھ سوچ کر اس نے اپنی ڈائری اُٹھائی۔ سائیڈ پر لگے قلم کو نکال کر جو صفحوں پر لکھنے لگی تو ہاتھ جیسے رُک سے گئے، اب اُس کے جملے سُننے والا کوئی آ گیا تھا اب اُسے اس بے جان ساتھی کی ضرورت نہیں تھی۔ سمیرا مسکرائی اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ڈائری کو بند کر دیا۔ وہ اب یہ سوچ رہی تھی کہ روحیل سے ملاقات پر کون سا جوڑا پہنے؟

☆......☆

ٹھنڈی ہوا اور ہلکی ہلکی بونداباندی نے صبح کو اور حسین بنا دیا۔ زارا گھر سے چھتری لے کر نکلی اور چلتی ہوئی اپنے لان کی طرف آئی۔ ایک نظر آسمان کو دیکھا، کالے بادلوں سے سما بے انتہا خوبصورت ہو گیا تھا۔ زارا کا من کھل اٹھا اور وہ مسکرا کر چہل قدمی کرنے لگی۔ ابھی وہ کچھ دُور ہی آگے بڑھی ہو گی کہ اس نے دیکھا اُس کے سامنے آصف موجود ہے۔ سفید شرٹ اور کالی پینٹ پہنے ہوئے، ہاتھ میں چھتری لیے وہ بھی بارش میں موجود تھا۔ اس کی نظریں زارا کی طرف مرکوز تھیں۔ زارا نے ایک پل کہ لیے اُسے دیکھا اور نظریں نیچی کر کے آگے بڑھنے لگی۔ اس نے محسوس کیا آصف مستقل اُسی کی طرف دیکھ رہا ہے۔ زارا چلتی

ہوئی اُس کے پاس سے گزرنے لگی۔

''السلام علیکم۔'' آصف نے اُسے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' زارا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''اگر آپ کے پاس دو منٹ ہوں تو میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

آصف نے گھبرا کر کہا۔

'' کہیے، کچھ اور کہنا باقی رہ گیا ہے؟'' زارا نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''جی ایک بہت ضروری بات کہنی باقی رہ گئی ہے۔'' آصف نے گھبرا کر کہا۔

'' کہیے۔'' وہ بولی۔

''میں......میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں......آئی ایم سوری۔''

آصف کے یہ جملے سُن کر زارا حیران ہوئی اور پلٹ کر اُس کا چہرا دیکھا۔

''سمجھ نہیں آ رہا...... بیتا ہوا وقت......واپس کیسے لاوں......اور کیسے اپنے رویّے کو بدل دوں......جو میں نے آپ کے ساتھ کیا...... وہ غلط تھا اور مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے پلیز مجھے معاف کر دیجیے......'' آصف نے شرمسار ہو کر کہا۔

'' آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کا نام؟'' زارا نے گڑبڑا کر پوچھا، وہ اس کی معافی کے بعد نرم پڑ گئی تھی۔

'' آصف آصف شفیق۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''زارا راشد۔'' زارا نے مسکرا کر اُس سے ہاتھ ملایا۔

''چلیے یہ اچھا ہوا کہ ہم پراپرلی مل لیے۔ جتنی بار ہماری ملاقات ہوئی ہے اُتنی بار صرف مسلے ہی ہوئے ہیں۔'' آصف نے ہنس کر کہا۔

''غلطی میری بھی ہے، مجھے آپ کو مالی نہیں سمجھنا چاہیے تھا۔'' زارا نے بھی اپنی غلطی تسلیم کی۔

''کوئی بات نہیں، آپ کا قصور نہیں تھا۔ خود میرے گھر والے مجھے نہیں پہچان رہے تھے۔'' آصف نے ہنس کر کہا اور زارا ہنسنے لگی۔

''تو آپ نے مجھے معاف کر دیا؟'' آصف نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور زارا مسکرا کر کہنے لگی۔

''ٹھیک ہے۔''

''گریٹ۔'' آصف خوش ہوا اور گڑبڑا کر کہنے لگا۔

''آپ واک کرنے نکلی ہیں؟''

’’جی۔‘‘ زارا نے مختصر جواب دیا۔

’’چلیے میں بھی آپ کے ساتھ تھوڑی واک کر لیتا ہوں۔‘‘ آصف نے پیار سے کہا۔

’’اہم ٹھیک ہے۔‘‘

زارا نے گڑبڑا کر یہ جملے کہے اور وہ اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ کچھ پل گزرے ہوں گے کے زارا نے پوچھا: ’’کون کون ہے آپ کے گھر میں؟‘‘

’’بس امی ڈیڈی اور ایک چھوٹی بہن۔‘‘ آصف نے جواب دیا پھر کہنے لگا۔

’’میرے خیال سے آپ کی بھی دو چھوٹی بہنیں ہیں؟‘‘

’’جی۔ سمیرا اور ثمینہ۔ سمیرا بی کام کے لاسٹ ائیر میں ہے اور ثمینہ فرسٹ۔ دونوں میرے لیے میری اولاد کی طرح ہیں۔‘‘ زارا نے اپنی بہنوں کو سوچتے ہوئے کہا۔

’’اور آپ کے والدین؟‘‘ آصف نے پلٹ کر پوچھا۔

’’ایک حادثے میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ ایک ہی پل میں ہمارا سب ختم ہو گیا۔ اس لیے ہم یہاں اپنے آنی کے پاس آ گئے۔ آنی اور خالو جان کا احسان ہے کہ ہمیں سہارا دیا، ورنہ ہمارے سروں پر تو چھت بھی نہیں رہی تھی۔‘‘ زارا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔

’’اوہ۔‘‘ آصف کے منھ سے نکلا۔

’’آنی اور خالو جان نے ہمارا بہت ساتھ دیا۔‘‘ زارا نے اُسے بتایا۔

’’آپ نے اشرف صاحب سے وہ کرائے والی بات تو نہیں کی نا؟‘‘ آصف نے ڈر کر پوچھا۔

’’نہیں، سچ پوچھیے تو میرے پاس کچھ دینے کے لیے ہے ہی نہیں تو اُن سے کیا بات کرتی۔‘‘ زارا نے چلتے ہوئے کہا۔

’’میں نے آپ کو بہت ستایا، آئی ایم سوری۔‘‘ آصف نے شرمندہ ہو کر کہا۔

’’کوئی بات نہیں، اچھی بات یہ ہے کہ اب ہماری بات صحیح ہو گئی۔‘‘ زارا نے مسکرا کر کہا۔

’’خدا کا شکر ہے۔‘‘ آصف نے مسکرا کر کہا۔

’’ویسے آپ کرتے کیا ہیں؟ زیادہ تر آپ گھر پر ہی ہوتے ہیں۔‘‘ زارا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

’’فی الحال تو کچھ نہیں، بس اپنی پسند کی نوکری کی تلاش ہے۔ ڈیڈی کی کپڑا بنانے کی فیکٹریاں ہیں تو سب کچھ با آسانی ہو جاتا ہے۔‘‘ آصف نے چلتے ہوئے کہا۔

’’یہ تو خیر ٹھیک نہیں ہے، آپ کو چاہیے کہ آپ کام کریں، پسند کا کام بھی مل ہی جائے گا۔‘‘ زارا نے اُسے دیکھ کر کہا۔

’’لیکن زارا اگر میں ناپسندیدہ کام میں پھنس گیا تو پھر نکل نہیں پاؤں گا......‘‘

آصف نے پریشان ہو کر کہا۔

’’تو کیا ہوا، کسی کی مدد کرنا بھی ثواب ہے۔ اب دیکھیے نا، آپ کے پاپا ہو سکتا ہے کہ کام کرتے کرتے تھک چکے ہوں لیکن وہ شرماحضوری میں آپ سے نہ کہتے ہوں تو کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے؟ میرے خیال سے آپ کو اُن کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔‘‘

زارا نے اُسے سمجھایا اور آصف حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔

’’ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟‘‘ زارا نے مسکرا کر پوچھا۔

’’آج تک کبھی کسی نے اس طرح مجھے نہیں سمجھایا۔‘‘

آصف نے دھیرے سے یہ بات کہی اور زارا اس کو تکنے لگی۔ آصف نے اُسے دیکھا اور کہا۔

’’شکریہ مجھے سمجھانے کے لیے۔‘‘

آصف کی بات سُن کر زارا مسکرانے لگی۔

اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں گھر کی طرف چل دیے۔ باتوں کے دوران انھوں نے کئی باتیں ایک دوسرے سے کیں۔ ایک دوسرے کی تعلیم پوچھی، نظریاتی سوال جواب ہوئے، آصف اپنی زندگی کے بارے میں بتاتا رہا اور زارا مسکرا کر سُنتی رہی۔ یہ باتیں کرتے ہوئے کب کیسے آدھا گھنٹہ بیت گیا دونوں کو اندازہ نا ہوا۔ آخر کو وہ اپنے گھر کی طرف پلٹے۔ آصف اپنے گھر کی طرف بڑھا اور زارا اپنے گھر کی طرف۔ آصف نے اندر جاتے ہوئے زارا کو ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ آصف کا دل دھڑکا اور وہ زارا کو اندر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ لبوں پر تبسم لے کر وہ گھر کے اندر داخل ہوا تو شفیق صاحب اور نتاشہ لُوڈو کھیلتے ہوئے نظر آئے۔

’’یہ لو تمھاری یہ گوٹ بھی پٹی۔‘‘ شفیق صاح نے نتاشہ کی گوٹ ہٹاتے ہوئے کہا۔

’’ڈیڈی آپ بہت چیٹینگ کرتے ہیں۔‘‘ نتاشہ جل کر بولی۔

’’ارے میں نے کیا چیٹینگ کی، پانچ آیا ہے میرا۔‘‘ شفیق صاحب نے جل کر کہا۔

’’پر آپ کی گوٹی یہاں اسٹاپ پر تھی، تو ادھر کیسے آ گئی؟‘‘ نتاشہ نے بھی تلملا کر کہا۔

’’اوہ ہاں سوری۔‘‘

شفیق صاحب نے جھینپ کر کہا اور نتاشہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ ایسے میں شفیق صاحب نے پلٹ کر آصف کی طرف دیکھا تو وہ خاموش کھڑا نظر آیا۔ لبوں پر مسکراہٹ۔ شفیق صاحب چونکے اور اُسے دیکھ کر بولے۔

''تمھیں کیا ہو گیا؟ کیا تمھاری گوٹ بھی پٹ گئی؟''

اُن کی بات سُن کر آصف نے ایک نظر اپنے والد کو دیکھا اور کہا۔

''ڈیڈی میں نے فیصلہ کر لیا ہے؟''

''وہ کیا؟'' شفیق صاحب نے پوچھا۔

''میں کل سے فیکٹری جوائن کروں گا۔''

آصف کے یہ جملے سُننے کی شفیق صاحب کو ایک فیصد بھی اُمید نہ تھی۔ وہ اُس کے جملے سُن کر حیران رہ گئے۔ نتاشہ نے کب اُن کی گوٹ پیٹ کر رکھ دی انھیں احساس ہی نہ ہوا۔

☆......☆

زارا گھر میں داخل ہوئی اور اس نے چھتری بند کر کے سائیڈ پر رکھی کہ ایسے میں تہمینہ بیگم مسکراتی ہوئی اُس کے پاس آئیں۔

''آؤ زارا! دیکھو کون آیا ہے۔''

تہمینہ بیگم نے اُس کا ہاتھ تھاما اور زارا کو لے کر ڈرائنگ رُوم ایریا کی طرف چل پڑیں۔ زارا نے دیکھا اُس کے سامنے ایک پیاری سی خاتون ساڑھی پہنے بیٹھی تھیں۔ انتہائی خوش شکل اور ممتا سے بھرپو انداز تھا ان کا۔

''زارا سلام کرو۔'' تہمینہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''السلام علیکم۔'' زارا نے پیار سے سلام کیا۔

''جیتی رہو۔'' انھوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''زارا، یہ مسز شفیق ہیں، شکیلہ بھابھی، آج بڑے عرصے بعد انھیں ہماری یاد آئی ہے۔'' تہمینہ بیگم نے ہنس کر بتایا۔

''بھئی موسم اتنا خوبصورت تھا تو سوچا کے تمھارے ساتھ کچھ گپ شپ ہی ہو جائے۔'' انھوں نے مسکرا کر کہا اور تہمینہ بیگم ہنسنے لگیں۔

''بھابھی یہ زارا ہے، میری سب سے بڑی بھانجی۔''

''ادھر آؤ بیٹا۔'' شکیلہ بیگم نے اُسے اپنے پاس بُلایا اور زارا ان کے برابر میں بیٹھی۔

''ماشااللہ بہت پیاری ہو۔'' انھوں نے زارا کو دیکھ کر کہا اور زارا شرما گئی۔

''تہمینہ مجھے نہیں پتا تھا کہ تمھارے خاندان میں ہر کوئی اتنا خوبصورت ہے۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور تہمینہ بیگم ہنس پڑیں۔

”مجھے دیکھ کر آپ کو اندازہ نہیں ہوا بھابھی؟“
”اندازہ تو خوب ہوا آج اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔“
شکیلہ بیگم نے ہنس کر کہا اور تہمینہ بیگم بھی ہنسنے لگیں۔ زارا اس لمحے تھوڑا سا گھبرا گئی۔
”اور بتاؤ زارا کیا تعلیم ہے تمھاری؟“ انھوں نے پیار سے پوچھا۔
”جی بی اے کیا ہے۔“ زارا نے جواب دیا۔
”اچھی بات ہے، آج کل کے دور میں تعلیم ہونی چاہیے۔“ انھوں نے پیار سے کہا۔
”آپ دونوں باتیں کریں میں ذرا اچھی سی چائے بنوا کر آتی ہوں۔“ تہمینہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔
”ہاں اور نزرل سے کہنا کہ نُور جہاں کا کوئی اچھا سا گانا گاتے ہوئے چائے بنائے تا کہ اچھی چائے پینے کو ملے۔“
شکیلہ بیگم نے آنکھ مار کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔ تہمینہ بیگم اُٹھ کر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد شکیلہ بیگم نے زارا کو دیکھا اور دھیمے لہجے میں اپنی بات کہنا شروع کی۔
”زارا دراصل...... میں تم سے ہی ملنے آئی ہوں۔“
”جی؟...... مجھ سے؟......“ زارا نے حیران ہو کر پوچھا۔
”جی بیٹا۔“ انھوں نے کہا پھر گہرا سانس لے کر کہنے لگیں۔
”میں آصف کی امی ہوں، مجھے پتا چلا کہ میرے نالائق بیٹے نے تمھارے ساتھ بدتمیزی کی، اس کی معافی مانگنے آئی ہوں۔“
”ارے آپ لوگ مجھے اب شرمندہ کر رہے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، ابھی آصف بھی مجھ سے یہی بات کر رہے تھے۔“ زارا نے شرمندہ ہو کر کہا۔
”نہیں زارا یہ بہت ضروری ہے...... کہ آصف سمجھے کے کیا غلط ہے...... کیا نہیں...... آصف نے اپنی زندگی کا کافی عرصہ اکیلے گزارا ہے...... وہ سولہ برس کا تھا...... تب کہیں جا کر ہمارے آنگن میں ایک اور پھول کھلا...... ہمارے ہاں بیٹی نے جنم لیا...... نتاشہ نام ہے اُس کا...... لیکن اس دوران...... آصف ضدی سا ہو گیا...... بس جو سوچتا ہے...... سمجھتا ہے...... وہ ٹھیک ہے...... لیکن کل میں نے پہلی بار اُسے اپنے کیے پر پشیمان دیکھا...... اس لیے تم سے ملنے آئی ہوں...... تا کہ تم سے سوری بھی کہہ سکوں اور شکریہ بھی ادا کروں......“
شکیلہ بیگم کہتی چلی گئیں۔
”آپ کو سوری کہنے کی کوئی ضرورت نہیں......، میں نے کسی بات کا بُرا نہیں مانا۔“

زارا نے پیار سے کہا۔

''یہ تو تمھارا بڑا اپن ہے زارا، میں دیکھ سکتی ہوں کہ تمھارے والدین نے تمھاری بہترین تربیت کی ہے اور رشتوں کی قدر سکھائی ہے۔ تمھاری والدہ...... بہت عظیم عورت تھی نسیمہ۔'' انھوں نے پیار سے کہا۔

''آپ آپ امی کو جانتی تھیں؟'' زارا نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں...... میں ملی ہوں نسیمہ سے...... بہت اچھی تھی وہ...... لیکن جب وہ لاہور گئی تو پلٹ کر واپس نہیں آئی...... خدا اس کو جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے......''

انھوں نے حسرت بھرے لہجے میں بتایا اور زارا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ارے میرا مطلب تمھارا دل دکھانا نہیں تھا۔'' انھوں نے پریشان ہو کر کہا۔

''نہیں میرا دل نہیں دکھا...... بلکہ میں شکر گزار ہوں آپ کی کہ آپ نے مجھے امی یاد دلائیں...... دن بھر کی بھاگ دوڑ سے...... میں امی کو جیسے بھول سی گئی تھی...... سمیرا اور ثمینہ کی ماں کا کردار نبھاتے نبھاتے بھول گئی کہ میری بھی کبھی کوئی ماں تھی۔''

زارا جیسے اپنے آپ سے کہنے لگی اور اس کی آنکھوں میں موتیوں جیسے آنسو نمودار ہوئے۔

شکیلہ بیگم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اُنھوں نے زارا کا چہرا اپنے ہاتھوں میں لیا اور پیار سے کہنے لگیں۔

''جو بیت گیا سو بیت گیا اب آنے والے کل کو دیکھو آج کو دیکھو آج تمھارے پاس آنی ہیں...... پیار کرنے والے خالو جان ہیں اور اب ہم ہیں تو اب تمھیں فکر کی کوئی ضرورت نہیں بیٹا ہم سب تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔''

شکیلہ بیگم کے جملے سُن کر زارا رو پڑی اور ان کے گلے لگی۔ شکیلہ بیگم بھی اُس کے گلے لگ کر رونے لگیں۔ زارا کو اس لمحے بہت ڈھارس ہوئی۔ ایک ہی پل میں شکیلہ بیگم اُس کے اتنی قریب ہو گئیں۔ سچ ہے کہ مخلص رشتوں کو بننے میں ایک پل ہی لگتا ہے اور جو رشتے خالص نہ ہوں ساری زندگی بھی ان کے لیے کچھ معنی نہیں رکھتی۔

ایسے میں تہمینہ بیگم چائے لے کر اندر آئیں تو بدلی ہوئی صورت حال دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''کیا چائے میں اتنی دیر ہو گئی کہ آپ لوگوں نے رونا شروع کر دیا؟''

انھوں نے حیران ہو کر پوچھا اور شکیلہ بیگم، زارا روتے ہوئے بھی ہنس پڑیں۔ چائے پی کر شکیلہ بیگم ایک بار پھر زارا کو پیار کر کے چلی گئیں۔ تہمینہ بیگم اور زارا ان کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہتے رہے۔ اُن کے جانے کے بعد تہمینہ بیگم نے زارا کو کہنی ماری۔

''ارے! کیا باتیں ہو رہی تھیں جو تم لوگ رو پڑے؟''

''کچھ نہیں۔''زارا نے مختصر جواب دیا اور پلٹ کر چلی گئی۔

''ارے! سمیرا نہیں بنو!...... بتاؤ نا کیا بات ہوئی؟''تہمینہ بیگم نے پلٹ کر کہا۔

''کچھ نہیں آنی بس اِدھر اُدھر کی باتیں۔''زارا نے پھر مختصر جواب دیا اور اوپر جانے لگی۔

''ٹھہر جا ایک سیکنڈ! تُو ایسے نہیں مانے گی۔''

تہمینہ بیگم نے کہا اور چپّل لے کر زارا کے پیچھے آئیں۔

''آنی یہ کیا ہو رہا ہے۔''زارا بوکھلا گئی۔

''وہی جو پہلے ہونا چاہیے تھا۔''تہمینہ بیگم آستین اوپر کرنے لگیں۔

''آنی آنی دیکھیں آپ ڈرا رہی ہیں مجھے۔''زارا نے گھبرا کر سیڑھیوں پر قدم رکھا۔

''بیٹا ابھی میں تمھاری دوڑیں بھی لگواتیں ہوں!''

تہمینہ بیگم نے مستی میں کہا اور اُس کے پیچھیں دوڑیں۔

''آنی! آنی نہیں۔''

زارا بھی پلٹ کر سر پر پیر رکھ کر بھاگی اور تہمینہ بیگم ہنستے ہوئے اُس کے پیچھے دوریں، دونوں اس لمحے ہنستے جا رہے تھے۔

☆......☆

روحیل نے گاڑی اپنے شاہی بنگلے کے باہر روکی اور سمیرا اُس کا بنگلا دیکھ کر حیران رہ گئی، یہ بنگلا کم بلکہ حویلی زیادہ لگ رہی تھی۔ اس وقت روحیل فارمل شرٹ اور جینز میں تھا جب کہ سمیرا نے لال رنگ کا جوڑا پہنا تھا۔ دوستی کے بعد روحیل نے پہلی بار سمیرا کو کالج یونیفارم کے علاوہ کسی اور لباس میں دیکھا اور اُس کا دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ سمیرا اس لمحے روحیل کا بنگلا دیکھے جا رہی تھی۔

''پسند آیا؟''روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''یہ آپ کا گھر ہے؟''سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہمم۔''اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

''بہت شاندار ہے۔''سمیرا نے تعریف کی۔

''چلو گھر اندر سے دکھاتا ہوں۔''

روحیل نے پیار سے یہ جملے کہے اور گاڑی گیٹ سے گزار کر اندر لے گیا۔ باہر کھڑے گارڈز نے اُسے سلوٹ کیا۔ روحیل نے اُتر کر سمیرا کا دروازہ کھولا اور وہ اس عالی شان حویلی کو دیکھنے لگی۔ روحیل نے

اُس کا ہاتھ تھاما اور اندر لے کر گیا۔ سمیرا کو ایک پل کے لیے ایسا لگا جیسے وہ پریوں کے محل میں آ گئی ہو۔ اتنے بڑے گھر کی اُسے بالکل توقع نہیں تھی۔

''پوپس؟ پوپس کدھر ہیں آپ؟''

روحیل نے اندر آ کر اپنے والد کو آواز دی اور سمیرا کی جان نکل گئی۔

''پوپس؟ آپ کے پاپا؟'' اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ہاں، انھیں سے تمھیں ملوانا ہے۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا کا رنگ فق ہو گیا۔

''روحیل نہیں۔'' سمیرا گھبرا گئی۔

''پریشان نہیں ہو، پوپس بالکل بھی بڑے بُوڑھوں کی طرح نہیں ہیں۔'' روحیل نے پیار سے اُسے بتایا اور سمیرا گھبرا گئی۔

''پوپس؟ کدھر ہیں بھئی؟'' روحیل نے پھر آواز دی۔

''آ رہے ہیں بھئیا آ رہے ہیں۔''

بالاج صاحب نے سیڑھیاں اُترتے ہوئے کہا، اس وقت اُن کا سیکریٹری بھی ان کے ساتھ تھا جو کاغذات پر دستخط لے رہا تھا۔

''پوپس! سمیرا۔''

روحیل نے سمیرا تعریف کی ا اور بالاج صاحب سمیرا کو دیکھنے لگے۔ سمیرا اس لمحے بُری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

''سمیرا، سلام کرو پوپس کو۔'' روحیل نے اُسے یاد دلایا۔

''جی وعلیکم سلام میرا مطلب السلام علیکم......''

سمیرا بُری طرح گھبرا گئی اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''گھبراو نہیں بیٹے، اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔ پہلی بار تو روحیل نے کسی ایسے دوست کو دعوت دی ہے جسے میں یہ کہہ سکتا ہوں۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''آو بیٹھو ادھر......'' بالاج صاحب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور سمیرا گھبرا کر بیٹھ گئی۔

''کیا نام ہے تمھارا؟'' انھوں نے پیار سے پوچھا۔

''سمیرا، سمیرا راشد۔'' اس نے جواب دیا۔

''ماشا اللہ بڑا پیارا نام ہے، پیاری بھی بہت ہو تم۔ کیا پڑھتی ہو؟'' انھوں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''بی کام۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''بہت اچھا فیصلہ کیا ہے، بی کام کر کے تم اپنا کیریئر اچھی جگہ بڑھا سکتی ہو۔'' بالاج صاحب نے تعریف کی۔

''بلکہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ یہ وکالت کر لے۔'' روحیل نے مستی بھرے لہجے میں کہا۔

''نہیں بھئی اس گھر میں تین مرد ہیں وہی کافی ہیں جو تم اس کو بھی وکالت پر لگا رہے ہو۔'' بالاج صاحب نے تیزی سے کہا اور روحیل گھبرا گیا۔

''جی؟'' سمیرا بھی دھک رہ گئی۔

''میرا مطلب شہر میں اتنے لڑکے لڑکیاں وکیل بن رہے ہیں، کوئی ضرورت نہیں وکالت میں آنے کی۔'' بالاج صاحب نے بات کو سنبھالا۔

روحیل نے جلدی سے کہنا شروع کیا۔

''اہمم بالکل بالکل میں بھی یہی کہہ رہا ہوں پوپس، بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ سمیرا کو چاہیے بائیک ریس میں حصہ لے، لڑکیوں کا بہت اسکوپ ہے وہ کیا ہے کہ......''

''بیٹا روحیل؟ آپ ذرا ادھر اُدھر ہو کر آئیں گے؟'' بالاج صاحب نے منھ بنا کر کہا پر روحیل مچل کر کہنے لگا۔

''نہیں لیکن پوپس۔''

''روحیل؟'' بالاج صاحب نے اُسے گھورا۔

''اہمم او کے میں اوپر باہر سے ہو کر آتا ہوں، ذرا گارڈز کو دیکھ لوں کے کام کیسا کر رہے ہیں۔''

روحیل نے دانت نکال کر کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔ سمیرا ہنستی ہوئی اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"Come, let's have a walk"۔

بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ سمیرا بھی ان کے ساتھ چل پڑی۔

''تم اکیلی ہو؟ یا بہن بھائی بھی ہیں؟'' انھوں نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''جی ایک بڑی بہن ہے اور ایک چھوٹی، ہم تین بہنیں ہی ہیں۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

''ویری گڈ اور تمھارے والد صاحب کا کیا بزنس ہے؟'' انھوں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''بابا گورنمنٹ اوفیسر تھے لاہور میں لیکن ایک حادثے میں میرے دونوں والدین کا انتقال ہو گیا۔'' سمیرا نے جواب دیا اور بالاج صاحب نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

''ہم تین بہنیں اب اپنی آنٹی کے پاس رہتیں ہیں۔'' سمیرا نے دھیمے لہجے میں بتایا۔

''ہمم کھونے کا غم کسی کے چلے جانے کا درد مجھے اس کا اندازہ ہے۔''

بالاج صاحب نے سر جھکا کر یہ جملے کہے اور پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رُکے۔ جیب سے چابی نکالی اور کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرا کھلا...... اور سمیرا نے دیکھا یہ ایک بہت ہی خوبصورت کمرا تھا جہاں دیوار پر بڑی بڑی پینٹینگز لگی ہوئی تھیں۔ پینٹنگز کسی خاتون کی تھیں، ایک پُروقار خاتون۔ اُن کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں، گلابی ہونٹ، گوری رنگت، لمبے بال اور لمبا قد، ساتھ ساتھ سڈول جسم۔ کسی تصویر میں وہ ساڑھی پہنے ہوئی تھیں تو کسی تصویر میں وہ کُرسی پر بیٹھی تھیں۔ سمیرا محو ہو کر ان تصویروں کو دیکھنے لگی۔ بالاج صاحب مسکرا کر اُسے دیکھا۔

''یہ یہ کن کی تصویریں ہیں؟'' سمیرا نے تصویروں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کہنے کو تو تصویریں ہیں بیٹا لیکن اس بوڑھے کے جینے کا مقصد کہہ سکتی ہو تم۔''

بالاج صاحب نے تصویروں کو دیکھتے ہوئے بتایا اور سمیرا نے پلٹ کر ان کو دیکھا۔

''دھن، دولت، عزّت، شہرت کیا کچھ نہیں دیا اللہ نے بالاج خاندان کو...... ہر چیز ہی ہمارے قدموں تلے موجود تھی...... لیکن جس عورت کو تم ان تصویروں میں دیکھ رہی ہو یہ وہ عورت ہے جس نے آخری بار اس حویلی میں قدم رکھا زہرا کے جانے کے بعد اس گھر میں کوئی اور خاتون نہ آ سکی......''

بالاج صاحب کہتے گئے اور سمیرا اُن کا غم سمجھنے لگی۔

''کسی کو کھونے کا درد میں سمجھ سکتا ہوں، زہرا میرے ساتھ تھی تو میں بہت مضبوط تھا زہرا کو ہمیشہ مجھ پر یقین تھا...... مجھے پیار سے سیٹھ صاحب کہا کرتی تھی...... میں مسکرا کر کہتا میں اور سیٹھ؟...... میرے پاس تو کچھ نہیں...... مسکرا کر کہتی، بن جاو گے......''

بالاج صاحب نے اپنے ماضی کو یاد کرتے گئے۔ سمیرا مسلسل اُن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُن کا غم محسوس کر رہی تھی۔ بالاج صاحب تصویروں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''میں آج سیٹھ تو بن گیا لیکن میری سب سے بڑی دولت زہرا، میری خوشیاں میرا سکون وہ اپنے ساتھ لے گئی...... میرے پاس آج بھی کچھ نہیں ہے کچھ بھی تو نہیں......''

''آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں کہ وہ کہیں چلی گئیں؟ وہ آج بھی یہیں ہیں آپ کے ساتھ ہیں......''

سمیرا کے جملے سُن کر بالاج صاحب نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

''زہرا جی آپ کی زوجہ تھیں پر وہ ایک ماں بھی تھیں...... اور مائیں کبھی اپنے بچّوں کو چھوڑ کر نہیں جاتیں اُن کی دعائیں ہمیشہ اپنے بچّوں کے ساتھ رہتی ہیں آپ شاید اپنی زوجہ کو کھو چکے ہیں لیکن ایک ماں اپنے بچّوں سے الگ نہیں ہو سکتی وہ آج بھی آپ کے بیٹوں کے ساتھ ہیں دعاوں کی صورت میں...... ہر خوشی اور غم میں...... آج بھی اس گھر میں موجود ہیں بس صرف محسوس کرنے کی دیر ہے...... آپ کو زہرا جی

ہر طرف نظر آنے لگیں گی……"

سمیرا کی بات سُن کر بالاج صاحب دنگ رہ گئے۔ وہ سکتے کے عالم میں اس کو دیکھنے لگے۔ سمیرا چلتی ہوئی زہرا بیگم کی تصویر کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"میں ان سے مل تو نہیں سکی لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ ان کی طاقت محبت رہی ہے اور آپ کے گھر میں آج بھی محبت زندہ ہے…… یہ کمال کسی اور کا نہیں انہی کا ہے غور سے دیکھیے شاید آپ کو وہ یہاں دکھ جائیں۔"

سمیرا کی بات سُن کر بالاج صاحب نے ایک نظر زہرا بیگم کی طرف دیکھا اور پھر سمیرا کی طرف۔ سمیرا اس لمحے زہرا بیگم کی تصویر کے نیچے ہی موجود تھی۔ بالاج صاحب دنگ ہو کر دیکھتے رہے، سمیرا ہو بہو زہرا بیگم کی نقل تھی۔ یہ دیکھ کر بالاج صاحب مسکرا دیے اور سمیرا کو اپنے پاس بُلایا۔ سمیرا چلتی ہوئی ان کے پاس آئی۔

"اتنی پیاری پیاری باتیں کیسے کر لیتی ہو؟"

انھوں نے مسکرا کر پوچھا اور سمیرا لبوں پر مسکان سجا کے سر جھکا گئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو…… زہرا آج بھی زندہ ہے وہ موجود ہے ہمارے درمیان……"

بالاج صاحب نے اپنی زوجہ کی تصویر دیکھ کر کہا اور پھر سمیرا کی صورت دیکھی۔

"شکریہ مجھے یہ بات محسوس کرانے کے لیے۔" بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ آپ کا جو اس یتیم کو آپ نے اتنی عزّت بخشی اور اپنے گھر کا سب سے اہم حصہ مجھے دکھایا۔" سمیرا نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خبردار!" بالاج صاحب نے اُسے انگلی دکھا کر ڈانٹا۔

"آج کے بعد کبھی اپنے آپ کو یتیم مت کہنا…… کوئی پوچھے تو کہنا تم بالاج علی کی بیٹی ہو آج سے میں تمھارا بابا ہوں……"

بالاج صاحب کی بات سُن کر سمیرا دھک سے رہ گئی۔

"کبھی یہ مت سوچنا کے تمھارے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہے…… جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمھیں یتیم نہیں کہے گا۔" بالاج صاحب کی آواز بھرّا گئی۔

سمیرا رو پڑی۔ بالاج صاحب نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا اور سمیرا اُن سے گلے لگ کر رونے لگی۔ ایک سہارہ اس لمحے سمیرا نے اپنے اندر محسوس کیا۔ ایک ڈھارس جس کے لیے وہ تڑپ رہی تھی، آج سمیرا کو وہ حاصل ہوئی۔ یہ سوچ کر وہ روتی گئی اور بالاج صاحب بھی اپنے آنسو روک نہ سکے۔

ایسے میں روحیل اندر آیا اور اُن دونوں کو دیکھ کر مسکرا اٹھا۔

''اہمم ہوگئی امی سے ملاقات؟''

روحیل کے پوچھنے پر بالاج صاحب نے اُسے دیکھا اور آنسو پونچھ کر کہنے لگے۔

''ہاں ہوگئی...... تمھاری امی کو بھی سمیرا بہت اچھی لگی ہیں۔''

بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور سمیرا مسکرا کر سر کو جھکا گئی۔ روحیل کا دل باغ باغ ہونے لگا۔

''روحیل جاؤ سمیرا کو گھر دکھاؤ، سب کام والوں سے ملواؤ وہ بھی ہمارے گھر کا حصہ ہیں اور ہاں زین سے ضرور ملواؤ۔'' انھوں نے روحیل کو حکم دیا۔

''زین گھر پر ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں اوپر ہے اپنی گیمز کی دنیا میں۔'' انھوں نے ہنس کر کہا۔

''آیئے آپ کو اس گھر کے چھوٹے شہزادے سے ملواتے ہیں۔''

روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا مسکرا کر اُس کے ساتھ چل دی۔ بالاج صاحب انھیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ ایسے میں اُن کا سیکریٹری چلتا ہوا اندر آیا اور کہنے لگا۔

''سر، جمال کمپنیز اور پیونیرّ کمپنی کے کونٹریکٹ تیار ہیں۔''

''وہ چھوڑو یہ بتاو جوڑی کیسی لگی؟......''

بالاج صاحب نے بدستور روحیل اور سمیرا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سکریٹری نے چونک کر کونٹریکٹ کو دیکھا اور خوش ہو کر بولا۔

''سر بہترین جوڑی ہے، دونوں کمپنیاں مرج ہو کر بہت ترقی کریں گی۔''

بالاج صاحب پلٹ کر اس کو گھورنے لگے۔

☆......☆

''آو سمیرا یہ ہمارا کچن ہے اور یہ ہے ہمارے کچن کی فوج!''

روحیل سمیرا کو لے کر باورچی خانے میں آیا اور سمیرا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اتنا بڑا باورچی خانہ اس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ اس نے دیکھا باورچی خانے میں اس وقت سات لوگ کھڑے ہیں۔ چار مرد اور تین عورتیں۔

''یہ سب ہماری کام کی فوج ہے، گھر کی رکھوالی یہی لوگ کرتے ہیں۔'' روحیل نے مسکرا کر بتایا۔

''السلام علیکم۔'' اُن سب نے سلام کیا۔

''وعلیکم سلام۔'' سمیرا نے پیار سے جواب دیا۔

”یہ جو پہلے نمبر پر کھڑے ہیں یہ خان بابا ہیں اور یہ سب کے کیپٹن ہیں، باقی سب ان کے حکم پر چلتے ہیں، نمبر دو پر ان کے اسسٹنٹ ہیں، نمبر تین پر مالی اور نمبر چار ہیں؟ تم کون ہو؟“

روحیل نے چونک کر ایک دُبلے پتلے لڑکے سے پوچھا۔

”وہ جی سلطان۔“ اس نے گھبرا کر جواب دیا۔

”کون سلطان؟“ روحیل نے گُھور کر پوچھا۔

”آپ نے ہی تو رکھا تھا مجھے۔“ وہ حیران ہو کر بولا۔

”اچھا؟ میں نے؟“ روحیل حیران رہ گیا۔

”جی چھوٹے مالک، آپ نے کہا تھا نا گھر کی ڈسٹنگ کے لیے لڑکا چاہیے۔“ خان بابا نے آگے بڑھ کر بتایا۔

”اوہ ہاں یاد آیا! صحیح صحیح۔ تو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ جاؤ ڈسٹنگ کرو!“ روحیل نے اشارہ کیا۔

”جی سرکار!“ سلطان نے سلوٹ کر کے کہا۔

”یہ ہمارے گھر کی خاتون ہیں اور صفائی، کپڑے دھونا اور باتھروم وغیرہ کا خیال رکھنا ان کی ذمہ داری ہے۔“ روحیل نے کام والیوں کا تعارف کرایا۔

”سلام بی بی جی۔“

انھوں نے سلام کیا اور شرمانے لگیں سمیرا حیران ہو کر روحیل کو دیکھنے لگی۔

”اہمم Over Acting نہیں Over Acting نہیں۔“ روحیل نے سب کو گُھور کر کہا اور وہ کھی کھی کرنے لگیں۔

”تو یہ ہے ہمارا گھر، پیارا سا جس میں ہم سب مل جُل کر رہتے ہیں کبھی کوئی مسلہ نہیں کبھی کوئی پرابلم نہیں کبھی......سلطان! یہ تم کیا کر رہے ہو؟“

روحیل اچانک سے چلایا۔ سلطان کچن کے Oven کو رگڑ رگڑ کر صاف کر رہا تھا۔

”ڈسٹنگ کر رہا ہوں جی!“ وہ بوکھلا کر بولا۔

”ابے میرے باپ یہاں نہیں۔“ روحیل نے ماتھا پیٹ کر کہا۔

”تو پھر کدھر؟“ وہ حیران ہو کر بولا۔

”میرے سر پر!“ روحیل نے جل کر کہا۔

”اچھا!“ وہ خوش ہوا اور چلتا ہوا روحیل کے ماتھے کی طرف بڑھا۔

”سلطان!“ روحیل نے اُسے ڈانٹا۔

''معافی معافی!''

سلطان گھبرا کر فوراً مرغا بن گیا۔ سمیرا اس لمحے ہنسے جا رہی تھی۔

''میرے خیال سے تعارف کافی ہو گیا ہے، آپ اوپر کی طرف چلیں۔'' روحیل نے جل کر کہا۔

''اوپر؟'' تینوں کام والیاں ہنسنے لگیں۔

''زین سے ملوانا ہے زین سے۔'' روحیل نے تلملا کر کہا اور وہ ہنستی رہی۔

''آیئے آپ کو اس گھر کے سب سے لاڈلے شہزادے سے ملواتے ہیں۔'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''چلیے۔''

سمیرا ہنستے ہوئے کہنے لگی اور روحیل اُسے کچن سے لے کر باہر نکلا۔ جلد ہی روحیل سمیرا کو لے کر اوپر کی منزل پر آیا۔

''آپ کے نوکر بہت فنی ہیں۔'' سمیرا نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، ابھی تمھیں اس گھر کی سب سے بڑی فلم سے ملواتا ہوں۔''

روحیل نے منہ بنا کر یہ جملے کہے اور زین کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر میں اس نے دروازہ کھولا اور سمیرا نے دیکھا، ایک نوجوان ٹی وی کے آگے بیٹھا گیم کھیل رہا تھا۔

''زین سمیرا آئی ہیں۔''

روحیل نے اُسے آواز دی۔ زین نے پلٹ کر دیکھا اور بوکھلا کر بولا:

"Whao! Guys I Gotta go! I Gotta Go! Abort Mission! Abort Mission!!... Yeah! Kill that ChickenHunter66 after that Abort Mission!"۔

زین کی بات سُن کر روحیل اور سمیرا ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ زین اپنا ہیڈ فون اتار کر گرتا پڑتا سمیرا کے سامنے آیا اور دانت نکال کر بولا۔

''ہیلو بھابھی!''

''بھابھی؟'' سمیرا چونکی اور روحیل نے اُسے بُری طرح گھورا۔

''وہ مم مم میرا مطلب بھائی بھی کمال کرتے ہیں اپنی دوست کو لے کر آرہے ہیں اور مجھے بتایا بھی نہیں۔'' زین نے بات بنا کر کہا۔

''ہاں ہاں باجے بجواتا میں!'' روحیل نے دانت پیس کر کہا۔

''معافی۔'' زین دھیرے سے بولا۔

’’سمیرا، یہ میرا چھوٹا بھائی ہے بلکہ میرا بیٹا۔ زین! اسکرو ڈھیلا ہے تھوڑا لیکن ٹائٹ ہو جائے گا۔‘‘ روحیل نے مسکرا کر کہا۔

’’آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔‘‘ سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

’’اور مجھے کیوں اچھا لگ رہا ہے اس کی دو وجہ ہیں، ایک تو پہلی بار کوئی ڈھنگ کی دوست بھائی لے کر آئے ہیں۔‘‘ زین نے منھ بنا کر کہا۔

’’ایک دُوں گا کان کے نیچے!‘‘ روحیل نے اُسے گھور کر کہا۔

’’دوسری بات تو سن لیں!‘‘ زین نے چڑ کر کہا۔

’’ہاں ہاں زین تم بولو، ان کی فکر نہیں کرو۔‘‘ سمیرا نے ہنس کر کہا۔

’’دوسری بات یہ کہ اتنی خوبصورت دوست لائے ہیں ورنہ تو ساری بدصورت ہی آتی تھیں یا اللہ!‘‘

زین یہ کہہ کر بھاگا کیوں کہ روحیل اُس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا! سمیرا کا اس لمحے ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔

’’بھائی بھائی! مارنا نہیں!‘‘ زین نے صوفے کے پیچھے ہوتے کہا۔

’’میں تیرا خون کر دوں گا!‘‘ روحیل نے انگلی دکھا کر کہا۔

’’یہ دیکھو ذرا گھر پر مہمان آئے ہیں اور خون خرابے کی بات ہو رہی ہے۔‘‘ زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

’’روحیل چھوڑ دیں اُسے۔‘‘ سمیرا نے پیچھے سے آواز دی۔

’’تم کہتی ہو تو چھوڑ دیتا ہوں، ورنہ آج یہ گیا تھا!‘‘ روحیل نے اُسے گُھور کر کہا اور زین ناچنے لگا۔

’’زین آپ کا کمرا تو بہت پیارا ہے۔‘‘ سمیرا نے اندر آتے ہوئے کہا۔

’’بس گیمنگ کے لیے بیسٹ جگہ ہے۔‘‘ زین نے خوش ہو کر کہا۔

’’آپ مجھے کوئی گیم کھلاؤ گے؟‘‘ سمیرا نے اشتیاق سے پوچھا۔

’’آپ گیم کھیلیں گی؟‘‘ زین نے خوش ہو کر پوچھا۔

’’تم گیم کھیلو گی؟‘‘ روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’کیوں نہیں، مجھے گیمز بہت پسند ہیں۔‘‘ سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

’’ارے واہ! ارے واہ! اے گیموں کے دُشمن آدمی ہٹ جاؤ یہاں سے۔‘‘

زین نے روحیل کو دھکّا دیا اور بولا۔

’’آیئے آیئے۔‘‘

وہ سمیرا کو اپنے گیمز کے پاس لے کر گیا اور روحیل مسکرا کر انھیں دیکھنے لگا۔

’’آیئے، چلیں WWE کھیلتے ہیں، سب سے تفریح گیم وہی ہے۔‘‘

زین نے گیم لگاتے ہوئے کہا۔

’’اوکے کرنا کیا ہوگا؟‘‘ سمیرا نے کنٹرولر پکڑ کر پوچھا۔

’’کچھ نہیں بس آپ نے اپنا Wrestler لینا ہے، ویسے آپ کو کون پسند ہے؟‘‘ زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

’’Undertaker۔‘‘ سمیرا نے جواب دیا۔

’’اوکے! میں John Cena لیتا ہوں۔‘‘ زین نے اپنی پسند کا Wrestler لیا۔

’’ان میں سے میں کون سی ہوں؟‘‘ سمیرا نے ٹی وی دیکھ کر پوچھا۔

’’کالے کپڑوں میں آپ ہیں جب کہ نیلی چڈّی میں میں ہوں۔‘‘

زین نے بنا سوچے سمجھے یہ جملے کہے اور روحیل، سمیرا اُسے گُھور کر دیکھنے لگے۔

’’اہمم پتا نہیں میں کیا بول گیا۔‘‘

زین گھبرا کر بولا اور وہ دونوں بُری طرح ہنسے۔ سمیرا کھلکھلا کر ہنس رہی تھی، خود زین بھی اپنی بات پر ہنسنے لگا۔ ایسے میں بالاج صاحب نے آ کر بچّوں کو اس طرح ہنستے کھیلتے دیکھا تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

آخر کار وہ لمحہ بھی آیا جب سمیرا نے اجازت چاہی۔ مرکزی دروازے پر بالاج صاحب اور زین مسکرا کر سمیرا کو دیکھ رہے تھے جب کہ روحیل گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

’’اچھا بابا اجازت دیجیے۔‘‘ سمیرا نے پیار سے کہا۔

’’وعدہ کرو دوبارہ ضرور آؤ گی۔‘‘ بالاج صاحب نے اُس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

’’بالکل بابا ضرور آؤں گی۔‘‘ سمیرا نے پیار سے کہا اور پلٹ کر زین کو دیکھ کر کہنے لگی۔

’’اچھا زین چلتی ہوں۔‘‘

یہ کہہ کر سمیرا نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔

’’آپ کو دوبارہ آنا ہی پڑے گا۔‘‘ زین نے اُس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

’’کیوں؟‘‘ سمیرا نے ہنس کر پوچھا۔

’’اس بار آپ ہرا کر جا رہی ہیں مجھے، نیکسٹ ٹائم مجھے بدلا لینا ہے۔‘‘ زین نے منھ بنا کر کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

’’بے فکر رہو وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔‘‘ سمیرا نے مسکرا کر کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

ایسے میں ایک چمچماتی کرولا اندر داخل ہوئی اور اُن سب کی گردنیں اس کی طرف مُڑ گئیں۔ کرولا اندر آتے ہی کچھ دُور رُکی اور سارہ خوبصورت چشمہ پہنے ہوئے گاڑی سے باہر نکلی۔ روحیل سارہ کو دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سارہ اس طرح بنا کچھ کہے اور بتائے گھر پر آ جائے گی۔ بالاج صاحب اور زین بھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"Excuse Me"۔

روحیل نے گھبرا کر یہ جملے کہے اور سارہ کی طرف بڑھا۔ سارہ شعلہ اگلتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ روحیل سر جھکائے چلتا ہوا اُس کے پاس پہنچا۔

''کیا بات ہے روحیل آج کل اس کالج گرل کو پھنسانے کے چکّر میں ہو؟''

سارہ نے طنز کیا اور روحیل اُسے دیکھنے لگا۔

''کافی ٹیسٹ بدل نہیں گیا تمھارا؟'' سارہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''شاید خالص چیزوں کی پہچان ہو گئی ہے مجھے۔'' روحیل نے خشک لہجے میں کہا۔

''واہ! ٹیسٹ بدلتا ہوا تو دیکھا ہے خراب ہوتا ہوا آج پہلی بار دیکھ رہی ہوں''

سارہ نے دانت پیس کر کہا اور روحیل اُسے دیکھنے لگا۔

''ویسے ملواؤ گے نہیں اپنی کالج فرینڈ سے؟ دیکھیں تو صحیح کیا خاص بات ہے ان میں؟''

سارا نے طنز کیا۔

''میں ضروری نہیں سمجھتا۔''

روحیل نے صاف جواب دیا اور سارہ جل کر رہ گئی۔

وہ پلٹا اور چلتا ہوا سمیرا کے پاس گیا، اس نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر سمیرا کو گاڑی میں بٹھایا۔ سمیرا گھبرائی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ جلد ہی روحیل گاڑی میں بیٹھا اور گھر سے نکلتا چلا گیا۔ بالاج صاحب مسکرا کر انھیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور اندر کی طرف چل دیے۔ البتہ زین سارہ کی طرف بڑھا۔

''مزہ آ گیا سمیرا جی سے مل کر۔ اتنی اچھی لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔'' زین نے خوش ہو کر کہا اور سارہ اُسے دیکھنے لگی۔

''ارے! آپ یوں کیوں کھڑی ہیں؟ اوہ اچھا بھائی تو چلے گئے۔ پر آپ اندر تو آ ہی سکتی ہیں؟ کوئی گیم وغیرہ کھیلیں گی؟'' زین نے مستی میں پوچھا۔

"Oh Shut up! I don't wanna play your stupid games!"۔

سارہ نے جل کر یہ جملے کہے اور واپس اپنی گاڑی میں بیٹھی اور رفتار سے نکلتی چلی گئی۔ زین مسکرایا اور

اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"واہ رے اللہ میاں، اس لڑکی کو صورت، دولت تو دے دی لیکن دل نہ دیا، بھابھی کچھ زیادہ ہی اچھی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ مسکرایا اور سیٹی بجاتا ہوا اندر چلا گیا۔

☆......☆

رات کو سمیرا اپنے کمرے میں موجود ایک حسین مسکراہٹ لبوں پر سجا کر وہ دوپہر کی ملاقات کے بارے میں سوچے جارہی تھی۔ کتنے حسین پل تھے جب وہ روحیل کے گھر پر موجود تھی۔ اُس کا روحیل کے بابا سے ملنا، اُس کے چھوٹے بھائی سے ملنا، یہاں تک کے وہ نوکروں سے بھی ملی۔ بالاج صاحب نے اُس کا استقبال کچھ اس طرح کیا جیسے وہ اُس کے خاندان کا حصہ ہو۔ واقعی بالاج خاندان کی عظمت کو سلام۔ وہ امیر غریب میں فرق محسوس نہیں کرتے تھے۔ بالاج صاحب کتنے اچھے ہیں، کس طرح انھوں نے اس کو اپنی بیٹی مان لیا۔ اور زین؟ زین تو اپنے بھائی سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ بالکل دیوانہ ہے۔ یہی سب باتیں سوچتے ہوئے وہ برابر رکھے لیمپ کو تکے جارہی تھی...... وہ جتنا سوچتی...... اُتنا اس کو سکون ملتا۔ ایسے میں زارا کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی بہن کو اس طرح دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیا بات ہے بھئی بڑا مسکرایا جارہے ہے؟"

زارا کے پوچھنے پر سمیرا چونکی اور ایک دم سے کتاب لے کر بیٹھ گئی۔

"اچھا؟ آپی کو دیکھتے ہی ڈرامے شروع؟" زارا نے اُس کے پاس آ کر کہا۔

"نہیں تو آپی میں تو پڑھ رہی ہوں۔" سمیرا نے کتاب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کتنا پڑھ رہی ہو سب پتا ہے مجھے! چلو بتاؤ کیوں مسکرا رہی تھی؟"

زارا نے اُس کے ہاتھ سے کتاب لے کر پوچھا اور سمیرا سر جھکا گئی۔

"اپنی بہن کو نہیں بتاؤ گی؟" زارا نے پیار سے پوچھا۔

"کیاں بتاؤں آپی؟ کیا کہوں بس ایک سپنا دیکھ کر آئی ہوں اور کچھ نہیں۔"

سمیرا نے نظریں جھکا کر کہا۔

"سپنوں کی سب سے اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ وہ حقیقت میں ڈھل جاتے ہیں۔"

زارا نے پیار سے کہا۔

"ٹھیک کہا آپ نے...... لیکن اس سپنے کی منزل کیا ہے مجھے سمجھ نہیں آرہا......"

سمیرا جیسے اپنے آپ سے کہنے لگی۔

’’کیا دیکھا تم نے؟‘‘اس نے پیار سے پوچھا۔

’’آپی۔‘‘سمیرا یہ کہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’آپی میں نے سپنوں کی دنیا میں ایک محل دیکھا ایک ایسا محل جہاں غم نہیں لیکن اپنوں کے لیے درد موجود ہے جہاں دُکھ نہیں لیکن دکھوں کا احساس ہے جہاں رنج نہیں لیکن کچھ بکھری یادیں ہیں جو اُس محل کو ایک حسین گھر بنا دیتی ہیں وہاں ایک بادشاہ ہے اُس بادشاہ کے دو شہزادے ہیں پر انھوں نے......اُس محل کی ملکہ کو کھو دیا ہے...... وہ بادشاہ اور وہ شہزادے اپنے اُس محل کی شہزادی کی تلاش میں ہیں...... نجانے کب سے......نجانے کب سے......‘‘

سمیرا کہتی رہی اور زارا اس کی طرف دیکھنے لگی۔

’’اور جانتی ہیں آپی؟‘‘سمیرا نے دھیرے سے کہا اور پلٹ کر زارا کی طرف دیکھا۔

’’وہ گھر......وہ سپنوں کا محل......وہ باپ اور بیٹا وہ مجھے پُکار رہے ہیں، وہ مجھے شہزادی بنانا چاہتے ہیں ،وہ مجھے اُس محل میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’سچ؟‘‘

زارا خوشی سے اُٹھی اور سمیرا کا چہرا دیکھنے لگی۔سمیرا یہ کہ کر نظریں جھکا گئی۔

’’سچ بتاو؟ روحیل نے کچھ کہا تم سے؟‘‘اس نے قریب آ کر پوچھا۔

’’نہیں انھوں نے کچھ کہا نہیں لیکن......لیکن سب کے روّیے سے میں نے صاف محسوس کیا کہ بات دراصل کیا ہے۔‘‘سمیرا نے سر جھکا کر جواب دیا۔

’’یا اللہ! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔‘‘

زارا کہ منھ سے خوشی کے عالم میں نکلا اور مچل کر بولی۔

’’میری چھوٹی بہن اتنے بڑے خاندان کی بہو بنے گی۔مجھے یقین نہیں آ رہا۔‘‘

’’آپی۔‘‘سمیرا پریشان ہو کر بولی۔

’’میں میں کیا کروں آنی کو بتاوں؟‘‘زارا نے خوشی سے پوچھا۔

’’نہیں آپی آپ کو میری قسم آپ اس بات کا ابھی کسی سے ذکر نہیں کریں گی۔‘‘سمیرا نے اُس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

’’لیکن کیوں؟ آنی تو بہت خوش ہوں گی۔‘‘زارا نے الجھ کر پوچھا۔

’’نہیں آپی ابھی کسی سے کچھ نہ کہیں......کیوں کہ کیوں کہ مجھے بہو بنانے کا فیصلہ اُن کا ہے پر، پر میں اُس گھر کی بُہو نہیں بن سکتی۔‘‘

سمیرا نے پلٹ کر جواب دیا اور زارا نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو سمیرا؟''

زارا نے خشک لہجے میں پوچھا پر سمیرا خاموش رہی۔

''کیا؟ تم پاگل ہوگئی ہو؟'' زارا نے غصے میں کہا۔

''آپی میں روحیل کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔'' سمیرا نے پلٹ کر کہا۔

''تم کہاں دھوکہ دے رہی ہو اُسے؟...... کیا ہو گیا ہے تمھے؟'' زارا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جب انھیں سچ کا پتا چلے گا...... وہ وہ اُس گھر کی شہزادی کو نکال باہر پھینکیں گے، جس لڑکی کو وہ لوگ اپنے گھر کی بُہو سمجھ رہے ہیں...... اُسے دھکّے مار کر نکال دیں گے۔''

سمیرا نے گھبرا کر یہ جملے کہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تو انھیں کون سچ بتا رہا ہے؟ جو بیت گیا سمیرا وہ بھول جاو، جو ہے اُسے حاصل کرو۔''

زارا نے اُسے ڈانٹا۔

''کیسے بھول جاؤں آپی؟ کیسے؟ بھولنا چاہتی بھی ہوں تو راتوں کو چیخیں مار کر اُٹھ جاتی ہوں دل بند ہو جاتا ہے میرا...... ثمینہ ڈر جاتی ہے خالو جان پریشان ہو جاتے ہیں آنی نجانے کتنی دعائیں پڑھ کر مجھے اپنے سینے پر سُلا لیتی ہیں...... آپ کو لگتا ہے جب روحیل اپنی سمیرا کو اس حال میں دیکھیں گے تو مجھے دل سے قبول کریں گے؟ انہیں ایک لڑکی چاہیے جو ان کے ساتھ چل سکے مگر میں...... میں تو معذور ہوں...... میں کیسے چل سکوں گی...... آپ ہی مجھے بتائیں کیسے روحیل مجھے قبول کریں گے؟'' سمیرا نے روتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل قبول کرے گا، کیوں نہیں کرے گا؟ وہ تمھیں دیکھ کر سمجھ کر تم سے شادی کر رہا ہے، بیوی ہو گی تم اس کی، کیوں نہیں سمجھے گا؟'' زارا نے جھنجلا کر کہا۔

''نہیں آپی یہ دھوکہ ہے۔'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

''بکواس بند کرو! اور اپنی زندگی کا سوچو سمیرا! تمھارا آج تمھارے گزرے ہوئے کل سے نہیں جُڑا۔ صرف آنے والے کل کا سوچو۔ اگر اتنا ہر بات کو دل پر لگاوگی تو مر جاوگی۔ موت ہوجائے گی تمھاری!'' زارا نے طیش میں آ کر اُسے ڈانٹا۔

''آپی۔'' سمیرا رونے لگی۔

''سمیرا اپنی زندگی کو دیکھ! اور کچھ نہیں۔'' زارا نے اُسے تھام کر کہا۔

''نہیں آپی میں روحیل کو سچ بتائے بغیر اُن سے شادی نہیں کروں گی۔'' سمیرا نے ڈر کر کہا۔

''پاگل! بالکل پاگل!'' زارا اور طیش میں آ گئی۔

''سب کچھ جان کر روحیل مجھے اپنا لیں، میں خوشی خوشی ان کے ساتھ چلوں گی۔ لیکن اپنی ماضی کی باتیں چھپا کر میں مستقبل نہیں سنوار سکتی۔'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

''تم اُسے کچھ نہیں بتاؤ گی سمجھیں تم!'' زارا نے غصے میں کہا اور بولی۔

''کسی کی اچھائی کا اتنا امتحان مت لو کہ وہ پیچھے ہٹ جائے۔ ایسی انسان بنو جس کے ساتھ لوگ بیٹھ کر خوش ہونا چاہیں۔ اتنا رونا ڈالنا ہر وقت اچھا نہیں ہے سمیرا!''

''آپی پلیز آپ مجھے اکیلا چھوڑ دیں......'' سمیرا نے اپنا سر پکڑ کر کہا، اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

''ٹھیک ہے۔ چھوڑ دیتی ہوں اکیلا! میں کیا سب اکیلا چھوڑ دیں گے اگر تم اسی طرح رہیں تو، لیکن کان کھول کے سُن لو! اگر تم نے روحیل سے ایک لفظ بھی کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ آئی بات سمجھ؟''

زارا نے اُسے ڈانٹا اور کمرے سے چلی گئی۔ سمیرا بستر پر گر کر زار و قطار رونے لگی۔ اس لمحے اُس کا دل بے انتہا ٹوٹ گیا، وہ ایک بار پھر اپنی اندھیروں کے درمیان گھری ہوئی تھی، جو سپنا وہ دیکھ کر آئی تھی آخر وہ ایک سپنا ہی تو تھا حقیقت نہیں۔

جہاں سمیرا اپنے مستقبل کو سوچ کے اپنے نصیب پر رو رہی تھی، وہیں دوسری طرف روحیل کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ آج کی ملاقات اُس کے لیے کسی خواب سے کم نا تھی، سمیرا کا گھر میں قدم رکھنا اور گھر میں رونق کا لوٹ آنا اس بات کی گواہی تھی کہ سمیرا اسی گھر کا ایک کھویا ہوا حصہ ہے۔ یہ بات روحیل نے پہلے دن ہی نوٹس کی تھی کہ سمیرا بالکل اس کی والدہ کی ہمشکل ہے یہی بات اُس دن سعد نے دفتر میں نوٹس کی جب روحیل نے اُسے اپنے والدین کی تصویر دکھائی۔ سعد سمجھ گیا تھا کہ سمیرا کوئی عام لڑکی نہیں بلکہ اس کی والدہ زہرا بیگم کی کھوئی ہوئی صورت ہے جسے بالاج خاندان دوبارہ حاصل کر سکتا ہے۔ روحیل بھی اب یہ بات مان رہا تھا کہ اگر اُس کے گھر میں اس کی بیوی کے روپ میں کوئی قدم رکھ سکتی ہے تو وہ صرف سمیرا ہے اور کوئی نہیں۔ ہر بیتے ہوئے دن کے ساتھ روحیل اپنا دل ہارے جا رہا تھا اور اسے خود نہیں پتا تھا کہ اُس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ بس وہ اس محبت کے دریا میں بہے جا رہا تھا۔ روحیل اس وقت سمندر پر موجود، مسکرا کر لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ چودھویں کا چاند اس لمحے مکمل روشن تھا اور سمندر پر نیلی روشنی غضب ڈھا رہی تھی۔ نجانے کب تک وہ اس منظر کو تکتا رہا اور سمیرا کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ اس لمحے بہت خوش تھا...... بہت خوش۔

☆......☆

''رنجشیں ہی سہی دل دکھانے کے لیے آ......رنجشیں ہی سہی''

حسبِ معمول رکارڈ پر مہدی حسن کی غزل چل رہی تھی اور شفیق صاحب سکون سے صوفے پر بیٹھے اخبار کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے۔ ایسے میں شکیلہ بیگم چائے لیے آئیں اور اپنے شوہر کو چائے پیش کی۔

''لیجیے، چائے۔''

''شکریہ شکریہ بھئی! کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ شام کی چائے بیگم کے ہاتھ سے ملے اور مہدی حسن کی غزلیں ہوں تو دل اکثر رومانوی ہو جایا کرتا ہے۔''

شفیق صاحب نے جھومتے ہوئے چائے کا کپ لیا۔

''لیکن ابھی غزلیں بند کیجیے اور رومانوی ہونا بھی چھوڑ دیجیے، کیوں کہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' شکیلہ بیگم نے پلٹ کر کہا اور رکارڈ بند کیا۔

''اوہو بیگم یہ آپ کو ہمیشہ ضروری بات غزلوں کے درمیاں ہی کیوں یاد آتی ہے؟'' شفیق صاحب نے چڑ کر پوچھا۔

''آپ کا تو ہر وقت غزلوں کو لیے وقف رہتا ہے، ضروری بات کروں تو کب کروں آخر؟'' شکیلہ بیگم نے چڑ کر پوچھا۔

''بھئی عاشق مزاج آدمی ہیں ہماری زندگی تو شاعری اور غزلوں کے درمیاں ہی گزر گئی۔''

شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''لیکن جو زندگی درمیاں میں گزر رہی ہے اُس میں کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں جو آپ نے اور میں نے نبھانی ہیں۔'' شکیلہ بیگم نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ایسی کون سی ذمہ داری آن پڑی جس کی وجہ سے شہنشاہِ غزل کی غزلوں کو منسوخ ہونا پڑا؟'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''یا اللہ شفیق! میں اتنی اُردو نہیں برداشت کر سکتی۔''

شکیلہ بیگم نے بوکھلا کر کہا اور شفیق صاحب ہنس پڑے۔

''اچھا اچھا کہیے، کیا بات ہے؟''

''آصف کی عمر نکلی جا رہی ہے، آپ نے کچھ سوچا ہے اُس کے بارے میں یا نہیں؟''

شکیلہ بیگم نے پوچھا۔

''بھئی مجھے تمھاری یہ بات بہت بُری لگتی ہے، تمھیں ایسا لگتا ہے جیسے صرف تمھیں آصف کی فکر ہے اور مجھے نہیں۔ مجھے معلوم ہے اس کی عمر نکلی جا رہی ہے اور اس لیے ایک خوشخبری بھی ہے تمھارے

لیے۔‘‘ شفیق صاحب نے اطمینان بخش لہجے میں کہا۔

’’خوشخبری؟ وہ کیا؟‘‘ شکیلہ بیگم نے حیران کر پوچھا۔

’’آصف نے فیکٹری کی ذمے داری اٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ کام پر آرہا ہے، اب اور کیا چاہیے۔‘‘ شفیق صاحب نے خوش ہوکر بتایا۔

’’اچھا؟ یہ کب ہوا؟‘‘ شکیلہ بیگم نے حیران ہوکر پوچھا۔

’’کچھ دن پہلے کی ہی بات ہے، نجانے کیا ہوا جناب نے آکر کہا کہ وہ دفتر کے کام سنبھالیں گے۔‘‘ شفیق صاحب نے خوش ہوکر بتایا۔

’’چلیں یہ تو اچھی بات ہے لیکن میں اُس حوالے سے بات نہیں کررہی تھی۔‘‘ شکیلہ بیگم نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔

’’پھر؟‘‘ انھوں نے حیران ہوکر پوچھا۔

’’بچّے کی عمر نکلی جارہی ہے، آپ نے اس کی شادی کا سوچا ہے یا نہیں؟‘‘ انھوں نے اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’دیکھا! پھر شک کررہی ہو میری عقلمندی پر، ارے! میں نے آصف کے لیے لڑکی پسند کرلی ہے۔‘‘ شفیق صاحب نے مسکرا کر بتایا۔

’’آپ نے؟ پسند کرلی؟‘‘ شکیلہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔

’’ہاں بھئی تم بھی تو پیچھے لگی رہتی تھیں، لڑکی دیکھ لیں، لڑکی دیکھ لیں، سو دیکھ لی لڑکی۔‘‘ انھوں نے کندھیں اُچکا کر کہا۔

’’میری اجازت کے بنا آپ لڑکی بھی دیکھا آئے؟‘‘ شکیلہ بیگم نے حیران ہوکر پوچھا۔

’’شکیلہ! کیسی باتیں کررہی ہیں آپ! میں ایک بہادر انسان ہوں۔ کیا میں آپ کی اجازت کے بغیر کوئی فیصلہ کرسکتا ہوں؟‘‘ شفیق صاحب نے منہ بنا کر کہا۔

’’اچھا؟‘‘ شکیلہ بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

’’اوہو بھئی صرف دیکھی ہے ابھی، بات نہیں چلائی۔‘‘ شفیق صاحب نے جھنجلا کر کہا۔

’’کون ہے وہ؟‘‘ شکیلہ بیگم نے تنک کر پوچھا۔

’’ارے اپنے آفتاب بھائی نہیں ہیں؟ اُن کی چھوٹی بہن نجمہ پڑھی لکھی اور دکھنے میں بھی اچھی ہے، آصف کے ساتھ اچھی لگے گی۔‘‘ شفیق صاحب نے خوش ہوکر کہا۔

’’یہ نجمہ؟ اپنی ساجو آپا کی؟‘‘ شکیلہ بیگم نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ہاں، جوڑی اچھی ہے نا؟'' شفیق صاحب نے خوش ہوکر پوچھا۔
''بالکل بھی نہیں۔ بچّی پیاری ہے اور مولا اُس کے نصیب اچھے کریں لیکن آصف کے ساتھ تو اچھی نہیں لگے گی۔'' شکیلہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔
''مرا تجربہ کہتا ہے کہ وہ اچھی رہے گی۔'' شفیق صاحب نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔
''بالکل نہیں، کم از کم میری پسند کے آگے تو نہیں۔'' شکیلہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔
''تم نے بھی کوئی لڑکی دیکھی ہے؟'' شفیق صاحب نے چونک کر پوچھا۔
''شفیق...... بچّی کو آپ ایک نظر دیکھیں گے نا تو آپ بھی فدا ہو جائیں گے، اتنی پیاری اور اچھی ہے کہ بیاں نہیں کر سکتی۔'' شکیلہ بیگم نے خوش ہو کر بتایا۔
''دیکھو نجمہ ہو یا تمھاری والی ہمارا اتنا مسلہ نہیں ہے مگر تم آصف کو جانتی ہو، وہ کتنا ضدّی ہے۔'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔
''اس کی ضد میرے آگے نہیں چلے گی، کم از کم اب تو نہیں۔'' شکیلہ بیگم نے مضبوط لہجے میں کہا۔
''پر لڑکی ہے کون؟'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔
''زارا راشد نام ہے۔ اپنی تہمینہ کی بھانجی ہے۔'' شکیلہ بیگم نے بتایا۔
''اشرف کے گھر کی بات کر رہی ہو؟ ہمارے پڑوسی؟'' شفیق صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔
''جی۔'' انھوں نے مسکرا کر کہا اور شفیق صاحب قہقہہ لگانے لگے۔
''کیا ہوا؟ ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' شکیلہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔
''بھئی مجھے نہیں پتا تھا کہ تم ابھی بھی معصوم ہو، ارے آصف تو ویسے ہی چڑتا ہے ان لوگوں سے۔ دوستی تو دُور کی بات تم رشتے داری کے خواب دیکھ رہی ہو؟'' شفیق صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔
''اب نہیں چڑتا اور مجھے یقین ہے آصف کو میری پسند ضرور پسند آئے گی۔''
شکیلہ بیگم نے مضبوط لہجے میں کہا۔
''یہ کس پسند کی بات ہو رہی ہے امّی؟''
اچانک آصف کی آواز سُن کے دونوں میاں بیوی اُچھلے۔
''آصف! آصف! تم؟'' شکیلہ بیگم بوکھلا کر بولیں۔
''جی جی امی میں! پر آپ لوگ اتنے پریشان کیوں ہیں؟'' آصف نے حیرت کے عالم میں پوچھا۔
''آصف ادھر بیٹھو میرے پاس!''
شکیلہ بیگم نے اُس کا ہاتھ تھاما اور اپنے پاس بٹھایا۔

''جی امّی؟'' آصف نے بیٹھ کر پوچھا۔

''دیکھو آصف ہم لوگ اب ساری زندگی تو ساتھ نہیں رہیں گے، ہماری بھی عمریں ہوگئی ہیں، گھر کی دیکھ بھال، سامان، سودہ وغیرا، ان سب چیزوں کو سنبھالنے والا کوئی ہونا چاہیے نا۔ اور زندگی کا کیا پتا، آج ہیں کل نہیں۔''

شکیلہ بیگم نے Emotional Blackmail کرنے کی کوشش کی تو شفیق صاحب خوشی سے بول اُٹھے۔

''واہ کیا ایکٹنگ ہے۔''

شکیلہ بیگم نے انھیں گھورا۔

''آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں امّی؟'' آصف نے الجھ کر پوچھا۔

''میں کہہ رہی ہوں بیٹا کہ ہم کل رہیں نہ رہیں ہماری زندگیوں میں کیا رہا اب صرف اولاد کی خوشی ہی دیکھنا چاہتے ہیں...... بیٹا تم اگر شادی کرلو تو اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہوسکتی ہے۔'' شکیلہ بیگم نے اُسے پیار کر کے کہا اور آصف سر جھکا گیا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہونا؟'' انھوں نے پیار سے پوچھا۔

''جی امی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں شادی کے لیے راضی ہوں۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔

''سچ؟'' وہ خوش ہوکر بولیں۔ شفیق صاحب بھی خوش ہوگئے۔

''جی، میں نے لڑکی بھی دیکھ لی ہے۔'' آصف نے شرما کر بتایا۔

''کیا؟ لڑکی؟'' شکیلہ بیگم اُچھل پڑیں۔

''جی امّی۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''میں نہ کہتا تھا کہ نجمہ آصف کو پسند آئے گی۔ یہ دیکھ کر تو میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے کہ باپ اور بیٹے کی پسند ایک ہی ہے۔ تو آصف بتاؤ کب چلیں آفتاب بھائی کے گھر؟'' شفیق صاحب نے خوش ہوکر پوچھا۔

''ڈیڈی آپ سے کس نے کہہ دیا کہ مجھے نجمہ پسند ہے؟'' آصف نے حیران ہوکر کہا۔

''ہیں؟ تو گویا تین لڑکیاں اُمیدوار ہیں؟'' شفیق صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مجھے نہیں پتا کہ امی کی پسند کیا ہے لیکن پر میں نے ایک لڑکی پسند کرلی ہے۔'' آصف نے اپنے والدین کو دیکھ کر بتایا۔

''ہمیں نامنظور ہے۔'' شکیلہ بیگم بھڑک کر اُٹھیں۔

''امی میں فیصلہ کر چکا ہوں۔'' آصف نے خشک لہجے میں کہا۔

''بیٹا فیصلہ تو میں نے بھی نجمہ کا کیا تھا لیکن تمھاری ماں نے میرے فیصلے کو پھونک مار کر اُڑا دیا۔'' شفیق صاحب نے مظلومیت سے کہا۔

''تمھاری شادی وہاں ہوگی جہاں میں چاہوں گی۔'' شکیلہ بیگم نے اکڑ کر کہا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا امّی، یہ میری زندگی ہے میرا فیصلہ ہے۔'' آصف نے اٹھ کر کہا۔

''آخر کیا ہے ایسا تمھاری پسند میں جو میری پسند میں نہیں ہے؟'' انھوں نے تنک کر پوچھا۔

''مجھے آپ کی پسند کا علم نہیں لیکن میری پسند میں بہت خوبیاں ہیں اور اس گھر کے لیے وہی ٹھیک رہے گی۔'' آصف نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''میری پسند میں بھی بہت خوبیاں ہیں، نجمہ فارمیسٹ ہے اور ساتھ ساتھ نلکے بھی ٹھیک کر دیتی ہے۔'' شفیق صاحب نے معصومیت سے کہا۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے۔اب ہم کیا بہو سے نلکے ٹھیک کروائیں گے؟'' شکیلہ بیگم نے تنک کر شفیق صاحب سے کہا اور وہ خاموش ہو کر بیٹھے۔

''امی میں فیصلہ کر چکا ہوں۔'' آصف نے خشک لہجے میں کہا۔

''اور میں بھی فیصلہ کرُ چکی ہوں۔'' شکیلہ بیگم نے بھی جل کر کہا۔

''اور میں رکشہ کر چکا ہوں، فیکٹری جا رہا ہوں جب تم دونوں ماں بیٹے مان جاؤ تو مجھے بتا دینا۔'' شفیق صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ کہیں نہیں جا رہے۔'' شکیلہ بیگم نے انگلی دکھا کر کہا۔

''اوکے۔'' شفیق صاحب نے سر ہلایا اور جلدی سے واپس بیٹھ گئے۔

''امی کیوں ضد کر رہی ہیں۔ میں اُسے نہیں چھوڑ سکتا۔'' آصف نے جھنجلا کر کہا۔

''کیوں نہیں چھوڑ سکتے؟'' شکیلہ بیگم نے تنک کر پوچھا۔

''کیوں کہ میں اُس سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' آصف نے گڑبڑا کر بتایا۔

''کیا؟ محبت؟۔'' شکیلہ بیگم چونکی۔

''ہاں امی وہ وہی لڑکی ہے جس کا میں ساری عمر انتظار کرتا رہا، میں اُسے نہیں چھوڑ سکتا۔'' آصف نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''اور میں جس کو بہو بنانا چاہتی ہوں اُس سے میں محبت کرتی ہوں، کیا تمھیں میری محبت کا خیال نہیں؟'' انھوں نے بھی تنک کر پوچھا۔

''اور میں تم دونوں سے بلکہ نتاشہ سے بھی محبت کرتا ہوں، کیا تم لوگوں کو میری پرواہ نہیں؟'' شفیق صاحب نے جل کر کہا۔

''ڈیڈی پلیز! یہ مستی کا ٹائم نہیں ہے۔'' آصف نے جھنجلا کر کہا۔

''میرا خیال ہے یہی وہ لمحہ ہے جب مجھے سینہ پکڑ کر Heart-Attack کی اداکاری کرنی چاہیے۔'' شفیق

صاحب نے کہا اور سیدھی طرف سینا پکڑ کر بولے۔

''آئی!''

''دل اس طرف ہوتا ہے۔'' شکیلہ بیگم نے جل کر بائیں طرف اشارہ کیا۔

''اوہ سوری۔'' شفیق صاحب نے گھبرا کر کہا اور بائیں جانب سینے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''آئی!''

''ڈیڈی میرے پاس اس پچاس روپے کی ایکٹنگ کے لیے وقت نہیں ہے۔ بہر حال میں نے اپنا فیصلہ بتا دیا۔'' آصف نے اٹل جواب دیا۔

''میں نے بھی اپنا فیصلہ بتا دیا۔'' شکیلہ بیگم نے بھی مضبوط لہجے میں کہا۔

''تم دونوں لڑکی کا نام بتاوگے؟'' شفیق صاحب نے ماتھا پکڑ کر پوچھا۔

''زارا!''

آصف اور شکیلہ بیگم ایک ساتھ بولے اور چونک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''زارا؟ تہمینہ کی بھانجی؟'' شکیلہ بیگم نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ہاں اور آپ والی؟'' آصف نے الجھ کر پوچھا۔

''یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' شکیلہ بیگم نے شکر ادا کیا۔

''ارے واہ! مطلب تم دونوں کی ایک ہی پسند ہے؟'' شفیق صاحب نے جوش میں پوچھا۔

''جی، ایک ہی پسند ہے۔'' شکیلہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''تو نجمہ کا کیا ہوگا؟'' شفیق صاحب بڑبڑا کر سوچنے لگے۔

''بیٹا آصف مجھے تمھاری پسند قبول ہے۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اور مجھے آپ کی۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں بیٹے! مجھے تمھارا فیصلہ قبول ہے۔'' شکیلہ بیگم ہنس کر بولیں۔

''ارے امی آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے۔''

آصف نے بھی ہنستے ہوئے یہ جملے کہے اور وہ تینوں ہنسنے لگے۔ شکیلہ بیگم نے آصف کو گلے لگا لیا۔ شفیق صاحب بھی مسکرا کر ماں اور بیٹے کو دیکھنے لگے۔ ایسے میں نتاشہ دوڑی دوڑی آئی۔

''امی امی میں نے آصف بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈ لی ہے۔''

اس کی بات سُن کر تینوں قہقہ لگانے لگے اور نتاشہ پریشان ہو کر انھیں دیکھنے لگی۔

☆......☆

ایک خوبصورت رات روحیل مسکرا کر سوئمنگ پول میں اپنے پاوں ڈالے بیٹھا، سوئمنگ پول کے پانی کو تک رہا تھا۔ اُسے ہر جگہ سمیرا کا چہرا نظر آ رہا تھا۔ شاید شاید اُسے سمیرا سے محبت ہوتی جا رہی تھی اور کیوں نہ ہو محبت؟ وہ تھی بھی اتنی حسین۔ سمیرا میں کس چیز کی کمی ہے؟ سمیرا اگر رات کو نکل پڑے تو چاند شرما کے بادلوں میں چھپ جائے۔ اس کو سجنے سنورنے کی ضرورت ہی نہیں اُس کی حیا ہی اُس کا گہنا تھا۔ وہ اُس کا دیوانہ ہوئے جا رہا تھا، ویسے بھی حُسن والوں کی جھلک بھی تو کمال ہوتی ہے۔ شب کی تنہای میں اکثر روحیل اب سمیرا کی یادوں سے گفتگو کرنے لگا تھا۔

ایسے میں بالاج صاحب ہاتھ میں کتاب لیے گزرے تو اُن کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی تو چونک گئے۔ روحیل گُم سُم سوئمنگ پُول میں پاوں ڈالے بیٹھا تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر تھی اور وہ کسی گہرے خیالوں میں گُم نظر آیا۔ بالاج صاحب نے نفی میں سر ہلایا اور مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔ روحیل کو اُن کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔

''ہاں جی کیا ہو رہا ہے؟''

انھوں نے اپنے بیٹے کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا اور اپنے پاوں پانی میں ڈالے۔ روحیل نے چونک کر انھیں دیکھا اور نارمل ہو کر جواب دیا۔

''کچھ نہیں پوپس، پانی کو محسوس کر رہا ہوں، اچھا لگ رہا ہے۔''

''کیوں اس پانی میں تمھیں تمھاری نیّا پار ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے کیا؟'' انھوں نے مسکرا کر پوچھا اور روحیل ہنسنے لگا۔ اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا اور پوچھ بیٹھا۔

''یہ تو آپ بتائیں کہ نیّا پار ہوئی کے نہیں؟''

روحیل کے سوال پر بالاج صاحب مسکرانے لگے، ایک نظر اپنے بیٹے کو دیکھا اور دھیمے لہجے میں کہنے لگے۔

''میں نے آج تک زہرا کی اتنی شباہت کسی انسان میں نہیں دیکھی جتنی سمیرا میں ہے۔''

اُن کی بات سُن کر روحیل مسکرانے لگا اور سر جھکا کر پانی کو تکنے لگا۔

"تم جیت گئے۔"

بالاج صاحب کی بات سُن کر روحیل ہنس پڑا اور اپنے والد کو دیکھا۔

"اگر میں کہوں کہ ہم جیت گئے......How's that sound?۔"

"Sounds good to me۔" بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور روحیل ہنس پڑا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں باپ بیٹے میں؟"

ایسے میں زین کی آواز آئی اور اُن دونوں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم بھی آجاو باپ اور بھائی کے پاس۔"

بالاج صاحب نے ہنس کر کہا اور زین بھی ان کے برابر سوئمنگ پول میں پاوں ڈال کر بیٹھ گیا۔

"تو کیسی لگیں آپ کو روحیل کی دوست؟" بالاج صاحب نے مسکرا کر زین سے پوچھا۔

"بہت کوئی نک چڑی عورت ہے اللہ معاف کرے!" زین نے منہ بنا کر کہا۔

"ارے!" بالاج صاحب نے آنکھیں نکالیں۔ روحیل بھی ہنس کر اُسے دیکھنے لگا۔

"اوہ معاف کیجیے گا! میں سمجھا آپ سارہ کا پوچھ رہے ہیں۔"

زین نے ایکٹنگ کی اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔

"اگر آپ لوگوں کا اشارہ سمیرا بھابھی کی طرف ہے تو میں نے بھابھی کہہ دیا، کیا یہ کافی نہیں؟" زین نے مسکرا کر کہا۔

"چلو بھئی روحیل ایک اور ووٹ آ گیا۔" بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"قسم سے بھائی، بھابھی کو جتنی جلدی ہو سکے گھر لے آئیں۔" زین نے مچل کر کہا۔

"جانتا ہوں زین لیکن......"

روحیل کہ منہ سے نکلا اور وہ سوچنے لگا۔

"لیکن کیا؟" زین نے روحیل کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کسی کو گھر لانے میں مزہ تب ہے جب وہ انسان بھی گھر آنا چاہے میں سمیرا کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاوں گا۔" روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"اے لے! اتنی سی بات! ارے پگلے! اتنا اچھا لڑکا وہ بھی وکیل، کون ہاتھ سے جانے دے گا؟" زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

"نہیں زین، میں پہلے اُس سے پوچھوں گا، وہ شادی کرنا چاہتی بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہاں کرے گی تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ نہیں چاہتی تو بس۔" روحیل نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''بھائی آپ یہ ناسیوینٹی کی فلموں کے ہیرو بننا بند کرو اور جاؤ جا کر بہو کو گھر لے کر آؤ۔'' زین نے چڑ کر کہا۔

''روحیل ٹھیک کہہ رہا ہے زین، سمیرا کی مرضی بہت ضروری ہے۔'' بالاج صاحب نے اطمینان سے جواب دیا۔

''پوپس آپ بھی؟'' زین نے ہاتھ چلا کر پوچھا۔

''ہاں میں بھی۔ یہ بہت ضروری ہے کہ سمیرا اپنی مرضی سے اس گھر میں آئے۔ کیوں کہ وہ اپنی مرضی سے اس گھر میں آئے گی تو مجھے بیٹی بھی ملے گی، بہو بھی اور تمھیں بھابھی بھی۔''

انھوں نے اُسے دیکھ کر سمجھایا اور زین سوچنے لگا۔

''روحیل...... تمھیں جتنا وقت چاہیے لے سکتے ہو، جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤ۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"I love you Pops!"۔ روحیل نے پیار سے اپنے والد کو دیکھ کر کہا۔

"I love you Pops!"۔ زین نے بھی مسکرا کر کہا۔

"And I love you both"۔

بالاج صاحب نے بھی مسکرا کر کہا اور اپنے بیٹوں کو گلے لگا لیا۔ بالاج خاندان سمیرا کو استقبال کرنے کے لیے ہر طرح سے تیار تھا۔ اب اس گھر میں صرف سمیرا کی کمی تھی صرف سمیرا کی۔

ایسے میں خان بابا چلتے ہوئے آئے۔

''بڑے صاحب، شفیق صاحب اپنے خاندان کے ساتھ آئے ہیں۔''

''ارے! شفیق آیا ہے۔'' بالاج صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''مر گئے بیٹا مامی بہت سُنانے والی ہیں۔'' روحیل نے خوف زدہ ہو کر زین کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں بھائی۔''

زین بھی گھبرا گیا اور ہال کی طرف دیکھا۔ ابھی وہ ہال میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ نتاشہ دوڑتی ہوئی آئی۔

''پھوپا صاب۔'' وہ یہ کہہ کر بالاج صاحب کے گلے لگی۔

''ارے ارے ارے میری گڑیا!'' بالاج صاحب نے اُسے سینے سے لگایا۔ اُن سب نے دیکھا، شفیق صاحب، آصف اور شکیلہ بیگم اندر کی طرف آ رہے ہیں۔

''السلام علیکم ماموں! آج ہمارے گھر کا رستہ کیسے یاد آ گیا؟'' روحیل نے شفیق صاحب کو گلے لگاتے

ہوئے کہا۔

''بھائی پھنسانے والی باتیں خود آپ کرتے ہیں اب دیکھو مامی کیسے گھور کر دیکھ رہی ہیں۔''

زین نے آصف سے ملتے ہوئے کہا اور روحیل نے بوکھلا کر دیکھا، شکیلہ بیگم خونخار نظروں سے روحیل اور زین کو گھور رہی تھیں۔

''مامی جان! سوری!'' روحیل نے اپنے کان پکڑے۔

''آصف! کہہ دو دونوں کو میں ان کی ایک نہیں سُنوں گی۔'' شکیلہ بیگم نے ناراض ہو کر کہا۔

''بھئی امی کہہ رہی ہیں وہ آپ دونوں کی ایک نہیں سُنیں گی۔'' آصف نے ہنس کر کہا۔

''مامی مای مامی مامی پلیز معاف کر دیں!'' زین نے ان کے پاس جا کر کہا۔

''ہاں مامی، غلطی ہو گئی اب سے ہفتے میں ایک چکّر تو لگا ئیں گے ہی۔''

روحیل نے بھی ان کے پاس جا کر کہا۔

''اچھا صرف ایک چکّر!'' شکیلہ بیگم نے ایک دم سے زین اور روحیل کے کان پکڑ لیے۔

''آوچ! مامی مامی! دو چکّر! اچھا تین تین تین!'' زین چلایا۔

''مامی میرے بھی چار چکّر لکھ لیں!'' روحیل نے تکلیف میں کہا۔

''دیکھ رہے ہیں بھائی صاحب آپ! آپ کے دونوں صاحبزادے چکّر باز ہو گئے ہیں۔'' شکیلہ بیگم نے منہ بنا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''بھئی یہ دونوں تو اب مجھے چکّر دینے لگے ہیں۔'' بالاج صاحب نے ہنس کر کہا۔

''جو بھی ہوں، ہیں تو میرے بچّے۔'' شکیلہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''مامی!'' روحیل اور زین دونوں ان کے گلے لگے۔

''آؤ بھئی بیٹھو۔''

بالاج صاحب نے اُن سب کو بیٹھنے کے لیے کہا اور وہ سب صوفے پر بیٹھ گئے۔ زین صوفے کے سرہانے پر بیٹھا جب کہ روحیل اپنی مامی کے قدموں کے پاس بیٹھا تھا۔

''بھئی بالاج ویسے تو ہم اپنے بھانجوں کے ماموں ہیں لیکن جتنا یہ دونوں شکیلہ کے دوست ہیں اُتنے ہمارے نہیں۔'' شفیق صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''کر دی نا ماموں والی بات! میں تو آپ کا بچپن کا یار ہوں۔'' زین نے ان کے پاس بیٹھ کر کہا۔

''زین بھائی ٹوپی کم!'' نتاشہ نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''موٹی تُو نہیں سدھرے گی۔'' زین نے اُٹھتے ہوئے کہا اور نتاشہ کے پیچھے دوڑا۔

''آہ! روحیل بھائی بچاؤ!'' نتاشہ روحیل کے پیچھے چھپی۔

''پرے دُور، دُور!''

روحیل نے نتاشہ کو بچاتے ہوئے زین کو اشارہ کیا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''شکیلہ یہ بہت اچھا کیا جو تم آج سب کو لے کر گھر آ گئیں۔ سچ پوچھو تو مزہ آ گیا ہے۔'' بالاج صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''بالکل بھائی صاحب، آپ سب کی یاد اتنی آئی کہ چلے آئے۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اب کام کی بات بھی کہہ دو!'' شفیق صاحب نے ہاتھ لہرا کر کہا۔

''مامی! یعنی آپ کے آنے کے پیچھے مطلب بھی ہے۔ ویری بیڈ!''

زین نے انھیں جھوٹ موٹ کا ڈانٹا۔

''ایسا ویسا مطلب ہے؟ سنو گے تو خوشی سے پاگل ہو جاؤ گے؟'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''مبارک ہو بھائی!'' ایک دم سے زین روحیل کو دیکھ کر چلایا۔

''مبارک کس بات کی؟'' روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

''نتاشہ کا چھوٹا بھائی آنے والا ہے۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ہٹ! بے شرم!''

شکیلہ بیگم نے اُس کے سر پر ہاتھ مارا اور سب ہنسنے لگے۔

شفیق صاحب اس لمحے ہنس ہنس کر لال ہو گئے۔

''زین بدتمیزی کم کرو!'' بالاج صاحب نے ہنستے ہوئے اُسے ڈانٹا۔

''تو پھر ایسا کیا ہے کہ ہم خوشی سے پاگل ہو جائیں گے؟'' زین نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ڈیڈی میں ابھی آیا۔'' آصف نے شرما کر کہا۔

''تم کہاں چلے! بیٹھو اور سُنو!'' شفیق صاحب نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا۔

''کیا بات ہے شکیلہ؟'' بالاج صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''بھائی صاحب! آپ کے آصف نے لڑکی پسند کر لی ہے۔'' شکیلہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''ارے واہ! یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔'' بالاج صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''لڑکی کون ہے مامی؟'' روحیل نے مامی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ہمارے برابر والے ہے نا! اشرف بھائی اور تہمینہ؟ اُن کی بڑی بھانجی زارا راشد......''

''کیا!''

روحیل اُچھل پڑا! شکیلہ بیگم حیرت کے عالم میں اُسے دیکھنے لگیں۔
''آپ نے؟ آپ نے زارا کو پسند کیا ہے؟'' روحیل حیرت کے عالم میں بولا۔
''تم جانتے ہو اُسے؟'' شکیلہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔
''ارے! میں جو فائل دینے آیا تھا آپ کے ہاں تو میری ملاقات اشرف صاحب سے ہوئی وہ مجھے چائے پر اندر لے گئے۔ وہاں میری ملاقات ہوئی تھی۔ زارا سمیرا اور ثمینہ تینوں بہنیں ہیں۔''
روحیل نے جوش میں بالاج صاحب کی طرف دیکھ کر بتایا اور بالاج صاحب بھی اُس کا مطلب سمجھ کر حیران رہ گئے۔
''اس کا مطلب سمیرا بھابھی مم میرا مطلب زارا بھابھی، سمیرا کی بہن ہیں۔'' زین بڑبڑایا۔
''ہاں تین بہنیں ہیں۔ لاہور میں رہتی تھیں اب کراچی آ گئی ہیں۔ نسیمہ کی بیٹیاں ہیں، میں نسیمہ اور تہمینہ کو تو کافی عرصے سے جانتی ہوں۔ نسیمہ اور ان کے شوہر کسی حادثے میں جاں بحق ہو گئے اس لیے بچّیاں یہاں ہیں اشرف بھائی کے گھر۔'' شکیلہ بیگم نے تفصیل سے سمجھایا۔
"What a brand new information"۔ زین نے سر ہلا کر روحیل کی طرف دیکھا اور وہ جلنے لگا۔ کیوں کہ یہ باتیں روحیل پہلے ہی اُسے بتا چکا تھا۔
''زین!'' روحیل نے اُسے گھورا اور بولا۔
''مامی میں بتا نہیں سکتا کہ مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، زارا بہت اچھی لڑکی ہے''
''ہے نا؟'' شکیلہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔
''بھئی ہم نے تو بس ابھی تک تعارف سُنا ہے شکل تو دیکھی ہی نہیں۔'' شفیق صاحب نے منہ بنا کر کہا۔
''ڈیڈی آپ دیکھیں گے نا تو دیکھتے رہ جائیں گے۔'' آصف نے دھیرے سے کہا۔
''اوہو! دلہے میاں تو ابھی سے دیوانے ہو گئے۔''
زین اور روحیل نے مستی میں آصف کو چھیڑا اور سب ہنسنے لگے۔
''چلو یہ تو اچھی بات ہے لیکن یہ بتاؤ کہ اب شادی کب ہے؟'' بالاج صاحب نے خوش ہو کر پوچھا۔
''اسی سلسلے میں آپ کے پاس آئی ہوں بھائی صاحب۔'' شکیلہ بیگم نے پیار سے کہا۔
''کہو شکیلہ؟'' انھوں نے کہا۔
''ہم نے ابھی تک رشتہ نہیں دیا ہے، چاہتی ہوں آپ بھی ہمارے ساتھ اشرف بھائی کے گھر چلیں۔'' انھوں نے پیار سے التجا کی۔
''چلیں گے۔ چلیں گے۔ بلکہ پوپس تو دوڑ کے جائیں گے اور روحیل بھائی تو جہاز لے

کر پہنچیں گے۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا اور روحیل جل کر رہ گیا۔
''ارے بھئی پر میری کیا ضرورت؟ تم دونوں والدین ہو بہتر فیصلہ تم لوگ کر سکتے ہو۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔
''بالاج! تم ہمارے گھر کے بڑے ہو اور ہم آصف کا فیصلہ تمھارے بغیر نہیں کریں گے۔'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔
''ہاں بھائی صاحب! آپ کا چلنا بے حد ضروری ہے۔'' شکیلہ بیگم نے پیار سے کہا اور بالاج صاحب مسکرانے لگے۔
''تو چل رہے ہو؟'' شفیق صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔
''ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔'' بالاج صاحب نے پیار سے جواب دیا۔
"Yeah!!"۔ روحیل، زین اور نتاشہ تینوں چلائے اور سب ہنس کر انھیں دیکھنے لگے۔
''پر میری ایک شرط ہے بھئی!'' بالاج صاحب نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔
''جی جی حکم کیجیے۔'' شکیلہ بیگم نے پیار سے پوچھا۔
''باراتیوں کا سواگت پان پراگ سے کیا جائے۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔
''کیا؟'' شکیلہ بیگم چونکی اور زین خوشی سے بولا۔
''وہ مامی ایک اشتہار آتا تھا نا پچاس ساٹھ سال پہلے! اُس میں شمّی کپور......''
''زین اپنی چونچ بند رکھو خدا کا واسطہ۔''
روحیل نے ہاتھ جوڑ لیے اور سب ہنسنے لگے۔
''بھئی میں تو صرف اتنا کہہ رہا ہوں ک آصف کی شادی میں میں اور شفیق شیروانی پہنیں گے وہ بھی ایک جیسی!'' انھوں نے مسکرا کر کہا۔
''چلو ڈن ہوا!'' شفیق صاحب نے فیصلہ کیا۔
''پھوپا صاب اور میرے کپڑے؟'' نتاشہ مچل کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
''ارے ہماری گڑیا کو جو پسند ہو وہ لے گی۔ نتاشہ کی شوپنگ کی ذمے داری میری ہے۔'' بالاج صاحب نے اعلان کیا۔
''تالیاں!'' روحیل نے ہاتھ اُٹھا کر کہا اور سب نے تالیاں بجائیں۔ نتاشہ بے انتہا خوش ہوگئی۔
''کیا بات ہے۔ نتاشہ تمھارے تو مزے آ گئے!'' زین نے اُسے دیکھ کر کہا۔
''جلیں جلیں!'' نتاشہ نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''لیکن یہ نیک کام کرنا کب ہے؟'' شفیق صاحب نے سب کو دیکھ کر پوچھا۔
''جیسا بھائی صاحب کہیں، انکا کیلنڈر کب اجازت دیتا ہے؟'' شکیلہ بیگم نے پیار سے بالاج صاحب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
''روحیل؟ میرا کونسا دن فری ہے؟'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
''پوپس اس ہفتے تو دفتر میں آپ کی Arbitration hearings ہیں، جمعہ کا دن ہی فری ہے۔'' روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔
''ہاں اور جمعہ کا دن مبارک بھی ہوتا ہے۔'' بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔
''بس ٹھیک ہے، جمعہ کو آٹھ بجے ہم اشرف بھائی کے گھر ہی چلیں گے۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔
''مامی استخارہ نہیں کریں گی؟'' زین نے الجھ کر پوچھا۔
''استخارہ اُس صورت میں ہوتا ہے جب آپ کو کسی فیصلے پر شک ہو۔لیکن یہاں ہمیں تو کوئی شک و شبہ ہے ہی نہیں۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔
''بالکل صحیح بات ہے، ساتھ ساتھ آصف اور میری گواہی بھی موجود ہے۔'' روحیل نے اپنی مامی کی بات کی تائید کی۔
''لیکن امی ہم ایسے ان کے ہاں ہلہ بول دیں! وہ بچارے تیّاری کیسے کریں گے؟'' آصف نے پریشان ہوکر پوچھا۔
''آئے ہائے! کیسی فکر ہورہی ہے ابھی سے سسرال کی، مامی بیٹا ہوا پرایا!'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔
''آصف اس کی فکر نہیں کرو، ہم کھانا اشرف صاحب کے گھر کھائیں گے لیکن کیٹرنگ میں پہلے سے ہی ارینج کرلوں گا۔اس طرح اُن پر کوئی لوڈ نہیں ہوگا۔'' روحیل نے مشورہ دیا۔
''لیکن بھائی میرے منہ میں خاک! نہیں نہیں میرا مطلب میرے منہ میں خاک! اگر انھوں نے منع کردیا تو؟'' زین نے ہاتھ اُٹھا کر پوچھا۔
''کھانا ضائع۔'' نتاشہ نے منہ بنا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔
''نہیں مجھے پُورا یقین ہے کہ وہ لوگ ہاں کریں گے اور اللہ نہ کرے انکار بھی ہوا تو اُسی رات تھوڑی نا انکار کریں گے۔'' شکیلہ بیگم نے جواب دیا۔
''ہاں صحیح بات ہے، یا تو ہاں کریں گے یا پھر استخارہ دیکھنے کے لیے کہیں گے۔'' شفیق صاحب نے جملہ دیا اور سب ہنسنے لگے۔

''مجھے نہیں لگتا کہ وہ انکار کریں گے، آصف جیسا لڑکا انھیں کہاں ملے گا۔'' بالاج صاحب نے آصف کی تعریف کی۔

''مگر پوپس فرض کریں لڑکی کسی اور سے پیار کرتی ہو تو؟'' زین نے آنکھ مار کر کہا اور آصف گھبرا گیا۔

''نہیں مجھے نہیں لگتا ایسا ان شاءاللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''مگر بھائی!'' زین کہنے ہی والا تھا کہ سب ایک ساتھ بولے۔

''ارے چُپ!''

زین بوکھلا گیا اور سب ہنسنے لگے۔

''زین! یہ اچھی بات ہے کہ ہر پہلو سوچنا چاہیے لیکن جب کوئی قدم زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے اُٹھاؤ تو ہمیشہ Positive سوچنا چاہیے۔'' بالاج صاحب نے اُسے پیار سے سمجھایا۔

''سمجھ گیا پوپس!'' زین نے مسکرا کر کہا۔

''آصف تم اس کی باتیں سُن کر اپنا BP ہائی مت کر لینا۔''

روحیل نے ہنس کر کہا اور آصف پھیکی ہنسی ہنسنے لگا۔

''چلو کھانا تو ڈن ہوا۔لیکن مٹھائی بھی تو لے کر جانی ہوگی۔'' شفیق صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ماموں مٹھائی لے کر گئے نا تو وہ لوگ سمجھ جائیں گے۔ہم دیں گے فُل سرپرائز!''

زین نے مچل کر کہا۔

''ہاں! مٹھائی بھی بعد میں آئے گی اور کھانا بھی۔'' روحیل نے بھی ہاں میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے، یہ بھی صحیح ہے۔'' شفیق صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''آصف نے تو خیر مجھے سُنیل دت کی یاد دلا دی۔'' بالاج صاحب نے ہنس کر کہا۔

''کیوں پوپس؟'' روحیل نے ہنس کر پوچھا۔

''یار وہ کون سا گانا تھا؟'' بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا پھر گانے لگے۔

''میرے سامنے والے کھڑکی میں ایک چاند کا ٹکڑا رہتا ہے۔''

'بالاج صاحب کا گانا تھا کہ سب ہنسنے لگے۔

''میرے سامنے والی کھڑکی میں ایک چاند کا ٹکڑا رہتا ہے۔افسوس یہ ہے کہ وہ ہم سے کچھ اُکھڑا اُکھڑا رہتا ہے۔'' بالاج صاحب نے گایا۔

''سب بولو!'' زین نے اعلان کیا اور اٹھ کر ناچنے لگا۔

''میرے سامنے والی کھڑکی میں ایک چاند کا ٹکڑا رہتا ہے۔افسوس یہ ہے کہ وہ ہم سے کچھ اُکھڑا

اُکھڑا رہتا ہے۔''

زین ناچتے ہوئے گانے لگا اور وہ سب تالیاں بجانے لگے۔ ایسے میں اس نے نتاشہ کا ہاتھ پکڑا اور وہ بھی اُٹھ کر زین کے ساتھ ڈانس کرنے لگی۔ گھر میں شادی کا ماحول تو ابھی سے بن گیا۔ آصف مسکرا کر سب کو دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ جو بات زین نے کہی وہ غلط ہو۔ وہ زارا کو اب کسی قیمت پر کھو نہیں سکتا تھا۔ آصف کی شادی خوشی کی ایک لہر لے کر ان کے گھر میں آئی تھی جسے حاصل کر کے وہ سب بہت خوش تھے۔ بہت خوش۔

☆......☆

اشرف صاحب کے گھرانے کو اس لمحے بالکل بھی آئیڈیا نہیں تھا کہ شفیق صاحب اور بالاج صاحب کا گھرانہ کیا کھچڑی بنا رہا ہے۔ وہ بے چارے اپنی زندگی خاموشی سے بسر کر رہے تھے۔ جب کہ شکیلہ بیگم رشتہ لے جانے کی تیّاریوں میں مصروف تھیں۔ زین کی باتیں ابھی بھی آصف کے دماغ میں گُونج رہی تھیں اور وہ یہی سوچ جا رہا تھا کہ اگر زارا نے انکار کر دیا تو؟ بہر حال جو خدا کو منظور لیکن اگر زارا نے انکار کر دیا تو؟ اسی کشمکش میں اُس کے دن گزرنے لگے۔ دوسری طرف روحیل بھی بے چینی کے عالم میں انتظار کر رہا تھا اُس پل کا جب وہ اتنا بڑا سرپرائز اشرف صاحب کی فیملی کو دیں گے اور وہ سمیرا کا چہرا خوشی سے دمکتا ہوا دیکھ سکے گا۔

آخر کار وہ رات بھی آئی جب اُن لوگوں نے رشتہ لے کر جانا تھا۔

''کرم مانگتا ہوں! عطا مانگتا ہوں الٰہی میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں!''

نزرل برتن دھوتے ہوئے نعت پڑھ رہا تھا۔ کوثر نے حیران ہو کر نزرل کی طرف دیکھا۔

''کرم مانگتا ہوں! عطا مانگتا ہوں الٰہی میں تجھ سے دعا مانگتا ہوں!''

نزرل اپنی ہی دھن میں نعت پڑھتا رہا۔

''ارے! بھئی کیا بات ہے نزرل؟ آج نعت پڑھی جا رہی ہے؟ سب خیریت تو ہے؟ یہ اتنی بڑی تبدیلی کہاں سے آ گئی۔'' کوثر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کوثر صاب آج جمعہ کی نماز کے بعد سے طبیعت بہت اسلامی ہو رہی ہے۔''

نزرل نے خوش ہو کر بتایا۔

''یہ تو اچھی بات ہے کہ نمازیں اب اثر کر رہی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ دعائیں بھی قبول ہو رہی ہیں۔'' کوثر نے خوش ہو کر کہا۔

''آپ بھی پڑھیں، بڑا سکون ملے گا!'' نزرل نے دانت نکال کر کہا۔

''اچھا یہ بات ہے۔ چلو!''

کوثر نے خوش ہو کر کہا اور نزرل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے لگا۔

'''کرم مانگتا ہوں! عطا مانگتا ہوں الٰہی میں تجھ سے، دعا مانگتا ہوں!''

''کوثر! نزرل! آواز آہستہ بھئی۔''

اشرف صاحب نے ہال میں سے ڈانٹا، اس وقت وہ آرام سے بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

''یہ آپ لوگوں کا کیا نعت کا مقابلہ ہو رہا ہے؟''

ثمینہ نے مڑ کر پوچھا وہ اپنا موبائل استعمال کر رہی تھی۔

''بھئی مقابلہ جیسا بھی ہو، پر ہونا چاہیے۔ ویسے بھی ویک اینڈ شروع ہو گیا ہے، کچھ نا کچھ تو ہونا چاہیے......'' کوثر نے کچن سے نکل کر کہا۔

''کوثر ٹھیک کہہ رہا ہے اشرف! چلیں کہیں باہر چلتے ہیں کھانا کھانے۔'' تہمینہ بیگم نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں آنی! آج دل نہیں ہو رہا کچھ پکانے کا۔'' زارا نے بھی تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے پر کہاں چلیں؟'' اشرف صاحب نے پیار سے پوچھا۔

''سجاد کی کڑاہی کھاتے ہیں۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں اچھا ہے لیکن سمندر سے دُور ہو جائیں گے۔'' کوثر نے سوچتے ہوئے کہا۔

''حد ہوتی ہے، آپ کو کھانا کھانا ہے یا سمندر پر جانا ہے؟'' ثمینہ نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''دونوں۔'' کوثر نے دانت نکال کر کہا۔

''چلو پھر سمندر کی طرف چلتے ہیں، زارا تم سمیرا کو بول آؤ کے تیار ہو جائے۔'' اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''اوکے خالو جان۔''

یہ کہہ کر زارا اُٹھ کھڑی ہوئی اوپر کی طرف چلی گئی۔

زارا نے کمرے میں جا کر دیکھا تو سمیرا نظر نہیں آئی۔ اس نے بالکونی کی طرف نظر دوڑائی تو سمیرا کو خاموشی سے باہر کا نظارہ کرتے ہوئے پایا۔

''سمیرا آؤ، کھانا کھانے جا رہے ہیں''

زارا نے اُسے آواز دی مگر سمیرا نے کوئی جواب نا دیا۔ زارا سمجھ گئی کہ اس کی چھوٹی بہن ابھی تک اُس سے ناراض ہے۔ وہ گہرا سانس لے کر سمیرا کے پاس چلی۔

''سمیرا؟''

زارا نے اطمینان سے اُس کا نام لیا مگر سمیرا خاموش رہی۔
''ناراض ہو مجھ سے؟'' زارا نے پیار سے پوچھا۔
''نہیں۔'' سمیرا نے مختصر جواب دیا۔
''سمیرا میری جان میں جانتی ہوں کہ میرا لہجہ تلخ تھا لیکن میں، میں ہمیشہ تیرے بھلے کے لیے کہتی ہوں۔'' زارا نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
''جانتی ہوں آپی مگر...... میرے لیے آج تک...... کبھی کچھ بھلا نہیں ہوا آپی۔'' سمیرا نے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔
''غلط بات۔ ہم ایک چھت کے نیچے ہیں، ہمیں اتنا پیارا گھر مل گیا، منزل تک پہنچنے کے لیے راستہ مل گیا، خدا کا شکر ادا کرو سمیرا یہ نعمتیں ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتیں۔''
زارا نے پیار سے اُسے سمجھایا اور سمیرا سوچنے لگی۔
''روحیل اچھا لڑکا ہے...... وہ تمھارا ساتھ چاہتا ہے تو اُسے ساتھ دو...... پریشانی نہیں، جو بیت گیا اُسے تو روحیل بھی نہیں مٹا سکتا لیکن وہ تجھے ایک بہتر مستقبل ضرور دے سکتا ہے۔'' زارا نے پیار سے کہا اور سمیرا سوچنے لگی۔
''چلو، اب اتنا پریشان نہیں ہو، کھانا کھانے باہر جا رہے ہیں، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''
زارا نے مسکرا کر کہا اور سمیرا سر ہلا کر رہ گئی۔
اشرف صاحب کے گھر کی بیل بجی۔
''ثمینہ دیکھو کون آیا ہے۔''
تہمینہ بیگم نے ثمینہ کو آواز دی اور وہ اٹھ کر دروازے کی طرف چلی۔ اس نے دروازہ کھولا اور دیکھا، ایک خاتون بنارسی ساڑھی میں، ایک سولہ سال کی لڑکی کے ساتھ کھڑی ہیں۔ لڑکی نے بھی خوبصورت جوڑا پہنا ہوا ہے۔ ان کے پیچھے ایک صاحب ہیں جو کُرتا شلوار میں موجود ہیں اور فارمل شرٹ پینٹ میں ایک لڑکا موجود ہے۔
''جی؟'' ثمینہ نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔
''تم تم ثمینہ ہو نا؟'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔
''جی۔'' ثمینہ نے سر ہلایا۔
''بہت پیاری ہو ماشا اللہ۔ تہمینہ اور اشرف بھائی موجود ہیں؟'' انھوں نے پیار سے پوچھا۔
''ارے! بھابھی......!''

تہمینہ بیگم کی چہکتی ہوئی آواز آئی اور وہ قریب قریب دوڑتی ہوئی آئیں۔

''کیا بات ہے اتنی حسین ساڑھی! السلام علیکم!......''

تہمینہ بیگم نے خوش ہو کر کہا اور ان کے گلے لگ گئیں۔

''کیسی ہو تہمینہ؟'' انھوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں، آج تو نتاشہ بھی آئی ہیں بھئی۔'' تہمینہ بیگم نے نتاشہ کو پیار کیا۔

''کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟'' شفیق صاحب نے اخلاق سے پوچھا۔

''بھائی صاحب آپ ہی کا گھر ہے، ہم تو کرائے دار ہیں۔''

تہمینہ بیگم نے ہنس کر یہ جملے کہے اور اُن کی بات سُن کر سب ہنسنے لگے۔ تہمینہ بیگم، شکیلہ بیگم کا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف چلیں۔

''اشرف؟ اشرف دیکھیں کون آیا ہے''

''ارے شفیق بھائی آج کہاں سے راستہ بھول پڑے؟''

اشرف صاحب نے صوفے سے اُٹھ کر کہا اور اُن سے بغل گیر ہوئے۔

''بس سوچا چل کر پڑوسیوں کا حال دریافت کرلوں۔'' شفیق صاحب نے گلے لگے ہوئے کہا۔

''آیئے آیئے۔ آؤ آصف، کیسے ہو میاں؟'' اشرف صاحب نے پیار سے پوچھا۔

''اچھا ہوں انکل۔'' آصف نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آیئے بیٹھیے۔'' اشرف صاحب انھیں ہال میں لے کر آئے تو کوثر نے اُٹھ کر سلام کیا۔

''السلام علیکم''

''کوثر تمھارا بھتیجا ہے نا؟'' شفیق صاحب نے اشرف صاحب کو دیکھ کر پوچھا۔

''جی جی میرا بھتیجا ہے۔'' اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''کیسے ہو کوثر میاں؟'' شفیق صاحب نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھا شفیق صاحب۔'' کوثر نے انکساری کے ساتھ جواب دیا اور آصف سے ہاتھ ملایا۔

''میں تو آج بھابھی کی بنارسی ساڑھی دیکھ کر حیران ہوں، ماشاءاللہ کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔'' تہمینہ بیگم نے شکیلہ بیگم کی تعریف کی۔

''بس کیا بتائیں انکے حُسن کے معیار میں تسلسل رہے اس لیے جیب تو اس بڈھے کی خالی ہوتی ہے۔'' شفیق صاحب نے معصومیت سے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''لیکن آج تو آپ بھی غضب لگ رہے ہیں شفیق صاحب، ویسے کہاں کی تیاری تھی؟ کہیں شادی میں

جا رہے تھے آپ لوگ کیا؟'' اشرف صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں بھئی ہم تیار ہو کر تمھارے گھر ہی آئے ہیں۔'' شفیق صاحب نے ہنس کر بتایا۔

''بھائی صاحب! اب آئے ہیں تو کھانا کھا کر ہی جائیں گے۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں ہاں بالکل کیوں نہیں۔''

اشرف صاحب نے پیار سے یہ جملے کہے اور نظروں ہی نظروں میں تہمینہ بیگم سے پوچھا کیا کرنا ہے؟ تہمینہ بیگم بھی اُنہی کو دیکھنے لگیں۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا اور وہ تو خود کہیں باہر کھانا کھانے جا رہے تھے۔ شکیلہ بیگم نے یہ جملہ مزے کے لیے کہا کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ روحیل نے پہلے سے ہی سارا انتظام کیا ہوا ہے۔

''لیکن ابھی نہیں، کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں کسی کا انتظار ہے۔''

شفیق صاحب نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

''کس کا شفیق بھائی؟'' اشرف صاحب نے الجھ کر پوچھا۔

''بس کوئی آنے والا ہے۔'' شفیق صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''پہلی بار کسی کے گھر رشتہ لے کر جا رہا ہوں، بڑا مزہ آ رہا ہے۔''

زین نے اشرف صاحب کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر کہا۔

''کیوں؟ تمھیں کیوں مزہ آ رہا ہے؟'' روحیل نے برابر کھڑے ہوئے پوچھا۔

''میں نے آج تک رشتہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں نا! اس لیے مزہ آئے گا۔'' زین نے خوش ہو کر کہا۔

''بکواس بند کرو۔'' روحیل نے منھ بنا کر کہا اور اپنا کوٹ صحیح کیا۔

''ویسے بھائی آپ کا انٹرسٹ تو اندر موجود ہے، آصف بھائی کا بھی۔ میں تو بس رشتے داری نبھانے آیا ہوں۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''اچھی بات ہے نا، کبھی کبھی شرافت سے بھی کہیں چلنا چاہیے۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''تو آپ کا کام کر رہا ہوں میں۔'' زین نے اترا کر کہا۔

''یہ تم دونوں کیا کانا پھونسی کر رہے ہو؟ بیل بجاؤ۔''

بالاج صاحب چلتے ہوئے ان کے پیچھے آئے اور زین کو ڈانٹا۔ زین نے گھبرا کر بیل بجائی۔ کچھ ہی پل گزرے ہوں گے کہ ثمینہ نے دروازہ کھولا اور ثمینہ کو دیکھتے ہی زین دنگ رہ گیا۔ یہ تو وہی لڑکی تھی جو اُس دن کالج بس میں اُسے نظر آئی تھی، جو بس سے اُتر کر اپنی سہیلیوں سے باتیں کر رہی تھی، وہی حسین دوشیزہ، زین کی آنکھیں پھٹ پڑیں اور منھ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دوسری طرف ثمینہ نے بھی اس کو دیکھا اور

پہچان گئی۔

''آپ! آپ تو وہی چھچھورے ہیں؟'' ثمینہ نے اشارہ کر کے کہا۔

''جی؟'' زین چونکا۔

''اہم کچھ نہیں۔'' ثمینہ گھبرا کر بولی۔

''کیسی ہو ثمینہ؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''ٹھیک ہوں روحیل بھائی! آپ یہاں کیسے؟'' ثمینہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

''بس کچھ ضروری کام سے چلے آئے۔''

روحیل نے مسکرا کر کہا۔ ثمینہ مسکرائی اور زین کی طرف دیکھا تو بُرا سا منھ بنایا۔ زین ابھی بھی اُسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔

''بالاج صاحب؟ بالاج صاحب آپ!''

اشرف صاحب نے اندر سے بالاج صاحب کو دیکھ لیا اور دھک سے رہ گئے...... وہ قریب دوڑے ہوئے آئے۔

''کیسے ہو اشرف؟'' بالاج صاحب نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''بالاج صاحب؟ میری کیا حیثیت کے آپ میرے گھر آئے؟ میں کس طرح آپ کا استقبال کروں؟'' اشرف صاحب نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں اشرف۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''تہمینہ! تہمینہ دیکھو بالاج صاحب آئے ہیں۔''

اشرف صاحب نے جوش کے عالم میں اپنی بیگم کو بتایا اور تہمینہ بیگم سر پر دوپٹہ ڈال کر بالاج صاحب کے سامنے آئیں۔

''السلام علیکم بالاج صاحب۔'' انھوں نے گھبرا کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' بالاج صاحب نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اشرف انکل؟ ماموں اور آصف اندر موجود ہیں؟'' روحیل نے پیار سے پوچھا۔

''ہاں ہاں بالکل موجود ہیں۔ آیئے آیئے۔''

اشرف صاحب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور بالاج صاحب کو لے کر چلے گئے۔ ایسے میں زین نے روحیل کو پکڑا۔

''بھائی! بھائی! یہ لڑکی کون ہے؟''

’’ثمینہ ہے، سمیرا کی چھوٹی بہن۔‘‘ روحیل نے بتایا۔

’’بھائی یہ تو وہی لڑکی ہے جسے میں نے دیکھا تھا۔ جب میری گاڑی بند ہوگئی تھی!‘‘ زین نے خوش ہوکر بتایا۔

’’اوہ!‘‘ روحیل کے منھ سے نکلا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔

’’آؤ آؤ بالاج آؤ۔‘‘

شفیق صاحب اٹھے اور بالاج صاحب کے گلے لگے۔ آصف، کوثر، زین اور روحیل ایک طرف ہوکر کھڑے ہوگئے۔ ثمینہ، تہمینہ بیگم اور شکیلہ بیگم کے پیچھے موجود تھی۔

’’تشریف رکھیے سب۔‘‘ بالاج صاحب نے سب سے کہا اور سب بیٹھ گئے۔

’’بھئی آج کا دن کتنا مبارک ہے کہ آپ دونوں ہستیاں میرے غریب خانے پر آئیں لیکن میں ایک بات نہیں مان سکتا۔‘‘ اشرف صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

’’وہ کیا اشرف؟‘‘ شفیق صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

’’یہ کہ آپ لوگوں کے آنے کا کوئی مقصد نہیں؟ کوئی تو بات ضرور ہے۔‘‘ اشرف صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’تم نے ٹھیک سمجھا اشرف۔‘‘ بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

’’کہیے بالاج صاحب! میں کیا خدمت کرسکتا ہوں؟‘‘ انھوں نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’بھئی یہ بات اگر شفیق اور شکیلہ شروع کریں تو زیادہ بہتر ہے۔‘‘ بالاج صاحب نے اُن دونوں کی طرف دیکھا۔

’’شفیق بھائی کیا بات ہے؟‘‘ اشرف صاحب اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔

’’بالاج میں کہوں؟‘‘ شفیق صاحب نے اجازت طلب کی۔

’’بسم اللہ۔‘‘ بالاج صاحب نے اشارہ کیا۔

’’اَعوذُ باللہِ مِنَ الشیطانِ الرَّجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سب مل کر درود پڑھ لیجیے۔‘‘

شفیق صاحب نے دعا پڑھتے ہوئے کہا اور سب نے درود پڑھا۔ درود کے بعد شفیق صاحب نے کہنا شروع کیا۔

’’اشرف ہم پاکستانی والدین اولاد کے لیے تین چیزیں ہی ڈھونڈتے ہیں، اچھی تعلیم، حلال رزق اور اچھا رشتہ۔ تعلیم کی ذمے داری میں نے اور شکیلہ نے نبھائی اور ماشا اللہ آصف نے فیکٹری کا کام بھی سنبھال لیا ہے تو رزق حلال بھی آنا شروع ہوگیا ہے۔ اب بس تیسرا کام ہے جو کرنا باقی ہے۔ اشرف سچ

پوچھوتو آج بھی آصف اور نتاشہ ہمیں بچّے ہی لگتے ہیں، لگتا ہی نہیں کے بڑے ہو گئے۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے رشتے بھی دیکھے جائیں۔''

''ہم نے کہاں کہاں خاک نہیں چھان ماری۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور کہنے لگیں۔

''دیس ودیس ہر جگہ آصف کے لیے لڑکی ڈھونڈی مگر کوئی دل کو نہ بھائی۔''

''مامی یہ کہیں جسے ڈھونڈا گلی گلی وہ گھر کے پچھواڑے ملی۔''

زین نے مسکرا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''بالکل۔'' شفیق صاحب نے ہنستے ہوئے کہا پھر ایک لمحے کے لیے رُکے۔ انھوں نے اشرف صاحب کو دیکھا اور کہا۔

''اشرف، ہمیں تمھاری زارا...... اپنے آصف کے لیے پسند آ گئی ہے۔''

''جی!''

اشرف صاحب دھک سہ رہ گئے۔

تہمینہ بیگم سکتہ میں آ گئیں۔ کوثر اور ثمینہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''ہاں اشرف بھائی! ہم زارا کو اپنی بہو نہیں، بیٹی بنانے آئے ہیں۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اشرف! امید ہے تمھیں یہ رشتہ پسند آیا ہو گا؟'' بالاج صاحب نے اطمینان بخش لہجے میں کہا۔

''بالاج صاحب، شفیق بھائی پسند ناپسند کا تو سوال ہی نہیں یہاں، میں تو بس ایک بات سوچ رہا ہوں ان بے سہارا بچّیوں نے جب میرے آنگن میں قدم رکھا تو میرے اور تہمینہ کے دل کی بس یہی دعا تھی کہ ان کے اچھے رشتے آ جائیں، آج جب جنّت سے ایک رشتہ زارا کے لیے آیا ہے تو سمجھ نہیں آ رہا زارا کو وداع کیسے کروں گا؟''

اشرف صاحب یہ کہہ کر رو پڑے۔ تہمینہ بیگم بھی رونے لگیں۔ ثمینہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ کوثر بھی جذباتی ہو گیا۔

''اشرف تمھاری بیٹی کہیں دور نہیں، یہیں تمھارے پاس ہی ہو گی۔'' بالاج صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں اشرف، ہم لوگ سمدھی نہیں، ایک خاندان بن کر رہیں گے۔'' شفیق صاحب نے پیار سے کہا اور اشرف صاحب آنسو پوچھ کر کہنے لگے۔

''بالکل شفیق بھائی...... مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔''

''اوئے بلّے بلّے!'' زین اور روحیل خوشی سے چلّا اُٹھے! اور سب ہنسنے لگے۔

’’واہ! آج کا دن کیا دن ہے۔مزہ آ گیا!‘‘ کوثر نے خوش ہو کر کہا۔

’’ارے تو وہاں کیوں کھڑے ہیں آ جائیں دولہا بھائی کو کندھوں پر تو اٹھائیں۔‘‘

روحیل نے ہنس کر کہا۔

’’بالکل بالکل! آ جا بھئی۔‘‘ کوثر نے ہاتھ چلا کر کہا اور آگے بڑھا۔

’’روحیل زین......نہیں روحیل، روحیل!‘‘

آصف روکنے لگا مگر زین، کوثر اور روحیل نے پکڑ کر اُسے اٹھالیا۔سب کے سب ہنسنے لگے۔

تہمینہ بیگم خوشی خوشی اوپر چلیں اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کے زارا اور سمیرا نے سب کچھ سُن لیا تھا۔زارا کی نظریں جھکی تھیں، اُس کے لب کانپ رہے تھے۔آنکھوں میں آنسو تھے۔

’’ہم نے سب سُن لیا آنی۔‘‘

سمیرا نے مسکرا کر بتایا اور تہمینہ بیگم زارا کے پاس چلتی ہوئی آئیں۔زارا مستقل آنسو بہا رہی تھی۔

’’زارا۔‘‘ تہمینہ بیگم نے بھرّائے ہوئے لہجے میں اپنی بھانجی کا نام لیا۔

’’آنی!‘‘

زارا تڑپ کر ان کے گلے لگی اور رونے لگی۔آنی اور بھانجی ایک دوسرے کے گلے لگی رہیں۔

’’تہمینہ؟ کیا میں زارا سے بات کر سکتی ہوں؟‘‘

تہمینہ بیگم نے پلٹ کر دیکھا تو شکیلہ بیگم نتاشہ اور ثمینہ کے ساتھ اوپر ہی آ رہی تھیں۔

’’بالکل بھابھی، یہ آپ ہی کی امانت ہے اب۔‘‘

تہمینہ بیگم نے آنسو پونچھے اور ایک طرف ہو گئیں۔زارا نے سر پر دوپٹہ لے لیا۔شکیلہ بیگم چلتی ہوئیں آئیں اور پیار سے زارا کو دیکھا۔انھوں نے پرس سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر زارا کی نظر اُتاری اور سمیرا کو پیسے دیے۔سمیرا نے خاموشی سے صدقے کے پیسے لیے۔اب انھوں نے اپنے پرس سے کچھ سونے کے کنگن نکالے اور اپنی بہو کا چہرا دیکھ کر کہنے لگیں۔

’’زارا جانتی ہو یہ کنگن میری ساس کے ہیں، دُنیا سے جاتے ہوئے انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے آصف کی دلہن کو پہنا دینا......زارا اپنا ہاتھ آگے کر کے میری ماں جیسی ساس کی آخری خواہش پوری کر دو......‘‘

شکیلہ بیگم یہ کہہ کر رونے لگیں۔تہمینہ بیگم اور سمیرا کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں۔ثمینہ بھی اپنے آنسو نہ روک سکی۔

’’امّی۔‘‘

زارا روتے ہوئے شکیلہ بیگم کے گلے لگی اور انھوں نے اُسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ نیچے کھڑے مرد حضرات اوپر خواتین کی سسکیاں سُن کر خاموش ہو گئے لیکن مسکراہٹ ان کے لبوں پر تھی۔ آصف بھی اس لمحے مسکرا رہا تھا اور خاموش بیٹھا تھا۔

''شکیلہ؟ کیا ہم اب دیدار کر سکتے ہیں بہو کا؟'' شفیق صاحب نے آواز دے کر پوچھا۔

''بالکل کر سکتے ہیں لیکن تھوڑا وقت دیں۔'' شکیلہ بیگم نے اوپر سے کہا اور پلٹ کر بولیں۔

''چلو بھئی مل کر ہم اپنی بیٹی کو تیار کرتے ہیں۔ آصف اور شفیق صاحب پر قیامت جو ڈھانی ہے۔'' انھوں نے مستی کے عالم میں کہا اور وہ سب ہنسنے لگیں۔

گھر کی خواتین مل کر زارا کو سجانے لگیں۔ کوئی ٹیکا لگا رہا تھا تو کوئی اُس کا میک اپ کر رہا تھا۔ زارا نے لال جوڑا پہن لیا اور اس لمحے وہ دلہن سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ شکیلہ بیگم اور تہمینہ بیگم مسکرا کر زارا کو دیکھنے لگیں۔ جلد ہی وہ سب نیچے کی طرف چلے۔ سمیرا اور ثمینہ دونوں چھوٹی بہنیں زارا کو لے کر نیچے آئیں۔ زارا پر جیسے ہی شفیق صاحب اور بالاج صاحب کی نظر پڑی تو وہ حیران رہ گئے۔

واقعی زارا کا حسن جیسا سب نے بیان کیا تھا ویسا ہی تھا۔ شفیق صاحب مسکرا کر اپنی بہو کو دیکھنے لگے۔ آصف کے دل پر ہزار تیر ایک ساتھ چل گئے اور وہ مسکرا کر اپنی منگیتر کو دیکھنے لگا۔ زارا اور آصف ایک دوسرے کے برابر بیٹھے اور شفیق صاحب کے حکم پر آصف نے ہیرے کی انگوٹھی زارا کی انگلی میں پہنا دی۔ سب لوگ ہلڑ بازی کرنے لگے۔ کچھ ہی پل میں دروازے پر دستک ہوئی اور اشرف صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہر کے سب سے بڑے ہوٹل کی کیٹرنگ باہر موجود تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے گھر پر Buffet لگ چُکا تھا۔ ایک سے ایک مٹھائی ٹیبل پر موجود تھیں۔

بالاج صاحب نے مردوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور کھانا کھاتے ہی وہ اپنے ڈرائیور اور گارڈز کے ساتھ چلے گئے۔ کھانے کے بعد وہ سب بیٹھ کر مستیاں کرنے لگے۔ زین مسکرا مسکرا کر ثمینہ کو دیکھ رہا تھا اور ثمینہ اُسے منہ بنا کر دیکھ رہی تھی۔ ثمینہ کی یہ ادا دیکھ کر زین اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔

دوسری طرف روحیل عشق میں دیوانا ہو چکا تھا۔ اُسے ایک فیصد بھی شک نہ تھا کہ وہ سمیرا سے بے پناہ محبت کر بیٹھا ہے۔ قصّے کہانیوں میں اس نے سُن رکھا تھا کہ انسان خدا کے بعد اگر کسی کی عبادت کرتا ہے تو وہ محبوب ہے۔ آج روحیل یہ بات سمجھ چکا تھا۔ سمیرا کی مسکراہٹ، اس کی زلفیں، اُس کا بدن روحیل کو دیوانہ بنائے جا رہا تھا اور روحیل اس کی زلفوں ں کا اثیر ہو چکا تھا۔ روحیل یہ بات مان چکا تھا کہ اس کی زندگی میں اب اور کوئی نہیں آئے گا، اس نے محبت کی مہر سمیرا کے نام پر لگا دی تھی۔ اس کی پلکوں سے شروع ہوئی

روحیل کی داستانِ محبت جن کا جھکنا بھی قیامت، جن کا اُٹھنا بھی قیامت......وہ یہ بات مان گیا، جان گیا کہ سمیرا اب اس کی دوست نہیں اس کی زندگی بن چکی ہے۔ وہ محبت کر بیٹھا ہے۔

☆......☆......☆

"May I Come in Sir".

نرس کی آواز سُن کر روحیل نے چونک کر اُسے دیکھا اور وہ دروازے سے تھوڑا اندر داخل ہوئی۔

''جی آئیے۔''

روحیل نے دھیرے سے اجازت دی اور نرس اندر کی طرف آئی۔اس نے آتے ہی دواؤں کی ٹرے سمیرا کے بستر کے پاس ٹیبل پر رکھی۔اب وہ ایک دوا اٹھا کر انجیکشن میں بھرنے لگی۔روحیل خاموشی سے اُسے یہ سب کرتے ہوئے تکتا رہا۔نرس نے انجیکشن تیار کیا اور سمیرا کے نازک سے بازو پر لگایا۔انجیکشن لگا کر وہ مونیٹر اسکرین کو دیکھنے لگی۔روحیل خاموش بیٹھا ہوا اُسے یہ سب کرتے دیکھ رہا تھا۔نرس نے ایک نظر روحیل کو دیکھا اور پیار سے کہا۔

''سر......رات بہت ہو رہی ہے اب آپ سو جائیں۔''

نرس کی بات سُن کر روحیل نے اُسے ایک نظر دیکھا اور سر جھکا گیا۔نظر اُٹھا کر اس نے اپنی بیوی کا چہرا دیکھا۔سمیرا بالکل بے ہوش تھی، اگر مونیٹر اسکرین پر دھڑکنیں نہ آتیں تو ہر کوئی اُسے مُردہ تصور کر چکا ہوتا۔ یہ دیکھ کر روحیل نے دھیرے سے کہا۔

''ہم دونوں میں......ایک بہت گہری نیند سو رہا ہے میرے لیے یہی بہت ہے۔''

اس کی بات سُن کر نرس کا دل بھر آیا۔اس نے روحیل کو دیکھ کر کہا۔

''ان شا اللہ......آپ کی وائف بالکل ٹھیک ہو جائیں گی......اللہ پر بھروسہ رکھیے۔''

نرس کی بات سُن کر روحیل سمیرا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بے جان بستر پر پڑی تھی۔ چلتی ہوئی سانس اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ وہ زندہ ہے۔ مگر یہ زندگی کسی کے کام نہیں آسکتی تھی۔

نرس نے اپنا کام ختم کیا اور پلٹ کر اپنی دواؤں کی ٹرے اُٹھا کر کمرے سے چلی گئی۔ روحیل پلٹ کر اپنی بیوی کا چہرا دیکھنے لگا۔ سمیرا کے چہرے پر معصومیت ہی معصومیت تھی لیکن اُتنا ہی کرب بھی موجود تھا۔ روحیل اُس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ جان دیتا تھا وہ اس چہرے پر، مرتا تھا وہ۔ اُسے آج بھی یاد ہے جب آصف کا رشتہ ہوا تھا، کس طرح وہ دل ہار بیٹھا تھا۔ وہ یاد کرتا چلا گیا سب کچھ سب کچھ......

☆......☆

آصف اور زارا کی شادی کی تیّاریاں دھوم دھام سے شروع ہو چکی تھیں۔ اشرف صاحب اور تہمینہ بیگم کے گھر ایک ہلڑ بازی مچی ہوئی تھی۔ لڑکیاں کبھی مہندی لگانے میں مصروف تو کبھی شاپنگ میں۔ روحیل نے تہمینہ بیگم کے اکاونٹ میں دس لاکھ روپے ٹرانسفر کیے جس پر تہمینہ بیگم حیران رہ گئیں لیکن روحیل نے انھیں اُس پر بھروسہ رکھنے کے لیے کہا اور تہمینہ بیگم خاموش ہوگئیں۔ یہ پیسہ روحیل نے سمیرا، ثمینہ اور زارا کی شوپنگز کے لیے دیا تھا، خاص طور پر سمیرا کے لیے۔ وہ چاہتا تھا کہ سمیرا کا زبردست Make Over ہو جائے، تہمینہ بیگم سمیرا کو ٹاپ کلاس بیوٹی پارلر میں لے کر گئیں اور وہاں سمیرا کے بال نئے انداز میں کاٹے گئے، رنگے گئے، ہلکے سے براون شیڈ سے اُس کے حسن میں اور نکھار پیدا ہو گیا تھا۔ اُس کا فیشل، Manicure, Pedicure سب کچھ ہو رہا تھا اور سمیرا سمجھ رہی تھی کہ اس کی آنی یہ اُس کے لیے اتنا سب کچھ کر رہی ہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کے ان سب چیزوں کے پیچھے روحیل موجود ہے۔

دوسری طرف شکیلہ بیگم زارا کے لیے ایک سے ایک جوڑا پسند کر رہی تھیں اور زارا کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ یہ نیلے، پیلے، ہرے بھرے رنگ کے جوڑے، چوڑیاں اور گجرے، یہ سب زارا کا ایک سپنا تھے جو آج پورے ہو رہے تھے۔ زارا شکیلہ بیگم کا شکریہ ادا کر کے نہیں تھک رہی تھی اور شکیلہ بیگم اُس کے ہر شکریہ کا جواب پیار سے دیتیں۔

آصف اس وقت کوثر، زین اور ثمینہ کے ساتھ تھا۔ وہ بھی ایک سے ایک شیروانی پہن کے دیکھ رہا تھا لیکن کبھی ثمینہ کو شیروانی اچھی لگتی تو زین پاپ کارن کھاتے ہوئے منھ بناتا۔ کبھی زین کو اچھی لگتی تو ثمینہ ریجیکٹ کر دیتی۔ تنگ آکر آصف نے اپنا سر پکڑ لیا۔ ثمینہ اور زین کی نوک جھونک نے اُس کا کام مشکل بنا دیا تھا۔

آخر کار شادی کی رسومات شروع ہوئیں۔ خاندان اور سمیرا، ثمینہ کی کالج کی سہیلیاں سب اس وقت اشرف صاحب کے گھر موجود تھیں اور ڈھولک پر گانے گانے میں مصروف تھیں۔ زارا بھی سب لڑکیوں

کے ساتھ بیٹھی ہوئی مہندی سے رچے ہاتھوں سے تالیاں بجا رہی تھی۔ کل گھر میں مایوں کا پروگرام تھا اور تیّاری زور و شور پر تھی۔ کوثر، روحیل اور زین مٹھائی کے بڑے بڑے ڈبے لیے اندر داخل ہوئے تھے لڑکیوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ لڑکے گھر میں نہیں آ سکتے۔ تہمینہ بیگم نے سب لڑکیوں کے ساتھ مل کر کوثر، روحیل اور زین کو باہر کیا اور وہ دھکّے کھاتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔ لان میں جاتے ہی پلٹ کر جو دیکھا تو سمیرا دروازہ بند کرتے ہوئے نظر آئی۔ زین اور کوثر اپنی قسمت کو کوسنے لگے جب کہ روحیل مسکرا کر سمیرا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کے خوابوں اور خیالوں پر چھا گئی تھی اور وہ مکمل طور پر اُس کا دیوانہ ہو چکا تھا۔

آخر کار مایوں کا دن بھی آیا اور سب نے آصف اور زارا کو اسٹیج پر بٹھا کر مایوں کی رسمیں ادا کیں۔ زارا اس وقت پیلے کُرتا شلوار میں بنا میک اپ کے تھی۔ جب کہ آصف نے پیلا کُرتا اور سفید شلوار پہنی تھی۔ سب لوگ کھڑے اس نئے جوڑے کو پیار سے دیکھ رہے تھے جب کہ زین اور ثمینہ مستقل اپنے فون سے تصویریں لینے میں مصروف تھے۔ دونوں میں مقابلہ چل رہا تھا کہ کون اچھی تصویریں لے رہا ہے۔ ثمینہ نے لال لہنگا اور پیلی قمیض پہنی تھی، اس کی چوٹی پر کلیاں لگی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف زین بھی پیلے کُرتے میں کافی اسمارٹ لگ رہا تھا۔ سب سے مہنگا اور خوبصورت جوڑا نتاشہ نے پہنا ہوا تھا اور کیوں نہ پہنتی، بالاج صاحب نے اس کی شاپنگ کی ذمے داری جو لے لی تھی، اس لیے نتاشہ کو سب پیار کر رہے تھے اور وہ شرمائے جا رہی تھی۔ شکیلہ بیگم پیار سے اپنے بیٹے کا چہرا دیکھتیں اور اُس کا ماتھا چُومتی۔ اُن کا ارمان پُورا ہو گیا، اُن کا بیٹا دولہا بن گیا تھا۔ روحیل بھی ایک طرف پیلا کُرتا، سفید شلوار اور گلے میں سفید شال ڈالے کھڑا رسمیں ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ ایسے میں اس کی نظر سمیرا پر پڑی۔ پیلا لہنگا اور لال قمیض پہنے، ہاتھوں میں رنگ برنگا دوپٹہ اور کلائیوں میں پیلی چوڑیاں۔ ہاتھوں میں گجرے اور چہرے پر مسکراہٹ۔ سمیرا انتہائی غزب ڈھا رہی تھی۔ روحیل اپنی محبت کو تکنے لگا۔ ہے کوئی جو اس کی محبت کا مقابلہ کر سکے؟ وہ مسکرا کر سمیرا کو تکتا رہا۔

آخر رسموں کے بعد ڈھولکی ہوئی اور لڑکوں نے بھنگڑا ڈالا۔ روحیل دیگر لڑکوں کے ساتھ ناچتے ہوئے سمیرا کی طرف دیکھ رہا تھا جو ایک کونے میں کھڑی سب لڑکیوں کے ساتھ مل کر تالیاں بجا رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ روحیل کی زندگی تھی اور وہ اپنی محبت کے لیے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ جلد ہی بھنگڑے میں اشرف صاحب اور شفیق صاحب اپنی اپنی بیگمات کے ساتھ شامل ہوئے اور مزہ دوبالا ہو گیا۔ سب کے لبوں پر مسرت تھی۔

شادی کا دن بھی جلد آیا۔ شہر کا سب سے بڑا شادی ہال بُک کرایا گیا جس پر اشرف صاحب، بالاج

صاحب کے بے انتہا مشکور تھے۔ دیگر آنے والے مہمان بھی اس شان و شوکت کو دیکھ کر حیران تھے۔ شادی کی رونق دیکھنے والی تھی۔ جلد ہی باراتی ہال میں پہنچے۔ بالاج صاحب نے پہلی مرتبہ شادی کی تقریب میں شرکت کی اس لیے اشرف صاحب کے لیے یہ ایک بہت بڑا لمحہ تھا۔ تہمینہ بیگم نیلی ساڑھی پہنے اپنی سمدھن کو صحیح مقابلہ دے رہی تھیں اور شکیلہ بیگم ہنس کر ان کے گلے لگ گئیں۔ شادی میں لڑکوں نے کالے رنگ کی شیروانی پہنی اور لڑکیوں نے لال رنگ کے لہنگے۔ جلد ہی زارا اور آصف کا نکاح ہوا اور وہ دونوں ایک دُوجے کے ہو گئے۔ نکاح کے بعد مبارک باد وصول کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ نکاح ہوتے ہی کھانا کھول دیا گیا جہاں بائیس کے قریب پکوان موجود تھے اور مہمانوں نے دل کھول کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد سب مہمانوں کا دولہا اور دلہن کے ساتھ فوٹو سیشن ہونے لگا۔ بالاج صاحب اسٹیج پر آئے تو آصف اور زارا اٹھ کھڑے ہوئے اور اُن سے انتہائی ادب کے ساتھ ملے۔ بالاج صاحب نے پیار سے آصف کو گلے لگایا اور زارا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ روحیل اور زین بھی ساتھ موجود تھے۔ سب نے مل کر فیملی فوٹو بنائی۔ بالاج صاحب نے نئے شادی شُدا جوڑے کو پانچ لاکھ روپے کا چیک پیش کیا۔ آصف نے آداب کر کے بالاج صاحب کو گلے سے لگایا اور وہ بچّوں کو دعا دے کر شادی ہال سے چلے گئے۔ اسلام آباد میں پاکستان کے محترم وزیر اعظم کے ساتھ اُن کی میٹینگ تھی اسلیے انھیں جانا پڑا۔

اشرف صاحب اپنی فیملی کے ساتھ اسٹیج پر آئے۔ ثمینہ، سمیرا اور کوثر بھی اس گروپ فوٹو میں شامل تھے۔ اشرف صاحب زارا کے پاس جب کہ تہمینہ بیگم آصف کی ساتھ بیٹھی تھیں۔ کوثر بیچ میں اور اُس کے دائیں بائیں سمیرا اور ثمینہ موجود تھیں۔ اشرف صاحب نے پیار سے آصف کی کلائی پر Rado کی گھڑی پہنائی جس کو آصف مسکرا کر دیکھنے لگا۔ آخر میں شفیق صاحب، شکیلہ بیگم اور نتاشہ کے ہمراہ اسٹیج پر آئے اور گُروپ فوٹو بنوائی۔ شفیق صاحب اپنے بیٹے کے ساتھ جب کہ شکیلہ بیگم زارا کے پاس بیٹھیں۔ اُنہی کے برابر نتاشہ بیٹھی تھی۔ تہمینہ بیگم کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک پڑے، زارا اپنی منزل تک پہنچ گئی اور وہ جتنا بھی خدا کا شکر ادا کریں وہ کم تھا۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کامیاب ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر اشرف صاحب نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور پلٹ کر اپنی بچّی کو دیکھنے لگے۔ اشرف صاحب اور تہمینہ بیگم کامیاب ہو گئے تھے۔

آخر وہ لمحہ آیا جب زارا نے اشرف صاحب کے گھر سے اجازت لینی تھی اور ہمیشہ کے لیے آصف کے گھر چلے جانا تھا۔ کوثر نے آگے بڑھ کر آصف کے سر پر سہرا باندھا اور اپنی بہن کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے محبت بھری آنکھوں سے وداع کیا، اس نے اپنی بہن کو خوش رہنے کی دعا دی۔ اشرف صاحب اس لمحے کو نظر انداز کرنے کی پُوری کوشش میں تھے لیکن جب زارا نے اپنے خالو کو پُکارا تو ان کی آنکھوں

سے آنسو چھلک پڑے۔ پلٹ کر اپنی بڑی بیٹی کو سینے سے لگایا اور اُسے خوش رہنے کی دعا دی۔ اس لمحے کوثر، زارا کے سر پر قُران مجید اٹھائے اُس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، جب کہ زارا کے ساتھ سمیرا اور ثمینہ تھیں۔ روحیل، زین نتاشہ خاموشی سے آصف کے ساتھ چل رہے تھے۔ رخصتی ایک عجیب رسم ہے، لڑکی اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنا سب کچھ اپنے شوہر کے نام کر دیتی ہے اور گھر والے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اس لمحے سب کے دل رنجیدہ تھے۔ زارا اپنی بہنوں سے لپٹ کر رو رہی تھی، ثمینہ سے زیادہ اس وقت بُرا حال سمیرا کا تھا، اُس کے آنسو رُکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ زارا تڑپ کر تہمینہ بیگم سے ملی اور دونوں خالا بھانجی نجانے کتنی دیر ایک دوسرے کے گلے لگے رہے، تہمینہ بیگم کی سب سے اچھی دوستی زارا سے ہی تھی، آج اُن کی بہترین دوست وداع ہو رہی تھی۔ ایسے میں زارا کی نظر نزرل بابا پر پڑی جو ایک کونے میں کھڑے تھے۔ زارا نے ہاتھ کے اشارے سے بابا کو بُلا دیا اور نزرل بابا ہاتھ جوڑے اُس کے سامنے آ گئے۔ زارا نے ان کے ہاتھوں کو تھاما اور وہ نزرل بابا کے سینے سے لگی۔ اس قدر عزت واحترام دیکھ کر نزرل بابا اپنے آپ کو سنبھال نا پائے اور زار و قطار رونے لگے۔ شکیلہ بیگم بھی اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکیں۔ آصف اس لمحے گھبرا کر اپنے والد کی طرف دیکھ رہا تھا اور شفیق صاحب اُسے نظروں ہی نظروں میں سمجھانے لگے کہ رخصتی کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے۔

قُران کے سائے تلے نیا جوڑا، روحیل کی مرسڈیز میں بیٹھا۔ اُن کا سفر گھر نہیں بلکہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا جہاں اُن دونوں کے لیے ایک بہترین سویٹ بُک پہلے سے ہوا تھا۔ روحیل کے ساتھ آگے شفیق صاحب بیٹھے جب کہ پیچھے آصف، زارا اور نتاشہ موجود تھے۔ شکیلہ بیگم سب کا شکریہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھنے لگیں۔ تہمینہ بیگم، سمیرا، ثمینہ مستقل روئے جا رہے تھے۔ زین اور کوثر کوشش کر رہے تھے کہ ان کے چہروں پر مسکراہٹ آجائے لیکن بیٹی کا رخصت ہونا ہر ماں باپ کا دل دکھا دیتا ہے۔ اشرف صاحب بھی چشمہ اُتار کر اپنے آنسو پوچھتے رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مرسڈیز نکلتی چلی گئی اور وہ سب اپنے دلوں کو تھامے رہ گئے۔

آخر کار وہ رات شروع ہوئی جس کا ہر بیوی اور ہر شوہر کو انتظار ہوتا ہے۔ زارا سمٹ کر بستر پر بیٹھی تھی، اُسے انتظار تھا آصف کا۔ آصف سفید کُرتا شلوار پہنے پیار سے زارا کے پاس بیٹھا۔ زارا اس لمحے گھبرائی ہوئی بیٹھی تھی۔ آصف نے زارا کا ہاتھ تھاما۔

''تمھیں پتا ہے میں نے تمھارا انتظار ساری زندگی کیا ہے امی اور ڈیڈی مستقل کہتے رہتے تھے شادی کر لو لیکن میرا دل کسی اجنبی کو ماننے کے لیے تیار نہ تھا انتظار آسان نہیں تھا مشکل تھا لیکن میں نے کیا...... میں نے تمھارا انتظار کیا......''

آصف کے کہنے پر زارا کی روح سمٹنے لگی۔ آصف اُس کے قریب ہوا۔

''آج مجھے اپنے انتظار کی پیاس بجھانی ہے...... ایک ایک درد پر مرہم رکھنا ہے ایک ایک تڑپ کا علاج کرنا ہے آج مجھے تمھارے اندر سما جانا ہے۔''

یہ کہہ کر آصف زارا کے ہونٹوں کو چومنے لگا کہ زارا نے اس کو روکا۔

''پہلے لائٹس تو بجھا دیں۔''

زارا کی بات سُن کر آصف مسکرایا اور لیمپ کو بجھا دیا۔ جلد ہی دونوں پیار اور محبت کی اُس دنیا میں چلے گئے جہاں انھیں کسی چیز کا علم نہ رہا۔ آصف اور زارا ایک دوسرے کی بانہوں میں سما گئے۔

☆......☆

کیفے پر کئی لڑکے لڑکیاں بیٹھے آپس میں گپّیں لگا رہے تھے۔ خوبصورت شام، ٹھنڈی ہوا نے ماحول حسین کر دیا تھا۔ اس لیے سب آج اپنے گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے چہرے پر مسکراہٹ اور کہنے کے لیے باتیں تھیں۔ لیکن روحیل، سعد اور فہاد اس وقت سر جوڑ کر بیٹھے تھے اور کافی دیر سے خاموش تھے۔ تینوں نے خاموشی سے اپنا کافی مگ اٹھایا اور ایک ساتھ گھونٹ لیا۔ تینوں نے کپ بھی ایک ساتھ ٹیبل پر رکھا اور خالی خالی نظروں سے ٹیبل کو دیکھنے لگے۔ ایسے میں سعد تڑپ کر بولا۔

''کچھ کر بھائی!''

''کیا کروں؟ اٹھا کے لے جاوں؟ وڈیرہ بن جاوں؟'' روحیل نے جل کر کہا۔

''سعد صحیح کہہ رہا ہے روحیل! کچھ کرنا پڑے گا اب، کتنی آنٹیاں دیکھ کر گئی ہوں گی سمیرا کو شادی پر، کچھ اندازہ ہے تمھیں؟ کسی بھی دن سمیرا کا رشتہ آ جائے گا۔'' فہاد نے جھنجلا کر کہا۔

''بہت سی آنٹیوں نے دیکھا، آ آ کر پوچھ رہی تھیں تہمینہ آنٹی سے کہ کیا عُمر ہے لڑکی کی؟ کیا کرتی ہے؟ کیا تعلیم ہے؟'' روحیل نے جل کر بتایا۔

''انھوں نے کیا جواب دیا؟'' سعد نے الجھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں ٹالنے لگیں، وہ جانتی ہیں کہ میں رشتہ دُوں گا......'' روحیل نے جھینپ کر کہا۔

''ان کو اندازہ ہے؟'' سعد نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں۔'' روحیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اوہ! بھائی! مارو! مجھے مارو!'' سعد نے تلملا کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''مطلب بالاج صاحب راضی، تیرا چھوٹا بھائی راضی، یہاں تک کہ تہمینہ آنٹی راضی یہاں تک کے سمیرا کی بہنیں بھی راضی! پھر کیوں ایسے ویلا پڑا ہے او بڈھے قاضی؟'' سعد نے جل کر پوچھا۔

''اتنی رضامندی کے باوجود جناب Friend-Zone میں چلے گئے ہیں۔'' فہاد نے بھی جل کر کہا۔

''میں قاضی نہیں دولہا ہوں اور نہ ہی میں Friend-Zone میں آیا ہوں......اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں سمیرا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''کتنے دن ہو گئے بات کیے ہوئے؟'' فہاد نے کوفی پیتے ہوئے پوچھا۔

''پندرہ دن گزر گئے۔ لگ بھگ دو ہفتے تو زارا اور آصف کے ولیمے کو ہو گئے۔ ولیمے میں بھی وہ سب سے حسین لگ رہی تھی نیلی ساڑھی میں۔ الگ ہی بات تھی اُس میں۔ ہم سب لڑکوں نے سُوٹ پہنا تھا۔ زارا اور آصف دوستوں اور رشتہ داروں سے تحفے وصول کر رہے تھے اور بس! کھانا کھایا اور ولیمہ ختم۔'' روحیل نے بتایا۔

''ولیمہ ویسے بھی سڑا ہوا ہوتا ہے۔'' سعد نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

''سب سے مزے کی مایوں اور مہندی ہوتی ہے۔'' فہاد نے خوش ہو کر کہا۔

''ہے نا؟'' سعد نے لڑکیوں کی طرح پوچھا۔

''واہ رے میری سہیلیاں! یہاں میری زندگی کی پھٹی پڑی ہے اور تم لوگوں کو شادی کے سپنے سوجھ رہے ہیں۔'' روحیل نے جل کر کہا۔

''تو اور کیا کریں؟ شادی تو تم کرو گے نہیں۔'' سعد نے بھی تلملا کر جواب دیا۔

روحیل بُرا نہیں ماننا لیکن You are going to be landed very soon۔'' فہاد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"Land where?"۔ روحیل نے چونک کر پوچھا۔

"Friend-Zone"۔ فہاد نے منہ بنا کر کہا۔

''نہیں یار!'' روحیل نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

''جی! فرینڈ زون تو ہے ہی...... ورنہ بھائی زون تو پکّا پکّا۔'' سعد نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''تمھیں ایسا لگ رہا ہے؟'' روحیل نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''تیری اُس سے آخری بار کب بات ہوئی ہے؟'' فہاد نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''یار شادی والی رات آصف اور زارا کو ہوٹل ڈراپ کر کے میں مامُوں، مامی اور نتاشہ کو واپس گھر لے کر آیا۔ فجر بس ہونے والی تھی۔ گھر کے باہر زین اور کوثر بھائی آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں بھی اُنھی کے ساتھ کھڑا ہو کر باتیں کرنے لگا۔ ایک دو سگریٹ بھی جلا لیں ہم لوگوں نے۔ ایسے میں سمیرا چائے لے کر آئی۔ ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی، شادی کا میک اپ چہرے پر، مگر سادے کپڑے پہنے ہوئے وہ کسی

پری سے کم نہیں لگ رہی تھی۔کوثر بھائی اور زین نے اُس کے ہاتھ سے چائے لی اور باتیں وغیرہ کرنے لگے لیکن میں خاموش رہا۔نجانے کیوں جس سمیرا کے ساتھ میں اتنی باتیں کیا کرتا تھا اس بار چُپ تھا خاموش تھا......،جیسے کوئی الفاظ ہی نہیں ہیں میرے پاس۔''

روحیل کہتا چلا گیا۔

''اب تُو خود بتا کوثر، زین اور تجھ میں فرق کیا ہوا؟ ایک دن وہ تجھے بھی بھائی سمجھنا شروع کردیگی۔''فحاد نے سر پکڑ کر کہا۔

''یار، تم لوگ تو میری پھاڑے جا رہے ہو۔''روحیل نے چڑ کر کہا۔

''اسلیے کو تم کچھ کر نہیں رہے، کچھ کرو! اپنا پیار دکھاو اُسے بتاو اُسے کہ تم اُسے کتنا حاصل کرنا چاہتے ہو۔''سعد نے مچل کر اُسے سمجھایا اور روحیل سوچنے لگا۔

''سعد صحیح کہہ رہا ہے، اندر کا مرد جگا بھائی! اب وقت آگیا ہے کہ اُس کے ہاتھوں کو پکڑ کر اُسے بانہوں میں لے لو! اور کہو کہ تم کتنا پیار کرتے ہو!''

فحاد نے اُسے چنے کے جھاڑ پر چڑھایا اور روحیل بُری طرح چڑھا۔

''ہاں! سمجھ یہ کافی کا مگ وہ ہے۔بس اُسے پکڑو! اور شروع کردو کسنگ!''

سعد نے اپنا مگ اُٹھا کر اُس کے ساتھ کسنگ کی اور برابر میں بیٹھے ہوئے لوگ اُسے منہ بنا کر دیکھنے لگے۔فحاد اور روحیل بھی اس لمحے عجیب سے ہو گئے۔سعد کو جب احساس ہوا کہ وہ کیا کر رہا ہے تو پریشان ہو کر مگ نیچے رکھا۔

''یہ Demonstration دکھانا ضروری تھا؟''فحاد نے جل کر پوچھا۔

''اسکی وجہ سے ہو رہا ہے سب کچھ۔''سعد نے جل کر روحیل کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے کیا کیا؟''روحیل نے آنکھیں نکالیں۔

''تُو پھٹّو بنا رہے۔کچھ مت کر! ارے بھائی! جاو، جاؤ جا کر اپنی مردانگی کا بھرپور اظہار کرو! سوچو مت!''سعد نے بھی مچل کر کہا۔

''جاؤں کیا؟''روحیل نے اُن دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں! ابھی جاؤ! وہ دروازہ کھولے تو جکڑ لو اُسے اپنی بانہوں میں اور کہہ دو، جانِ من! تمھارے بعد اگر مجھے کچھ میٹھا لگتا ہے تو وہ ہے گُلاب جامن۔''

سعد نے جوش میں آ کر کہا۔

''مجھے گُلاب جامن پسند ہے۔''روحیل سکتے کے عالم میں کہنے لگا۔

''تو بس سوچو مت! جاؤ! ابھی جاؤ! اس سے پہلے کوئی اور گلاب جامن کھا جائے اور تیرے گھر پر مبارکباد کے لڈّو آئیں!'' سعد نے مچل کر کہا۔

''میں میں میں ابھی جاتا ہوں!......میں ابھی جاتا ہوں!''

روحیل نے جوش میں آتے ہوئے یہ جملے کہے اور اٹھ کر چلا گیا۔ سعد اور فہاد مسکرا کر اُسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور روحیل کیفے سے نکلتا چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد سعد نے فہاد سے کہا۔

''کتنے کی شرط لگاتا ہے کہ وہ اسے چپّل مار کے بھگائے گی؟''

سعد کی بات سُن کر فہد کے منھ سے کافی نکل گئی اور وہ بُری طرح ہنسنے لگا۔

☆......☆

آصف بستر پر بیٹھا ہوا زارا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زارا اس وقت ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ خوبصورت لال جوڑا پہنے ہوئے اس نے زلفوں کو آزاد چھوڑا ہوا تھا۔ وہ اس وقت اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ چوڑیوں کی کھنک اُس کے حسن کو مزید نکھار رہی تھی اور مہندی کی خوشبو سے ابھی بھی کمرا مہک سا رہا تھا۔ آصف مسکرا کر اپنی بیوی کے حُسن کو دیکھنے لگا۔ زارا نے نوٹس کیا تو مسکرا کر پوچھ بیٹھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟''

''خدا حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔

''اب اتنی بھی حسین نہیں ہوں۔'' زارا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا؟''

آصف کے منھ سے نکلا اور وہ اُٹھ کر زارا کی طرف بڑھا۔ وہ اُس کے پاس پہنچا اور دھیرے سے اُسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

''ہمارے دل سے پوچھو، ہم پر کیا گزرتی ہے......''

''دو ہفتے سے دل نہیں بھرا آپ کا؟'' زارا نے پیار سے پوچھا۔

''ساری زندگی آپ کے لیے کم ہے، یہ دو ہفتے بھلا کیا چیز ہیں۔'' آصف نے اس کی گردن کو چُومتے ہوئے کہا۔

''اچھا بس! ابھی اچھے بچّے بنیں! سب لوگ باہر موجود ہیں۔'' زارا نے اس کی بانہوں سے نکلتے ہوئے کہا۔

''یہ کہاں لکھا ہے کہ دن میں گندے بچّے نہیں بن سکتے؟'' آصف نے منھ بنا کر پوچھا۔

''یہ وقت گندے بچّے بننے کا نہیں بلکہ ہمّت والا بننے کا ہے، ثمینہ ضد لگائی بیٹھی ہے۔'' زارا نے

مسکرا کر اُسے بتایا۔
''کس چیز کی؟'' آصف نے حیران ہو کر پوچھا۔
''پکنک کی۔ وہ بھی سمندر پر اور کس چیز کی؟'' زارا نے ہنس کر کہا۔
''اوہ ہاں! میں تو بھول ہی گیا!'' آصف نے سر پکڑ کر کہا۔
''اب آپ ہی سنبھالیں اُسے، ہنگامہ کیا ہوا ہے اُس نے۔'' زارا نے ہنس کر کہا۔
''کیا کہہ کر سنبھالوں؟ منع بھی کرنا اچھا نہیں لگتا۔'' آصف نے سوچتے ہوئے کہا بولا۔
''تم لوگ لاہور سے کراچی جس حال میں آئے تھے، اُس لحاظ سے بے چاری ثمینہ نے تو ابھی زندگی شروع کی ہے جینا۔''
''امی کا چلے جانا ہم سب کے لیے ہی مشکل تھا، سچ ہے ماں کا سایہ نہ ہو تو دُنیا ویران لگتی ہے۔'' زارا نے نظریں نیچی کر کے کہا۔
''اور تمھارے والد؟''
آصف کے سوال پر زارا خاموش رہی۔ یہ بات آصف کو چونکا گئی۔ زارا نے صاف طور پر اپنی والدہ کے چلے جانے کا ذکر کیا مگر والد پر وہ خاموش رہی۔ ایک ہی پل لگا زارا کو سنبھلنے میں۔
''اچھا مجھے بتائیں کہ آپ ثمینہ کو منع کریں گے یا میں؟''
آصف ایک پل کے لیے حیران ہوا، زارا نے اپنے والد کا ذکر نظر انداز کر دیا تھا، اس نے اپنے آپ کو نارمل کیا۔
''تم ہی کچھ کہہ کر منع کرو پتا ہے سمندر پر پُورا رنگ جل جاتا ہے تھکن الگ ہو جاتی ہے۔''
''میں تو خود سوچ رہی ہوں کہ کیسے منع کروں، مجھے آپ کے ساتھ وقت بتانا ہے۔'' زارا نے اپنی بانہیں آصف کے ارد گرد ڈالیں۔
''وہی نا۔'' آصف نے منھ بنا کر کہا۔
''پھر سوچ رہی ہوں کے سمندر پر تصویریں اچھی آجائیں گی۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔
''بالکل غلط سوچ رہی ہیں آپ، اس قدر گیلے ہوں گے کے ٹیڑھی میڑھی تصویریں آئیں گی۔'' آصف نے منھ بنا کر کہا اور زارا نے سوچتے ہوئے کہا۔
''پھر ہم ابھی چلتے ہیں آنی کے گھر چائے پر اور ثمینہ کو پٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

☆......☆

''نہیں پٹوں گی۔ نہیں پٹوں گی۔ نہیں پٹوں گی۔''

ثمینہ نے ٹیبل پر کھڑے ہوئے اعلان کیا! ٹیبل کے پاس اس وقت کوثر اور نزرل بیٹھے ہوئے تھے۔ جب کہ اشرف صاحب اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔

''واہ! کیا لیڈر ہے۔'' کوثر نے تعریف کرتے ہوئے کہا اور نزرل سر ہلانے لگا۔

''بھائیو! میں جانتی ہوں کہ مجھے پٹانے کی کوشش کی جائے گی کہ ثمینہ! پکنک پر نہیں جانا! ثمینہ یہاں نہیں جانا! ثمینہ وہاں نہیں جانا! لیکن ہم اُن میں سے نہیں۔ جو ہار مان جائیں! ہم وہ ہیں جو پہاڑ توڑ کر اُسے لوہا بنا کر پھر اُس کا کچومر بنا دیں!'' ثمینہ نے طیش میں کہا۔

''واہ کیا لیڈر ہے۔'' کوثر نے تعریف کی، نزرل نے بھی سر ہلایا۔

''اور آصف بھائی! میں ان کو صرف اتنا کہنا چاہوں گی! حد ہوتی ہے۔ حد ہوتی ہے۔ آپ نے عوام کی للکار نا سُنی! اس لیے آج سے ہم اسی وقت! رات کے کھانے تک بھوک ہڑتال کرتے ہیں۔'' ثمینہ نے اعلان کیا۔

''بھوک ہڑتال دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد؟'' اشرف صاحب نے منہ بنا کر پوچھا۔

''حد ہوتی ہے خالو جان! شام کی چائے بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے ٹیبل پر سے کہا۔

''یہ تو شعر ہو گیا۔'' کوثر نے سر کھجا کر بولا۔

''ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں، شام کی چائے نہ پی تو تمھارا کیا حال ہو گا۔'' اشرف صاحب نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''تو بھائیو! ہم اپنی فوج لے کر ابھی اور اسی وقت آصف بھائی کے گھر چلیں گے۔ اور پوچھیں گے کے ہماری مانگیں کب پوری ہوں گی۔ اس کام کے لیے نزرل بابا نے اسپیشل گانا بھی تیار کیا ہے۔''

ثمینہ نے اشارہ کیا اور نیچے اُتر کر آئی۔

نزرل ٹیبل پر چڑھا اور ہاتھ سیدھے کر کے گانے لگا۔

''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ! مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ!''

''واہ کیا گانا ہے۔'' کوثر نے تعریف کی۔

''یہ گانا احتجاج پر کیسے بیٹھ رہا ہے بھائی؟'' اشرف صاحب نے بوکھلا کر پوچھا۔

''خالو جان نزرل بابا کو یہی آتا ہے۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر بتایا۔

''ارے بھائی! اگر کوئی جوشیلا گانا گانا ہی ہے تو وہ گاؤ!'' اشرف صاحب نے کہا اور گایا۔

''اے وطن کے سجیلے جوانوں! میرے نغمے تمھارے لیے ہیں۔''

''واہ واہ واہ! چچا جان مجھے نہیں پتا تھا آپ میں اتنا ٹیلنٹ ہے۔'' کوثر نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے خالو جان! میں تو کہہ رہی ہوں کہ آپ بھی شامل ہو جائیں ہماری مہم میں۔'' ثمینہ نے مچل کر کہا۔

''میں کسی مہم کا حصہ نہیں ہوں اور نا ہی مجھے پکنک پر جانا ہے۔'' اشرف صاحب نے منہ بنا کر کہا۔

''یہ بات ہوئی نا خالو جان، میں بھی یہی کہہ رہا ہوں!''

اچانک آصف کی آواز سُن کر سب نے پلٹ کر دیکھا اور خوشی سے اُن سب کے چہرے کھل گئے۔ زارا اور آصف گھر پر آئے تھے۔

''ارے واہ! کتنے اچھے وقت پر آئے ہیں۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا اور اپنے جیجا کے گلے لگی۔

''ہم سے بھی مل لو ہم بھی کبھی تمھاری آپی ہوا کرتے تھے۔'' زارا نے منہ بنا کر کہا۔

''نہیں۔ اب میرے بیسٹ فرینڈ آصف بھائی ہیں۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر آصف کی بانہیں تھامیں اور سب ہنسنے لگے۔

''اچھا بیٹا! بیسٹ فرینڈ بدل لیا! میرے ساتھ دھوکہ!'' کوثر نے پیر پٹخ کر کہا۔

''ارے کوثر بھائی آپ تو میرے Forever Best-Friend ہیں۔'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہم دیکھا آصف، اسکی باتوں میں نہ آنا!'' کوثر نے آصف کو تنبیح کی اور آصف ہنسنے لگا۔

''حد ہوتی ہے، بات کیا ہو رہی ہے اور آپ نے کہاں مجھے لگا دیا۔ آصف بھائی چلیں شرافت سے بتائیں کے پکنک پر کب چل رہے ہیں؟'' ثمینہ نے آصف کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''بھئی اُسی حوالے سے بات کرنے آئے ہیں، پہلے آنی اور سمیرا کو بُلا لو!'' آصف نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ابھی بُلاتی ہوں۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا اور دوڑ کر سیڑھیوں پر گئی۔

''آنی! سمیرا باجی! جلدی نیچے آؤ، آج آصف بھائی مُوڈ میں ہیں۔''

ثمینہ نے Excited ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''آصف یہ نہیں مانیگی۔'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''بھئی کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں......''

آصف نے بیزاری کے عالم میں یہ جملے کہے اور جلد ہی تہمینہ بیگم اور سمیرا نیچے آئیں۔

''السلام علیکم آصف بھائی، آپی۔'' سمیرا نے آ کر کہا اور سیدھی آ کر اپنی آپی کے گلے لگی۔

''وعلیکم السلام سمیرا کیسی ہو؟'' آصف نے مسکرا کر پوچھا۔

''یہ اچھی ہیں اور گھر میں بھی سب سیٹ ہیں! اب آپ بتائیں کہ کب چل رہے ہیں پکنک پر؟''

ثمینہ نے مچل کر پوچھا۔

''ارے اُسے آنی کو سلام تو کرنے دو!'' اشرف صاحب نے اُسے ٹوکا۔

''السلام علیکم آنی!''

وعلیکم السلام آصف بیٹا کیسے ہو؟ میں ٹھیک ہوں! چلیں اب بتائیں کب چل رہی ہیں؟'' ثمینہ نے جلدی جلدی نقل اُتار کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''دیوانی ہوگئی ہے یہ لڑکی۔'' تہمینہ بیگم نے اُسے ڈانٹا۔

''چچی جان کبھی کبھی دیوانہ ہونا بھی صحت کے لیے اچھا رہتا ہے۔'' کوثر نے مسکرا کر کہا۔

''بتائیں نا آصف بھائی! کب چل رہی ہیں؟'' ثمینہ نے آصف کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

''بھئی میرے پاس ایک پروپوزل ہے۔'' آصف نے ہاتھ آگے کر کے کہا۔

''جی جی حکم کیجیے آپ جو کہیں گے ہمیں قبول ہے۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''سمندر پر جانے کے بجائے ہم یہیں گھر کے باہر باربی کیو کر لیتے ہیں۔''

آصف نے تجویز پیش کی۔

''حد ہوتی ہے۔ حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے جل کر کہا۔

''ارے! ابھی تو تم نے بولا کہ جو کہوں گا سب قبول؟'' آصف نے ہنس کر پوچھا۔

''سمندر کے علاوہ کہیں اور نہیں۔'' کوثر نے آواز بلند کر کے کہا۔

''بالکل!'' نزرل نے اٹھ کر کہا اور گانے لگا۔

''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ!''

سب نے اُسے گھورا اور نزرل بابا گھبرا کر کہنے لگے۔

''سوری دوبارہ وہی ریکارڈ لگ گیا!''

اُس کا یہ کہنا تھا کے سب ہنسنے لگے۔

''یا اللہ تم لوگ سب مل کر مجھے پاگل کر دو گے۔'' تہمینہ بیگم نے سر پکڑ کہا۔

''اب پاگل ہوں یا کچھ، پکنک پر چلنا ہوگا۔'' ثمینہ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو باربی کیو پکنک نا!'' آصف نے آگے بڑھ کر کہا۔

''بالکل نہیں۔ چلیں گے تو سمندر پر چلیں گے۔'' ثمینہ نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''بھئی زارا تم ہی اسے سمجھاو۔'' آصف نے تنگ آ کر کہا۔

''دیکھو ثمینہ۔'' زارا نے کچھ کہنا چاہا پر ثمینہ اور کوثر ایک ساتھ چلائے۔

''بالکل نہیں۔''

''ایک کام کرتے ہیں۔''

ایسے میں سمیرا کی آواز سُن کر سب نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''ہاں ہاں بولو سمیرا، کیا کام؟'' اشرف صاحب نے پیار سے پوچھا۔

''ووٹنگ کر لیتے ہیں۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''ارے واہ! یہ تو زبردست آئیڈیا ہے۔'' کوثر نے خوش ہو کر کہا اور اس نے ہاتھ اٹھا دیا۔

''دیکھا آپ لوگوں نے! کوثر بھائی نے ہاتھ اُٹھا دیا۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''نزرل بابا آپ بھی ہاتھ اٹھائیں۔'' کوثر نے خوش ہو کر کہا اور نزرل بابا نے بھی ہاتھ اُٹھایا۔

''اہمم بابا میرا خیال ہے آپ ہاتھ نیچے ہی رکھیں۔'' کوثر نے ناک پر ہاتھ رکھ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔نزرل بابا اس لمحے جل گئے۔

''میرا ووٹ! نو پکنک۔'' آصف نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''نو پکنک!'' اشرف صاحب نے بھی ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''پکنک!'' ثمینہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''پکنک!'' کوثر نے ہاتھ اٹھایا۔

''نو پکنک!'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''نو پکنک!'' سمیرا نے بھی ہنس کر کہا۔

''سمیرا باجی آپ بھی؟'' ثمینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں! مجھے پکنک پر نہیں جانا۔سوری ثمینہ۔'' سمیرا نے مسکرا کر منع کیا۔

''نزرل بابا! نزرل بابا ہاتھ اٹھاو! جلدی!'' ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

''میں نہیں اٹھا رہا!'' نزرل بابا نے چڑ کر کہا۔

''بابا! جلدی! جلدی!'' ثمینہ مچلی اور بابا نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ اٹھا لیے!

''نہیں۔'' کوثر تڑپنے لگا اور سب کا قہقہہ بلند ہو گیا۔

''دیکھا! پکنک!'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''تو یہ ہو گئے چار ووٹ نو پکنک اور پکنک والے دو۔'' آصف نے خوش ہو کر کہا۔

''تین!'' ثمینہ نے تنک کر کہا۔

''چلو تین! پھر بھی ایک کم ہے۔'' آصف نے مزے سے کہا۔

''اہم اہم۔'' تہمینہ بیگم نے اپنا گلا صاف کیا۔

''کہیے بیگم آپ کا کیا ووٹ ہے؟'' اشرف صاحب نے پیار سے پوچھا۔

''پکنک!'' تہمینہ بیگم نے خوش ہو کر ہاتھ اٹھایا۔

"Yeah!!!"۔ ثمینہ اور کوثر چلائے اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''آنی زندہ باد!'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''بیگم؟ آپ بھی؟'' اشرف صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اچھا ہے نا سمندر پر چلیں گے مزہ آئے گا شادی کے بعد پکنک کا مزہ ہی الگ ہوتا ہے۔'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''چاچی جان آپ جیو!'' کوثر نے خوش ہو کر کہا۔

''بلکہ جیو کیا! سماء ٹی وی! اے آر وائی، ایکسپریس سب آپ ہو!'' ثمینہ نے جوشیلے انداز میں کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ہاں جی تو یہ ہو گئے چار چار ووٹ برابر!'' کوثر نے اترا کر کہا۔

''چار نہیں پانچ ووٹ! میرا ووٹ پکنک کے لیے ہے۔''

اچانک گھر میں شفیق صاحب داخل ہوئے اور وہ سب اُچھل پڑے۔

''شفیق انکل!'' ثمینہ نے نعرہ لگایا۔

''زندہ باد!'' کوثر، تہمینہ بیگم اور نزر چلائے اور سب ہنسنے لگے۔

''سرکار آپ کہاں بچّوں کے ساتھ مل گئے؟'' اشرف صاحب نے اٹھ کر اُن سے ہاتھ ملایا۔

''بھئی بچوں کے ساتھ نا ملے تو مزید بڈھے ہو جائیں گے، میرا ووٹ پکنک کے حق میں ہے۔'' شفیق صاحب نے صوفے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''لیکن میرا نہیں۔''

شکیلہ بیگم نے اندر آتے ہوئے کہا۔

''شکیلہ آنٹی پلیز!'' ثمینہ نے التجا کی۔

''نہیں بھئی رنگ کالا ہو جاتا ہے اور بہت تھکن ہو جاتی ہے، واپس آ کر سب لوگ تھکے تھکے سے رہتے ہیں۔'' شکیلہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''ارے بیگم ایک دن سے کچھ نہیں ہوتا۔'' شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''بالکل ہوتا ہے، اس لیے نو پکنک!'' شکیلہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ارے یار یہ تو پھر سے ووٹ برابر ہو گئے۔'' کوثر نے پریشان ہو کر کہا۔

''حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے سر پکڑ کر کہا۔

''بھئی میں شکیلہ بھابھی کے ساتھ ہوں، پکنک نہیں ہونی چاہیے۔''

اشرف صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہونی چاہیے! بالکل ہونی چاہیے!'' شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''بالکل بھائی صاحب صحیح کہہ رہے ہیں۔''

تہمینہ بیگم نے بھی اُن کا ساتھ دیا اور وہ سب بحث کرنے لگے۔ گھر میں ایک شور شرابہ ہو گیا۔ کوثر آصف کو سمجھانے لگا جب کہ ثمینہ شکیلہ آنٹی کی منتیں کر رہی تھی۔ ایسے میں سمیرا اٹھ کر کہنے لگی۔

''ایک سیکنڈ! سب خاموش ہوں پلیز!''

سب خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''ابھی تک ووٹ پانچ پانچ سے برابر ہیں رائٹ؟'' سمیرا نے سب کو دیکھ کر کہا۔

''بالکل! بالکل!'' سب کی ملی جلی آوازیں آئیں۔

''اب جو اس گھر میں آئے گا اُس کا ووٹ مانا جائے گا۔ جو بھی آیا۔ اگر اس نے نو پکنک کا ووٹ کیا تو ہم نہیں جائیں گے اور اگر پکنک کا ووٹ ہوا تو ہم سب چلیں گے۔ منظور ہے؟'' سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

''بالکل منظور ہے؟ کیوں بھائی لوگ؟'' کوثر نے جوشیلے انداز میں پوچھا۔

''ہاں بالکل لیکن ابھی آئے گا کون؟'' تہمینہ بیگم نے الجھ کر پوچھا۔

''نتاشہ آنے والی ہوگی۔'' زارا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں! نتاشہ بس اپنی دوست کے گھر سے آنے والی ہوگی، بس اُس کا ووٹ کاونٹ ہوگا۔'' شکیلہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''ویسے شکیلہ بھابھی دھاندلی کا کوئی رستہ نہیں؟''

کوثر نے معصومیت سے پوچھا اور سب ہنسنے لگے۔ ایسے میں گھر کی بیل بجی۔ سب نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔

''لو آ گئی نتاشہ۔'' زارا نے خوش ہو کر کہا۔

''چلو بھئی تیار ہو جاؤ!'' شفیق صاحب نے مچل کر کہا۔

سمیرا نے جا کر دروازہ کھولا تو دروازے کے دوسری طرف روحیل موجود تھا۔

''ارے روحیل! آؤ بیٹے آؤ بڑے خاص موقع پر آئے۔'' اشرف صاحب نے دیکھ کر کہا۔

''السلام علیکم روحیل بھائی! آپ یہاں آئیں۔''

ثمینہ بھاگ کر آئی اور روحیل کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے کر آئی۔

''السلام علیکم سب لوگ۔'' روحیل نے سلام کیا۔

''وعلیکم سلام۔'' ملی جلی آوازیں آئیں۔

''روحیل بھائی آپ یہاں بیٹھیں، خالو جان اور شفیق انکل کے درمیاں۔'' ثمینہ نے اُسے بٹھایا اور روحیل گھبرا کر بیٹھ گیا۔ سب اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے۔

''خیریت تو ہے؟'' روحیل نے پریشان ہو کر پوچھا اور سب ہنسنے لگے۔

''ارے پہلے اُس بیچارے کو بتا تو دو۔'' تہمینہ بیگم نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' آصف نے آگے بڑھ کر کہا پھر کہنے لگا۔

''دیکھو روحیل، یہاں پر ووٹنگ چل رہی ہے، کہ کون پکنک پر جانا چاہتا ہے اور کون نہیں۔ اس وقت ووٹ پانچ پانچ سے برابر ہیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اب جو بھی آکر جو فیصلہ کرے گا وہ ہم سب مانیں گے۔'' آصف نے کہا۔

''اور تم وہ شخص ہو اس لیے فیصلہ تم ہی کرو گے۔'' شفیق صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''بولیے نا روحیل بھائی؟ کیا فیصلہ ہے؟''

ثمینہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔ روحیل نے سب پر ایک نظر ڈالی۔ سب اُسی کی طرف دیکھ رہے تھے، سب اُس کے فیصلے کے منتظر تھے۔ روحیل نے دائیں سے لے کر بائیں دیکھا اور اس کی نظریں سمیرا پر جمیں۔

''سمیرا کیا چاہتی ہے؟''

روحیل کے اس طرح پوچھنے پر سب لوگ دھک سے رہ گئے۔ اس لمحے ایک دوسرے کا چہرا دیکھنے لگے۔ خود سمیرا بھی عجیب سی ہوگئی اور حیرت کے عالم میں روحیل کو دیکھنے لگی۔

''اہم سمیرا تو نہیں جانا چاہتی۔'' زارا نے سنبھل کر بتایا۔

''باہر جانا دوستوں کے سنگ رہنا ہنسنا ملنا جلنا زندگی کے لیے بہت ضروری ہے تو پھر کیا منع کرنا کیا انکار کرنا؟''

روحیل نے سمیرا کو دیکھ کر یہ جملے کہے اور وہ روحیل کو دیکھنے لگی۔ سب کی گردنیں سمیرا کی طرف مُڑ گئیں۔

''یہاں بیٹھا ہر شخص اپنوں کو چاہتا ہے اپنوں کے ساتھ وقت بتانا چاہتا ہے، خود کے لیے نہیں تو اپنوں

کو لیے ہی صبح چلے چلو پکنک پر؟''

روحیل نے رومانوی ہوکر اُسے دیکھا اور سمیرا اُسے تکنے لگی۔ ایک عجیب سی خاموشی نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ سمیرا محو ہوکر روحیل کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی باتیں سیدھی سمیرا کے دل پر اُتریں تھیں۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر آ گئی، یہی وہ لمحہ تھا جب سمیرا نے ایک نظر روحیل کو دیکھا اور دھیرے سے کہنے لگی۔

''آنی؟ پکنک کی تیّاری کریں ہم چلیں گے۔''

''ارے واہ! روحیل! پکنک کا ووٹ دیا ہی دیا۔ ساتھ میں اپوزیشن کا ووٹ بھی لے لیا!''

کوثر اُچھل پڑا۔

''سچ میں روحیل کمال کر دیا یار!'' شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ہاں جی آصف بھائی؟ اب کیا فیصلہ ہے؟''

ثمینہ نے مچل کر آصف کے پاس آ کر پوچھا اور آصف ہار مان کر کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے چلتے ہیں پکنک پر!''

"Yeah!!!"۔

ثمینہ اور کوثر خوشی سے چلائے اور سب ہنسنے لگے۔ سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی پکنک فائنل ہوگئی تھی۔ اس لمحے بھی سمیرا مسکرا کر روحیل کو دکھ رہی تھی اور روحیل اُسے۔

☆......☆

ہفتے کے دن انھوں نے پکنک کی ٹھانی۔ روحیل نے جب زین کو بتایا کے ہفتے کے دن پکنک ہے تو وہ خوشی خوشی راضی ہوگیا اور لگا تیّاری کرنے۔ البتہ بالاج صاحب کو انھوں نے کہنا ضروری نہیں سمجھا اور سب یہ بات جانتے تھے کہ اُن جیسی شخصیت پکنک پر نہیں چلے گی۔ لیکن بالاج صاحب نے اپنا حصہ ضرور ڈالا، انھوں نے سمندر پر اپنا پرائیویٹ ریزورٹ کھلوا دیا تھا اور وہاں کی صفائی کا بھی اچھے سے حکم دیا۔ روحیل نے ایک سے ایک پکوان کا آرڈر دیا تاکہ سب لوگ پکنک کھل کر انجوائے کرسکیں۔ دوسری طرف شفیق صاحب نے ایک کوسٹر بُک کروائی تاکہ سب اُس میں ہنستے گاتے جاسکیں۔ آصف اور زارا بھی نتاشہ اور ثمینہ کے ساتھ شاپنگ کررہے تھے اور پکنک کا سامان خریدنے میں مصروف تھے۔ ثمینہ اور نتاشہ نے کئی چپس کے پیکٹ لیے جب کہ زارا جینز اور شرٹس دیکھ رہی تھیں۔ دوسری طرف سمیرا بھی تہمینہ بیگم کے ساتھ شوپنگ پر تھی اور اس نے بھی پکنک کے حوالے سے کپڑے لیے۔

ہفتے کی صبح آئی اور روحیل اپنی مرسیڈیز میں اشرف صاحب کے گھر کے باہر رُکا۔ زین بھی اس لمحے

اُس کے ساتھ موجود تھا۔ دونوں نے اُتر کر دیکھا کوسٹر آ چکی تھی اور شفیق صاحب کے گھر کے باہر موجود تھی۔ روحیل اور زین اشرف صاحب کے گھر کی طرف بڑھے اور بیل بجائی۔ دروازہ ثمینہ نے کھولا۔ اس نے لمبی کُرتی اور جینز پہنی ہوئی تھی۔

''ہائے!'' زین نے مدہوش ہو کر اُسے دیکھ کر کہا۔

''آئے ہائے!'' ثمینہ نے منہ بنا کر کہا اور زین چونکا۔

''السلام علیکم روحیل بھائی۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر سلام کیا۔

''کیا بات ہے ثمینہ ایک دم ریڈی!'' روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''دیکھ لیں پکنک کے لیے کتنی ایکسائٹڈ ہوں۔'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

''میں بھی۔'' زین نے دانت نکال کر کہا۔

''آپ کس خوشی میں اکسائٹڈ ہیں؟'' ثمینہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

''وہ کیا ہے کہ بچپن سے ہی مجھے سمندر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اتنا سارا پانی! لگتا ہے کسی نے نلکہ کھلا چھوڑ دیا۔'' زین نے خوش ہو کر کہا اور روحیل ہنس کر اُسے دیکھنے لگا۔

''چلیے آج اُسی پانی میں آپ کو ڈبو کر آؤں گی۔'' ثمینہ نے مستی میں کہا۔

''اجی! ابھی تو پکنک تو شروع ہوئی ہے دیکھتے ہیں کون کسی ڈبوتا ہے۔'' زین نے آنکھ مار کر کہا اور ثمینہ پلٹ کر اندر چلی۔

"Shit! I love her!"۔ زین نے مچل کر کہا۔

''اوئے! میری سالی ہے۔'' روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''بہت پیاری ہے۔'' زین نے مچل کر کہا اور روحیل نفی میں سر ہلانے لگا۔

''ارے روحیل، زین آ گئے تم لوگ؟''

ایسے میں اشرف صاحب نے آ کر پوچھا۔ اس وقت انھوں نے نیلی پولو شرٹ پہنی تھی اور جینز۔

''جی انکل جی۔'' روحیل نے خوش ہو کر کہا۔

''بالاج صاحب نہیں آئے؟'' اشرف صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں انکل وہ کیا ہے کہ پوپس کا چھم چھم کا کومپیٹیشن تھا تو وہ وہاں چلے گئے۔'' زین نے دانت نکال کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ارے صحیح کہہ رہا ہوں۔ سیاست میں یہی ہو رہا ہوتا ہے، آٹھ آنے کی چھالیا، آٹھ آنے کا تیل، بس اسی پر گفتگو ہو رہی ہوتی ہے۔'' زین نے مستی کے عالم میں کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''بدتمیز! چلواتنے میں تم لوگ چائے وغیرہ پیو پھر نکلتے ہیں، میں ذرا شفیق بھائی کو دیکھ کر آؤں کے تیار ہوئے کہ نہیں۔'' اشرف صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''جی جی انکل آپ جائیں تب تک ہم چائے پیتے ہیں۔''

زین نے اترا کر کہا اور ڈائینگ ٹیبل کی کُرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ روحیل بھی اُس کے ساتھ بیٹھا۔ دونوں نے تھرموس میں سے چائے نکالی اور Cheers کر کے چائے پینے لگے۔ ایسے میں تہمینہ بیگم نیچے اُترتی ہوئی آئیں۔

''ارے آ گئے تم دونوں؟''

''جی چائے پی رہے ہیں۔'' دونوں نے ایک ساتھ بچّوں کی طرح کہا۔

''یہ دیکھو ذرا اسکول کے بچّے نہیں ہوتے جیسے۔'' تہمینہ بیگم نے سر ہلا کر کہا اور وہ ہنسنے لگے۔

''چلو میں ذرا زارا کو دیکھ کر آؤں، ثمینہ سب سامان رکھو کوسٹر میں۔'' انھوں نے جاتے ہوئے کہا۔

''او کے آنی۔'' ثمینہ نے کچن میں سے جواب دیا۔

ایسے میں سمیرا سیڑھیاں اُترتی ہوئی نیچے آئی، اس نے بلیو جینز اور بلیک ٹی شرٹ پہنی تھی اور کندھوں پر شرٹ تھی جس کے آگے سے بٹن کھلے تھے۔ سر پر ہیٹ تھا۔ روحیل نے اُسے ایک نظر دیکھا اور اُس کا دیوانہ ہونے لگا۔

"Shit! I love her"۔

''اوئے! سالی ہے میری۔'' زین نے دھیرے سے کہا اور روحیل اُسے گھورنے لگا۔

''السلام علیکم زین کیا حال ہیں؟'' سمیرا نے زین کے پاس آ کر پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک آپ سنائیں کیسی ہیں؟'' زین نے خوشی سے پوچھا۔

''تمھارے بدلے کی آگ ابھی تک ٹھنڈی ہوئی یا نہیں؟'' سمیرا نے ہنس کر پوچھا۔

''اجی ایسی ویسی آگ لگی ہے۔ آپ آئیں تو صحیح۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''یہ ہے نا تمھارے بھائی جان، اب تو ہمیں پوچھتے بھی نہیں ہیں۔''

سمیرا نے روحیل کو دیکھ کر کہا اور روحیل خاموشی سے چائے پیتا رہا۔

''کون روحیل بھائی؟ ارے ان کا بس چلے تو یہ ابھی آپ کو ہمیشہ کے لیے گھر لے جائیں!''

زین خوشی کے عالم میں کہہ گیا اور روحیل کو زبردست دھچکا لگا! اور چائے اس کے منہ سے نکلی۔ سمیرا عجیب سی ہو گئی اور فوراً وہاں سے چلی گئی۔ سمیرا کے جاتے ہی روحیل نے پلٹ کر زین کو مارا۔

''ہر وقت اوور ایکٹنگ! ہر وقت اوور ایکٹنگ!''

"سوری بھائی سوری! آؤچ اللہ یہ زور سے لگی ہے۔"

زین نے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کہا اور روحیل سر پکڑ کر رہ گیا۔

آخر سب تیار ہو کر پکنک کے لیے چلے۔ سب سے آخر میں تیار ہو کر کوثر آیا جسے خوب ڈانٹ پڑی۔ شکیلہ بیگم، نتاشہ، زارا، ثمینہ، سمیرا، تہمینہ بیگم، کوثر، آصف اور زین اس وقت کوسٹر میں بیٹھے تھے۔ البتہ روحیل کے ساتھ شفیق صاحب اور اشرف صاحب موجود تھے۔ نزرل کو چائے وغیرہ بنانی تھی اس لیے اُسے بھی ساتھ لیے لیا تھا اور روحیل کی ضد تھی کے نزرل اُس کے ساتھ چلے۔ جب گاڑی میں بیٹھنے کی باری آئی تو شفیق صاحب اور اشرف صاحب نے پیچھے بیٹھنا مناسب سمجھا جب کہ روحیل نے نزرل کو اپنے برابر والی سیٹ پر بٹھایا۔ یہ دیکھ کر سب مسکرانے لگے۔ غریب آدمی نزرل مشکلوں سے اپنے آنسوؤں کو روک پایا۔ روحیل کو بڑوں کی عزّت کرنا آتا تھا اور یہ ہنر اُسے اس کی ماں سے ملا تھا۔

کوسٹر میں ایک ہلّڑ بازی ہو رہی تھی۔ سارا رستہ وہ لوگ انتاک شری کھیلتے رہے، بس ڈرائیور کا بھی دماغ خراب ہو گیا۔ کوثر اور زین تو کنڈکٹروں کی طرح لٹک لٹک کر سفر کر رہے تھے جسے دیکھ کر آنے جانے والے بھی ہنس رہے تھے۔

آخر کار وہ بالاج صاحب کے پرائیوٹ ریزورٹ میں پہنچے۔ ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر اُن کا استقبال کر رہا تھا اور وہ سب سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں کو محسوس کرنے لگے۔ کوسٹر رُکی ہی تھی کے بالاج صاحب کے بارہ نوکروں نے آ کر اُن کا سامان لیا اور ریزورٹ میں لے گئے۔ وی آئی پی استقبال دیکھ کر اشرف صاحب کی فیملی تعریف کرنے لگی اور روحیل، زین مسکرانے لگے۔

جلد ہی ساری چیزیں رکھ کر وہ سمندر کی طرف چلے۔ زین اور کوثر میں ریس لگ گئی کہ پہلے کون سمندر پر پہنچے گا۔ دونوں دوڑتے ہوئے موجوں میں جا ملے اور لگے ڈبکیاں لگانے۔ البتہ تہمینہ بیگم، شکیلہ بیگم، زارا، نتاشہ، ثمینہ اور سمیرا اسکون سے چلتی ہوئیں سمندر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ شفیق صاحب اور اشرف صاحب بھی باتیں کرتے ہوئے ٹہل رہے تھے۔

روحیل کپڑا بچھا کر سمندر کی ریت پر بیٹھا ہوا لوشن اپنے ہاتھوں پر لگانے لگا۔ اس وقت اس نے سفید جینز، سفید شرٹ پہنی تھی۔ آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ لگا تھا اور وہ سمندر کی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا، زین، کوثر اور آصف چُپکے چُپکے زارا کے پیچھے جا رہے ہیں اور زارا اُن سے بے خبر تھی۔ انھوں نے زارا کو پکڑ لیا! اور زارا بوکھلا کر اُن کے کندھوں پر اٹھی۔ پھر کیا ہونا تھا، زارا کو پھینکا لہروں پر اور زارا پُوری طرح بھیگ گئی۔ سب ہنس ہنس کر دیوانے ہونے لگے۔ زارا پانی سے نکلی اور آصف کے اوپر پانی اُچھالا لیکن آصف ہنستا ہوا دُور ہو گیا۔ جلد ہی اُن کا اگلا شکار تہمینہ بیگم تھیں جو کہ چھپّاک سے جا کر پانی میں

گریں! اُن کا حال بھی زارا سے مختلف نا ہوا۔

روحیل ہنس کر یہ منظر دیکھنے لگا۔ کچھ ہی پل گزرے ہوں گے کہ ثمینہ کا بھی یہی حال ہوا۔ ثمینہ چالاک تھی دوڑ لگا گئی لیکن زین کی رفتار کے آگے اس کی رفتار پھیکی پڑ گئی اور زین نے کوثر کے ساتھ مل کر اُسے بھی پانی میں پھینکا۔ ثمینہ نے پانی سے نکل کر صرف اتنا ہی کہا۔

''حد ہوتی ہے۔''

یہ سُن کر سب کے سب ہنس پڑے۔

نتاشہ کو اٹھانے کے لیے سب نکل کر باہر آئے اور بڑی مشکلوں سے اُسے اٹھا کر پانی میں پھینکا! روحیل ہنستا رہ گیا۔ اس نے گردن گھما کر سمیرا کی طرف دیکھا۔ سمیرا اُس سے دُور ساحل پر سے سیپیاں چُن رہی تھی۔ روحیل مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔ فضا میں لہراتے اُس کے بال ایک دلکش نظارہ پیش کر رہے تھے اور سب چیزوں سے بے خبر سمیرا سیپیوں کو چُننے میں مشغول تھی۔ ایسے میں آصف اُس کے پاس آیا۔

''سمیرا؟ کیا کر رہی ہو؟''

''آصف بھائی سیپیاں چُن رہی ہوں۔'' سمیرا نے مسکرا کر بتایا۔

''سیپیاں؟ وہ کیوں بھئی؟'' آصف نے ہنس کر پوچھا۔

''امی کہا کرتی تھیں کہ یہ سمندر کا خزانہ ہیں، اسلیے انھیں چُن رہی ہوں۔''

سمیرا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ارے بعد میں چُن لینا، ابھی سمندر میں آؤ سب انجوائے کر رہے ہیں۔'' آصف نے اُسے بُلایا۔

''آپ چلیں میں۔''

''پکڑ لیا!''

اچانک زین اور کوثر نے سمیرا کو اٹھایا اور سمیرا بوکھلا گئی!

''نہیں۔ زین نہیں۔''

سمیرا چلائی لیکن وہ کہاں سُننے والے تھے، سمیرا کو انھوں نے پانی میں پھینکا اور سمیرا چھپاک سے پانی کے اندر گری! روحیل یہ دیکھ کر ہنستا رہ گیا مگر اس کی ہنسی جیسے کہیں کھو گئی اُس کا سانس جیسے رُکنے لگا دل دھڑک اُٹھا...... اور وہ اسی دھڑکتے دل کے ساتھ سمیرا کو تکنے لگا۔ سمیرا پانی سے کسی جل پری کی طرح نکلی۔ اُس کے بال اور بدن گیلا ہو چکا تھا اور وہ انتہائی دلکش لگ رہی تھی۔ روحیل کی محبت ایک بار پھر اپنے عروج پر جا پہنچی اور وہ اپنی جانِ من کو تکنے لگا۔ سمیرا اب زین کے پیچھے بھاگ رہی تھی اور زین اُس سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ قُدرت کا ایک کرشمہ سمیرا تھی اور روحیل اپنی محبت پر فخر کرتا رہ جاتا۔ اب سمیرا دیگر خواتین

کے ساتھ پانی میں موجود تھی، وہ ہنس رہی تھی، مسکرا رہی تھی، اگر کسی کے لبوں سے مسکراہٹ غائب تھی تو وہ روحیل تھا، جو اُس کے پیار میں دیوانہ ہوتا جا رہا تھا۔

قریب قریب دس منٹ بعد روحیل نے محسوس کیا کہ سمیرا اس کی طرف ہی چلتی ہوئی آ رہی ہے۔ روحیل محو ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ دل دھڑک اُٹھا۔ بلا شبہ سمیرا اس کی طرف آ رہی تھی۔ جلد ہی بھیگی ہوئی سمیرا اُس کے پاس پہنچی اور مسکرا کر کہنے لگی۔

''آپ سب سے اتنا دُور کیوں بیٹھے ہیں؟''

روحیل نے نظر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور کہا۔

''یہ بات سب جانتے ہیں...... مجھے بھیگنا نہیں پسند۔''

''تو آپ سب سے الگ رہیں گے؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''اکثر تنہائی میں مزہ آتا ہے۔'' روحیل نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''مجھ سے کسی نے کچھ کہا۔''

سمیرا نے دھیرے سے یہ لفظ کہے اور پیروں کے بل بیٹھی۔ روحیل اُس کا چہرا تکنے لگا۔

''باہر جانا دوستوں کے سنگ رہنا ہنسنا ملنا جلنا زندگی کے لیے بہت ضروری ہے تو پھر کیا منع کرنا کیا انکار کرنا؟''

سمیرا نے اُس کے جملے دوہرائے اور روحیل دیوانہ ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔

''یہاں موجود ہر شخص اپنوں کو چاہتا ہے اپنوں کے ساتھ وقت بتانا چاہتا ہے اگر خود کے لیے نہیں تو اپنوں کو لیے ہی صحیح ہے نا؟''

سمیرا نے دھیرے سے پوچھا اور روحیل جو دل پہلے سے ہی ہارا ہوا تھا مزید ہارتا چلا گیا۔ سمیرا مسکرا کر چل دی اور روحیل اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اُسے جاتا ہوا دیکھنے لگا۔ بھیگی ہوئی سمیرا اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی جسکا بیاں لفظوں میں ناممکن تھا۔ روحیل محو ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔

''پکڑ لیا!!۔''

اچانک زین، کوثر اور آصف نے روحیل کو اٹھایا اور لے کر چلے سمندر کی طرف!

"Whao!! guys No!! No!!"۔

وہ چلایا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ چھپاک! کر کے انھوں نے روحیل کو پانی میں پھینکا اور وہ پُورا بھیگ گیا۔ خاندان والوں کا ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔ سمیرا بھی ہنس کر اس لمحے روحیل کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ بھیگا ہوا اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسی کے ساتھ زین، کوثر اور آصف نے بھی ڈبکیاں لگائیں۔

نجانے کتنی دیر وہ لوگ پانی میں رہے کہ دوپہر کا وقت ہوگیا۔ سمندر کی موجوں سے ہٹ کر اب وہ کرکٹ کھیلنے لگے۔ زین اس وقت بولنگ کر رہا تھا اور شفیق صاحب اس کی بولنگ پر بھرپور بیٹنگ کر رہے تھے۔ کوثر اور زین مل کر بولنگ کر رہے تھے جب کہ بیٹنگ پر شفیق صاحب چپک کر کھڑے ہوگئے تھے۔

''ماموں! اب دوسروں کو بھی چانس دے دیں!'' زین نے بال پکڑے ہوئے کہا۔

''آوٹ کر کے دکھاو!'' شفیق صاحب نے بلّا لہرا کر دکھایا۔

''اچھا یہ بات ہے؟'' زین نے ہنس کر کہا۔

''بالکل!'' انھوں نے مزے سے کہا۔

''بھئی زین کچھ کرنا پڑے گا۔'' اشرف صاحب نے ہنس کر کہا۔

''دیکھتے جایئے سر۔''

زین نے اترا کر یہ جملے کہے اور بولنگ کی اور تب ہی شفیق صاحب نے آف سائیڈ پر شوٹ مارا اور کوثر نے پھرتی سے کیچ پکڑ لیا!

''وہ مارا! کیچ آوٹ!'' اشرف صاحب نے خوشی سے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''کیوں ماموں؟ گئی نا وکٹ؟'' زین نے ناچتے ہوئے کہا۔

''تیری تو!'' شفیق صاحب نے بلّا اٹھایا۔

''ارے باپ رے! خود کو جاوید ہم کو ڈینیس للّی سمجھے ہو کیا؟''

زین نے بوکھلا کر کہا اور سب ہنس پڑے۔

''ہاں بھئی اب کون آئے گا بیٹنگ پر؟'' شفیق صاحب نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''میں آوں گی۔''

ایسے میں ثمینہ کی آواز آئی اور وہ دوڑتی ہوئی بیٹنگ کرنے آ گئی۔

''ارے ارے! یہ لڑکیوں کے کھیلنے کی جگہ نہیں ہے۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''آج کل لڑکیاں سب کام کر سکتی ہیں۔'' ثمینہ نے اترا کر کہا۔

''فضول بات!'' زین نے منھ بنا کر کہا۔

''اچھا؟ تو بتاو کیا نہیں کر سکتیں؟'' ثمینہ نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''پان کھا کر گُٹکے کی پی کر تھوک سکتی ہو؟''

زین نے چڑ کر پوچھا اور سب ہنسنے لگے۔ ثمینہ ڈگمگا گئی۔

''بتاو بتاو!'' زین مستی میں بولا اور وہ منھ بنا کر رہ گئی۔ یہ دیکھ کر سب ہنس پڑے۔

”حد ہوتی ہے۔میں جا رہی ہوں بیٹنگ پر۔“ ثمینہ بلّا لے کر چلی۔
”چل بھائی! زین تم ہی اسے آؤٹ کرو!“
شفیق صاحب نے زین کی طرف گیند اُچھالی اور زین نے اُچک کر گیند پکڑی۔اب زین لگا ہاتھ گھمانے اور یوگا کرنے۔ثمینہ یہ دیکھ کر منہ بنانے لگی۔
”کیا کر رہا ہے بھائی پینٹ پھٹ جائے گی؟“
اشرف صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔
”انکل تیار ہو رہا ہوں، پہلی بال پر آؤٹ کرنا ہے۔“ زین نے جوشیلے انداز میں کہا۔
”دیکھتے ہیں دیکھتے ہیں۔“
ثمینہ نے جل کر یہ جملے کہے اور بیٹنگ کرنے لگی۔زین بولنگ کرنے آیا اور فرّاٹے دار بول ثمینہ کی طرف پھینکی۔ثمینہ نے آنکھ بند کر بلّا چلایا اور بال ہوا میں!
”میں پکڑوں گا!“ کوثر نے چلّا کر کہا اور بال کے نیچے آیا۔
”ہٹ جاو! ہٹ جاؤ سب!“
زین بھی چلّاتا ہوا بال کے نیچے آیا۔ثمینہ یہ منظر دیکھنے لگی۔اشرف صاحب اور شفیق صاحب بھی منہ کھولے دیکھ رہے تھے۔تب ہی کوثر اور زین بال کے نیچے آئے اور دونوں دھڑام سے ٹکرائے! سب کے منہ سے قہقہہ اُبل پڑا اور وہ دونوں اپنے سر سہلانے لگے۔بال نیچے گر چکی تھی اور ثمینہ ابھی بھی ناٹ اوٹ تھی۔

☆......☆

روحیل ریزورٹ کے اوپر والی منزل پر کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑا تولیے سے اپنا منہ پونچھ رہا تھا۔ایسے میں سمیرا چلتی ہوئی اندر آئی اور تولیہ تلاش کرنے لگی۔روحیل نے خاموشی سے تولیا اس کی طرف بڑھا دیا۔
”تھینکس۔“
سمیرا نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور تولیہ لے کر آئینے کے سامنے اپنا چہرا پونچھنے لگی۔روحیل اس لمحے عین اُس کے پیچھے موجود تھا یہ پہلی بار تھا کہ روحیل اُس کے اتنے پاس آیا تھا...... وہ اس کی زلفوں کو، گردن کو بہت پاس بہت پاس سے دیکھنے لگا...... یہ پہلی بار تھا...... کہ روحیل سمیرا سے...... اس قدر قریب ہوا...... اس قدر حسن...... آج سے پہلے کبھی نا اس نے دیکھا تھا...... وہ سوچنے لگا...... کہ کاش...... کاش...... اُس کے بس میں ہوتا...... تو ہٹا کر چاند تاروں کو...... وہ نیلے آسماں پر...... بس...... سمیرا کا چہرا سجا دیتا...... یہی

وہ لمحہ تھا...... جب...... روحیل اپنے آپ پر قابُو نا رکھ سکا...... اس کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں...... سانس جیسے اکھڑنے لگا...... وہ آنکھیں بند کیے...... سمیرا کی زلفوں کا اثیر ہوا...... دھیرے دھیرے ہولے ہولے وہ اپنے لبوں کو سمیرا کی زلفوں سے لگانے لگا......

آئینے میں سمیرا بخوبی...... روحیل کو دیکھ سکتی تھی...... اس کی سانسوں کو محسوس کرسکتی تھی...... اُس کے لمس کو...... اپنے بدن سے...... لگتا ہوا...... محسوس کرسکتی تھی...... پر وہ بُت بنی کھڑی بس آئینے میں...... روحیل کو تکنے لگی اس کی سانسیں جیسے تھم گئی ں اور وہ وہیں برف کی سی بن گئی...... روحیل حد سے تھوڑا اور آگے بڑھا...... دھیرے سے...... اپنے ہاتھ...... سمیرا کی کمر پر رکھے روحیل کی انگلیوں کا لگنا تھا...... کہ سمیرا کی آنکھیں بند ہوئیں...... اس کی سانسیں تیز ہونے لگیں...... روحیل کی کانپتی ہوئی انگلیاں...... سمیرا کے بدن سے لگی ہوئی تھیں...... اور سمیرا آنکھیں بند کیے اُس کے ہاتھوں کو محسوس کرسکتی تھی...... وہ اور قریب ہوا...... اور قریب...... اور قریب یہاں تک کہ...... اُس کے لبوں نے...... سمیرا کی گوری گردن کو چھوا۔

''ہاہ......''

سمیرا کا سانس رُک گیا وہ بھیگی ہوئی تو تھی مگر گیلی اب ہوئی...... اور وہ آنکھیں بند کیے رہی...... اُس کا جسم کانپنے لگا...... دل سینے میں اُچھلنے لگا...... وہ تڑپ رہی تھی مچل رہی تھی...... روحیل کی دُھن پر گھنگرو پہنے ہوئے ناچ رہی تھی...... مگر وہ ساکت رہی...... وہ ساکت رہی...... صرف محسوس کرتی رہی...... یہ پہلی بار تھا...... کہ روحیل نے اُسے چھوا ہو...... وہ اس لمحے بہک چُکا تھا...... اور...... سمیرا سے قریب ہوتا جارہا تھا...... اب وہ روحیل کی بانہوں میں تھی اور روحیل دیوانوں کی طرح...... اپنے لب اس کی گردن پر...... پھیر رہا تھا دونوں کی آنکھیں مکمل بند تھیں...... سمیرا کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا...... اُس کا سانس بڑھ رہا تھا...... لیکن وہ ساکت کھڑی رہی...... جیسے اُس کے جسم میں روح نا ہو...... نجانے...... نجانے...... ایسی کیا کشش تھی اُس میں...... وہ جتنا نظر انداز کرنا چاہتا...... اُسی کی طرف...... کھنچتا چلا جاتا...... یہی وہ لمحہ تھا...... جب روحیل نے...... دھیرے سے سمیرا کی گردن کو چُوما۔

''آہ......''

سمیرا کی آنکھوں کی پُتلیاں اوپر جانے لگیں اُسے نشہ محسوس ہوا...... اس نے آنکھیں بند کیں...... اُس کا خوبصورت سینہ دھڑکتے دل کے ساتھ...... اوپر اور نیچے ہونے لگا سانس بڑھ رہا تھا گردن پر پسینہ نمودار ہوا...... سمیرا اب بھیگ رہی تھی وہ تیزی سے بھیگ رہی تھی اور روحیل اُس کے بھیگے بدن کو محسوس کرسکتا تھا...... سمجھ سکتا تھا...... دونوں اس لمحے میں بہے جارہے تھے.......... دونوں اس وقت کسی اور

جہاں میں تھے...... جہاں ان کے سوا کوئی نہیں...... کوئی بھی نہیں، اس دُنیا سے انھیں کیا لینا جب ساری کائنات انھیں ایک دوسرے کی بانہوں میں مل گئی...... اس دُنیا کے لوگوں سے انھیں کیا لینا جب سب کچھ ان کے پاس تھا...... دونوں پیار کی گہرائیوں میں ڈوب رہے تھے...... مسلسل ڈوب رہے تھے...... اس لمحے اس پل وہ دونوں ایک دُوجے کے لیے تھے...... صرف ایک دوجے کے لیے...... تیسرا کوئی نہیں...... کوئی نہیں............

"روحیل؟"

اچانک کسی تیسرے کی آواز آئی اور وہ دونوں بُری طرح اُچھلے!

پلٹ کر دیکھا تو شکیلہ بیگم حیران ہو کر اُن دونوں کو اس حال میں تک رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔

سمیرا بُری طرح گھبرا گئی اور تولیہ اپنے سینے پر رکھ کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ شکیلہ بیگم نے اُسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ اب انھوں نے پلٹ کر روحیل کو دیکھا تو وہ سر جھکا کر دیوار سے ٹیک لگا گیا۔

"ہمم۔" شکیلہ بیگم کے منھ سے نکلا اور وہ چلتی ہوئی اُس کے پاس آئیں۔

"یہ کیا ہو رہا تھا؟" انھوں نے بھنویں چڑھا کر پوچھا اور روحیل ادھر اُدھر دیکھ کر کہنے لگا۔

"کیا ہو رہا تھا؟ کچھ بھی تو نہیں۔"

"چُپ!"

شکیلہ بیگم نے اُس کے سر پر ہاتھ مارا اور روحیل مسکرانے لگا۔

"پیار کرتے ہو اُس سے؟"

شکیلہ بیگم نے نرم لہجے میں پوچھا اور روحیل نے جی بھر کر اپنی مامی کا چہرا دیکھا، اس نے سر جھکایا اور جیسے محو ہو کر کہنے لگا۔

"نہیں مامی...... یہ...... یہ پیار سے بہت بڑھ کر ہے...... یہ عشق سے بہت آگے ہے...... یہ ایک ایسی کیفیت ہے، جس کا میں خود نام نہیں جانتا...... میں نہیں جانتا...... مامی...... مجھے اب چہرے نظر آنے لگے ہیں...... چھوٹے چھوٹے بچّوں کے...... اُن کے چھوٹے سے ہاتھ پاؤں...... مامی...... مجھے ایک گھر نظر آنے لگا ہے...... جس گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں...... اور سمیرا ہے......"

روحیل آنکھوں میں آنسو لیے کہتا جا رہا تھا اور شکیلہ بیگم کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اب آپ ہی کہیے یہ صرف پیار ہی تو نہیں...... یہ تو...... یہ تو پُوری ایک زندگی ہے...... جو میں نجانے

کیسے جینے لگا ہوں......'' روحیل جیسے اپنے آپ سے کہتا گیا۔
''مجھے تو تب ہی شک ہو گیا تھا جب سب کے سامنے پوچھا کہ سمیرا کیا چاہتی ہے۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔
''مجھے پتا تھا کہ تمھیں سمیرا ضرور پسند آئے گی......وہ بالکل زہرا جیسی ہے۔'' انھوں نے مسکرا کر کہا۔
''مامی۔'' روحیل کہ منہ سے نکلا اور اس نے اپنی مامی کے ہاتھوں کو تھاما۔
''میں......میں بہت خوش ہوں......''
''میں بھی بہت خوش ہوں، مجھے یقین ہے سمیرا ایک اچھی بہو اور بیوی بنے گی۔''
شکیلہ بیگم نے پیار سے کہا اور روحیل موتی جیسے آنسو آنکھوں میں ٹکائے مسکرانے لگا۔
''تو رشتہ کب دے رہے ہو؟'' انھوں نے پوچھا۔
''ایک بار سمیرا ہاں کر دے پھر۔'' روحیل نے سوچ کر جواب دیا۔
''تم پاگل ہو؟ وہ لڑکی تمھاری محبت میں گرفتار ہے اور تم اس کی ہاں کا انتظار کر رہے ہو؟'' انھوں نے حیران ہو کر پوچھا۔
''پتا نہیں مامی! جو آپ نے دیکھا وہ شاید صرف ایک اٹریکشن ہو شاید وہ مجھے بطور شوہر قبول نہ کرے......''
روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔
''پاکستانی لڑکی کو اٹریکشن نہیں ہوتی، یہاں لڑکیاں محبت کرتی ہیں اور اپنا سب کچھ اپنے جیون ساتھی کو دے دیتی ہیں۔ اور میں نے صاف دیکھا ہے، سمیرا کے انگ انگ میں تمھارا نام لکھا ہے، وہ صرف تمھاری ہے۔''
شکیلہ بیگم نے پیار سے کہا۔ روحیل نے اُن کا ہاتھ تھاما۔
''مامی I love you
"I love you too My Son"۔
شکیلہ بیگم نے پیار سے کہا اور وہ ان کے گلے لگا۔ روحیل اس لمحے بہت خوش تھا، بہت خوش۔
☆......☆
سمندر ٹھاٹے مار رہا تھا اور لہریں اوپر اُٹھ رہی تھیں۔ گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس وقت آصف، اپنی نئی نویلی بیوی کا ہاتھ تھامے ساحل پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے پیار میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''پکنک کا آئیڈیا بہت اچھا رہا، بہت مزہ آیا۔'' زارا نے خوش ہو کر کہا۔

''واقعی، اچھا لگا ذرا شہر سے ہٹ کر سمندر پر آنا۔'' آصف نے چلتے ہوئے کہا۔

''بالاج انکل نے اہتمام کتنا زبردست کر کے دیا۔'' زارا نے تعریف کی۔

''پھپا صاحب کا یہی ہے، ہر کام کرتے ہیں تو بہترین کرتے ہیں۔''

آصف نے مختصر جواب دیا اور خاموش ہوا۔

''کیا بات ہے آصف؟ آپ کچھ چُپ چُپ سے لگ رہے ہیں؟''

زارا نے اپنے شوہر کو دیکھ کر پوچھا۔

''زارا......! تمھیں نہیں لگتا کہ روحیل سمیرا کو پسند کرتا ہے؟'' آصف نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''آپ کو محسوس ہوا؟'' زارا نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں۔'' آصف نے ہاں میں سر ہلایا۔

''ہاں وہ پسند کرتا ہے لیکن کس حد تک یہ مجھے نہیں پتا۔ سمیرا نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ وہ چاہتا ہے شادی کرنا لیکن پتا نہیں ابھی تک کوئی رشتہ تو نہیں آیا......'' زارا نے اپنے شوہر کو دیکھ کر بتایا۔

''اور تمھیں لگتا ہے کہ یہ رشتہ صحیح رہے گا؟'' آصف نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''میری اللہ سے دعا ہے کہ سب صحیح رہے، سمیرا میری طرح نہیں ہے وہ بہت ٹوٹی ہوئی ہے، روحیل کو بہت محنت کرنی پڑے گی۔'' زارا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہی بات میں تم سے کہنا چاہ رہا ہوں......سمیرا تمھاری طرح نہیں ہے اور روحیل میری طرح نہیں ہے میں تو مان گیا کہ تمھارے والدین کا حادثہ ہوا مگر شاید روحیل نا مانے۔''

آصف کے یہ جملے زارا پر کسی قیامت کی طرح گرے۔ وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ وہ خوف کے عالم میں آصف کا چہرا دیکھنے لگی۔ آصف نے اپنی زوجہ کو دیکھا اور پیار سے اُس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا۔

''گھبراؤ نہیں میری محبت تمھارے لیے کبھی ختم نہیں ہو سکتی لیکن ہاں مجھے یہ بات پتا ہے کہ تم نے اپنے والدین کے بارے میں جھوٹ کہا ہے اُس جھوٹ کی وجہ کیا ہے؟ میں نہیں جانتا لیکن اب......جب کہ ہم میاں بیوی ہیں......تو جاننا چاہتا ہوں ہم ایک دوسرے کے ماضی کے بارے میں جان سکتے ہیں ہے نا؟''

آصف کے کہنے پر زارا سر جھکا کر سوچنے لگی۔ وہ اس لمحے کافی ڈر گئی۔

''مجھے بتاؤ زارا اصل میں کیا بات ہے؟ کیا ہوا تھا تم لوگوں کے ساتھ؟ ایسی کون سی قیامت ہے جسے تم نے اپنے سینے میں چھپایا ہوا ہے؟''

زارا نے سر اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا اور گہرا سانس لے کر کہنے لگی۔

''ٹھیک ہے آج رات میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی......سب کچھ۔''

زارا کی بات سُن کر آصف نے اُسے گلے سے لگا لیا اور زارا اُس کے سینے سے لگتی چلی گئی۔

☆......☆

دو پہر کے دو بجے اور سب پلٹ پلٹ کر ریزورٹ میں آنے لگے۔ مردوں نے اپنی محفل گیلری میں لگا لی جب کہ خواتین کھانا لگانے میں مصروف ہو گئیں۔ سمیرا اس لمحے بُری طرح گھبرائی ہوئی تھی اور شکیلہ بیگم سے نظریں چُرانے کی بھرپور کوشش کرنے لگی۔ جب کہ شکیلہ بیگم اس لمحے اس کی اس حالت کا خوب مزہ لے رہی تھیں جب سمیرا ان کے پاس سے گزرتی تو وہ اُسے گُھورنے لگتیں اور سمیرا مزید گھبرا کر وہاں سے ہٹ جاتی۔ اُس کے پیٹ پیچھے مسکرانے لگتیں۔ آخر کار کھانا لگا اور سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ روحیل نے بہت مختصر کھانا کھایا اُس کا من صرف سمیرا کی طرف تھا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح ایک بار پھر وہ اُس کے ساتھ تنہا ہو جائے اور وہ اپنے محبوب کو جی بھر کے بانہوں میں لے سکے۔ دوسری طرف سمیرا اب روحیل کو مکمل نظر انداز کر رہی تھی۔ مردوں میں کھانا لا کر رکھتی لیکن روحیل کی طرف دیکھتی بھی نا۔ اس بات کا اس نے بُرا نہیں مانا وہ جانتا تھا کہ سمیرا کی کیا کیفیت ہے اس لیے ایک مسکراہٹ اُس کے لبوں پر سجی تھی۔

کھانے کے بعد باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ٹھنڈی ہوا اور سمندر نے سب ہی کا من لبھایا ہوا تھا۔ نزرل بابا گرم گرم چائے جب سب کے لیے لے کر آئے تو محفل اور رنگین ہو گئی، اشرف صاحب کی فرمائش پر نزرل بابا نے سب کو گانا بھی سُنایا اور وہ تالیاں بجا کر اُن کا گانا سُننے لگے، زین اور ثمینہ ایک بار پھر اپنے موبائل نکال کر نزرل بابا کی وڈیو بنانے لگے۔ چائے کے بعد کسی نے چہل قدمی شروع کی تو کسی نے سمندر کے پاس بیٹھنا مناسب سمجھا۔ تصویریں لی جانے لگیں۔ روحیل نے زارا اور آصف کے ساتھ تصویر بنوائی۔ شفیق صاحب، شکیلہ بیگم اور اشرف صاحب تہمینہ بیگم ایک تصویر میں آئے۔ کوثر اور زین مستیاں کرتے ہوئے سیلفی بنانے لگے جب کہ لڑکیاں بھی کسی سے کم نہیں تھیں۔ نتاشہ اور ثمینہ مستیاں کر رہی تھیں اور ہر سیکنڈ کبھی SnapChat تو کبھی TikTok بنا رہی تھیں۔ غرض کہ ہر کوئی اس پکنک کے مزے لے رہا تھا۔ روحیل اس لمحے بہت خوش تھا، اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی منزل کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔

شام آٹھ بجے سب کی پکنک پر سے واپسی ہوئی۔ شکیلہ بیگم کا اندازہ بالکل درست تھا، سب کے سب بُری طرح تھکے ہوئے تھے اور کسی میں کوئی جان نہیں تھی۔ جو جوش کا عالم صبح جاتے ہوئے تھا اب سب

ادھر اُدھر ہو کر سوئے پڑے تھے۔ نتاشہ تو پورا راستہ سوتے ہوئے آئی، شکیلہ بیگم اور زارا کے پاوں بھی شل ہو گئے تھے۔ ثمینہ نے بھی زارا کے کندھے پر سر رکھا ہوا تھا جب کہ سمیرا پاوں اوپر کر کے کوسٹر کی کھڑکی سے باہر نظارہ کر رہی تھی۔ جلد ہی اُن کی کوسٹر شفیق صاحب کے گھر کے باہر آ کر رُکی۔ روحیل کی مرسیڈیز بھی پیچھے ہی آ کر رُکی۔ روحیل، آصف، کوثر اور زین جلدی جلدی سارا سامان کوسٹر سے نکال کر باہر رکھا۔ جب کہ زارا نتاشہ کو تھام کر گھر لے جا رہی تھی۔ سمیرا اور ثمینہ نے بھی سامان اپنے گھر میں رکھا اور اس طرح سارا کام مکمل ہوا۔

سب سے اجازت طلب کر کے روحیل اور زین گاڑی میں بیٹھے اور گھر کی طرف چل پڑے۔ جلد ہی بارش شروع ہوئی بوندیں تیزی سے کراچی کی سڑکوں پر گر رہی تھیں، روحیل نے گاڑی چلاتے ہوئے مسکرا کر زین کی طرف دیکھا تو وہ سر جھکا کر سو چکا تھا۔ وہ مسکرایا اور گاڑی چلاتا چلا گیا۔

کراچی اب برس رہا تھا، بارش تیز ہو چکی تھی...... لیکن کچھ بُوندیں زارا کی آنکھوں میں بھی موجود تھیں اور آصف سکتے اور خوف کے عالم میں بیٹھا...... زارا کی تباہی کی داستاں سُن رہا تھا۔

''یا اللہ۔'' سب کچھ سُن کر آصف کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

''انسپیکٹر احمد نے ہمیں فوراً لاہور سے جانے کے لیے کہا اور میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سمیرا اور ثمینہ کا ہاتھ تھام کر آنی کے پاس لے آئی اگر آنی ہمیں جگہ نا دیتیں تو پتا نہیں ہم تینوں کا کیا ہوتا۔''

یہ کہہ کر زارا زار و قطار رونے لگی اور آصف خاموش رہا۔

''اپنی پھول جیسی معصوم بہنوں کو...... میں اُس دلدل سے نکال لائی ہوں آصف جہاں موت کے سوا کچھ نا تھا...... کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں......''

زارا نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور سر جھکا کر زار و قطار روتی چلی گئی۔

آصف اُٹھ کر اپنی بیوی کے پاس آیا اور اُس کا ہاتھ تھاما۔

''اتنی بہادر ہو تم؟'' آصف نے بھاری دل کے ساتھ پوچھا۔

''اب تھک گئی ہوں آصف اب تھک گئی ہوں۔'' زارا نے روتے ہوئے کہا۔

''کیا سب کچھ جان کر؟ روحیل سمیرا سے شادی کرے گا؟'' آصف نے جیسے اپنے آپ سے پوچھا۔

''پتا نہیں آصف میں نہیں جانتی مگر میری بہنیں بہت بھولی ہیں بہت معصوم ہیں۔'' زارا نے روتے ہوئے کہا۔

''تم فکر مت کرو...... روحیل سمیرا سے ضرور شادی کرے گا...... یہ میرا وعدہ ہے تم سے بس آج کے بعد...... ہم اس بارے میں کبھی بات نہیں کریں گے...... جو بیت گیا سو بیت گیا...... اب ہم ہیں اور ہماری

زندگی سمیرا اور ثمینہ اب اکیلی نہیں ہیں......اب اُن کا بھائی یہاں موجود ہے......''

آصف نے اپنی بیوی کو دیکھ کر کہا اور زارا کا دل بھر آیا۔

''آصف۔''

زارا روتے ہوئے آصف کے گلے لگ گئی اور آصف نے اپنی بیوی کو سینے سے لگا لیا۔بجلی اس لمحے بہت زور سے کڑک اٹھی۔

☆......☆

زین گھر جاتے ہی بستر پر گرا اور سو گیا۔دن بھر کی مستیوں نے اُسے تھکا دیا تھا، جوتے بھی نہیں اُتارے اُسنے۔روحیل مسکرا کر اُس کے جوتے اور موزے اُتارنے لگا پھر پیار سے اُسے کمبل اوڑھایا۔وہ مسکرا کر اپنے بھائی کے کمرے سے نکلا اور نیچے کی طرف چلا۔اُس کے خیالوں میں اس وقت سمیرا تھی اور کوئی نہیں۔بارش بہت تیز ہو رہی تھی، روحیل نیچے جا کر باغ کے دروازے سے لگ کر کھڑا ہوا اور بارش کو دیکھنے لگا لیکن یہ کیا؟اس نے محسوس کیا کہ باغ میں کوئی سایہ موجود ہے۔

وہ چونک گیا......اور بغور دیکھنے لگا......تو اُسے ایک لڑکی کھڑی نظر آئی......وہ لڑکی بارش میں کھڑی شاید......شاید مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی روحیل اُس کمسن سی لڑکی کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا اور اُس پر...... یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ وہ لڑکی کوئی اور نہیں اس کی زندگی اس کی محبت اس کی رانی......اس کی ملکہ سمیرا ہے۔

وہ حیران رہ گیا اور اسی حیرت کے عالم میں اُسے دیکھنے لگا......سمیرا نے اس لمحے سفید ساڑھی پہنی ہوئی تھی......اور چہرے پر شرارت ہی شرارت......سمیرا مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی......اور نجانے کیا ہوا کہیں سے کوئی سُر چھڑا کہیں کوئی دھمک اُٹھی سمیرا بارش میں جھومنے لگی......روحیل سکتے کے عالم میں......سمیرا کو بارش میں جھومتے ہوئے دیکھ رہا تھا......سمیرا بے حد خوش تھی بے حد خوش......اور اسی خوشی میں وہ جھومے جا رہی تھی......روحیل......سب کچھ بھلا کر......مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا......سمیرا کا یہ دیوانہ پن اُسے اچھا لگ رہا تھا سُکون دے رہا تھا...... وہ اُسے تکتا رہا تکتا رہا......یہی وہ لمحہ تھا جب......سمیرا نے اپنے قدم......روحیل کی طرف بڑھائے......وہ اُسے اپنے پاس آتا ہوا دیکھتا رہا......جلد ہی وہ اُس کے پاس آ گی......سمیرا نے ہنس کر......روحیل کا ہاتھ تھاما......اور اُسے بارش میں لے جانے لگی...... برستی ہوئی بارش میں روحیل بھی چلتا چلا گیا......اس کی نظریں صرف سمیرا پر ٹکی تھیں......سمیرا مسکرائی اور اُسکے اردگرد جھومنے لگی......ناچنے لگی......روحیل مسکرا کر اپنی زندگی کو دیکھنے لگا......وہ اپنے محبوب کے ساتھ جھوم رہی تھی......گا رہی تھی...... جیسے اس کی زندگی کا مقصد کوئی اور نہیں بس روحیل ہو......روحیل بھی اب سمیرا

کو...... بانہوں میں لے کر بارش میں جھوم رہا تھا...... گا رہا تھا...... بُوندوں کی تپش کو محسوس کر رہا تھا...... اُن کی محبت اس بارش میں...... آگ کی طرح جل رہی تھی۔

بالاج صاحب کتاب پڑھتے ہوئے گزرے اور ایک نظر باغ کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئے۔ انھوں نے اپنے بیٹے تنہا باغ میں موجود بُری طرح بارش میں بھیگتے ہوئے دیکھا۔

''روحیل؟ روحیل؟ اندر آؤ!''

بالاج صاحب نے گھبرا کر اُسے آواز دی لیکن روحیل بارش میں نہاتا رہا۔

''روحیل؟۔''

بالاج صاحب نے اُسے آواز دی لیکن اس نے نا سُنا۔

''ارے یار۔''

بالاج صاحب پریشان ہو کر بارش میں گئے اور دوڑ کر روحیل کے پاس پہنچے۔

''روحیل! روحیل اندر چلو!''

بالاج صاحب نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور گھر کے اندر لے آئے۔ روحیل کسی بے جان جسم کی طرح ان کے ساتھ چلا۔ جب وہ اندر آ گئے تو بالاج صاحب بھڑک اُٹھے۔

''پاگل ہو! پُورے بھیگ گئے! بارش میں کیوں گئے تھے؟''

''پوپس پوپس سمیرا سمیرا تھی وہاں۔'' روحیل نے بھیگے ہوئے یہ جملے کہے۔

''سمیرا؟ کہاں ہے سمیرا؟''

بالاج صاحب نے پلٹ کر پوچھا اور روحیل بُری طرح چونکا۔ اُسے احساس ہوا وہ کیا کر گیا۔

''یہاں تو کوئی نہیں ہے تم اکیلے ہی تھے؟''

بالاج صاحب نے پلٹ کر بتایا اور روحیل ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے بھئی تمھاری محبت تو بڑھتی جا رہی ہے۔''

بالاج صاحب نے ہنس کر یہ جملے کہے اور روحیل بھی ہنس پڑا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ بات بہت آگے بڑھ رہی ہے، روحیل اب وقت آ گیا ہے کہ رشتہ دے دیا جائے۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں کل پرسوں میں سمیرا سے اُس کا جواب پوچھ لوں گا، پھر اگلے جمعے کو ہم رشتہ لے کر چلیں گے۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور بالاج صاحب نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔

''پوپس! مجھے اتنی خوشی کبھی نہیں ملی......'' روحیل نے ان کے گلے لگے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی......''

بالاج صاحب نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور دونوں باپ بیٹے گلے لگے رہے۔

ایسے میں روحیل کا موبائل بجا۔اس نے اپنا فون نکال کر دیکھا تو سارہ کا نام لکھا ہوا نظر آیا۔

بالاج صاحب سر کو نفی میں ہلا کر کہنے لگے۔

''روحیل اگر نے زندگی شروع کرنی ہے تو یہ چیپٹر بند کرنا بہت ضروری ہے''

"I Know Pops"۔روحیل نے مسکرا کر کہا اور بالاج صاحب وہاں سے چل دیے۔ان کے جانے کے بعد روحیل نے فون اٹھایا۔

''ہیلو؟''

''ہائے!اس برستی بارش میں تمھاری آواز تو قیامت ڈھا رہی ہے۔''

سارہ نے مستی میں کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''کیوں؟تمھیں میری یاد نہیں آ رہی؟''سارا نے رومانوی ہو کر پوچھا۔

''تم کام بولو کیا بات ہے؟''روحیل نے بات کو ٹالتے ہوئے پوچھا۔

''پرسوں پارٹی رکھی ہے میں نے،سب فرینڈز کے ساتھ۔تمھارا آنا لازمی ہے۔''

اس نے پیار سے کہا۔

''ٹھیک ہے آ جاؤں گا۔''روحیل نے جواب دیا۔

''اور ہاں......سمیرا کو بھی لے کر آنا''سارہ نے پیار سے کہا۔

''سمیرا؟''روحیل چونکا۔

''ہاں،سمیرا۔مجھے احساس ہوا ہے کہ میں نے اُس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔جب تمھارے گھر پر آئی تھی تو مجھے اُس کے ساتھ بات کرنی چاہیے تھی لیکن میں Jealous ہو گئی۔اب وہ تمھاری دوست ہے اور مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔اس لیے چاہتی ہوں کو تم سمیرا کو لے کر آؤ۔''سارہ نے پیار سے کہا۔

''سارہ کبھی کبھی تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔''

روحیل نے پیار سے کہا اور سارہ ہنسنے لگی۔

''ٹھیک ہے پھر،ملاقات ہوتی ہے۔اوکے بائے۔''

''بائے۔''

روحیل نے مسکرا کر فون رکھا اور خوش ہونے لگا۔سارہ نے یہ اچھا اقدام اٹھایا تھا،سمیرا کو وہ پارٹی میں

لے کر جا سکتا تھا۔ یہ پہلا چانس تھا جب وہ سمیرا کو رات میں اکیلا لے کر نکل سکتا تھا۔ یہ سوچ کر روحیل نے تہمینہ بیگم کے گھر کا نمبر ملایا۔

رات کے گیارہ بج رہے تھے اور شدید سردی کا عالم تھا، بارش بھی بہت تیز ہو رہی تھی۔ سمیرا بیٹھی ہوئی ثمینہ کے سر پر تیل لگا رہی تھی اور ثمینہ آدھی سوئی آدھی جاگی ہوئی تھی۔ تہمینہ بیگم انھیں کے برابر میں صوفے پر لیٹی تھیں۔ اشرف صاحب اپنے کمرے میں جا کر سو چکے تھے۔ ایسے میں گھر کے فون کی بیل بجی۔ تہمینہ بیگم نے فون اٹھایا۔

''ہیلو؟''

''السلام علیکم آنٹی، روحیل بات کر رہا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''وعلیکم السلام کیا حال ہیں؟ تھکن کیسی ہے؟'' انھوں نے ہنس کر پوچھا۔

''بس ٹھیک ہوں، ہاں مگر زین بہت تھک گیا ہے سو بھی گیا۔'' روحیل نے ہنس کر جواب دیا۔

''ہاں بھئی مستی کم کی ہے تم لوگوں نے۔ میرے تو پاوں اکڑ رہے ہیں اب۔'' تہمینہ بیگم نے درد کے عالم میں کہا۔

''جی سمندر کے لہروں میں زور لگتا ہے نا تو سب ہی کے پاوں میں درد ہوتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا پھر گلا صاف کر کے کہنے لگا۔

''اچھا آنٹی آپ سے ایک اجازت طلب کرنی تھی۔''

''کہو بیٹا؟'' وہ بولیں۔

''آنٹی، سارہ ہے نا میری دوست، کل اُس کے گھر پارٹی ہے اور اس نے سمیرا کو انوائٹ کیا ہے۔'' اس نے آرام سے بتایا۔

''سمیرا؟'' تہمینہ بیگم نے چونک کر سمیرا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

''جی، سمیرا جانتی ہے سارہ کو۔'' روحیل نے جلدی سے کہا۔

''یہ سارہ وہی ہے نا سندھ اسمبلی کے میمبر کی بیٹی؟'' تہمینہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''ہاں ٹھیک ہے لے جانا سمیرا کو۔'' انھوں نے سر ہلا کر کہا۔

''شکریہ! میں جلد ہی ڈراپ کر دوں گا۔'' روحیل نے خوش ہو کر کہا۔

''کوئی مسلہ نہیں، اچھا خدا حافظ۔''

تہمینہ بیگم نے پیار سے اجازت دی اور فون رکھ دیا۔ ان کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔ سمیرا نے اُن

کی مسکراہٹ دیکھی تو بولی۔

''کیا ہوا آنی؟ اتنی پُراسرار مسکراہٹ؟''

''کیا بات ہے بھئی! سندھ اسمبلی میمبر کے گھر والے آپ کو جانتے ہیں اور دعوت پر بُلا رہے ہیں؟'' تہمینہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''سارہ نے مجھے دعوت پر بلایا ہے؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں۔ روحیل کہہ رہا تھا کہ کوئی پارٹی ہے، اُس میں سارہ نے انوائٹ کیا ہے۔'' انھوں نے سمیرا کو بات بتائی۔

''اچھا؟'' سمیرا نے حیران ہو کر کہا۔

''تم جاوٴ گی؟'' انھوں نے پوچھا۔

''اہمم اگر آپ کی اجازت ہو تو'' سمیرا نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''بالکل جاوٴ اچھی بات ہے اور تم کوئی اکیلی نہیں ہوں گی روحیل ہوگا تمھارے ساتھ ویسے تم کیا پہن کر جاوٴ گی؟'' انھوں نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''دیکھوں گی کوئی اچھا سا جوڑا۔'' سمیرا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''پاگل لڑکی! یہ امیروں کی محفل ہے، یہاں پر کُرتا شلوار نہیں چلے گا۔'' انھوں نے اُسے سمجھایا۔

''پھر؟'' سمیرا نے الجھ کر پوچھا۔

''کل چلتے ہیں مارکیٹ۔ اچھی سی فراک لو، ویسٹرن انداز کی۔'' تہمینہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''شکریہ آنی آپ میرے لیے کتنا کرتی ہیں۔'' سمیرا نے پیار سے کہا۔

''ارے بھئی میں کچھ نہیں کر رہی، وقت آنے پر بتاوٴں گی کہ کون کیا کر رہا ہے۔ چلو میں تو چلی اوپر، تم لوگ بھی سو جاوٴ اب اوکے؟ ایک ایک پیناڈول لے لو اگر درد زیادہ ہو رہا ہے۔''

تہمینہ بیگم نے جلدی سے کہا اور اوپر کی طرف چلیں۔

''چلو ثمینہ اٹھو۔'' سمیرا نے اُسے اٹھنے کے لیے کہا۔

''باجی اور مالش کرو نا۔'' ثمینہ نے آنکھیں بند کیے ہوئے کہا۔

''میں بھی تھک گئی ہوں ثمینہ۔'' سمیرا نے منھ بنا کر کہا۔

''حد ہوتی ہے، یہاں لوگ چُونا لگا دیتے ہیں، مجھ بے چاری کو کوئی تیل بھی نہیں لگا سکتا۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''بے شرم! اتنا تیل لگا ہوا ہے، کان پر سے بہہ رہا ہے۔'' سمیرا نے منھ بنا کر کہا۔

”چلیے چلیں اوپر اپنے کمرے میں۔“

ثمینہ نے ہار مان کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ سمیرا بھی اٹھی۔

”باجی؟ آصف بھائی آپی کو کیسے لے کر جاتے ہوں گے کمرے میں؟ گود میں اٹھا کر؟“ ثمینہ نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

”مجھے نہیں پتا اور نہ ہی میں نے ایسا سوچنا ہے۔“ سمیرا نے اُسے ڈانٹا۔

”آصف بھائی جتنے رومینٹک آدمی ہیں یقیناً گانا گاتے ہوئے لے کر جاتے ہوں گے، چلیں ہم بھی گانا گاتے ہوئے چلتے ہیں۔“ ثمینہ نے مستی میں کہا۔

”ثمینہ!“ سمیرا نے اُسے گھورا۔

”ارے آؤ نا باجی مزہ آئے گا۔“ ثمینہ نے اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اچھا کونسا گانا؟“ سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

”یہ رات یہ چاندنی پھر کہاں سُن جا دل کی داستاں!“ ثمینہ نے گایا اور سمیرا ہنسنے لگی۔

”گاؤ نا باجی۔“

ثمینہ نے مچل کر کہا اور سمیرا ہنس کر اُس کے ساتھ گانا گانے لگی۔

”یہ رات یہ چاندنی پھر کہاں سُن جا دل کی داستاں!“

دونوں بہنے ہنستے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلیں۔ سمیرا اس لمحے بے حد خوش تھی۔ روحیل کے ساتھ باہر جانے کا چانس جو مل چکا تھا۔

☆......☆

اگلا دن بہت خوبصورت تھا، بارش کی خوشبو سے شہر مہک گیا۔ روحیل نے سفید ٹی شرٹ اور کالا کوٹ اور کالی جینز پارٹی کے لیے منتخب کی۔ دوسری طرف تہمینہ بیگم نے سمیرا کو ایک ویسٹرن ڈریس دلایا۔ کالے رنگ کی لانگ میکسی اور میچنگ کالی سینڈلز۔ تہمینہ بیگم کے پاس ابھی بھی روحیل کے دیے ہوئے پیسے موجود تھے اس لیے انھوں نے خرچے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ گھر پر آ کر انھوں نے سمیرا کا میک اپ بھی خود کیا۔ Smoky-Eyes میک اپ اور گلے میں کالا چکر، سمیرا اب ہر طرح سے ماڈرن لڑکی لگ رہی تھی۔ تہمینہ بیگم نے اُسے یہ بھی سمجھایا کہ امیروں کی محفل میں کس طرح رہنا ہے، اگر کوئی لڑکا ہاتھ بڑھائے مصافحے کے لیے تو گھبرانا نہیں ہے وہ صرف ہاتھ ملا رہا ہے۔ اور جب روحیل موجود ہے تو اُسے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سمیرا سر ہلا کر رہ گئی۔ دوسری طرف ثمینہ بیٹھی ہوئی سیب کھا رہی تھی اور منہ بنا کر یہ سب کارستانی دیکھ رہی تھی۔ اُسے اعتراض اس بات پر تھا کہ ثمینہ اس دعوت میں کیوں نہیں جا رہی اور تہمینہ بیگم

اُسی کا تکیہ کلام کہہ کر رہ جاتیں: ''حد ہوتی ہے۔''

آخر کو شام کے آٹھ بج گئے۔ روحیل اس بار اپنی کالی ہونڈا سوک میں اشرف صاحب کے گھر کے باہر آیا۔ گاڑی سے اُتر کر اس نے اپنا کوٹ صحیح کیا اور اشرف صاحب کے گھر کی طرف قدم بڑھائے لیکن اس نے دیکھا اشرف صاحب کے گھر کا دروازہ کھلا اور سمیرا دبے پاوں ہاتھ میں سینڈل لیے گھر سے باہر نکلی۔ اس نے اس وقت بُرقع پہنا ہوا تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا اور پلٹ کر روحیل کو دیکھا۔

"Hi"۔

"Umm..Hi"۔ روحیل کہ منہ سے نکلا۔

دروازہ بند کر کے سمیرا نے اپنا بُرقع اتارا اور روحیل اُسے دیکھ کر دیکھتا رہ گیا۔

کالی میکسی جس پر جا بجا ستارے لگے ہیں، گلے میں کالا چوکر اور آنکھوں پر سموکی میک اپ۔ سمیرا کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اس وقت بالکل ویسٹرن انداز میں اُس کے سامنے موجود تھی اور روحیل اُسے دیکھتا رہ گیا۔

''سوری وہ خالو جان کے سامنے ایسے نہیں جا سکتی تھی نا اسلیے۔'' سمیرا نے روحیل کے پاس آ کر کہا۔

"I see"۔ روحیل نے محو ہوئے کہا اور سمیرا کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"You look, gorgeous"۔

اس کی بات سُن کر سمیرا مسکرا دی۔

''آپ بھی اچھے لگ رہے ہیں۔''

''تھینکس۔'' روحیل نے خوش ہو کر کہا پھر سنبھل کر بولا۔

''چلیں؟''

سمیرا نے ہاں میں گردن ہلائی اور روحیل نے آگے بڑھ کر اُس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ سمیرا گاڑی میں بیٹھی اور روحیل اپنے کوٹ کا بٹن لگا کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا۔

''ایک بات بتائیں۔'' سمیرا نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کہو۔'' روحیل نے سیٹ بیلٹ لگاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سارہ نے مجھے انوائٹ کیا بھی ہے یا نہیں؟'' سمیرا نے ہنس کر پوچھا۔

''کیوں؟ تمھیں ایسا لگتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔'' سمیرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا ہے انوائٹ، بالکل کیا ہے، اس لیے تو تمھیں چلنے کے لیے کہا، ویسے اگر وہ انوائٹ نہ بھی کرتی

تو بھی میں تمھارے بنا نہیں جاتا۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''ایسی کیا بات ہے جو آپ میرے بغیر نہیں جاتے ؟'' سمیرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''پتا نہیں لیکن اب جہاں تم نہیں ہوتیں ...... من نہیں لگتا۔''

روحیل نے پیار سے اپنی بات کہی اور گاڑی چلا دی۔ ابھی کچھ دُور ہی چلے ہوں گے کہ سمیرا نے سر جھکا کر کہا۔

''میں ...... آپ سے ایک بات کہوں؟''

''کہو......'' روحیل نے پیار سے پوچھا۔

''...... ہر انساں کو چاہیے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے چاہے کچھ بھی ہو...... بہت سوچ سمجھ کر کرے، ہو سکے تو سب کچھ جان کر۔''

سمیرا نے سر جھکا کر یہ جملے کہے اور روحیل اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''اگر دو انسان رہنا چاہتے ہیں تو ایک دوسرے کو جان لینا...... بہت ضروری ہے ان کے لیے...... آپ کو نہیں لگتا؟ ......'' سمیرا نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اگر یہی سوال میں تم سے پوچھوں؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے...... اُن دو انسانوں میں سے...... ایک ہے جو دوسرے کو جانتا ہے...... پر جو دیوانہ سا ایک لڑکا ہے وہ ابھی کچھ نہیں جانتا۔'' سمیرا نے دھیرے سے کہا۔

''سنبھل جائے گا دیوانہ بھی لیکن ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں اُس دیوانے کو اب کچھ جاننے کی ضرورت نہیں کیوں کہ دیوانے نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

روحیل نے دھیرے سے اُسے دیکھ کر کہا اور سمیرا سر جھکا کر مسکرانے لگی۔ روحیل نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور وہ سارہ کے گھر کی طرف جانے لگے۔

☆......☆

سارہ کا عالی شان بنگلہ اس وقت کسی کلب سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ میوزک، ڈانس، ہنسی، مذاق، ویٹرز کا ہاتھ میں ٹرے لیے ہوئے لوگوں کو مشروب پیش کرنا جس میں مغربی شراب بھی شامل تھی، غرض ہر طرح سے یہ پارٹی ایک بالغ پارٹی تھی۔ روحیل سمیرا کا ہاتھ تھام کر پارٹی میں داخل ہوا اور سمیرا اتنی شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہ سب چیزیں تو اس نے بس فلموں میں دیکھ رکھی تھیں۔

"Hi Rohail!"۔

سارہ نے ہاتھ ہلا کر روحیل کو اپنے پاس بُلایا، اس وقت وہ کئی دوستوں میں گھری ہوئی تھی۔ روحیل

مسکرا کر سمیرا کا ہاتھ تھام کر اس کی طرف چلا۔

"Dead gorgeous you are!"۔ روحیل نے سارہ کو دیکھ کر کہا۔

"I Know Handsome"۔ سارا اُس کے گلے لگی۔

''سارہ؟ سمیرا۔'' روحیل نے تعارف کرایا۔

''کالج گرل رائٹ؟'' اس نے ہنس کر کہا اور سمیرا مسکرا کر سر جھکا گئی۔

"I'm just kiddin', welcome to the world of Sarah"۔ سارہ نے اپنی بانہیں پھیلا کر کہا اور وہ مسکرانے لگے۔ سمیرا نے محسوس کیا کہ سارہ نے اس وقت شراب کے نشے میں ہے۔

''روحیل، اس سے ملو میرا بوائے فرینڈ ارسلان۔''

سارہ نے ایک لڑکے کا تعارف کرایا اور لمبے قد کے گورے رنگ کے ایک لڑکے نے اپنا ہاتھ آگے کیا، اُس کے بال بھی کافی لمبے تھے۔

"Hey"۔

"Hey..."۔ روحیل نے ہاتھ ملایا پھر سارہ کو دیکھ کر پوچھا۔

''بوائے فرینڈ؟''

''کیوں جب تم کالج گرل کو گرل فرینڈ بنا سکتے ہو تو میں ارسلان کو بوائے فرینڈ نہیں بنا سکتی؟''

سارہ نے مچل کر یہ جملے کہے اور وہ سب ہنسنے لگے۔ روحیل سمجھ گیا کہ سارہ کو یہ بات ابھی تک چبھی ہوئی ہے کہ وہ سمیرا کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔ سمیرا اس لمحے اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔

''روحیل؟ روحیل؟''

سعد کی آواز سُن کر روحیل نے پلٹ کر اُسے دیکھا تو سعد اور فحاد بارٹینڈر سیٹ پر بیٹھے نظر آئے۔ روحیل مسکرایا اور سارہ ارسلان کو دیکھ کر بولا۔

"Excuse us!"۔

یہ کہہ کر وہ سمیرا کو اپنے دوستوں کے پاس لے کر چلا گیا۔

''ارسلان تمھیں پتا ہے نا تمھیں کیا کرنا ہے؟''

سارہ نے سرد لہجے میں اپنے بوائے فرینڈ کو دیکھ کر یہ جملے کہے اور ارسلان نے شراب کا گلاس اٹھا کر منھ سے لگا گیا۔

روحیل سمیرا کو لے کر اپنے دوستوں کے پاس آیا۔

''کیا حال ہیں کمینوں!'' روحیل نے اُن سے ملتے ہوئے کہا۔

''بس بیٹھے ہیں اور دیکھ رہے ہیں خوبصورت حسیناؤں کو۔'' سعد نے ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔

''پر آپ کے ساتھ کون حسینا ہیں؟'' فخاد نے مسکرا کر پوچھا۔

''سعد، فخاد، سمیرا سے ملو۔'' روحیل نے مسکرا کر تعارف کرایا۔

''ماشااللہ! روحیل نے آپ کی تعریف کم کی تھی آپ تو بہت خوبصورت ہیں۔'' سعد نے مسکرا کر کہا اور سمیرا مسکرا کر سر جھکا گئی۔

''واقعی جواب نہیں۔ روحیل بھائی مان گئے۔'' فخاد نے تعریف کی۔

"Knock it off you guys"۔ روحیل نے ہنس کر کہا۔

''روحیل؟ یہاں آؤ پلیز۔''

اچانک سارہ اُس کے پاس آئی اور اُس کا ہاتھ تھام کر لے گئی۔

"I'll be right back"۔

روحیل نے جاتے ہوئے کہا اور سارہ کے ساتھ چلا۔ سمیرا اس لمحے گھبرا گئی وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرنے لگی۔

''آپ کچھ لیں گی؟ جُوس وغیرا؟'' سعد نے پیار سے پوچھا۔

''نہیں شکریہ۔'' سمیرا نے مختصر جواب دیا۔

''ارے پارٹی میں آئی ہیں وہ بھی اتنی بڑی پارٹی میں، مفتہ تو چلتا ہے۔'' فخاد نے مستی میں کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''آپ بیٹھیں یہاں آرام سے، روحیل آتا ہی ہوگا۔''

سعد نے اس کو بارٹینڈر کُرسی پر بٹھایا اور سمیرا کُرسی پر بیٹھ کر پارٹی دیکھنے لگی۔ سعد، فخاد دونوں باتیں کرنے لگے۔ سمیرا نے ناچتے ہوئے لڑکے لڑکیوں کے درمیاں دیکھا روحیل سارہ کے ہمراہ کھڑا ہے اور ارسلان کے دوستوں کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہے۔ سمیرا اپنا سر جھکا گئی اور انتظار کرنے لگی۔ سعد اور فخاد باتیں کرتے کرتے کچھ لڑکیوں کے قریب ہونے لگے اور اُن سے باتیں کرنا شروع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دونوں اُن لڑکیوں کے ساتھ جا کر ڈانس کرنے لگے۔ سمیرا اب بالکل تنہا تھی اور گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اُسے اجنبی چہروں کے سوا کوئی نظر نا آیا۔ اُسے اپنی آنی یاد آنے لگیں۔ اپنی آپی یاد آنے لگی۔ یہ سوچ کر سمیرا اپنا فون نکال استعمال کرنے لگی۔ پر وہ اندر سے بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

دوسری طرف روحیل باتوں میں مشغول تھا۔ ایسے میں ارسلان نے ڈرنک پیتے ہوئے روحیل سے سوال کیا۔

''تو روحیل، مقابلہ کرنا پسند ہے تمھیں؟''

''بس...... مجھے ہارنا نہیں پسند۔'' روحیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

"That's intresting"۔ارسلان نے تعریف میں سر ہلایا۔

''اسی وجہ سے روحیل Litigation Lawyer نہیں بنا، کیوں کہ اگر یہ کیس ہارتا تو اسی کا بلڈ پریشر ہائی ہوتا۔'' سارہ نے ہنس کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''یہ بات درست ہے، میں اسی وجہ سے کورپوریٹ لائر ہوں۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا پھر کہنے لگا۔

''ایک بار عدالت میں خان صاحب کا کیس آیا، خان صاحب نے بیوی کے خلاف بیان دیا کہ وہ ٹھیک عورت نہیں ہے، وکیل نے پوچھا کہ وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟ تو خان صاحب نے جواب دیا، خوچہ شادی مجھ سے کی اور اولاد خدا سے مانگ رہی تھی۔''

اُسکا یہ کہنا تھا کہ سب قہقہ لگانے لگے۔

''سیریسلی گائیز! جب میں نے وکالت پڑھنا شروع کی تھی تو میں نے سوچا کی بہت ہی بورنگ چیز ہوگی لیکن وکالت بالکل بھی بورنگ نہیں ہے، دُنیا میں ایسے ایسے قصے کہانیاں آپ کو سُننے میں ملتی ہیں کہ بس۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے تو خیر وکالت بہت بور لگتی ہے، اس لیے میں نے وکیل بننے کا فیصلہ نہیں کیا۔'' سارہ نے منھ بنا کر کہا۔

''تم تو رہنے دو تم ڈائریکٹ سندھ اسمبلی میں جاوگی۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''وہاں بھی نہیں جانا مجھے...... مجھے بس اپنی زندگی انجوائے کرنی ہے۔'' سارہ نے مستی کے عالم میں کہا اور ارسلان کے گرد باہیں ڈالیں۔

''سارہ زندگی جینا تو کوئی تم سے سیکھے۔'' ایک لڑکی نے فدا ہوتے ہوئے کہا۔

''تھینکس جاو۔'' سارہ نے آنکھ مار کر جواب دیا۔

''اگر تم دونوں نے کورٹ میریج کرنی ہو تو وکیل حاضر ہے۔''

روحیل نے انھیں دیکھ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''آپ کی شادی ہوگئی ہے؟'' ایک لڑکی نے اپنی زلفوں کو صحیح کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی نہیں۔'' روحیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''دیکھ لیجیے یہاں ہوسکتا ہے آپ کو آپ کی ہونے والی بیوی یہیں مل جائے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''سمیرا۔'' روحیل بُری طرح چونکا۔

''کیا؟'' سب نے الجھ کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ سارہ اس لمحے جل گئی۔

"Umm... guys you carry on, I'll be right back"۔

روحیل نے اجازت طلب کی اور واپس بارٹینڈر ٹیبل کی طرف بڑھا۔ ناچتے ہوئے لڑکے لڑکیوں کو چیرتا ہوا وہ بارٹینڈر ٹیبل کی طرف آیا اور یہ دیکھ کر مسکرانے لگا کہ سمیرا وہیں بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ چہرے پر بلا کی گھبراہٹ اور خالی نگاہوں سے وہ روحیل کو تلاش کر رہی تھی۔ روحیل کو اس لمحے اُس پر ترس آیا۔ وہ گہرا سانس لے کر چلتا ہوا اُس کے پاس پہنچا۔ سمیرا نے جب روحیل کو پاس آتے ہوئے دیکھا تو اس کی جان میں بھی جان آئی۔

''سوری سوری! مجھے کچھ دیر ہوگئی۔'' روحیل نے آ کر کہا۔

''اٹس اوکے۔'' سمیرا نے خشک لہجے میں کہا۔

''سمیرا آئی ایم رئیلی سوری، وہ بس باتوں میں مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ۔''

''کہ میں یہاں بیٹھی آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''

سمیرا نے ناراض ہو کر یہ جملے کہے اور روحیل مسکرانے لگا۔ وہ آرام سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کا چہرا دیکھا۔

''تمھیں پتا ہے آج میں تمھیں یہاں کیوں لایا ہوں؟''

''اپنی گرل فرینڈز دکھانے؟'' سمیرا نے جل کر پوچھا اور وہ ہنسنے لگا۔

''نہیں میں یہاں تمھیں اس لیے لایا ہوں تاکہ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل سکیں اور کچھ وقت اکیلے بتا سکیں۔''

روحیل کے کہنے پر سمیرا نے اس کی طرف دیکھا۔

''تم سے رات میں ملنے کا اس سے بہترین موقع نہیں تھا، ہمیں اس پارٹی میں آئے ہوئے ایک گھنٹہ ہونے والا ہے، جو کہ بہت ہے، چلو اب چل کر اپنا کچھ وقت بتاتے ہیں۔''

روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا مسکرانے لگی، اپنے محبوب کا چہرا دیکھ کو بولی۔

''تو ابھی چلے چلتے ہیں نا۔''

''چلو۔'' روحیل مسکرایا اور سمیرا اُس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اُتری۔

''ہائے سمیرا! تم یہاں بیٹھی ہو! میں نے سوچا تمھیں اپنا گھر دکھاؤں۔''

اچانک سارہ نے اک دم سے آ کر کہا۔

''تھینکس لیکن ہم لوگ بس جا رہے ہیں۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

"What? That's Insane! Rohail are you going?"۔

سارہ نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''امم سارہ ہمیں جانا ہوگا۔'' روحیل نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کوئی نہیں، ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے، بس کھانا لگنے والا ہے۔ سمیرا آؤ میں تمھیں اپنا گھر دکھاوں، مسٹر روحیل آپ کچھ پل کے لیے اب اکیلے بیٹھ جائیں۔''

''Not a problem۔''

روحیل نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور بارٹینڈر ٹیبل سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔ سارہ سمیرا کا ہاتھ تھام کر چلی۔ سمیرا گھبرا کر روحیل کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن روحیل نے اُسے مطمئن رہنے کے لیے اشارہ کیا۔ سمیرا کو گئے کچھ پل ہی ہوئے تھے کہ ایک لڑکی چلتی ہوئی روحیل کے پاس آئی۔

''Free?... wanna dance?'۔''

روحیل مسکرایا اور نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''Sorry, I am already spoken for۔''

یہ سُننا تھا کہ وہ منھ بنا کر چل پڑی۔ روحیل نے پلٹ کر جُوس اٹھایا اور پارٹی دیکھنے لگا۔ ایسے میں سعد چلتا ہوا اُس کے پاس آیا۔

''تُو یہاں کیا کر رہا ہے؟ وہ بھی اکیلا؟'' سعد نے آ کر پوچھا۔

''سارہ سمیرا کو لے کر گئی ہے گھر دکھانے۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''سارہ سمیرا کو لے کر گئی ہے؟'' سعد نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''اور تُو نے اُسے جانے دیا؟'' سعد نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیوں کیا ہوگیا؟'' روحیل نے جُوس پیتے ہوئے پوچھا۔

''پتا نہیں بس ایسے ہی۔'' سعد نے الجھ کر کہا، ایسے میں فہاد آیا۔

''Hi Guys!۔''

''Hey..۔'' سعد اور روحیل کہ منھ سے نکلا۔

''سمیرا کہاں ہے؟'' فہاد نے ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔

''سارہ صاحبہ لے گئی ہیں اُسے۔'' سعد نے چڑ کر جواب دیا۔

''کیا؟ روحیل؟ تُو نے اُسے اکیلے جانے دیا؟'' فہاد نے چونک کر پوچھا۔

''ارے تو کیا ہو گیا، کوئی قیامت آ گئی کیا؟'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''سارہ ٹھیک لڑکی نہیں ہے، تُو اُسے اکیلا نہیں بھیجتا۔'' فہاد نے بھنویں چڑھا کر کہا۔

''ریلیکس گائز کچھ نہیں ہوگا اچھا ہے سمیرا کو بھی تھوڑا کانفیڈینس ملے گا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

ایسے میں ارسلان اپنے تین دوستوں کے ساتھ چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔

"Rohail, wanna play poker?"۔

''تھینکس ارسلان لیکن مجھے جانا ہوگا۔'' روحیل نے اُسے دیکھ کر جواب دیا۔

"I thought you never back down from any competition?"۔ ارسلان نے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کہ پوچھا اور روحیل اُسے دیکھنے لگا۔

"It's just a friendly Poker"۔ ارسلان نے تاش کے پتّے نکال کر کہا۔

''تھینکس پر مجھے جانا ہوگا۔'' روحیل نے پھر انکار کیا۔

''بالاج علی کا بیٹا لگتا ہے ڈر گیا ہے۔''

ایک لڑکے نے پیچھے سے جملہ دیا اور روحیل کا خون کھول گیا، وہ اُسے خونخوار نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ایکسکیوزمی؟'' سعد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''ہم کونسا بوکسنگ کے لیے کہہ رہے ہیں؟ صرف پوکر ہی تو کھیلنا ہے۔'' اُسی لڑکے نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا ہی ہے کہ تم بوکسنگ کا نہیں کہہ رہے، ورنہ روحیل تمھیں زندہ نہیں چھوڑتا۔'' سعد نے جل کر کہا۔

''چلو مان لیا، اسی وجہ سے تو پوکر کے لیے کہا ہے۔''

ارسلان نے مسکرا کر کہا اور روحیل سر جھکا کر کہنے لگا۔

''شکریہ مگر۔''

''ایک سیکنڈ!''

ایسے میں فہاد نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ فہاد نے سب کو دیکھا اور کہنے لگا۔

''ارسلان بہتر ہے کہ Limit رکھیں، دس ہزار روپے سے زیادہ نہیں اور صرف ایک گیم۔''

فہاد کی بات سُن کر روحیل منہ بنا کر اُسے گھورنے لگا۔

''آفکورس آفکورس! اس سے زیادہ کچھ نہیں۔''

ارسلان نے خوش ہو کر اپنی بات کہی اور اُسی کے دوست ان کے سامنے ٹیبل لگانے لگے۔ روحیل نے گھڑی دیکھی اور گہرا سانس لے کر کھیلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جلد ہی پانچ کُرسیاں رکھی گئیں اور روحیل سعد، فہاد کے ساتھ بیٹھا۔ ارسلان اور اُس کا ایک دوست بھی ٹیبل کے اردگرد بیٹھ گئے اور تاش

کہ پتّے بٹنا شروع ہوئیں۔

☆......☆

سارہ سمیرا کے ساتھ ٹہل رہی تھی، کہنے کو وہ گھر دکھانے لائی تھی لیکن جب سے سمیرا اُس کے ساتھ چل رہی تھی اس نے ایک بات بھی نہ کی۔ سمیرا کو اس کی یہ حرکت انتہا سے زیادہ ناگوار گزری لیکن وہ برداشت کرتی رہی۔ آخر اس خاموشی کو سمیرا نے توڑا۔

''آپ کا گھر بہت پیارا ہے۔''

''تھینکس لیکن شاید تمھیں روحیل کا گھر زیادہ پیارا لگا ہوگا۔'' اس نے سمیرا کو دیکھ کر پوچھا۔

''روحیل کا گھر بھی پیارا ہے۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

''شاید مجھے گھر کا نہیں اُس کے بیڈ رُوم کا پوچھنا چاہیے تھا۔''

سارہ نے نشے کی حالت میں چبھتے ہوئے لہجے میں بولی اور سمیرا دھک سے رہ گئی۔ وہ پلٹ کر سارہ کی شکل دیکھنے لگی۔

''میری بات کا بُرا نہیں ماننا لیکن میں جانتی ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو۔ پیسہ، دولت، ہینڈسم، کیا نہیں ہے روحیل کے پاس۔ تمھاری جگہ کوئی بھی ہوتی تو یہی کرتی۔'' سارہ نے مسکرا کر کہا۔

''میرا ایسا کوئی مقصد نہیں ہے۔'' سمیرا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''کم آن سمیرا، معصوم بننے کی ایکٹنگ کم از کم میرے سامنے تو مت کرو۔ ایک مڈل کلاس لڑکی اتنا مہنگا سوٹ پہن کر آج اس علیٰ شان بنگلے میں موجود ہے صرف روحیل کا دل جیتنے کے لیے اور تم یہاں مجھ سے میرے منھ پر ہی جھوٹ بول رہی ہو؟'' سارہ نے جل کر کہا۔

''آپ ہوش میں نہیں ہیں، اس لیے یہ سب کہہ رہی ہیں۔'' سمیرا نے بھی جل کر جواب دیا۔

''میں بالکل ہوش میں ہوں اور سب سمجھتی ہوں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں کہ تم روحیل کو پانا چاہتی ہو تو، اعتراض اس بات پر ہے کہ مجھ سے جھوٹ مت بولو۔'' سارہ نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''دیکھیے...... نا آپ میری دوست ہیں، نا میں آپ کو جانتی ہوں۔ میں روحیل کی دوست ہوں، اُس سے محبت کروں یا نا کروں یہ میرا ذاتی معاملہ ہے تو آپ کو اس قدر جلن کیوں ہے؟''

سمیرا نے جل کر پوچھا اور سارہ مسکرا کر کہنے لگی۔

''جمع جمع آٹھ دن ہوئے ہیں تمھیں روحیل کی دوست بنے ہوئے اور اتنا غرور آ گیا؟ میں اُسے بچپن سے جانتی ہوں۔ ہم اسکول سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، تو تمھارا یہ سوال کہ میں ہوتی کون ہوں! تو جان لو کہ میں روحیل کی وہ ساتھی ہوں جو ہمیشہ اُس کے سُکھ اور دُکھ میں رہی ہوں۔ رہی بات تمھاری؟ تو

تمھیں تو بس اُس کا پیسہ اور دولت دکھ رہی ہے، میرے سامنے یہ ڈرامے مت کرنا کہ تم اُس کے دل سے محبت کرنے لگی ہو، تم جیسی لڑکیوں کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔''

سارہ جلے ہوئے لہجے میں اپنی بات کہتی گئی اور سمیرا کی آنکھوں میں آنسو دوڑنے لگے، اُسے اس وقت سارہ کی باتوں سے نفرت آ رہی تھی۔ سارہ چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔

''دس لاکھ!......دس لاکھ دینے کے لیے تیار ہوں! نکل جاؤ روحیل کی زندگی سے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دوستی کو ختم کر دو! اور پیسے چاہیے ہوں گے تو مل جائیں گے لیکن اس کی زندگی میں قدم رکھنے کا سوچنا بھی مت!......''

''معاف کیجیے گا، آپ کی پارٹی بہت حسین ہے لیکن اس حسین پارٹی میں کئی بدصورت چہروں کو میں نے دیکھا ہے، اس لیے میرا اب یہاں رُکنے کا ایک سیکنڈ کا بھی من نہیں آپ اپنی دولت اور شان و شوکت اپنے پاس رکھیے اللہ حافظ۔''

سمیرا نے جل کر جواب دیا اور پلٹ کر چلی۔ سارہ اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆

پوکر کی کئی بازیاں لگ چکی تھیں جن میں سے تین روحیل جیت چکا تھا۔ اب روحیل کو بھی مزہ آنے لگا اور وہ مزے سے چوتھے کھیل کے لیے تیار تھا۔

''کیا خیال ہے ارسلان؟ چوتھا گیم ہو جائے؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''بالکل جناب! ہم دوست کے آگے ہار بھی جائیں تو جیت سمجھتے ہیں۔'' ارسلان نے مسکرا کر کہا اور وہ کارڈ بانٹنے لگا۔ روحیل نے اپنے کارڈز دیکھے اور بولا۔

''میں نہیں کھیلوں گا۔''

"I'm folding"۔ سعد نے منہ بنا کر کارڈز رکھ دیے۔

"Me Too"۔ فہاد نے بھی کارڈ پھینکے۔

"Real smooth guys"۔ روحیل جل کر بولا۔

''میں کھیلوں گا۔'' ارسلان نے اپنے کارڈز دیکھ کر کہا اور ٹیبل پر چپس پھینکتے ہوئے بولا۔

''بیس ہزار روپے۔''

''ارسلان پہلے ہی بات ہو گئی ہے کہ یہ فرینڈلی گیم ہے، دس ہزار سے زیادہ نہیں۔''

فہاد نے اُسے یاد دلایا۔

''تمھارے لیے ہوگا، ہمارا مقابلہ تو روحیل صاحب سے ہے۔''

ارسلان نے روحیل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"I'll put 30, and see what you got?"۔روحیل نے تیس ہزار کی چپس رکھیں۔

''یار دوستوں یہ کچھ زیادہ ہو رہا ہے۔''سعد نے گھبرا کر کہا۔

"I see your thirty, and raise you for one hundred thousand"۔ ارسلان نے چپس پھینکی اور فہاد، سعد کے چہرے فق ہو گئے۔

''کیوں روحیل؟ کیا خیال ہے؟ ہے ہمّت؟''ارسلان نے مسکرا کر پوچھا۔

''دولاکھ۔''روحیل نے بھی چپس پھینکی اور وہ سب اُن دونوں کو دیکھنے لگے۔

"Show it now?"۔روحیل نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"Rohail, I think you need to get your cheque book ready, because what I am about to give you is a royal flush!"۔

ارسلان نے کارڈز رکھے۔

''کیا بات ہے ارسلان! زبردست!''

اُس کے دوستوں نے ارسلان کی تعریف کی! روحیل کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''اب تم صرف برابر کر سکتے ہو، اگر بے انتہا لکی ہوئے تو۔''ارسلان نے مسکرا کر کہا اور روحیل نے اپنے کارڈز دیکھے۔

"Well?"۔سعد نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھ کر پوچھا اور روحیل نے گہرا سانس لے کر کارڈز ٹیبل پر رکھے اور ارسلان کو دیکھ کر کہہ پڑا۔

"Congratulations"۔

"Yeah!!"۔ارسلان اپنے دوستوں کے ساتھ چلایا! فہاد اور سعد اپنے سر پکڑ کر رہ گئے۔روحیل کا مُوڈ اس لمحے شدید خراب ہو گیا تھا اُسے ہارنا نہیں پسند تھا۔

''بُرا ہوا روحیل لیکن ہار تو ہو ہی جاتی ہے۔''ارسلان نے مسکرا کر کہا۔

ایسے میں سمیرا چلتی ہوئی آئی۔

''روحیل، چلیں یہاں سے۔''

''سمیرا کیا ہوا؟''روحیل نے اٹھ کر پوچھا۔

''میرا دم گھٹ رہا ہے، مجھے نہیں رہنا یہاں۔''سمیرا نے الجھ کر کہا۔

سارہ چلتی ہوئی آئی اور ارسلان کے پاس رُک گئی۔

"او کے ریلکس چلتے ہیں۔" روحیل نے دھیرے سے کہا اور پلٹ کر کہنے لگا۔

"او کے گائز ہم لوگ چلتے ہیں۔"

"ہار کے جا رہے ہو روحیل؟ میں نے تو سُنا تھا تمھیں جیتنا پسند ہے؟" ارسلان نے مسکرا کر کہا۔

"تم مجھ سے جیت نہیں سکتے ارسلان، ابھی تمھاری قسمت چل گئی۔" روحیل نے بُرا مان کر کہا۔

"ایک کام کرتے ہیں، ایک آخری کھیل Winner takes all!۔"

ارسلان نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"نہیں ارسلان، آج نہیں۔" روحیل نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"کم آن یار بہادر بنو! اتنا تو یقین رکھو اپنے آپ پر۔"

ارسلان نے مستی بھرے لہجے میں یہ جملے کہے اور سعد، فہاد نے محسوس کیا، روحیل اس لمحے کھول گیا۔ اُسے ہارنا بالکل پسند نہیں تھا۔

"تھوڑا کھیل کو انٹرسٹنگ کرتے ہیں، اگر تم جیت گئے تو یہ دو لاکھ روپے تمھارے۔ اگر میں جیتا، تو سمیرا کل رات میرے ساتھ کھانے پر چلے گی۔ سمجھو ڈیٹ! پکّی!"

ارسلان کا یہ کہنا تھا کہ روحیل کی آنکھوں میں خون دوڑ آیا۔ سمیرا کا خون بھی کھول گیا اور اس نے پلٹ کر ارسلان کا چہرا دیکھا۔ سعد اور فہاد بھی اس لمحے ہل گئے۔ البتہ سارہ کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔

چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ روحیل ابھی تک ارسلان کا چہرا گھور رہا تھا۔ سب کے سب خاموش تھے۔ سمیرا نے اپنے غصے کو قابو میں کیا اور روحیل کو دیکھ کر کہنے لگی۔

"روحیل چلیں یہاں سے مجھے اب ایک پل یہاں نہیں رُکنا۔"

"کیا ہوا روحیل ڈر گئے ہو؟ ...... یا...... اپنی قابلیت پر بھروسہ نہیں ہے؟"

ارسلان نے مسکرا کر پوچھا اور روحیل اُس کا چہرا دیکھنے لگا۔

"ہر مقابلہ جیت جاتے ہو، ریس ہو یا پوکر ہو۔ اتنا یقین ہے اپنی قابلیت پر تو لگا دو سمیرا کو داو پر اور دیکھو کہ تم کتنے پانی میں ہو۔" ارسلان نے طنزیا لہجے میں کہا۔

"روحیل چلیں پلیز۔"

سمیرا رونے لگی۔ روحیل نے ایک نظر سمیرا کا چہرا دیکھا اور پلٹ کر ارسلان کا۔

"میرے خیال سے روحیل تمھیں چلے جانا چاہیے۔ تم ارسلان جتنے بہادر نہیں ہو سکتے۔" سارہ نے طنز کیا اور روحیل کا خون کھول گیا۔

''ایک سیکنڈ کیا بہادری دکھائی ارسلان نے؟'' سعد نے جل کر پوچھا۔

''دو لاکھ روپے، ابھی کے ابھی واپس کردوں گا۔ اگر روحیل جیت گیا۔ ہاں اگر میں جیتا تو سمیرا کل میرے ساتھ جائے گی۔''

ارسلان نے مزے سے اپنی شرط کہی اور سمیرا نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ اُسے اس سوچ سے بھی کراہیّت آرہی تھی۔

''بولو روحیل، Do we have a Deal?۔''

ارسلان نے مسکرا کر پوچھا اور روحیل اُسے دیکھنے لگا۔ ایک تو اُسے ہار سخت ناپسند تھی خاص طور پر جب کوئی اُسے یہ کہہ کر للکارے کہ وہ بُزدل ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ ارسلان کو مات دینا چاہتا تھا، کسی بھی قیمت پر۔ یہی وہ لمحہ تھا کہ روحیل نے کُرسی کھینچی اور بیٹھا۔ سمیرا حیرت کے عالم میں روحیل کو دیکھنے لگی۔ فحاد اور سعد کے منہ بھی کھلے ہوئے تھے۔

''اگر میں جیتا، تو دو لاکھ میرے...... اگر تم جیتے تو تم سمیرا کو ڈنر پر لے کر جا سکتے ہو۔''

روحیل کہ یہ جملے سمیرا پر کسی قیامت سے کم نہیں تھے! وہ دھک سے رہ گئی اور روحیل کا چہرا دیکھنے لگی۔

سعد اور فحاد اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔ روحیل اپنی طبیعت سے مجبور مقابلے کے لیے تیار تھا۔ سمیرا اس لمحے پتھر کی بُت بن گئی! اُسے ایک لمحے کے لیے بھی یہ اُمید نہیں تھی کہ روحیل اُسے جوے پر لگا دے گا۔

''روحیل؟ روحیل نہیں۔'' سعد نے اُس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''میں نہیں ہاروں گا میں نہیں ہاروں گا سعد۔'' روحیل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''روحیل ایسا نہیں کرو یہ صحیح نہیں ہے۔'' فحاد نے پریشان ہو کر کہا۔

''میں سمیرا کو کسی قیمت پر نہیں ہاروں گا۔'' روحیل نے ارسلان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، کھیل شروع کرتے ہیں۔''

ارسلان نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور روحیل نے تاش کے پتّے بانٹیں۔ سارہ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور سمیرا اس لمحے بے جان کھڑی اپنا سودہ ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ارسلان نے اپنے کارڈز دیکھے اور مسکرا کر کہا۔

"I'll take one"۔

"One card? it means you are chasing a full house"۔

روحیل نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور ایک کارڈ نکال کر دیا۔ روحیل نے اپنے کارڈز دیکھے اور سرد لہجے میں کہا۔

"I'll play these"۔

''چلو تھوڑا اور انٹرسٹنگ کرتے ہیں، اگر تم جیتے تو میں تمھیں پانچ لاکھ دیتا ہوں لیکن اگر تم ہارے تو ڈیٹ تو پکّی ہے ہی، میں تمھاری ہونڈا سوک بھی لے لوں گا۔''

ارسلان نے مسکرا کر شرط بڑھائی۔ سعد اور فحاد کے پسینے چھوٹنے لگے۔

''میں تمھارے پانچ لاکھ روپے اور گاڑی کی شرط قبول کرتا ہوں۔''

روحیل نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا اور سمیرا کا سانس اکھڑنے لگا اُس کے جسم میں کپکپی آ گئی۔

"Well Arsalan, show me what you got?"۔

روحیل نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''Straight Flush!''۔ ارسلان نے کارڈز ظاہر کیے اور اپنے دوستوں کے ساتھ تالیاں مارنے لگا۔

☆......☆

فحاد اور سعد اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔

"Now!, show me what you got"۔

ارسلان نے مسکرا کر پوچھا اور سب کے چہرے روحیل کی طرف مُڑ گئے۔ بارٹینڈر بھی روحیل کو دیکھنے لگا۔ سب لڑکے لڑکیاں اُسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سعد اور فحاد اس لمحے برف کے بن گئے تھے۔ سمیرا کا حال اس وقت سب سے زیادہ بُرا تھا۔ روحیل مستقل ارسلان کی طرف دیکھ رہا تھا، تب ہی اُس کے لب ہلے۔

"Straight flush is a hard thing to beat"۔

"Yes!"۔ ارسلان نے مکّا لہرایا۔

"Only if I got a Royal Flush"۔

یہ کہہ کر روحیل نے اپنے کارڈ ظاہر کیے۔ اُس کے پاس روئل فلش تھا! ارسلان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ خوف زدہ ہو گیا۔

"Yeah!!!"۔

فحاد اور سعد خوشی سے چلّا اٹھے۔ روحیل مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور ارسلان بے جان جسم کے ساتھ اُسے دیکھنے لگا۔ دیگر کھڑے لڑکے لڑکیاں بھی تالیاں بجانے لگے۔ روحیل نے ارسلان کو ہرا دیا تھا۔ وہ مسکرا کر اپنے دوستوں سے ملنے لگا اور پلٹ کر سمیرا کی طرف دیکھا تو دھک سے رہ گیا، سمیرا گیٹ سے نکلتی ہوئی

ما ہ سر جا رہی تھی۔ روحیل پلٹا اور کہنے لگا۔

''ارسلان پانچ لاکھ روپے کی فلاحی کام پر لگا دینا مجھے تمھارے پیسوں کی ضرورت نہیں۔''

''ایک سیکنڈ ایک سیکنڈ! تمھیں کیسے پتا کہ میرے پاس اسٹریٹ فلش تھا؟''

ارسلان نے بوکھلا کر پوچھا۔

''کبھی کبھی آپ کو پتا ہوتا ہے کہ دوسرے کے ہاتھ میں کیا ہے، تاش بٹنے سے پہلے ہی۔''

روحیل نے مسکرا کر اپنی بات کہی اور جانے لگا۔ سارہ اپنا سر پکڑ کر رہ گئی اور ارسلان سکتے کے عالم میں بیٹھتا چلا گیا۔ جب کہ سعد اور فہاد خوشی ایک دوسرے کو تالیاں مار رہے تھے۔ دونوں سمجھ گئے تھے کہ اس بار روحیل نے کوئی ایسا دھوکا کیا تھا جس سے ارسلان ہار گیا۔

روحیل باہر آیا تو اس نے سمیرا کو ہاتھ باندھے کھڑے دیکھا۔ وہ اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑی تھی۔ روحیل مسکرا کر اُس کے پاس گیا۔

''سمیرا؟'' روحیل نے اُسے آواز دی پر سمیرا نہیں پلٹی۔

''دیکھا ہرا دیا نا! ارسلان کو! سالوں کی شکل دیکھنے والی تھی۔ مجھ سے مقابلہ کرنے چلے تھے! مجھ سے......روحیل بالاج سے۔ بالاج علی کے بیٹے سے۔ ہاہ!''

روحیل نے خوش ہو کر مُکّا لہرایا پر سمیرا کچھ نہیں بولی۔

''میں جانتا تھا کہ میں یہ بازی نہیں ہاروں گا، سمیرا میں تمھیں کبھی نہیں ہار سکتا۔''

روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دیجیے پلیز۔'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

"Samira relax, it was just a poker game"۔ روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''آپ نے آپ نے مجھے......جوئے میں داو پر لگایا......'' سمیرا نے اپنے بال پکڑ کر کہا۔

''سمیرا پہلی بات! یہ جوّا نہیں تھا، پوکر گیم تھا۔ جُوا Sounds so wierd دوسری بات یہ کہ میں جیت گیا نا! میں کبھی نہیں ہارتا تمھیں۔'' روحیل نے مزے میں کہا۔

''بات ہار جیت کی نہیں ہے روحیل! آپ نے مجھے جوئے پر لگایا آپ نے میری ایک نہیں سُنی کچھ نہیں سُنا!'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

''سمیرا مجھے یقین تھا اس لیے۔'' روحیل نے پریشان ہو کر کہا۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دیں پلیز میں اس لمحے آپ کی صورت نہیں دیکھ سکتی! نہیں دیکھ سکتی میں!''

سمیرا نے انتہائی طیش میں پلٹ کر کہا اور روحیل دھک سے رہ گیا۔ سمیرا کا دل اس قدر ٹوٹے گا اُسے

اندازہ نہیں تھا۔

''میں نے UBER بُلوالی ہے، میں گھر جارہی ہوں۔'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

''سمیرا پلیز ایسا نہیں کرو۔'' روحیل نے پریشان ہوکر کہا۔

''کیا آپ نے سُنا جب میں نے کہا کہ ایسا مت کریں! کیا دومنٹ کے لیے بھی آپ نے میری عزّت کے بارے میں سوچا؟ کھیل ہارنا تو دُور کی بات آپ نے مجھے بازی پر لگا دیا؟ میں کیا آپ کے لیے کوئی چیز ہوں؟ جسے آپ جوئے پر لگائیں گے؟ جواب دیجیے!''

سمیرا نے پلٹ کر پوچھا اور روحیل دھک سے رہ گیا۔

''آپ کا مقابلہ اتنا ضروری تھا؟ کہ آپ نے مجھے داو پر لگا دیا؟ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک بار پھر......''

سمیرا نے روتے روتے کچھ کہتے ہوئے رُک گئی اور روحیل اُلجھ کر اُسے دیکھنے لگا۔

''پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں! پلیز خدا کے واسطے۔''

سمیرا نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور اس کی UBER آ کر رُکی۔ سمیرا نے بنا ایک پل ضائع کیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بیٹھی۔

''سمیرا؟ سمیرا میری بات سُنو۔'' روحیل تڑپ کر اُس کے پاس آیا۔

''ڈرائیور چلیے۔'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

''سمیرا پلیز۔''

روحیل نے پریشان ہوکر کہا لیکن اُسی وقت گاڑی چل گئی اور سمیرا اس کی نظروں سے دُور ہوتی چلی گئی۔ روحیل اپنی زندگی کو جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆

رات کو سمیرا گھر میں داخل ہوئی اور دروازے سے لگ کر زاروقطار رونے لگی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا جو اُس کے ساتھ ہوا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ روحیل اس طرح اُسے جوے پر لگا دے گا۔ اگر روحیل ہار جاتا تو قیامت ٹوٹ پڑتی، اُسے ایک غیر مرد کے ساتھ ڈیٹ پر جانا ہوتا اور سمیرا کی غیرت اس بات کو گوارہ نہیں کررہی تھی۔

''سمیرا؟ سمیرا کیا ہوا؟'' تہمینہ بیگم بوکھلا کر اُس کے پاس آئیں۔

''آنی!'' سمیرا اُن سے لپٹ کر رونے لگی۔

''کیا ہوا میرا بچّہ؟ سب ٹھیک تو ہے؟'' انھوں نے پریشان ہوکر پوچھا۔

''آنی میں جینا نہیں چاہتی! میں اب جینا نہیں چاہتی!''سمیرا روتی رہی۔

''ایسا مت کہو میرا بچہ! کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے؟ مجھے بتاؤ کیا ہوا؟''

تہمینہ بیگم نے اُس کا چہرا تھام کر پوچھا اور سمیرا نے انھیں ساری بات بتائی۔سب کچھ سُن کر تہمینہ بیگم حیران رہ گئیں۔

''اوہ۔''ان کے منھ سے نکلا۔

''وہ سارہ اپنی دولت کے بھرم دکھا رہی تھی مجھے کمینی کہیں کیا ور روحیل روحیل نے مجھے جوے میں داو پر لگا دیا۔''سمیرا نے روتے ہوئے بتایا۔

''جہاں تک سارہ کی بات ہے......وہ ایک مغرور لڑکی ہے اور کچھ نہیں لیکن روحیل روحیل کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

''آنی مجھے بتائیں کیا فرق ہے روحیل میں اور......''

سمیرا کہتے کہتے رُک گئی اور ہچکیوں سے رونے لگی۔تہمینہ بیگم کا دل بیٹھنے لگا۔

''کیا فرق رہا......کیا فرق رہا؟''

سمیرا روتی رہی اور تہمینہ بیگم لا جواب ہو گئیں۔

''جہنم سے نکل کر جہنم ہی ملا مجھے مجھے نہیں جینا اب......نہیں جینا مجھے میں ایک خواب دیکھنے لگی تھی......بھول گئی کہ خواب کبھی پُورے نہیں ہوتے......کبھی پُورے نہیں ہوتے۔''

سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

''تو تم اب روحیل سے بات نہیں کرو گی؟''

تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر سمیرا سے پوچھا۔سمیرا خاموش ہوئی اور اپنے آنسو پونچھنے لگی۔تہمینہ بیگم اُسے دیکھے جا رہی تھیں۔سمیرا اٹھ کھڑی ہوئی اور سیڑھیوں کی طرف چلی۔ایک پل کے لیے رُکی اور پلٹ کر اس نے کہا۔

''روحیل کا فون آئے تو کہہ دیجیے گا میں اب اُن سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتی۔''

سمیرا کے یہ جملے تہمینہ بیگم پر قیامت بن کر ٹوٹے اور وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔سمیرا روتے ہوئے اوپر چلی گئی۔تہمینہ بیگم وہیں سرد جسم کے ساتھ بیٹھی رہ گئیں۔

خاموشی سے سمیرا نے دروازہ کھولا تو ثمینہ کو سوتا ہوا پایا۔سمیرا نے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا اور کپڑے بدلنے لگی۔واپس اپنے سادہ کُرتا شلوار میں آئی اور ثمینہ کے برابر لیٹی۔اپنی بہن کے ماتھے کو چُوما اور ثمینہ کا سر سہلانے لگی۔ثمینہ بے خبر سوی ہوئی تھی۔وہ اب روحیل کے بارے میں سوچنے لگی اور

جس قدر سوچتی اُتنا اُس کا من خراب ہوتا، روحیل نے اس کی رُوح کو نوچ کر پھینک دیا تھا۔ وہ بُری طرح ٹوٹ چُکی تھی۔

دوسری طرف روحیل سمندر پر کھڑا لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک ہی پل میں اس کی دنیا اُجڑ گئی۔ سمیرا اُس کے پاس سے چلی گئی۔ روحیل کو آج ایک سبق ملا تھا، کبھی کبھی مقابلے ضروری نہیں، کبھی کبھی کچھ جیتنے کے لیے ہارنا بھی پڑتا ہے۔ آج روحیل کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر غلط ہے۔ لیکن اس سبق سے وہ سمیرا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو چکا تھا۔

☆......☆

اگلا دن گرم اور گھما گھمی کا شکار تھا۔ کراچی اپنے روزمرّا کے کاموں میں مصروف زندگی بسر کر رہا تھا۔ سمیرا واپس اپنے کالج یونیفارم میں خاموشی سے تیار ہو رہی تھی۔ جب کہ ثمینہ اور اشرف صاحب نیچے ٹیبل پر ناشتہ کر رہے تھے، وہ بھی محسوس کر چکے تھے کہ کوئی بات ہے جس پر سمیرا بے حد ناراض ہے۔ ایسے میں تہمینہ بیگم سمیرا کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''سمیرا؟......''

تہمینہ بیگم کی آواز سُن کر سمیرا خاموش رہی، اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ تہمینہ بیگم اندر داخل ہوئیں اور نرم لہجے میں کہا۔

''سمیرا؟ کیا میں تمھیں کچھ دے سکتی ہوں؟''

تہمینہ بیگم کی آواز سُن کر اب سمیرا نے پلٹ کر انھیں دیکھا۔ سمیرا کی آنکھیں رو رو کر لال ہو رہی تھیں، مگر دوسری طرف تہمینہ بیگم بھی رات بھر کی جاگی ہوئی محسوس ہوئی۔

تہمینہ بیگم اُس کا چہرا دیکھ کر کمرے میں داخل ہوئیں اور چلتی ہوئی سمیرا کے پاس آئیں۔

''یہ دو پیکٹس ہیں، چاہتی ہوں کہ تم میرے سامنے کھولو۔''

تہمینہ بیگم نے سرد لہجے میں اپنی بات کہی اور سمیرا نے پیکٹس کی طرف دیکھا۔

''کیا ہیں یہ آنی؟'' سمیرا نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''تم خود دیکھو۔'' انھوں نے مختصر جواب دیا۔

سمیرا نے ایک نظر پیکٹ کو دیکھا اور اُسے کھولنا شروع کیا۔ اس نے پیکٹ پر سے ریپر ہٹایا اور دیکھا، دلہن کا ایک لال جوڑا اُس کے ہاتھوں میں ہے۔ سمیرا نے لال جوڑا دیکھا اور حیرت سے اپنی آنی کو۔

''یہ تمھارا وہ مستقبل ہے جس کے میں اور اشرف نجانے کب سے سپنے دیکھ رہے ہیں تمھیں رنگوں میں کھلتا ہوا زندگی کی خوبصورتی کو محسوس کرتا ہوا ہر خوشی کو اپنی بانہوں میں سمیٹتا ہوا دیکھ رہے ہیں اور یہی

چاہتے ہیں کہ تم سدا ایسی ہی سہاگن ایسے ہی خوش رہو۔''

تہمینہ بیگم نے پیار سے یہ جملے کہے اور سمیرا جوڑا دیکھنے لگی۔

''اب یہ پیکٹ کھولو۔''

تہمینہ بیگم نے اُسے دوسرا پیکٹ دیا۔ سمیرا نے گہرا سانس لے کر پیکٹ لیا اور اُسے کھولنے لگی۔ جلد ہی پیکٹ کھلا اور دوسرا لمحہ سمیرا کو خوف میں مبتلا کر گیا۔ سمیرا نے دیکھا اُس کے ہاتھوں میں کفن ہے سفید کفن۔

''یہ وہ مستقبل ہے جس کے پیچھے تم چلی جا رہی ہو ہم سب کے سپنوں کو چھوڑ کر ہماری خواہشات کو بھلا کر ہمارے سپنوں کو کچل کر تم چلی جا رہی ہو اور ہم کچھ نہیں کر سکتے کچھ بھی نہیں......''

تہمینہ بیگم یہ کہہ کر رو پڑیں۔ سمیرا خوف کے عالم میں کفن کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی روح کانپ رہی تھی۔

''فیصلہ تمھارے حوالے سمیرا، کیا یہ لال جوڑا اپنانا ہے یا کفن۔''

یہ کہہ کر تہمینہ بیگم کمرے سے نکلتی چلی گئیں، سمیرا وہیں بیٹھی کفن اور لال جوڑے کو دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆

کالج میں سمیرا من لگا کر پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ لال جوڑا اور کفن اُس کے ذہن سے نہیں نکل پا رہا تھا۔ واقعی سمیرا کے سامنے صرف دو رستے تھے، ایک رستہ زندگی کی طرف تو دوسرا موت کی طرف۔ مگر زندگی کے رستے پر جو کانٹے اُسے ملے تھے اُن سے بہتر موت تھی۔ روحیل اُسے پھولوں کی راہ پر لے جاتے لے جاتے اُسے کانٹوں میں دھکیل گیا اور جو زخم سمیرا کے دل پر لگے تھے وہ زخم پہلے بھی لگ چکے تھے۔

روحیل کو کھونے کا دکھ اُسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ جو رات ہوا تھا وہ اُس سے بھلایا نہیں جا رہا تھا۔ سمیرا کی آنکھوں میں آنسو ٹکے تھے اور وہ خاموشی سے اپنی کلاس لے رہی تھی۔ خدا خدا کر کے دن ختم ہوا اور سمیرا اپنی کلاس سے نکلی۔ وہ کتابیں لیے، سر جھکائے نکلتی جا رہی تھی، اسی حال میں وہ کالج سے نکلی اور اس کی نظر روحیل پر پڑی!

سمیرا دھک سے رہ گئی۔ روحیل اپنی مرسڈیز کے بونٹ سے ٹیک لگائے کھڑا اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پریشان وہ بھی تھا، فکرمند وہ بھی تھا۔ روحیل نے اس وقت کالا سوٹ پہنے ہوئے تھا اور کالا چشمہ لگائے وہ اپنی زندگی کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ سمیرا نے ایک نظر اُسے دیکھا اُس کے پاس سے گزرتی چلی گئی۔

''سمیرا۔'' روحیل نے اُسے آواز دی مگر سمیرا نہیں رُکی۔

''سمیرا میری بات سُنو۔'' روحیل نے اُس کے پیچھے جاتے ہوئے کہا مگر وہ نا رُکی۔

''سمیرا ایک منٹ پلیز۔'' اس نے سمیرا کا ہاتھ پکڑا۔

''ہاتھ چھوڑیے۔'' سمیرا نے تنک کر کہا۔

''کیسے چھوڑوں؟ میں نے یہ ہاتھ چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا۔'' روحیل نے جواب دیا اور سمیرا خاموش ہو گئی۔

''سمیرا، میں نے کل بیوقوفی کی۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ کل میں نے اپنا سب کچھ داو پر لگا دیا، For just a freaking poker game۔ مجھے احساس ہوا ہے اپنی غلطی کا۔ میرا فوکس ہار اور جیت پر تھا لیکن تم کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ تم ٹھیک کہہ رہی تھیں اور میں اپنے کیے پر بے حد شرمندہ ہوں۔'' روحیل نے شرمسار ہو کر کہا۔

''جو انسان مجھے جوے میں داو پر لگا سکتا ہے اس کی بات کا کیا بھروسہ؟'' سمیرا نے بوجھل دل کے ساتھ کہا۔

''جس انسان نے جوے میں تمھیں داو پر لگایا، وہ انسان کل ہی ختم ہو چکا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی میں کبھی تم پر ایسا وقت نہیں آنے دوں گا۔'' روحیل نے اُسے دیکھ کر جواب دیا۔

''کیوں؟ کیوں نہیں آنے دیں گے یہ وقت مجھ پر؟ آخر میں ہوں کیا؟ صرف ایک چیز! جسے آپ جوے میں داو پر لگا دیں!'' سمیرا نے روحیل کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں سمیرا......تم میرا سب کچھ ہو......میں پیار کرتا ہوں تم سے۔''

روحیل نے اپنے دل کی بات کہہ دی اور سمیرا سکتے میں آ گئی۔ وہ پلٹ کر اُس کا چہرا تکنے لگی۔

''ہاں سمیرا...... میں بے انتہا محبت کرتا ہوں تم سے......دیوانہ ہوں تمھارا...... پیار کرتا ہوں تم سے......''

روحیل نے اُس کے پاس ہو کر کہا اور سمیرا اُسے دیکھتی رہی۔

''مجھ سے بہت بہت بڑی غلطی ہوئی، میں مانتا ہوں اس بات کو۔ میرا وعدہ ہے کہ آج کے بعد تمھیں کبھی ایسی Situation میں نہیں ڈالوں گا۔ میں آج کے بعد سے پوکر تک نہیں کھیلوں گا۔ بس ایک بار مجھے معاف کر دو، دل سے معاف کر دو۔'' روحیل نے التجا کی۔

''میں آپ کو معاف کر بھی دوں تب بھی ہم ایک نہیں ہو سکتے روحیل۔''

سمیرا نے سر جھکا کر یہ جملے کہے، اس کی آواز بھرّا گئی۔

''کیوں نہیں ہو سکتے؟ آخر کیوں؟'' روحیل نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

''میں آپ کے قابل نہیں ہوں میں کسی کے قابل نہیں ہوں......''

یہ کہہ کر سمیرا روتے ہوئے چل پڑی۔

''سمیرا پلیز تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو کہ تم میرے قابل نہیں؟ میں دولت کو اپنے پیر کی جوتی سمجھتا ہوں میرے لیے دل کے رشتے زیادہ اہم ہیں۔'' روحیل نے اُس کے پیچھے جاتے ہوئے کہا۔

''خوابوں سے نکل آئے روحیل جیسے میں خواب سے جاگ چکی ہوں...... بہتر ہے کہ آپ بھی اس خواب سے بیدار ہو جائیں۔'' سمیرا نے چلتے ہوئے کہا۔

''سمیرا پلیز!......'' روحیل جھنجلا کر اس کی طرف بڑھا۔

''روحیل آپ نہیں سمجھیں گے...... پلیز خدا کے لیے میرا پیچھا مت کیجیے!''

سمیرا نے روتے ہوئے کہا اور قریب قریب دوڑنے لگی۔

''سمیرا میری بات سُنو۔'' روحیل نے پھر اُس کا ہاتھ تھاما۔

''اوہ بھائی! لڑکی کا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟''

اچانک کچھ مردوں نے آ کر روحیل کا گریبان پکڑ لیا۔ روحیل نے دیکھا مجمع جمع ہو رہا تھا۔

''چھیڑتا ہے لڑکی کو؟'' ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

''اسکی ویڈیو بنا موبائل سے۔'' ایک سخت لہجے میں بولا۔

''اتنا مارو سالے کو کہ آئندہ ایسی حرکت نا کرے!'' ایک نے غرّا کر کہا۔

سمیرا نے پلٹ کر دیکھا تو بوکھلا گئی اور دوڑ کر واپس آئی۔

''ارے! کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟ ہٹیں یہاں سے۔''

''باجی یہ شخص آپ کو چھیڑ رہا ہے؟'' ایک شخص نے غرّا کر پوچھا۔

''جی نہیں یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔ آپ سب جائیں یہاں سے۔ بند کریں موبائل!''

سمیرا نے تیز آواز میں کہا اور ایک لڑکے نے موبائل نیچے کر لیا۔

''جائیں آپ لوگ یہ ہماری زاتی معاملہ ہے۔''

سمیرا نے تیز آواز میں جملے کہے اور سب پیچھے ہونے لگے۔ روحیل خاموشی سے سب کو پیچھے ہوتے دیکھنے لگا۔

''مجھے اور بدنام نہ کریں پلیز...... پلیز۔''

سمیرا رو پڑی اور روحیل کا دل بیٹھنے لگا۔ اس نے رکشہ روکا اور جلدی سے بیٹھی۔ روحیل اس لمحے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، کچھ بھی نہیں۔

☆......☆

بوجھل قدموں سے روحیل واپس گھر پر لوٹا۔ ٹیبل پر گاڑی کی چابی پھینکی اور صوفے پر بیٹھ کر اپنی قسمت

کو کوسنے لگا۔ کاش وہ سمیرا کو سارہ کے گھر لے کرنہیں جاتا، کاش کہ وہ رات آتی ہی نا۔ تو آج سمیرا اس کی ہوتی۔ یہی سب باتیں سوچتے ہوئے روحیل نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

''روحیل؟ کیا ہوا بیٹا؟ سمیرا مانی؟''

بالاج صاحب نے اُس کے پاس آکر پوچھا۔ ان کے ساتھ زین بھی تھا۔

''بھائی کیا ہوا؟'' زین نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''سب ختم ہو گیا سب کچھ۔''

روحیل نے ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ کہا اور بالاج صاحب نے اپنے بیٹے کی آنکھون میں آنسو دیکھے۔

''یہ کیا! میرا اتنا بہادر بیٹا ایسے رو رہا ہے؟'' بالاج صاحب نے اُسے اپنے گلے سے لگایا۔

''پوپس میں نہیں جی سکتا اُس کے بنا میں نہیں جی سکتا۔'' روحیل نے روتے ہوئے کہا۔

''اور آپ کیوں جیو گے ان کے بنا۔ بھابھی اسی گھر میں آئیں گی اور کہیں نہیں۔'' زین نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''نہیں زین میں کوئی زور زبردستی نہیں چاہتا۔ سمیرا اپنی مرضی کی مالک ہے اُسے اپنا فیصلہ خود کرنا چاہیے۔''

روحیل نے آنسو بہاتے ہوئے کہا اور بالاج صاحب، زین ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''دولت اور طاقت سے اگر میں نے سمیرا کو حاصل کیا تو کیا خاک حاصل کیا؟ وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی پتا نہیں کیوں بار بار ایک بات کہتی ہے میں آپ کے قابل نہیں پتا نہیں کیوں۔''

روحیل نے الجھ کر یہ جملے کہے اور بالاج صاحب سوچنے لگے۔

''لیکن اب میں مزید اُسے شادی کے لیے نہیں کہوں گا اُس پر کسی قسم کا کوئی پریشر نہیں دوں گا مجھے کوئی حق نہیں ......''

روحیل نے سر جھکاتے ہوئے اپنی بات کہی اور اٹھ کر چلا گیا۔ زین اور بالاج صاحب اُسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ روحیل اس لمحے بُری طرح ٹوٹ چکا تھا اور یہ دیکھ کر بالاج صاحب کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ زین بھی سر جھکائی سوچنے لگا کہ کرے تو کیا کرے۔ بالاج صاحب اُٹھے اور ٹہلتے ہوئے کچھ سوچنے لگے۔ اُن کا ذہن اس وقت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

☆......☆

شام آٹھ بجے اشرف صاحب کے گھر کی بیل بجی اور ثمینہ نے دروازہ کھولا تو سامنے بالاج صاحب

اور زین کو دیکھا۔

''ارے آپ؟'' ثمینہ کہ منھ سے نکلا۔

''اشرف ہے گھر پر؟'' بالاج صاحب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''جی جی آیئے۔'' ثمینہ نے گھبرا کر کہا اور بالاج صاحب اندر داخل ہوے۔

''بالاج صاحب آپ؟'' اشرف صاحب چونک کر اُٹھے۔ تہمینہ بیگم بالکل خاموش تھیں۔

''ہاں اشرف بیٹھو......''

بالاج صاحب نے اطمینان بخش لہجے میں کہا اور اشرف صاحب بیٹھ گئے۔

زین بھی خاموشی سے بیٹھا۔

''اشرف میں روحیل کے لیے آیا ہوں۔'' بالاج صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''کیا ہوا روحیل کو بالاج صاحب؟''

اشرف صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔ بالاج صاحب نے گہرا سانس لیا اور کہنے لگے۔

''اشرف روحیل بہت چھوٹی عمر کا تھا...... کہ اس کی ماں چل بسی...... اتنا وہ جانتا تھا...... کہ موت کیا ہوتی ہے...... اس نے اپنے آپ کو ٹوٹنے نہیں دیا...... اپنے چھوٹے بھائی...... زین کے لیے...... اس نے اپنے آپ کو مضبوط رکھا...... کبھی اپنے آپ کو ٹوٹنے نہیں دیا...... سخت محنت کے ساتھ اس نے اپنی تعلیم مکمل کی...... وکیل بنا...... اور آج میرے ساتھ...... کندھے سے کندھا ملا کر...... میرا بزنس چلاتا ہے...... لیکن اشرف آج آج روحیل ٹوٹ گیا ہے سمیرا کے انکار نے اُسے توڑ کر رکھ دیا ہے۔''

''روحیل...... روحیل سمیرا سے شادی کرنا چاہتا ہے؟''

اشرف صاحب نے خوش ہو کر کہا اور تہمینہ بیگم کی طرف دیکھا۔ تہمینہ بیگم سر جھکا گئیں۔

''ہاں اشرف۔'' بالاج صاحب نے اطمینان سے کہا۔

''انکل آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟'' زین نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''اعتراض؟ اعتراض کس بات کا؟ یہ تو اتنی خوشی کی بات ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔'' اشرف صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''سنیے میرا خیال ہے ایک بار سمیرا سے پوچھ لیجیے۔'' تہمینہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''ارے سمیرا سے کیوں پوچھیں؟ وہ ہماری بچّی ہے ہمارا ہی کہنا مانے گی۔'' اشرف صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''پھر بھی میں سمجھتی ہوں کہ اُس سے ایک بار پوچھ لینا چاہیے۔'' تہمینہ بیگم نے فکر مند ہو کر کہا۔

”زارا کا رشتہ جب کیا تھا تب زارا سے پوچھا تھا ہم نے؟“ اشرف صاحب نے تیز آواز میں کہا۔

”اشرف، تہمینہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ سمیرا سے پوچھ لو۔“ بالاج صاحب نے اطمینان بخش لہجے میں کہنے لگے۔

”انکل، کیا میں سمیرا بھابھی سے مل سکتا ہوں؟“ زین نے اُن سے اجازت طلب کی۔

”ہاں بیٹا وہ اپنے کمرے میں ہی ہے۔“ اشرف صاحب نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

”جاو اوپر ہی چلے جاو۔“

تہمینہ بیگم نے پیار سے کہا اور زین اٹھ کر اوپر والی منزل پر چلا۔ جلد ہی وہ سمیرا کے کمرے کی طرف چلا اور دروازے پر دستک دی۔

”آیئے۔“

اندر سے ثمینہ کی آواز آئی تو زین نے دروازہ کھولا۔ اس نے دیکھا سمیرا بستر پر بیٹھی ہے اور چہرا اپنے زانوں پر جھکایا ہوا ہے، وہ مستقل رو رہی تھی۔ ثمینہ پریشان اپنی بہن کے برابر بیٹھی تھی۔

”کیا میں بھابھی سے کچھ بات کر سکتا ہوں؟“

زین نے ثمینہ کو دیکھ کر پوچھا اور ثمینہ بستر سے اٹھ کر دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ زین چلتا ہوا سمیرا کے قریب آیا اور بستر پر بیٹھا۔

”بھابھی؟ یہ ایک چھوٹا سا خط ہے...... بھائی نے دیا ہے......“

زین نے خط نکال کر سمیرا کی طرف بڑھایا۔ سمیرا نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں رو رو کے لال ہو چکی تھیں۔ ہچکیاں لیتے ہوئے اس نے خط لیا اور اُسے کھول کر پڑھا۔

سمیرا!

میں جانتا ہوں جس لمحے تم یہ خط پڑھ رہی ہوں گی، ہمارے رشتے کی بات چل رہی ہوگی لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی چیز تمھاری مرضی کے بغیر نہیں ہوگی۔ تم اگر مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو یہ تمھارا فیصلہ ہے جسے میں قبول کرتا ہوں۔ تو کیا ہوا اس یتیم نے اس سپنے کے ساتھ زندگی گزاری کے ایک دن اُسے اُس کے سپنوں کی رانی مل جائے گی۔ تنہا رہنے کا عادی ہوں رہ لوں گا۔ تم اپنے دل پر کوئی بوجھ مت لینا پلیز۔ تمھارا صرف تمھارا،

روحیل!

سمیرا یہ پڑھ کر خالی نظروں سے بستر کو تکنے لگی۔

”بھابھی، صرف بھائی ہی نہیں مجھے اور پوپس کو بھی آپ کی بے حد ضرورت ہے۔“ زین نے دھیرے

سے کہا اور سمیرا نے اس کی طرف دیکھا۔
''میں نے کبھی ماں کا چہرا نہیں دیکھا ماں کسے کہتے ہیں اُس کا پیار کیا ہوتا ہے مجھے نہیں پتا لیکن اتنا جانتا ہوں...... کہ جب آپ کو دیکھا مجھے ایک پل کے لیے محسوس ہوا میری ماں میرے پاس آ گئی مجھ سے ہمارے گھر سے پوپس سے یہ خوشی مت چھینیے پلیز ہمیں آپ کی ضرورت ہے......''
زین نے بھاری دل کے ساتھ یہ جملے کہے اور ثمینہ نے نظر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ پہلی بار ثمینہ نے اپنے دل میں زین کے لیے کچھ محسوس کیا۔
''زین جسے تم اپنی ماں سمجھ رہے ہو وہ تمھاری ماں بننے کے قابل نہیں ہے میرا بچّہ میں تمھارے گھر کے قابل نہیں ہوں......'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہے بھابھی...... جیسے آپ کی مرضی...... اگر آپ ایسا سمجھتی ہیں......تو صحیح سمجھتی ہوں گی لیکن میں بھی بالاج علی کا بیٹا ہوں......ایک وعدہ آپ سے کرتا ہوں اگر ہمارے گھر میں کوئی لڑکی بُہو بننے کے قابل ہے تو وہ صرف آپ ہیں اگر آپ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں میں بھائی کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں وہ آپ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کریں گے رہا سوال میرا تو میں بھی اپنے کوئی جیون ساتھی پسند نہیں کر سکتا......شکریہ بھابھی......شکریہ ہمیں ساری زندگی تنہا کرنے کے لیے......''
زین نے ایک بڑی بات کہی اور اٹھ کھڑا ہوا۔
''زین؟'' سمیرا نے روتے ہوئے اُسے دیکھا۔
''یہ میرا وعدہ ہے آپ سے بھابھی یہ میرا وعدہ ہے۔''
زین نے سر جھکاتے ہوئے یہ جملے کہے اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ ثمینہ کا دل بھی اس لمحے بھر آیا، اس نے پہلی بار زین کو اس طرح ٹوٹے ہوئے دیکھا تو اُسے بھی سہا نہ گیا۔ آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔ زین جیسے ہی وہ باہر گیا اس نے بالاج صاحب، اشرف صاحب اور تہمینہ بیگم کو سامنے پایا۔
''کچھ بات بنی؟'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور زین نے نفی میں سر ہلایا۔
''رکو میں بات کرتا ہوں۔'' بالاج صاحب نے اطمینان سے کہا اور کمرے کے اندر چلے گئے۔
''سمیرا بیٹے؟''
اُن کی آواز سُن کر سمیرا بُری طرح چونکی اور سر پر دوپٹہ لے کر اُٹھنے لگی۔
''بابا آپ؟''
''بیٹھو بیٹھو! ہم تو اپنی گُڑیا سے ملنے آئے ہیں تو یہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے......''
بالاج صاحب نے پیار سے کہا اور بستر پر بیٹھے۔ زین سر جھکا کر دیوار سے لگ گیا۔ اشرف صاحب

اور تہمینہ بیگم بھی سر جھکا کر کھڑے تھے۔

’’کیا حال کرلیا ہے میری بچّی نے رو رو کہ آنکھیں سوجھا لیں؟‘‘

بالاج صاحب نے اُس کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور سمیرا نے سر جھکا لیا۔

’’مجھے بابا کہتی ہو نا؟ آج بابا گھر لینے آئے ہیں تو کیا مسلہ ہے میرا بیٹا؟‘‘ بالاج صاحب نے پیار سے پوچھا۔

’’بابا میں میں آپ لوگوں کے قابل نہیں ہوں۔‘‘ سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

’’بیٹا کون کس کے قابل ہے یہ تو بس اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہم انسان تو بس دل کی آواز کو سُنتے ہیں اُسے ہی سمجھتے ہیں اور ہمارے دل نے تمھیں پسند کیا ہے۔‘‘ بالاج صاحب نے پیار سے کہا اور سمیرا سر جھکا گئی۔

’’کیا تمھیں روحیل نہیں پسند؟‘‘ بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

’’ایسی بات نہیں بابا، روحیل تو بہت اچھے ہیں......‘‘ سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

’’تو بس! اب اگر تُو نے انکار کیا نا تو میرا مرا ہوا منھ دیکھے گی۔‘‘ بالاج صاحب نے جذباتی ہو کر کہا۔

’’نہیں بابا ایسا نہیں کہیں پلیز!‘‘ سمیرا نے روتے ہوئے ان کے ہاتھوں کو تھاما۔

’’تو بتا پھر؟ کیا فیصلہ ہے تیرا؟‘‘

بالاج صاحب کا یہ سوال سمیرا کی زندگی کا وہ موڑ تھا جہاں اس نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آگے اب اُسے کیا کرنا ہے۔ ایک طرف ویرانی و تنہائی، تو دوسری طرف شادی کی سیج، مگر اس شادی کا انجام کیا ہوگا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ سمیرا نے الجھ کر ایک نظر اشرف صاحب، تہمینہ بیگم کی طرف دیکھا۔ دونوں اُس کے فیصلے کو سُننا چاہ رہے تھے، ان کے چہروں پر ایک ہی داستاں لکھی ہوئی تھی، سمیرا کی وداعی۔ سمیرا نے زین اور ثمینہ کی طرف دیکھا تو وہ بھی سر جھکائے کھڑے اُس کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے صاف دیکھا زین کس قدر اُسے اپنی بھابھی کو رُوپ میں دیکھنا چاہتا ہے، ثمینہ کس قدر اپنی بہن کو دلہن کے جوڑے میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ فیصلے کی گھڑی تھی، دلہن کا جوڑا یا کفن، سمیرا کو اسی وقت اپنی قسمت کا فیصلہ کرنا تھا۔

اس نے اپنا سر جھکایا اور گہرا سانس لے کر کہہ اُٹھی۔

’’ٹھیک ہے بابا میں راضی ہوں۔‘‘

’’ارے واہ!‘‘

زین خوشی سے چلّا اٹھا اور سب روتے ہوئے بھی ہنس پڑے! اشرف صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا اور تہمینہ بیگم ثمینہ کے گلے لگیں! بالاج صاحب نے سمیرا کے ماتھے کو چُوما اور اُسے سینے سے لگا لیا۔ سب

کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ثمینہ دوڑ کر آصف، زارا، شکیلہ بیگم، شفیق صاحب اور نتاشہ کو بُلا کر لائی۔ خوشی کی خبر جب انھیں پتا چلی تو سب کے سب اُچھل پڑے! کوثر اپنی بائیک پر پہنچا تو اُسے بھی اس بات کی خبر ملی کہ سمیرا اور روحیل کا رشتہ ہو گیا ہے تو وہ بھی خوشی سے ناچنے لگا۔

جلد ہی ایک بار سب اشرف صاحب کے ہال میں جمع تھے۔ عورتوں نے ایک بار پھر سمیرا کو تیار کرنا شروع کیا، سمیرا تیار ہو کر نیچے آئی اور مبارک ہو مبارک ہو کے نعرے سے گھر گُونج اٹھا۔ بالاج صاحب نے ہیرے کی انگھوٹی نکال کر تہمینہ بیگم کی طرف بڑھائی اور تہمینہ بیگم نے مسکرا کر انگھوٹی سمیرا کی انگلی میں پہنادی۔ گھر تالیوں کی گُونج سے اٹھ کھڑا ہوا اور شکرِ خدا ہونے لگا۔ سب اس لمحے بہت خوش تھے۔ اس خوشی سے کوئی بیگانا تھا تو وہ صرف روحیل۔

☆......☆

روحیل بار بار زین اور بالاج صاحب کے موبائل پر کال کر رہا تھا لیکن دونوں کا فون بند تھا۔ وہ پریشان ہو کر ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ ایسے میں اُسے محسوس ہوا کہ بالاج صاحب کی گاڑی آ کر رُکی ہے۔ روحیل دروازے پر گیا اور دیکھا بالاج صاحب اور زین بوجھل قدموں سے اندر آ رہے ہیں۔

’’کیا ہوا پوپس؟ سب ٹھیک تو ہے؟‘‘

روحیل نے پریشان ہو کر پوچھا اور بالاج صاھب خاموشی سے اندر چلے۔

’’زین؟‘‘

روحیل نے مچل کر پوچھا پر زین نے بھی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ دونوں خاموشی سے لاونج میں آ کر بیٹھ گئے۔

’’کوئی کچھ بتائے گا؟‘‘ روحیل نے دوبارہ پوچھا۔

’’وہ نہیں مان رہیں بھائی۔‘‘ زین نے پریشان کن لہجے میں کہا اور روحیل کا دل ڈوب گیا۔

’’پوپس نے بھی بات کی، میں نے بھی کی لیکن بھابھی نہیں مانی۔‘‘ زین نے اُداس ہو کر کہا۔

’’اوہ اوکے۔‘‘ روحیل کے منھ سے نکلا۔

’’آئی ایم سوری بیٹا۔‘‘ بالاج صاحب نے بھی دکھی لہجے میں کہا۔

’’نہیں اِٹس اوکے، خان بابا نے کھانا لگا دیا ہے، چلیں کھانا کھاتے ہیں۔‘‘

روحیل نے بجھی بجھی آواز میں کہا اور اٹھ کر چلا۔ اچانک اس نے زین کی اور بالاج صاحب کی پھنسی پھنسی سی ہنسی کی آواز سُنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو دونوں ہنسی روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟'' روحیل نے حیران ہوکر پوچھا۔

''پوپس! میں نے کہا تھا نا یہ پکّی لیلیٰ مجنوں کی کہانی ہے۔''

زین نے ہنس کر کہا اور بالاج صاحب ہنسے۔

''کیا مطلب؟'' روحیل نے حیران ہوکر پوچھا۔

''زین اسے مطلب سمجھاؤ۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''زین؟'' روحیل نے اس کی طرف دیکھا۔

''مطلب کے شادی مبارک ہو بھائی! بھابھی مان گئی!'' زین دوڑ کر روحیل کے گلے لگا۔

''صحیح بتاؤ!؟'' روحیل نے حیرت کے عالم میں پوچھا۔

''پوپس سے پوچھ لیں!''

زین نے خوش ہوکر یہ جملے کہے اور روحیل نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو وہ ہنستے ہوئے نظر آئے۔

"Pops! I'm gonna kill you!!!"۔

روحیل نے جوش میں آ کر کہا اور دوڑ کر اپنے والد پر چڑھا!

''ارے ارے میں دب جاؤں گا بھائی!''

بالاج صاحب بوکھلا گئے، ایسے مین زین بھی ان کے اوپر چڑھا۔ تینوں باپ بیٹے جشن منانے لگے۔

بلاآخر سمیرا گھر کی بہو بن کر آ رہی تھی۔ خوشی کی لہر بالاج خاندان میں پھیل چکی تھی، ۔سمیرا اس گھر کی بہو بن گئی تھی۔

☆......☆......☆

رات کے تین بجے اسپتال خالی پڑا تھا، دُور کہیں کوئی نرس یا کوئی شخص صفائی کرتا نظر آ جاتا۔ اسپتال کے کوریڈور میں رکھی کافی مشین میں پیسے ڈال کر روحیل نے اپنے لیے ایک گرم کافی لی۔ سیدھے ہاتھ سے جب اس نے کافی کا کپ اُٹھایا تو چاندی کا بریسلیٹ بھی کھنک پڑا روحیل نے کافی کے کچھ گھونٹ پی کر اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کیا۔ وہ بھی کافی کے کچھ ہی گھونٹ پی پایا تھا کہ ایسے میں لگ بھگ پچاس سال کی عمر کے قریب ایک شخص آئے اور پیسے مشین میں ڈال کر کافی نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا، چیک شرٹ پہنی ہوئی اور فارمل پینٹ۔ پینٹ کے نیچے چپّلیں موجود تھیں۔ وہ مستقل کافی نکالنے کی کوشش کر رہے تھے پر انھیں شاید سسٹم سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

’’یہ والا بٹن دبائیں۔‘‘ روحیل نے اُن کی مدد کی۔

’’اوہ اوکے!‘‘ وہ چشمہ صحیح کر کے بولے۔

’’آپ کو کافی چاہیے؟‘‘ روحیل نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

’’ہاں بس کچھ بھی۔‘‘ انھوں نے جواب دیا۔

’’جی، بس یہ بٹن دبا دیں۔‘‘ روحیل نے دھیرے سے کہا۔ انھوں نے بٹن دبایا اور جلد ہی ایک کپ نکلا اور اُس میں کافی بھرنے لگی۔

’’ارے واہ! ٹیکنالوجی!‘‘ انھوں نے مسکرا کر کہا اور روحیل اپنے لبوں پر اُداس مسکراہٹ لے آیا۔

’’شکریہ......‘‘

انھوں نے شکریہ کیا اور روحیل آ کر اسپتال کی بینچ پر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ صاحب بھی کافی لے کر روحیل کے پاس آئے اور اُس کے برابر میں بیٹھے۔

''ٹیکنالوجی بہت آگے جاتی جارہی ہے، مجھ جیسے لوگ تو پیچھے رہ گئے ہیں۔'' انھوں نے مسکرا کر کہا اور روحیل مسکرانے لگا۔

''آپ کا بھی کوئی اسپتال میں ایڈمٹ ہے؟'' اُنھوں نے پوچھا۔

''جی...... میری وائف ہیں۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''کیسی طبیعت ہے اُنکی؟'' انھوں نے پوچھا۔

''دعاوں کی ضرورت ہے۔'' روحیل نے مختصر جواب دیا۔

''میں اپنی والدہ کے سلسلے میں یہاں ہوں۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ اگلے چوبیس گھنٹے بہت مشکل ہیں۔'' انھوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا اور روحیل سر جھکا گیا۔

''میرا نام اشفاق ہے اشفاق احمد۔'' انھوں نے ہاتھ آگے کر کے کہا۔

''روحیل بالاج۔'' اس نے بھی اپنا تعارف کیا اور ہاتھ ملایا۔

''کیا کرتے ہیں آپ؟'' اس نے پوچھا۔

''وکیل ہوں۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ کو یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن دعا ہے کہ سب کچھ صحیح ہو جائے، آپ کی عمر کچھ زیادہ نہیں تو یقیناً آپ کی وائف کافی ینگ ہوں گی۔ ابھی تو آپ کے خوشیوں سے بھرے دن ہیں، یہ کہاں آپ اسپتال کے چکّر میں آ گئے؟'' اشفاق صاحب نے الجھ کر پوچھا۔

''نصیب کے کھیل ہیں اشفاق صاحب کبھی کبھی سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔'' روحیل خالی خالی لہجے میں کہنے لگا۔

''صحیح کہا آپ نے...... کبھی کبھی ہمارے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہوتا......'' اشفاق صاحب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر گہرا سانس لے کر کہنے لگے۔

''میری بیوی نے میری ماں کو گھر سے نکال دیا تھا...... کہنے لگی ماں اتنی بوڑھی ہو گئی ہیں اُس کے لائف اسٹائل کو سوٹ نہیں کرتا...... دن بھر کی لڑائی اور جھگڑوں سے تنگ آ کر چھوڑ آیا اپنی ماں کو اولڈ ہاوس میں...... وہاں سے خبر آئی کہ ماں کا دل جکڑ گیا ہے...... فوراً اسپتال لے جانا ہو گا میں اپنی چیک بُک لے کر گھر سے نکل ہی رہا تھا...... کہ میری بیوی نے مجھے یہ کہہ کر بھیجا کے بُڑھیا پر ایک پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں...... اگر کیا تو واپس آنے کی ضرورت نہیں...... چیک بک چھوڑ کر ماں کی محبت میں......

بڑے بیٹے سے التجا کی...... کہ مجھے اسپتال تک چھوڑ دو تو کہنے لگا سوری پاپا...... پر مجھے یونیورسٹی جانا ہے...... چھوٹے کی پڑھائی چل رہی تھی اس لیے بس سے ہوتا ہوا اسپتال آیا...... یہاں آکر ماں کا حال دیکھا تو وہ اس طرح بستر پر پڑی تھیں جیسے ان کے آگے پیچھے پوچھنے والا کوئی نہیں......ڈاکٹرز نے بھی یہی تصور کیا کہ اس بڑھیا کا آگے پیچھے کوئی نہیں......''

اشفاق صاحب کہتے رہے اور روحیل اُن کی بات سُنتا رہا۔

''میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا بہت چھوٹا تھا...... جب باپ گھر چھوڑ کر چلا گیا...... ماں نے دن بھر محنت کر کے مجھے پالا پوسا...... پڑھایا لکھایا مجھے میرے پیروں پر کھڑا کیا......میری شادی کی اللہ نے مجھے دو بیٹوں سے نوازہ لیکن آج جب ماں کو اس طرح دیکھا.......... یقین کیجیے ایک پل میں ہی احساس ہو گیا...... کہ میری ساری کامیابی بے معنی ہیں سب کچھ بے معنی۔''

اشفاق صاحب غمگین لہجے میں کہتے چلے گئے اور روحیل سر جھکا گیا۔ کہنے کے لیے اُس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

''میں جب جوان تھا تب سوچا کرتا تھا یار ایسا بھی کیا کہ کسی کے چلے جانے سے انسان اتنا ٹوٹ جاتا ہے کہ دل پکڑ کر رہ جاتا ہے مر جاتا ہے؟......آخر، آخر کوئی کیسے کسی کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ سکتا ہے؟ لیکن آج جب میری ماں موت کے بستر پر لیٹی ہے تو مجھے احساس ہو رہا ہے اپنوں کے جانے کا دکھ کیا ہوتا ہے درد کسے کہتے ہیں...... دکھ کیا ہوتا ہے۔'' اشفاق صاحب نے بھرّا کر کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں کبھی کبھی ہمارے پاس سب کچھ ہوتا ہے لیکن ہمیں احساس نہیں ہوتا کہ ہم کیا کھو گئے اور کیا پا گئے۔'' روحیل نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

''روحیل صاحب ہم مڈل کلاس لوگ ہیں ہمارے ماں باپ کے پاس جائیدادیں نہیں ہوتیں ایک زندگی ہوتی ہے...... وہ بھی وہ ہم پر لگا دیتے ہیں...... لیکن ہم اولاد...... اپنے ماں باپ کو پلٹ کر کچھ نہیں دے پاتے کچھ بھی نہیں آج سب کچھ کمانے کے بعد بھی ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں یہ زندگی بہت عجیب ہے...... بہت عجیب۔''

اشفاق صاحب کہتے گئے اور روحیل نے تائید کی۔

''چلیے میں چلتا ہوں، سوری آپ کا کافی وقت لیا۔'' انھوں نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''ایک وظیفہ بتاتا ہوں، فجر کی نماز کے بعد تین بار آئت الاُکرسی پڑھ کر اپنی بیوی کی صحت کی دعا مانگیے گا ان شا اللہ مولاؑ شفا عطا کریں گے۔'' انھوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

’’شکریہ۔‘‘ روحیل نے جواب دیا۔

’’میں بھی دعا کروں گا کہ جلد آپ کی بیوی کو صحت ملے، اچھا خدا حافظ۔‘‘ انھوں نے پیار سے کہا۔

’’خدا حافظ۔‘‘

روحیل نے جواب دیا اور اشفاق صاحب چلتے چلے گئے۔ روحیل نے انھیں جاتے ہوئے دیکھا اور گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر ایک کے سینے میں طرح طرح کا غم ہے ہر ایک کی اپنی کہانی ہے لیکن روحیل جانتا تھا اس کی کہانی بہت عجیب ہے بہت عجیب۔ اسی سوچ کے ساتھ وہ سمیرا کے کمرے میں داخل ہوا۔

سمیرا خاموش بستر پر لیٹی تھی۔ آکسیجن ماسک اُس کے منھ پر لگا تھا اور کمرے میں سوائے Beep کی آواز کے کچھ نہ تھا۔ روحیل نے کُرسی لی اور اُس پر بیٹھ کر اپنی بیوی کا چہرا دیکھنے لگا۔ اشفاق صاحب نے کہا کہ اُن کی بیوی نے اپنی ساس کو نکال باہر پھینکا۔ لیکن سمیرا سمیرا تو اُس کے پوپس کا ایسے خیال کرتی تھی جیسے وہ سچ میں اُس کے بابا ہوں زین کو اس طرح چاہتی تھی جیسے اس نے سمیرا کی کوک سے جنم لیا ہو۔ اس کی سمیرا تو بہت پیاری تھی سب کے لیے محبت سب کے لیے رحم بس کچھ کمی روحیل کے لیے رہ گئی۔

روحیل کو اُس کا چہرا دیکھنا بہت پسند تھا سمیرا کا چہرا بہت خوبصورت تھا لیکن اس لمحے درد سے اُس کے چہرے پر جو تکلیف تھی روحیل سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اُسے یاد تھا جب سمیرا دلہن بن کر اُس کے سامنے آئی تھی تو روحیل کو ایسا لگا جیسے آسمان سے کوئی حُور اُتر کر زمین پر آ گئی ہو۔ لال جوڑا، گلے میں سونے کا ہار، گہرا میک اپ، ہاتھوں میں چوڑیاں، سمیرا اس قدر دلکش لگ رہی تھی کہ جیسے جنّت زمین پر اُتر آئی ہو۔ لیکن آج آج سمیرا درد میں تھی کرب میں تھی تڑپ رہی تھی موت سے لڑ رہی تھی۔ روحیل سرد بدن کے ساتھ بیٹھا سمیرا کو تک رہا تھا اور آہستہ آہستہ سب یاد کرتا چلا گیا سب کچھ......

☆......☆

رشتہ طے ہونے کے بعد سارہ نے کافی ہنگامہ کرنے کی کوشش کی اور روحیل کو بلیک میل بھی کرنا چاہا لیکن وہ بھی ملک کے نامور وکیل کا بیٹا تھا، مسکرا کر اس کی دھمکیوں کو سُنتا رہا اور سارہ کو احساس ہوا کہ وہ اس کھیل میں تنہا رہ گئی ہے۔ روحیل اُس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ روحیل کا فوکس اب کوئی اور نہیں بس سمیرا تھی۔

دوسری طرف سمیرا نے اپنی آنی اور خالو سے یہ شرط رکھوائی کہ وہ شادی اسی شرط پر کرے گی کہ شادی دھوم دھام سے ہونے کے بجائے سادگی کے ساتھ کی جائے۔ اشرف صاحب نے اس شرط کا ذکر بالاج صاحب سے کیا جسے انھوں نے قبول فرمایا۔ اس لیے روحیل کی شادی آصف کی شادی سے کافی مختلف تھی۔

جس قدر رونق آصف کی شادی میں تھی روحیل کی شادی اُتنی ہی سادگی سے ہوئی۔ مایوں کی کوئی رسم اور نہ ہی کوئی رتجگا۔ شادی والے دن روحیل اور سمیرا کسی عام جوڑے کی طرح اسٹیج پر بیٹھے تھے، نہ اُن کا کوئی پرسنل فوٹو شُوٹ ہوا اور نہ ہی کچھ رنگینیاں۔ لگ بھگ پچاس کے قریب مہمانوں نے شادی میں شرکت کی اور کھانے کے بعد صرف گھر والے رہ گئے۔ رخصتی کے وقت صرف بالاج صاحب، اشرف صاحب اور شفیق صاحب کا گھرانہ موجود تھا۔ سمیرا اپنی بہنوں سے مل کر بے انتہا روئی، اپنی آنی سے مل کر اس قدر روئی کہ اُسے غش آنے لگے۔ کوثر نے اپنی بہن کو قُران کے سائے تلے وداع کیا۔ سمیرا نزرل بابا سے مل کر بھی خُوب روئی۔ اشرف صاحب نے روحیل سے بس اتنا کہا کہ سمیرا کا خیال رکھے اور روحیل نے انھیں پُوری یقین دہانی کرائی۔

سمیرا اب بالاج خاندان کی بُہو بن چُکی تھی۔ وہ سمیرا راشد سے سمیرا روحیل بالاج ہوگئی تھی۔ بالاج صاحب کا گھر مکمل ہوگیا تھا۔ بالاج صاحب سب سے پہلے سمیرا کو اُس کمرے میں لے کر گئے جہاں زہرا بیگم کی تصویریں لگی تھیں۔ روحیل، زین، فحاد اور سعد کے ساتھ چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت شفیق صاحب کا خاندان بھی موجود تھا۔ زارا مسکرا کر اپنی بہن کی شان وشوکت کو دیکھ رہی تھی، وہ اس وقت سمیرا کی بہن نہیں بلکہ خاندان کی بہو بن کر شامل تھی۔ نئے جوڑے نے زہرا بیگم کی تصویر کے سامنے فاتحہ پڑھی اور پھر زہرا بیگم کی تصویر کے نیچے اپنی تصویر کھنچوائی۔ سمیرا کے دائیں طرف بالاج صاحب اور بائیں طرف روحیل اور روحیل کے برابر میں زین موجود تھا۔ جب کہ سمیرا تصویر میں سب سے آگے کھڑی تھی۔ اس تصویر کا مقصد یہ تھا کہ آج سے گھر کی باگ ڈور کسی اور کے نہیں بلکہ سمیرا روحیل بالاج کے ہاتھ میں تھی۔

نئے جوڑے نے شفیق صاحب کے خاندان کے ساتھ تصویر بنوائی۔ پھر ایک تصویر میں زارا اور سمیرا ایک ساتھ کھڑے ہوئے جب کہ ان کے دائیں اور بائیں روحیل اور آصف موجود تھے۔ دونوں بہنوں کے نصیب اتنے اچھے ہوں گے کسی نے سوچا نہ تھا۔ نتاشہ بھی کسی سے کم نہیں تھی، اس نے بھی سمیرا اور روحیل کے ساتھ الگ سے تصویر بنوائی۔ لیکن سب سے زیادہ مستیاں زین کر رہا تھا۔ اپنی بانہیں بھابھی کے اردگرد ڈال کر اس نے تصویر بنوائی، زین کو ماں مل گئی تھی اور وہ بہت خوش تھا بہت خوش۔

روحیل اور سمیرا کے ساتھ فحاد اور سعد نے بھی تصویر بنوائی۔ تینوں دوست اس تصویر میں مستیاں کرتے نظر آئے جب کہ سمیرا مسکرانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ بالاج صاحب نے گھر کے نوکروں کو بلایا اور سمیرا کے ساتھ تصویر بنوانے کے لیے کہا۔ نوکروں نے ہاتھ جوڑ کر بالاج صاحب کا شکریہ ادا کیا اور گھر کی مالکن کے ساتھ تصویر بنوائی۔ شفیق صاحب نے اپنی بہو کو قُران مجید ہدیہ کیا وہ بھی تفسیر کے ساتھ۔ نئی نویلی

بہو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔شکیلہ بیگم اس لمحے سمیرا کو مستقل دعائیں دے رہی تھیں......

ان سب کاموں سے فارغ ہوکر، سمیرا اب روحیل کے بیڈرُوم میں موجود تھی۔شکیلہ بیگم اور زارا اُس کا لہنگا ٹھیک کررہی تھیں اور کچھ ضروری ہدایتیں جواس وقت سمیرا کے لیے ضروری تھیں۔شکیلہ بیگم مستقل سمیرا کو چھیڑرہی تھیں لیکن زارا نظروں ہی نظروں میں سمیرا کو بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔سمیرا اس وقت گھبرائی ہوئی تھی، بہت زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔

آخر کار شکیلہ بیگم اور زارا کمرے سے چلیں اور قریب رات کے ایک بجے روحیل کمرے میں داخل ہوا۔روحیل نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور دھیرے سے لاک لگایا۔اب وہ پلٹ کر اپنے بستر کی طرف دیکھنے لگا اور مسکرا اُٹھا۔سمیرا دلہن بنی اُس کے بستر پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ سمیرا اُسے حاصل ہوگئی۔اُسے اپنی محبت مل گئی۔مسکراتا ہوا وہ بستر پر بیٹھا۔سمیرا آنکھیں بند کیے، بستر پر بیٹھی تھی۔

”Hi۔“ روحیل نے پیار سے کہا۔سمیرا خاموش رہی۔آنکھیں بند کیے رہی۔

”تم آنکھیں کھول سکتی ہو......تم آج بھی میری وہی دوست ہو...... جسے میں کالج سے پک کیا کرتا تھا اور میں وہی دیوانہ روحیل ہوں جو تمھارا دوست ہے۔“

روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

”فکر نہیں کرو میں ٹپیکل ہزبینڈ نہیں بنوں گا شادی کرلی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اب دوستوں کی طرح نہ رہیں ہم دوست تھے اور دوستوں کی طرح ہی رہیں گے۔“

روحیل نے پیار سے یہ جملے کہے اور سمیرا خاموش رہی۔روحیل نے سمیرا کا ہاتھ تھاما، مہندی سے رچی اس کی نرم انگلیاں روحیل محسوس کرنے لگا۔اس نے ایک نظر اپنی حُور جیسی بیوی کو دیکھا اور کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں اور اُن غلطیوں نے تمھیں سوچنے پر مجبور کیا کہ شاید میں تمھارے لیے صحیح جیون ساتھی نہیں خود میں اپنے آپ میں شرمندہ ہوں کہ میری ایک حرکت کی وجہ سے تمھیں اتنی اذیت سے گزرنا پڑا سمیرا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب تم پر ایسا کوئی وقت نہیں آنے دوں گا“

”آپ نے اپنی غلطی تسلیم کی میرے لیے یہی بہت ہے۔“

سمیرا نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور روحیل مسکرایا۔

”تھینکس۔“

یہ کہہ کر روحیل نے پیار سے کہا۔

”تم نے کھانا کھایا تھا صحیح سے؟ بھوک تو نہیں لگی؟“

''نہیں۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

''صحیح بتاو، کھانا ہے کچن میں۔ مہمان کم تھے لیکن پوپس نے اریجمنٹ کافی کیا تھا۔'' روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' سمیرا نے مختصر جواب دیا۔

''تم ایسے ہی سو گی؟ انھیں کپڑوں میں؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

''رُکو میرے پاس ایک چیز ہے تمھارے لیے۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور کلوزٹ میں جا کر اپنی الماری کھولی۔ جلد ہی وہ ایک پیکٹ نکال کر سمیرا کے پاس آیا۔

''تم چاہو تو اسے پہن سکتی ہو۔''

روحیل نے وہ پیکٹ سمیرا کو دیا۔ سمیرا نے پیکٹ لیا اور اُسے دیکھنے لگی۔

''یہ کچھ اس طرح کا ہے......''

روحیل نے اپنا موبائل سمیرا کے آگے کیا۔ سمیرا نے موبائل میں تصویر دیکھی اور اُس کا سانس رُک گیا۔ یہ Victoria Secret کی صرف نیٹ کی برا اور پینٹی تھی جس پر باریک نیٹ کا ہلکا سا کوٹ تھا۔

''میں تمھیں اس میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

روحیل نے رومانوی ہو کر یہ جملے کہے اور سمیرا کا دل دھڑک گیا۔

''تم چاہو تو انکار کر سکتی ہو۔''

روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا نے ایک نظر اپنے شوہر کو دیکھا۔ روحیل بھولی سی صورت بنا کر بیٹھ گیا تو سمیرا ہنس پڑی۔ روحیل بھی ہنس پڑا۔

''میں پہن کر آتی ہوں۔''

سمیرا کے یہ جملے سُن کر روحیل کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ پیار سے بستر سے اُتری۔

"Do you need any help?"۔

روحیل نے گھبرا کر پوچھا اور سمیرا اُسے پیار سے گھورنے لگی۔

"I'm just sayin'..."۔

روحیل نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور سمیرا باتھ روم کی طرف چلی۔ باتھ روم کا دروازہ بند ہوا اور روحیل نے خوشی سے مُکّا لہرایا۔ جلد ہی وہ اپنی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تھا اور اپنے جسم پر پرفیوم لگانے لگا۔ اپنی سانس

کو چیک کیا اور بالوں کو کنگھا کیا۔اس نے اپنی ڈریسنگ ٹیبل کی ڈراور کھولی اور کونڈم کا پیکٹ نکالا۔کچھ سوچ کر کونڈم واپس رکھ دیا اور مسکرانے لگا۔اس نے اپنی سفید شرٹ کے بٹن کھولے اور آستین اوپر کر کے کھڑا ہوا۔اُسے انتظار تھا اپنی زندگی کا اپنی سمیرا کا۔

کچھ ہی پل گزرے ہوں گے کہ سمیرا کمرے میں داخل ہوئی۔ہاتھوں میں مہندی، چہرے پر اب بھی شادی کا میک اپ، ہاتھوں میں چوڑیاں لیکن بدن پر اب لباس نہیں تھا سمیرا نیم برہنہ شرماتے ہوئے اپنے شوہر کے سامنے تھی۔

روحیل کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔سمیرا اس کی سوچ سے زیادہ خوبصورت تھی، تنے ہوئے پستان، گوری کمر اور خوبصورت سڈول ٹانگیں وہ حسن کا واقعی ایک الگ کرشمہ تھی۔روحیل چلتا ہوا سمیرا کے قریب گیا۔وہ اس لمحے اپنی بانہوں میں سمٹ رہی تھی، سر کو جھکایا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ روحیل اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس کی زلفوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگا۔

''سمیرا......''

اس نے دھیرے سے اُس کا نام لیا اور سمیرا آنکھیں بند کیے اُس سے سُننے لگی۔

''کیا میں تمھیں سپنوں کی دنیا میں لے جا سکتا ہوں؟''

روحیل نے دھیرے سے پوچھا اور سمیرا کی سانسیں تیز ہو گئیں۔وہ سمیرا سے قریب ہوا اور دھیرے سے کہا۔

"Let's Dance"۔

تب ہی کمرے کی لائٹس نیلی ہو گئیں......اور ایک انتہائی......رومینٹک میوزک چلا......سمیرا چونک کر...... چاروں طرف دیکھنے لگی...... اور پھر اپنے شوہر کی آنکھوں میں دیکھا......تو وہ مسکراتا ہوا نظر آیا......روحیل نے سمیرا کی کمر پر ہاتھ رکھا......اور اُسے اپنے جسم سے لگایا......سمیرا کے بھاری پستان...... روحیل کے سینے سے لگے......اُس کے لب روحیل کے لبوں سے قریب تھے......وہ دونوں ایک دوسرے کی......سانسوں کو محسوس کر سکتے تھے......یہی وہ لمحہ تھا...... جب روحیل......سمیرا کے ساتھ ڈانس کرنے لگا......سمیرا اس لمحے بہک رہی تھی......وہ اس کی بانہوں میں ٹوٹ رہی تھی......روحیل اس لمحے......سمیرا کی زلفوں میں کھویا ہوا تھا وہ اس وقت جنّت میں تھا اور...... اُسے دُنیا سے...... کچھ نہیں چاہیے تھا...... دیکھتے ہی دیکھتے......دونوں Passionate ڈانس کرنے لگے......سمیرا نے محسوس کیا وہ واقعی کسی سپنوں کی دنیا میں ہے......اُس کے اردگرد اب ...... بیڈروم نہیں ایک باغ ہے جہاں خوبصورت آبشار ہے...... جہاں خوبصورت فوّارے ہیں گھاس کی خوشبو ہے......آسماں پر تارے ہیں اور نیلی روشنی نے......

انہیں......اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے......سمیرا......مدہوش ہوکر......روحیل کی بانہوں میں ناچ رہی تھی......
اور روحیل اپنی بیوی کے ساتھ جھوم رہا تھا...... وہ نجانے اس وقت کہاں......اور کس دُنیا میں
تھے......دونوں کو اس وقت......کسی کی ضرورت نہیں تھی......وہ اپنی محبت کی دنیا میں گُم تھے......یہی
وہ لمحہ تھا...... جب......روحیل نے سمیرا کے جسم کو......اپنے جسم سے لگایا......اور اس کی گردن کو چُومنے
لگا......سمیرا آنکھیں بند کیے......اُسے محسوس کرنے لگی......روحیل اس کی گردن کو چُومتے ہوئے اُس کے
ہونٹوں تک آ گیا......وہ سمیرا کی دہکتی سانسیں......اپنے لبوں پر محسوس کرسکتا تھا......روحیل نے سمیرا کے
ہونٹوں کو چُوم لیا......سمیرا کی روح اس وقت روحیل میں شامل ہو چکی تھی...... وہ دیوانگی سے روحیل کے
ہونٹوں کو چُومنے لگی...... روحیل کے دونوں ہاتھ......اس وقت سمیرا کی کمر پر تھے...... اور دھیرے
دھیرے......اُس کے ہاتھ......کمر سے کھسکتے ہوئے......اس کی پینٹی کی طرف بڑھ رہے تھے......

اچانک سمیرا ایک جھٹکے سے رُکی اور اپنے لبوں کو روحیل کے لبوں سے ہٹا لیا۔اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔چہرے پر شدید گھبراہٹ آگئی اور وہ لمبا سانس لینے لگی۔گھبرا کر اس نے جلدی سے کہا۔

''روحیل؟''

''کہو......'' روحیل نے پیار میں ڈوبے ہوئے اُسے بانہوں میں لیا۔

''مم مجھے نیند آ رہی ہے۔'' سمیرا نے گھبرا کر کہا۔

''سو جائیں گے کچھ دیر میں......'' روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا کے گال چُومے۔

''نہیں مجھے بس سونا ہے۔''

سمیرا کے یہ جملے روحیل پر کسی بجلی کی طرح گرے اور وہ اپنی آنکھیں کھول کر سمیرا کو دیکھنے لگا۔

''رات بہت ہوگئی ہے گُڈ نائٹ۔''

یہ کہہ کر سمیرا، روحیل کی بانہوں سے نکل کر بستر پر گئی۔اس نے کمبل لیا اور بستر کے اندر جا کر سر سے پاؤں تک کمبل لے کر سو گئی۔

روحیل ہکّا بکّا کھڑا اُسے دیکھتا رہ گیا یہ آخر ہوا کیا؟ سمیرا اُس کے سپنوں کی دنیا سے اس طرح چلی کیوں گئی؟ روحیل حیران رہ گیا، چلتا ہوا وہ بستر کی طرف آیا اور تکیہ اٹھا کر کاوچ کی طرف چلا۔اس نے تکیہ کاوچ پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔پلٹ کر دیکھا تو سمیرا سو چکی تھی۔مایوسی نے روحیل کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆......☆

روحیل کاوچ پر کروٹیں لے رہا تھا، رات مزید گہری ہو چکی تھی کہ اس کی آنکھ کھلی۔پلٹ کر دیکھا تو

سمیرا بستر پر موجود نہیں تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔ کمرا اب حد سے زیادہ تاریک ہو چکا تھا،اس نے دیکھا کمرے میں نا اب دیوار ہے نا دروازہ ایک اندھیرے نے اُسے اپنے اردگرد لیا ہوا ہے۔اس نے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو سمیرا کھڑکی کے پاس باہر دیکھتی نظر آئی۔

''سمیرا؟''

روحیل نے اُسے پُکارا اور اُٹھ کر اس کی طرف چلا۔سمیرا بے جان جسم کے ساتھ کھڑکی کے باہر جھانکتی رہی تھی۔

''سمیرا؟......سمیرا کیا ہوا؟''

روحیل نے اُس سے قریب ہو کر پوچھا پر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''سمیرا؟۔''

روحیل اُس کے پاس پہنچ گیا۔سمیرا نے پلٹ کر روحیل کو دیکھا۔اس کی آنکھیں لال تھیں، جیسے شعلہ اُگل رہی ہوں۔آنسو گر کر انگار بن چکے تھے اور وہ روحیل کو گھور رہی تھی۔روحیل حیران ہو کر اُس کا چہرا تکنے لگا۔سمیرا کے لب ہلے۔

''مجھے تم سے نفرت ہے صرف نفرت!''

سمیرا کے جملے سُن کر روحیل دھک سے رہ گیا۔

''میں تم سے کبھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی کبھی بھی نہیں تمھارے ساتھ زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔''

یہ کہہ کر سمیرا نے کھڑکی سے چھلانگ لگا دی!

''ہاہ!......'' روحیل تڑپ کر اُٹھا۔

''گُڈ مارننگ......''

سمیرا کی پیار بھری آواز آئی اور روحیل نے چونک کر دیکھا تو سمیرا لال ساڑھی پہنے بالکل تیار کھڑی تھی۔سلکی ساڑھی میں وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔صبح کے سات بج رہے تھے اور کمرا اس وقت سُورج کی روشنی سے روشن تھا۔روحیل کی سانس پھولی ہوئی تھی اور وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا؟ کوئی بُرا سپنا دیکھا؟'' سمیرا نے پیار سے پوچھا۔

''ہاں؟ ہاں بس کچھ ایسا ہی تھا۔'' روحیل نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''کوئی بات نہیں، بُرے سپنوں کی تعبیر اچھی ہوتی ہے، سب کچھ اچھا ہو گا۔''

سمیرا نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور کاوچ پر بیٹھی۔روحیل نے دیکھا ٹیبل پر چائے کی ٹرے رکھی تھی۔

ساتھ میں بریڈ ٹوسٹ اور جیم بھی رکھا ہوا تھا۔

''تم نے تم نے آتے ہی کام سنبھال لیا؟'' روحیل نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں؟ کیا میں اپنے گھر کے کام نہیں سنبھال سکتی؟'' سمیرا نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بالکل ہاں نہیں۔''

روحیل گڑبڑا کر بولا اور سمیرا اُسے دیکھنے لگی اور ہنس کر کپ میں چائے نکالتے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھے لگتا ہے آپ کو چائے کی اشد ضرورت ہے۔''

سمیرا نے چائے دیتے ہوئے یہ جملے کہے اور روحیل ہنس پڑا۔ مسکرا کر اُس کے ہاتھ سے چائے لی۔

''شکریہ!''

''چلیں آپ تیار ہو جائیں آج چوتھی کا فنکشن ہے، آنی اور ثمینہ آنے ہی والے ہونگے۔''

سمیرا نے پیار سے اُسے بتایا اور بستر صحیح کرنے لگی۔ روحیل اس لمحے بے حد الجھا ہوا تھا۔ سمیرا اس طرح ظاہر کر رہی تھی کے رات کچھ ہوا ہی نہیں۔

''چائے صحیح بنی؟'' سمیرا نے پلٹ کر پوچھا۔

''اوہ میں نے پی ہی نہیں۔'' روحیل نے چونک کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔

''چلیں آپ چائے کے مزے لیں میں ذرا چھوٹے نواب صاحب کو اٹھا کر آتی ہوں''

یہ کہہ کر سمیرا باہر کی طرف چلی۔ روحیل وہیں ہکّا بکّا بیٹھا رہ گیا۔

سمیرا اب ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لیے زین کے کمرے میں داخل ہوئی اور یہ دیکھ کر ہنستی رہ گئی کہ زین کے پاوں اوپر اور سر بستر سے نیچے لٹک رہا تھا۔ وہ بے خبر سوتے ہوئے خرّاٹے لے رہا تھا۔ سمیرا مسکرائی اور کھڑکی سے پردہ ہٹایا، سُورج کی روشنی زین کے منہ پر پڑی تو وہ چلّانے لگا۔

''نہیں۔۔۔۔۔۔ جج صاحب میں بے قصور ہوں!''

زین کہ اس طرح چلّانے پر سمیرا کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور زین گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''آپ دونوں بھائی کیا آج گھبرانے کا ورلڈ ریکارڈ بنا رہے ہیں؟'' سمیرا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''روحیل بھائی کے پیچھے بھی پولیس تھی؟''

زین نے گھبرا کر پوچھا اور سمیرا ہنسنے لگی اور زین کے پاس بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''پتا نہیں سپنے میں کیا دیکھ رہے ہیں آپ دونوں؟''

''ارے بھابھی! جب سپنے حقیقت سے زیادہ حسین ہوں تو رہنا پڑتا ہے سپنوں کی دنیا میں۔'' زین نے مزے سے کہا اور بھابھی کی گود میں سر رکھا۔

”اچھا؟ تو کس کے سپنے دیکھے جا رہے ہیں؟“
سمیرا نے مسکرا کر پوچھا اور زین ثمینہ کو سوچنے لگا۔
”اہمم اہمم۔“
”اوہو! ابھی بڑے بھائی کی شادی ہوئی نہیں کہ چھوٹے نے پسند بھی کر لی؟“ سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔
”بھابھی! وہ کیا ہے کہ۔“ زین سر کھجانے لگا۔
”بھابھی وابی کچھ نہیں، اب بتاو کون ہے وہ؟“
سمیرا نے مسکرا کر پوچھا اور زین ہنس کر کہنے لگا۔
”مطلب صبح ہی صبح حملہ؟“
”بالکل حملہ! اب بتاو کیا نام ہے اُسکا؟ کون ہے وہ؟“ سمیرا نے بضد ہو کر پوچھا اور زین منہ بنا کر کہنے لگا۔
”ابھی نہیں بتا سکتا۔“
”بھابھی سے چھپاو گے؟“ سمیرا نے بُرا مان کر کہا۔
”ارے نہیں بھابھی آپ سے نہیں چھپا رہا! بس وقت آنے پر بتاوں گا لیکن پرامس کے آپ میری سائڈ لیں گی۔ اس کی نہیں......“ زین نے انگلی دکھا کر کہا۔
”پرامس لیکن تمھیں بھی مجھ سے ایک پرامس کرنا ہوگا۔“ سمیرا نے اُسے دیکھ کر کہا۔
”ارے کہیے! ہم ایک کیا آپ سے ہزار پرامس کرنے کے لیے تیار ہیں۔“
زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔
”رشتے کی بات تب ہوگی جب آپ اپنے وکالت کے ایگزام پاس کر لیں۔“ سمیرا نے اُسے دیکھ کر کہا۔
”ہیں۔ مطلب پہلے پڑھائی پھر شادی؟“ زین نے منہ بنا کر کہا۔
”جی!“ سمیرا ہنس کر بولی۔
”بھابھی، یہ بہت پُرانا اسٹائل ہو گیا ہے۔“ زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔
”پرانا ہو یا نیا، شرط تو یہی ہے اب مرضی آپ کی۔“ سمیرا نے مسکرا کر کہا۔
”کیا یار! یہ بھابھی بھی نا!“ زین نے منہ بنا کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔
”چلیں ٹھیک ہے، جیسے آپ کا حکم! ایگزام کے بعد رشتہ!“ زین نے ہاتھ آگے کر کے کہا۔

''ایگزام پاس کرنے کے بعد رشتہ۔''سمیرا نے ہنس کر کہا۔

''ہاں ہاں ہاں وہی وہی۔''زین بوکھلا کر بولا اور سمیرا ہنسنے لگی اور اُس سے ہاتھ ملایا۔

"So we have a deal?"۔زین نے خوش ہو کر کہا۔

"Deal"۔سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''بھابھیYou are gorgeous۔''

زین نے اس کی تعریف کی اور اٹھ کر باتھروم کی طرف بھاگا۔سمیرا ہنستے ہوئے اُس کے کمرے سے نکلی۔اب وہ ٹرے لے کر بالاج صاحب کے کمرے کی طرف بڑھی۔دھیرے سے دروازہ کھولا۔

''گڈ مارننگ بابا۔''

سمیرا کی آواز سُن کر بالاج صاحب نے چونک کر اس کو دیکھا۔وہ اس وقت بستر پر بیٹھے اپنا لیپ ٹاپ استعمال کر رہے تھے۔

''ویری گُڈ مارننگ؟ یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟''بالاج صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

''آپ کے لیے چائے لے کر آئی ہوں۔''سمیرا نے مسکرا کر کہا اور ان کے برابر بیٹھی۔

''آج آپ کی اس گھر میں پہلی صبح ہے اور آپ کام میں لگ گئیں؟''بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''بابا بے شک یہ میری پہلی صبح ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے میرا تعلق اس گھر سے صدیوں کا ہے۔''

سمیرا نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور بالاج صاحب مسکرانے لگے۔

''لیکن مجھے یہ نہیں پتا کہ آپ چینی کتنی لیتے ہیں۔''

سمیرا کی اس بات پر بالاج صاحب ہنسنے لگے۔

''ادھر آؤ میرے پاس۔''

بالاج صاحب نے اُسے اپنے پاس بُلایا اور سمیرا ان کے پاس آکر بیٹھی۔بالاج صاحب نے اُس کے ہاتھ تھامے اور کہنے لگے۔

''تم جانتی ہو میں اور زہرا ہمیشہ بیٹی چاہتے تھے۔لیکن اللہ نے مجھے دو نمونے دے دیے۔''

اُن کی بات سُن کر سمیرا ہنسنے لگی۔

''لیکن تمھیں دیکھ کر لگتا ہے اللہ نے میری دعا سُن لی۔تم میری بہو نہیں بیٹی ہو بیٹی۔''

بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور سمیرا مسکرا کر اپنا سر جھکا گئی۔

''میں آج بہت خوش ہوں اور مجھے یقین ہے کہ زہرا بھی بہت خوش ہو گی۔ہمیں ہماری بیٹی مل گئی، اتنی خوبصورت، اتنی پیاری اور پاکیزہ۔''

بالاج صاحب کے یہ جملے سُن کر سمیرا دھک سے رہ گئی اور ان کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

''تمھاری پاکیزگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔ تمھارے والدین نے تمھاری پرورش بہترین کی ہے میرا بیٹا۔''

انھوں نے پیار سے یہ جملے کہے اور سمیرا کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میں بہت خوش ہوں بہت خوش۔'' بالاج صاحب نے پیار سے کہا۔

''آپ چائے پیجیے میں اتنے ناشتہ تیار کرتی ہوں۔''

سمیرا نے مشکلوں سے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکلی۔ کمرے سے نکلتے ہی وہ اپنے آنسوؤں کو نہ روک پائی۔ صرف ایک ہی بات اُس کے دماغ میں چل رہی تھی اور وہ یہ کہ وہ اس گھر کے قابل نہیں ہے وہ اس گھر پر ایک داغ بن چکی ہے۔

☆......☆

ولیمے کا دن بھی جلد آیا اور بالاج صاحب نے شہر کے سب سے بڑے فائیو اسٹار ہوٹل میں اپنے بیٹے کا ولیمہ رکھا۔ سمیرا نے نیلے شرارے کا انتخاب کیا جب کہ روحیل کالے سوٹ اور نیلی ٹائی کے ساتھ اپنے خاندان کے ہمراہ موجود تھا۔ ولیمے کا ماحول کچھ سیاسی تھا وہ اس لیے کے بالاج صاحب نے بڑی بڑی سیاسی شخصیتوں کو مدعو کیا ہوا تھا۔ اس وقت ہوٹل کی سیکیورٹی کافی سخت تھی۔ بالاج صاحب، اس وقت شفیق صاحب اور اشرف صاحب کو ایک ایک سیاسی شخصیت سے ملوا رہے تھے اور اشرف صاحب گھبرا کر اُن سے مل رہے تھے۔ جن ہستیوں کو وہ ٹیلیوژن پر دیکھا کرتے تھے آج وہ سب اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے۔ اشرف صاحب اور تہمینہ بیگم بے حد خوش تھے، اُن کی دونوں بیٹیوں کا گھر بس گیا تھا۔ یہ لمحے ان کے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھے۔

دوسری طرف زین، ثمینہ، آصف، زارا، نتاشہ اور کوثر اپنی محفل لگا کر ہنسی مذاق میں مصروف رہے۔ روحیل مہمانوں سے مبارکباد وصول کر رہا تھا اور پلٹ کر اپنی بیوی کو دیکھتا۔ سمیرا اس وقت شکیلہ بیگم اور تہمینہ بیگم کے ہمراہ تھی اور اُن سے مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح سمیرا کا حسن دیکھنے والا تھا لیکن روحیل کو ابھی تک اس حسن کو حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس نے مسکرا کر سر کو جھٹک دیا اور محفل کو دیکھنے لگا، چلو اُس کا گھر اُس کا خاندان تو خوش تھا۔ یہی بہت تھا اُس کے لیے۔ ایک طرف فحاد اور سعد بھی موجود تھے اور محفل میں کئی لڑکیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ولیمے میں بالاج صاحب کی لا فرم کے لوگوں نے بھی شرکت کی۔ آفتاب صاحب جس طرح بالاج صاحب سے ملے اُس طرح روحیل سے نہیں ملے۔ یہ دیکھ کر روحیل بُرے بُرے منھ بنانے لگا اور بالاج صاحب اُسے دیکھ کر مسکرانے لگے۔

آخر ولیمہ ختم ہوا اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ قریب رات ایک بجے روحیل کوٹ اُتار کر اپنے کاوچ پر بیٹھا بے ڈھنگا گٹار بجا رہا تھا جب کہ سمیرا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنی زیور اُتار اُتار کر رکھ رہی تھی۔

''سنیے۔'' سمیرا نے کان میں سے سونے کے جھمکے اُتارتے ہوئے کہا۔

''کہو......'' روحیل نے گٹار کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ولیمہ بہت شاندار رہا نا؟'' سمیرا نے خوش ہو کر پوچھا۔

''ہاں، پوپس نے کافی اہم شخصیتوں کو انوائٹ کیا۔'' روحیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ویسے بھی بہت پیارا تھا۔ مجھے ہوٹل بہت پیارا لگا۔'' سمیرا نے مسکرا کر تعریف کی۔

''یہ پوپس کا پسندیدہ ہوٹل ہے، وہ ساری اہم پارٹیز، میٹینگز، کانفرینس یہیں کرتے ہیں۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''کھانا بھی بہت اچھا تھا، البتہ ثمینہ کو پھیکا لگا۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''کیوں؟'' روحیل نے ہنس کر پوچھا۔

''بچپن سے ہی وہ بہت تیکھا کھاتی ہے۔ مرچوں والا کھانا۔'' سمیرا نے بتایا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے تمھیں اتنا مسلہ نہیں ہے پھیکے کھانوں سے؟'' روحیل نے گٹار پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''سچ پوچھیے تو مجھے کھانے کی اتنی فکر نہیں ہوتی میں بس جینے کے لیے کچھ نوالے کھاتی ہوں اپنی پسند کا کھانا کیا ہوتا ہے اپنی مرضی کی نیند کسے کہتے ہیں مجھے نہیں پتا......''

سمیرا نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتے ہوئے یہ جملے کہے اور روحیل اُسے دیکھنے لگا۔

''آپ کا شکریہ جو آپ نے زندگی میں اتنا کچھ دکھا دیا ورنہ میرے نصیب میں یہ سب کہاں تھا میں اس قابل نہیں......''

یہ کہہ کر سمیرا نے سر جھکا لیا اور روحیل مسکرا کر اُٹھا۔ دھیرے دھیرے وہ اپنی بیوی کے پاس آیا۔

''آئینے میں ایک بار اپنے آپ کو دیکھو تو سہی؟''

سمیرا نے نظر اٹھا کر اپنے آپ کو دیکھا۔

''یہ چہرا یہ معصومیت یہ نکھار ہم انسانوں کے لیے نہیں ہے، تم تو جنّت میں کھیلتی ہوئی ایک اپسرا ہو وہ اپسرا جو شاید غلطی سے زمین پر آ گئی ہے یہاں کی چالاکیوں سے تمھارا کوئی واسطہ نہیں تم تو حسن کی دیوی ہو تمھارا دل بھی اتنا ہی حسین ہے جتنی تم ہو سچ تو یہ ہے کہ اس زمین کی ہر چیز تمھارے قابل نہیں......تم ان

چیزوں سے بہت بڑھ کر ہو بہت بڑھ کر......''

روحیل پیار سے کہتا گیا اور سمیرا مسکرا کر سر جھکا گئی۔

''کبھی کبھی میں اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کیا میں تمھارے قابل ہوں یا نہیں؟ نہیں جانتا کہ مجھے اجازت ہے یا نہیں؟'' روحیل نے دہکتی سانسوں کے ساتھ کہا۔

''کس چیز کی اجازت؟'' سمیرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''ان آنکھوں میں ڈوبنے کی اجازت؟ ان بانہوں میں کھونے کی اجازت؟...... ان ہونٹوں کو چُومنے کی اجازت؟...... آج میں تم سے پوچھتا ہوں...... کیا میں؟...... تمھارے قابل ہوں؟......''

روحیل نے محو ہو کر سوال کیا اور سمیرا کا دل دھڑکنے لگا۔

''کیا اس جسم کو اپنی بانہوں میں لے سکتا ہوں؟ کیا ہم دو جسم ایک جاں ہو سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنی ادھوری سہاگ رات آج کی رات پُوری۔''

''رات بہت ہو گئی ہے، مجھے صبح جلدی اٹھنا ہے۔ گُڈ نائٹ۔''

سمیرا نے اک دم سے روحیل کی بات کاٹ دی اور بستر کی طرف چلی گئی۔ ایک ہی پل میں اس نے لحاف لیا اور سر سے لے کر پاوں تک اُسے اوڑھ کر لیٹ گئی۔ روحیل حیران و پریشان اُسے دیکھتا رہا۔ ایک بار پھر سمیرا سو چکی تھی اور وہ تنہا کھڑا رہ گیا۔

☆......☆

رات گہری ہو چکی تھی۔ صبح کہ تین بج رہے ہوں گے۔ سمیرا بے خبر سو رہی تھی اور روحیل کاوچ پر لیٹا سویا ہوا تھا۔ کمرے میں گہرا سنّاٹا اور خاموشی تھی۔ اچانک سمیرا کی سانسیں تیز ہونے لگی اور اُس کے ماتھے پر پسینہ چمک اُٹھا۔ سمیرا بے چین ہو گئی اور سوتے ہوئے گردن جھٹکنے لگی، مگر ہر گزرتے منٹ کے ساتھ سمیرا کی طبیعت عجیب ہو رہی تھی۔ کچھ ہی پل گزرے کہ وہ سسکنے لگی۔

روحیل کی آنکھ کھلی اور اس نے پلٹ کر سمیرا کی طرف دیکھا تو چونکا۔ سمیرا بستر پر بے چین ہو رہی تھی اور پسینے میں شرابور۔

''سمیرا؟'' اُس کے منھ سے نکلا لیکن سمیرا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''سمیرا؟......''

روحیل اٹھا اور سمیرا کی طرف چلا۔ سمیرا پسینے میں تر ہو چکی تھی، جیسے کوئی اُس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔

''سمیرا۔''

''نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔''

سمیرا بُری طرح چلّانے لگی اور اُس کا جسم کانپنے لگا۔

''سمیرا! سمیرا کیا ہو رہا ہے تمھیں؟'' روحیل نے اُسے تھامنا چاہا مگر سمیرا تڑپنے لگی۔

''سمیرا!''

روحیل نے کس کے اُسے اپنی بانہوں میں لیا اور سمیرا اور اُس کے کانپتے جسم کو تھام لیا۔ سمیرا کو جیسے کوئی دورا پڑ رہا تھا اور روحیل حیران ہو کر اس کی یہ حالت دیکھنے لگا۔ سمیرا کے ہاتھ پاوں جیسے اکڑ سے رہے تھے۔ اُسے اس وقت کچھ ہوش نہ تھا، وہ جیسے کسی گہری نیند میں قید تھی اور تڑپے جا رہی تھی۔ روحیل نے الجھ کر اُس کے چہرے کو دیکھا تو شدید کرب کے آثار اُس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

''سمیرا؟...... سمیرا آنکھیں کھولو!'' روحیل نے گھبرا کر کہا۔

''نہیں۔نہیں۔...... میری امّی!...... میری امّی!'' سمیرا دہشت کے عالم میں چلّانے لگی۔

''سمیرا پلیز!...... پلیز آنکھیں کھولو!'' روحیل نے اُسے کَس کے پکڑا اور سمیرا نے چونک کر آنکھیں کھولیں!

''ہاہ!''

''شش اِٹس اوکے اِٹس اوکے۔''

روحیل نے پیار سے اُسے یہ جملے کہے اور سمیرا گھبرا کر اُسے دیکھنے لگی۔

''روحیل؟''

سمیرا کی سانس پھولی ہوئی تھی، اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

''اِٹس اوکے اِٹس اوکے ششش...... میں ہوں نا......''

روحیل نے پیار سے اُسے تھاما ہوا تھا اور سمیرا سنبھلنے لگی۔ نجانے کیا بات تھی وہ روحیل کی بانہوں میں سکون محسوس کرنے لگی۔ سمیرا نے اپنا سر اُس کے سینے پر رکھا اور گہری سانسیں لینے لگی۔ ایسا لگا جیسے وہ کسی دوزخ سے نکل آئی ہو۔ روحیل نے اُسے اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ سمیرا اُس سے گلے لگے لگے دوبارہ سو چکی تھی۔ شدید الجھن کے عالم میں روحیل نے اُسے آرام سے لٹا دیا۔ سمیرا اب بالکل مطمئن تھی۔ روحیل نے اُسے لحاف اوڑھایا۔ سمیرا اب بے خبر سو رہی تھی۔

وہ بستر سے اُٹھا اور حیران ہو کر سمیرا کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ یہ کیا ہوا تھا؟ اس کا ذکر کبھی سمیرا نے اور نہ ہی گھر والوں نے کیا؟ کیا سمیرا بیمار ہے؟ کیا اُسے کسی میڈیکل کنڈیشن کا سامنا ہے؟ کئی سوال روحیل کے ذہن میں چل پڑے اور وہ حیران و پریشان ہو کر سمیرا کو دیکھنے لگا۔ اسی الجھن کے عالم میں وہ جا کر اپنے کاوچ پر بیٹھا اور سمیرا کو تکتا رہا۔ طوفان تھم چُکا تھا، خاموشی اور سنّاٹا ایک بار پھر چھا گیا تھا، مگر اب کئی سوال

روحیل کے ذہن میں اُٹھ رہے تھے۔ سمیرا اب بے خبر سو رہی تھی، چہرے پر دوبارہ معصومیت نمودار ہو گئی۔ اُس کا چہرا دیکھ کر لگا جیسے اُسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

''شاید شاید کوئی بُرا خواب دیکھا۔''

روحیل نے اپنے آپ سے کہنے لگا اور الجھن کے عالم میں واپس لیٹ گیا۔ روحیل اس لمحے بے انتہا الجھ گیا بے انتہا۔

☆......☆

سمیرا اور روحیل کی شادی کو دو ہفتے سے زیادہ کا وقت بیت گیا۔ ان دو ہفتوں میں سمیرا کو ایک اور بار یہی اٹیک آیا مگر اس بار روحیل نے اُسے بنا گھبرائے سنبھال لیا۔ صبح طلوح ہوتے ہی روحیل نے سمیرا سے پوچھا کہ کیا اُسے کوئی پریشانی ہے مگر سمیرا نے صاف انکار کر دیا اور روحیل کے سوال کو نظر انداز کر کے گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ روحیل الجھ گیا، اُسے اب محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی بات ہے جو اُسے نہیں بتائے گی یا اُس بات کا روحیل سے ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ اٹیک روحیل کے لیے حیران...... کن تھا لیکن اس نے اس بات کا ذکر اپنے پوپس سے کرنا مناسب سمجھا نا ہی اشرف صاحب سے۔ ان دو ہفتوں میں سمیرا، روحیل کے لیے بہترین بیوی ثابت ہو رہی تھی مگر وہ ابھی تک محبوبہ نہیں بن سکی تھی۔ روحیل نے بھی اُس سے محبت کا تقاضا کرنا بہتر نہ سمجھا اس لیے دونوں کے درمیان ابھی تک ازدواجی رشتہ قائم نہ ہو سکا۔ زین اور بالاج صاحب جلد ہی سمیرا سے اس طرح جڑ گئے جیسے وہ برسوں سے اس گھر کا حصہ ہو۔ گھر کے نوکر بھی فوجیوں کی طرح اٹینشن ہو کر کھڑے ہو جاتے جب کبھی سمیرا کچن میں قدم رکھتی۔ اب سب کچھ اُس کے حکم سے ہو رہا تھا۔ سمیرا نے سب نوکروں کی خوب دوڑ لگوائی ہوئی تھی، کبھی کسی کو چھت صاف کرنے کے لیے بھیجا تو کسی کو فرنیچر! کھانے پینے کی چیزوں کو صحیح سے ترتیب دیا گیا۔ گھر کے مرد جب اپنے اپنے کاموں سے لوٹتے تو انھیں مزے مزے کے کھانے کھانے کو ملتے۔ روحیل، بالاج صاحب اور زین ہر نوالے پر تعریف کرتے رہ جاتے اور سمیرا مسکرانے لگتی۔ فارغ وقت میں سمیرا زین کو دو چار بار گیمز میں ہرا چکی تھی اور زین اپنا سر پکڑ کر رہ جاتا۔ یہی نہیں سمیرا زین کو اس کی پڑھائی میں بھی مدد کر رہی تھی اور اُس کا ٹائم ٹیبل تک دیکھ رہی تھی۔ زین کی زندگی بدل رہی تھی جسے دیکھ کر روحیل اور بالاج صاحب تعریف کیے بنا نہ رہ سکے۔ بالاج صاحب کی کافی، چائے، اُن کی میٹینگز کے دستاویزات کا خیال رکھنا اب سب سمیرا کے ہاتھ تھا۔ یہی چیز دیکھتے ہوئے بالاج صاحب اور روحیل نے ایک دن سمیرا کو تجوری کی چابی اور نمبر بھی بتائے اور گھر کا بڈجٹ سمیرا کے ہاتھوں میں دیا۔ سمیرا اتنی بڑی ذمے داری لے کر بے انتہا مشکور تھی اور بالاج صاحب انتہا سے زیادہ خوش تھے۔ سمیرا نے اپنے سے بڑھ کر گھر کو سنبھال لیا اور یہ اُن کی کامیابی تھی لیکن

یہ کامیابی روحیل کے لیے ادھوری تھی وہ ابھی بھی اس کی محبت کے انتظار میں تھا۔

دوسری طرف حسب معمول سب صحیح چل رہا تھا۔ اشرف صاحب کے گھر میں رونق تھوڑی کم ہوگئی تھی، جب سے زارا اور سمیرا گئی تھیں گھر خاموش خاموش سا ہوگیا تھا۔ ثمینہ بھی کتنا چہکتی۔ صبح کالج جاتی اور دوپہر کو آکر اپنا کام کرتی۔ تہمینہ بیگم بھی زارا کو زیادہ نہیں بُلا رہی تھیں، اُن کا ماننا تھا کے لڑکی کو اپنے سسرال میں زیادہ وقت بتانا چاہیے۔ اس لیے زارا پوری توجہ سے آصف اور اُس کے گھر کا خیال رکھ پا رہی تھی۔ تہمینہ بیگم اور اشرف صاحب اپنی کامیابی سے بے انتہا خوش تھے لیکن وہ بچّیوں کو یاد بھی بہت کر رہے تھے۔ ایک دوپہر نزرل گھر کی صفائی کرتے ہوئے حسبِ عادت گانے گا رہا تھا۔

''روتے ہیں چھم چھم نین اُجڑ گیا چین رے دیکھ لیا تیرا پیار ہائے! دیکھ لیا تیرا پیار۔''

اشرف صاحب اور کوثر سر پکڑے اُس کا گانا سُن رہے تھے جب کہ ثمینہ بیٹھی ہنسے جا رہی تھی۔

''روتے ہیں چھم چھم نین اُجڑ ھ گیا چین رے دیکھ لیا تیرا پیار ہائے! دیکھ لیا تیرا پیار۔'' نزرل نے روتے ہوئے گایا۔

''نزرل کچھ زیادہ ہی فیلنگز نہیں آرہیں آپ کو؟'' کوثر چڑھ کر بولا۔

''جی کوثر بھائی! مجھ کو صبح پانچ بجے آتی ہے اور پھر شام میں کبھی کبھی فیلنگ آتی ہے۔'' نزرل نے دانت نکال کر جواب دیا۔

''کیا؟'' کوثر نے الجھ کر پوچھا۔

''فیلنگ!'' نزرل نے سمجھایا۔

''یہ کیسی فیلنگ ہے؟'' کوثر نے بوکھلا کر پوچھا۔

''یہ نہ بتانے والی فیلینگ ہے کوثر بھائی۔'' ثمینہ نے ہنس کر کہا اور کوثر بھی ہنس پڑا۔

''اڑا لیں آپ لوگ مذاق! میری طرف داری کرنے والی اب دونوں نہیں ہے نا۔'' نزرل نے اُداس ہو کر کہا۔

''ہاں یہ تو ہے اب صرف یہ طوفان رہ گیا ہے گھر میں۔'' اشرف صاحب نے ثمینہ کو دیکھ کر کہا۔

''خالو جان؟ آپ مجھے طوفان کہہ رہے ہیں۔ حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''ارے میرا کیا ہے، میں تو اکثر طوفان کو بھی ثمینہ کہہ دیتا ہوں۔''

اشرف صاحب ہنس کر کہنے لگے اور نزرل کھی کھی کرنے لگا، ثمینہ منھ بنا کر کہنے لگی۔

''حد ہوتی ہے، حد ہوتی......''

''ہے۔''

اشرف صاحب کوثر اور نزرل ایک ساتھ بولے اور ثمینہ منھ بنا کر رہ گئی۔ ایسے میں تہمینہ بیگم نیچے آئیں تو اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''چچی جان خیریت؟ یہ آنکھوں میں آنسو کیوں؟'' کوثر نے انھیں پاس بٹھا کر پوچھا۔

''میں ہی تھی جو پیچھے لگی ہوئی تھی زارا اور سمیرا کے کہ شادی کرلو۔ اب دونوں چلی گئیں تو میرا دم گھٹ رہا ہے۔ ثمینہ پانی پلانا۔'' انھوں نے روتے ہوئے کہا اور ثمینہ اٹھ کر گئی۔

''تہمینہ اللہ کا شکر کرو کہ دونوں بچیّاں اپنے گھر کی ہوگئیں۔'' اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''بالکل صحیح کہا چچا جان نے، ایسی ہی بات ہے، زارا اور سمیرا کا گھر بس گیا اس سے اچھی بات کیا ہوسکتی ہے۔'' کوثر نے مسکرا کر کہا۔

''اس بات کا تو میں بے حد شکر ادا کرتی ہوں۔'' تہمینہ بیگم نے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔

''اور اب تو دنیا ویسے ہی چھوٹی ہوگئی ہے، موبائل فون کی وجہ سے، جب چاہیں رابطہ ہوسکتا ہے۔'' کوثر نے کہا۔

''کوثر بھائی میری آنکھوں میں آنی کی طرح آنسو تو نہیں لیکن دل میرا بھی نہیں لگ رہا۔'' ثمینہ نے تہمینہ بیگم کو پانی لا کر دیا۔

''تو پھر کیا کیا جائے؟، چلو میں آپ دونوں کو آئس کریم کھلا کر لاتا ہوں۔'' کوثر نے تجویز پیش کی۔

''نہیں، تم لوگ جاو۔ اچھا ہے تھوڑا گھوم آو۔'' تہمینہ بیگم نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''کیوں ثمینہ کیا خیال ہے؟'' کوثر نے مسکرا کر پوچھا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ؟ چلیں میں تیار ہوں۔'' ثمینہ نے خوش ہوکر کہا۔

''چلو میں اتنے موٹر سائیکل اسٹارٹ کرلوں۔''

کوثر نے اٹھتے ہوئے کہا اور وہ باہر کی طرف چلا۔ جلد ہی ثمینہ بھی چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعد اشرف صاحب نے تہمینہ بیگم کی طرف دیکھا تو وہ اُداس نظر آئیں۔

''تہمینہ کوئی بات ہے جو تمھیں تنگ کر رہی ہے؟''

انھوں نے اپنی زوجہ کو دیکھ کر پوچھا۔ اُن کی بات سُن کر تہمینہ بیگم نے گہرا سانس لیا اور کہنے لگیں۔

''پتا نہیں اشرف۔ یہ سچ ہے کہ بیٹیوں کے رخصت ہونے ہونے پر دول ڈوب جاتا ہے لیکن میں سمیرا کو لے کر پریشان ہوں۔''

''تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میری روحیل سے کچھ دن پہلے بات ہوئی تھی، الحمدللہ وہ لوگ بہت خوش ہیں۔'' اشرف صاحب نے اطمینان بخش لہجے میں کہا۔

''اشرف۔'' تہمینہ بیگم نے انھیں دیکھ کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ تینوں بچّیاں میری نہیں لیکن میں نے ان تینوں کو بہت قریب سے جانا ہے...... انھیں میں نے اپنی کوک سے جنم نہیں دیا لیکن...... یہ مجھے اپنی بیٹیوں سے زیادہ عزیز ہیں...... خاص طور سے سمیرا وہ میرے دل میں ایک الگ ہی مقام رکھتی ہے......''

تہمینہ بیگم کہتی گئیں اور پلٹ کر اشرف صاحب کو دیکھا۔

''مجھے ڈر ہے کہاس نے سب روحیل کو بتا نہ دیا ہو اور...... اور آپ تو سمجھدار ہی ہیں کہ شادی کی پہلی رات ہی روحیل کو پتا چل سکتا ہے کہ۔''

''کچھ پتا نہیں چلا ہوگا اُسے...... ان شاءاللہ...... میرا خیال ہے کہ سمیرا ایک اچھی بیوی بن چکی ہے...... اور روحیل اُس کے ساتھ بہت خوش ہے...... تم دیکھنا...... کچھ ہی ہفتوں میں خوشخبری سُننے کو ملے گی۔'' اشرف صاحب نے انھیں دلاسا دیا۔

''اللہ کرے جو آپ کہہ رہے ہیں وہی سچ ہو۔'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

''تم سمیرا سے واٹس اپ پر پوچھو۔'' اشرف صاحب نے انھیں مشورہ دیا۔

''اشرف سمیرا ایک بند کتاب ہے...... وہ آسانی سے کچھ نہیں بتاتی...... وہ باتیں بھی کم کرتی ہے...... زارا سے تو میری دن میں تین چار بار بات ہو جاتی ہے...... لیکن...... سمیرا ویسی نہیں ہے۔'' تہمینہ بیگم نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''تہمینہ کبھی کبھی کشتی کو سمندر میں اُتار دینا ہی عقلمندی ہوتی ہے کشتی اپنا راستہ خود ڈھونڈ لے گی...... اور دیکھتے ہی دیکھتے...... منزل تک پہنچ جائے گی...... مجھے یقین ہے کہ سمیرا اپنے سفر پر گامزن ہے بس منزل تک پہنچنے میں اب کوئی دُشواری نہیں ہوگی...... میرا دل کہتا ہے۔''

اشرف صاحب کی بات سُن کر تہمینہ بیگم کے لبوں پر اُداس مسکراہٹ آ گئی لیکن اُن کا دل ابھی بھی گھبرا رہا تھا۔

☆......☆

بالاج صاحب، روحیل دیگر پارٹنرز کے ساتھ فائینینس میٹنگ میں موجود تھے۔ ہیڈ اکاونٹنٹ پیسوں کے حوالے سے خطرناک تصاویر پیش کر رہا تھا جسے دیکھ کر روحیل کا بلڈ پریشر اوپر ہی اوپر جا رہا تھا۔

''سر، لٹیگیشن ڈپارٹمنٹ اپنے ٹارگٹ سے 9% پیچھے ہے لیکن کورپوریٹ ابھی تک صرف 64% ٹارگٹ کر پایا ہے، جسکا مطلب کہ کورپوریٹ 36% پیچھے ہے۔ اگر ایسا ہی رہا سال کے آخر تک تو کسی کا نا کمیشن پُورا ہوگا اور نا ہی بونس۔'' ہیڈ اکاونٹنٹ نے بالاج صاحب کو دیکھ کر کہا۔

''جینٹلمین کیا کہنا چاہیں گے اس بارے میں آپ لوگ؟ میں اپنی طرف سے لٹیگیشن کو جتنا سہارا دے سکتا ہوں دے رہا ہوں لیکن اب میں بوڑھا ہو رہا ہوں، یہ بات آپ سب کو سمجھنی چاہیے۔'' بالاج صاحب نے دیگر پارٹنرز سے پوچھا۔

''سر Payments کا مسلہ ہے، کلائنٹس آج کل پیمنٹ نہیں کرتے۔'' آفتاب صاحب نے جواب دیا۔

''آفتاب صاحب کلائنٹس کا تو کام ہے پیسے نہ دینا، ہم قریب 36% پیچھے ہیں جو کہ بہت بڑی Percentage ہے۔'' روحیل نے جل کر کہا۔

''روحیل صاحب آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ کورپوریٹ ڈپارٹمنٹ کے اندر چار سیکٹرز ہیں جس میں سے ایک سیکٹر آپ کا ہے۔'' افتاب صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''تو؟'' روحیل نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''دراصل 28% فیصد ٹارگٹ سے پیچھے آپ کا سیکٹر ہے، باقی سب کو ملا کر صرف 8% ہیں۔''

آفتاب صاحب نے طنزیا لہجے میں کہا اور روحیل چونک کر اکاونٹنٹ کو دیکھنے لگا۔ اس نے بھی ہاں میں سر ہلایا۔ بالاج صاحب اس لمحے مکمل طور پر خاموش تھے۔

''اگر کسی کی پرفارمنس کی بات کی جائے تو سب سے پہلے آپ ہی کی بات ہونی چاہیے کیوں کہ آپ کا سیکٹر باقیوں کے کمیشن اور بونس پر حملہ کر رہا ہے......'' آفتاب صاحب نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جہاں تک میری ٹیم کی بات ہے سب جانتے ہیں کہ میرے پاس نوجوان لڑکے لڑکیاں ہیں جو بہت دل لگا کر کام کر رہے ہیں۔ رہی بات میرے سیکٹر کے پرفارمنس کی تو سب کو معلوم ہے کہ میری ابھی ریسینٹلی شادی ہوئی ہے اور میں چھٹیوں پر تھا، میرے خیال سے چھٹیوں پر کسی کو بھی کام کرنے کا حق نہیں، خاص طور پر وہ شادی کے سلسلے میں گیا ہو۔'' روحیل نے بھی چبھتا ہوا جواب دیا۔

''میں نہیں سمجھتا کہ چھٹیاں یا شادی کوئی Excuse ہے۔''

بالاج صاحب نے نفی میں سر ہلا کر یہ جملے کہے اور روحیل انھیں دیکھنے لگا۔

''اگر روحیل ایک سیکٹر کو لیڈ کر رہا ہے تو اُس سیکٹر کو اپنے ٹارگٹس ہٹ کرنے چاہیے، مجھے نہیں لگتا کہ یہاں پر شادی، یا چھٹی کا کوئی ایکسکیوز پیش کیا جا سکتا ہے۔''

بالاج صاحب نے نفی میں سر ہلا کر کہا اور روحیل خاموش ہو گیا۔ آفتاب صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"Rohail I really want you to focus here and cover those 28%

"along your 3rd Quarter Target as well"۔ بالاج صاحب نے سرد لہجے میں کہا اور روحیل سر ہلا کر رہ گیا۔

''جہاں تک رہی لیٹیگیشن ٹیم کی بات تو میری طرف سے آپ سب کو مبارکباد، ان شاءاللہ کورپوریٹ کے رزلٹس بہتر آئیں گے، تھینک یو آل۔''

بالاج صاحب نے اطمینان سے میٹنگ برخاست کی اور سب اٹھ کر جانے لگے۔ صرف روحیل اور بالاج صاحب میٹنگ میں بیٹھے رہ گئے۔ سب کے جانے کے بعد بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"Let's face it, your performance is horrible"۔

"And you had to say it infront of Aftab"۔ روحیل نے چڑ کر جواب دیا۔

''روحیل، ایکسپیرئینس ایک ایسی چیز ہے جو کسی کام میں وقت بتانے سے ہی حاصل ہوتی ہے اور ایکسپیرئینس کے معاملے میں تمھارا مقابلہ آفتاب سے ہو نہیں سکتا۔ آفتاب تم سے کہیں زیادہ ایکسپیرئینس رکھتا ہے، میرا خیال ہے تمھیں آپسی گلے شکوے بھلا کر اُس سے سیکھنے کی بہت ضرورت ہے۔'' بالاج صاحب نے پیار سے کہا۔

"Pops I am the owner of this law firm, why would I learn something from a Partner who is not even equity?"۔ روحیل نے جل کر پوچھا۔

"This is exactly where you are wrong"۔

بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور کہنے لگے۔

''پارٹنر بننا الگ بات ہے، مالک ہونا الگ اور کسی کام میں مہارت حاصل کرنا الگ۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اس لا فرم میں اس بات پر رہو کہ تم یہاں کے مالک ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھارا اور تمھاری ٹیم کا کام ایسا ہو کہ سب واہ واہ کریں اور تمھاری طرف دوڑیں آئیں، اُس کے لیے اگر تم آفتاب سے کچھ چیزیں سیکھنا چاہو تو ضرور سیکھو۔ مجھے خوشی ہوگی اگر تم اُس کے ساتھ مل کر کام کرو۔'' بالاج صاحب نے اُسے سمجھایا اور روحیل سر ہلانے لگا۔

''مجھے ایک انٹرنیشنل پارٹنر چاہیے، جو میرے مڈل ایسٹ کے کام کو دیکھ سکے، خاص طور پر دوبئی اور ابو دھابی۔''

''ابھی تو ممکن نہیں ہے، کم از کم اس سال۔ اگلے سال میں سوچ سکتا ہوں۔'' بالاج صاحب نے جواب دیا اور روحیل جل کر سر ہلانے لگا۔

''ہاں اگر تم دوبئی جا کر وہاں کے دفتر کو سنبھال لو تو زیادہ بہتر ہے، بھلے ہی کچھ مہینوں کے لیے۔ سمیرا کو بھی لے جاو، تم دونوں کا ہنی مون ہو جائے گا۔''

بالاج صاحب نے مسکرا کر تجویز پیش کی اور روحیل خاموشی سے سوچنے لگا کہ سمیرا ابھی تک اُس کے ساتھ ایک بستر پر سوئی تک نہیں، ہنی مون تو دُور کی بات ہے۔

''کیا خیال ہے؟'' انھوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''تھینکس پوپس مگر فی الحال میں کراچی میں ہی رہنا چاہتا ہوں......سمیرا کا بھی ابھی دل نہیں ہے کہیں جانے کا......ویسے بھی اُس کا پاسپورٹ بھی ریڈی نہیں ہے۔'' روحیل نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''ایک کام کرو'' بالاج صاحب اُٹھے اور روحیل کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔

''آج گھر جاؤ ریلیکس کرو کل سے پلان بناو کہ کیسے ٹارگٹ ہٹ کرنے ہیں اگلے ہفتے سے فوکس رکھو، ان شاءاللہ ٹارگٹ ہو جائے گا پُورا۔''

بالاج صاحب نے پیار سے اپنے بیٹے سے یہ جملے کہے اور روحیل خاموش رہا۔ ارسلان سے جوے والے واقع کے بعد سے روحیل نے مقابلے کرنا چھوڑ دیے تھے مگر اس لمحے وہ دل سے بُری طرح جلا ہوا تھا۔ اس نے جیتنا چھوڑ دیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہار مان لے۔ اُسے کسی نہ کسی طرح اپنا ٹارگٹ پُورا کرنا تھا۔ اُس کا مُوڈ شدید خراب ہو چکا تھا۔

اسی خراب مُوڈ کے ساتھ وہ اپنی گاڑی چلا رہا تھا۔ اُس کا دل اس لمحے کافی خراب ہوا تھا۔ آفتاب پر اُسے اتنا ہی غصہ آ رہا تھا۔ جب سے روحیل نے دفتر سنبھالا تھا تب سے ہی اُس کا آفتاب سے چھتیس کا آ کڑا تھا اور دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے رہتے۔ آفتاب ایک تجربہ کار کھلاڑی تھا اور مارکیٹ میں اُس کا نام جانا جاتا تھا، جب کہ اُس کے مقابلے میں لوگ ابھی روحیل کو اتنا نہیں جانتے تھے۔ روحیل کا تعارف ابھی بھی یہی تھا کہ وہ بالاج علی کا بیٹا ہے۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے روحیل گھر پر پہنچا۔ جلد ہی روحیل کی گاڑی گھر میں داخل ہوئی اور گارڈز نے اُسے سلوٹ کیا۔ روحیل نے جل کر گاڑی پارک کی اور اُتر کر اندر کی طرف چلا۔ اندر جاتے ہی اس نے اپنا کوٹ اُتار کر ایک طرف پھینکا اور ٹائی کھول کر صوفے پر لیٹ گیا۔

''خان بابا، ایک چپ چائے لے آئیں یار!''

روحیل نے آواز دی اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک نازک سا ہاتھ اُس کے بالوں کو سہلانے لگا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو سمیرا کا حسین چہرا اپنے سامنے پایا۔ وہ پیار سے اپنے شوہر کے بال سہلا رہی تھی۔

''سردبا دوں؟''

سمیرا نے پیار سے پوچھا اور روحیل اُٹھ کر بیٹھا۔ وہ محو ہو کر اپنی بیوی کو دیکھنے لگا۔ سمیرا کے بال کھلے تھے اور اس نے لال اور پیلی رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ ہاتھوں میں چوڑیاں کھنک رہی تھیں اور چہرے پر ہلکا میک اپ۔ روحیل ایک پل کے لیے اپنی ساری پریشان بھول گیا اور گڑ بڑا کر کہنے لگا۔

''نہیں بس چائے......''

''لیجیے، یہ رہی آپ کی چائے۔ آپ کو چائے کے لیے خان بابا کو پُکارنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

سمیرا نے مسکرا کر اُسے چائے دیتے ہوئے کہا اور روحیل نے اُس کے ہاتھ سے چائے لی۔ سمیرا روحیل کے سامنے بیٹھ گئی اور اخبار اُٹھا کر دیکھنے لگی۔ روحیل کبھی چائے کو تو کبھی اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیسی لگی چائے؟'' سمیرا نے اخبار پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''اہمم۔''

روحیل نے چائے کو دیکھا اور ایک گھونٹ پیا۔ چائے کا گھونٹ اُترنے کی دیر تھی کہ وہ اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کرنے لگا۔

''کیسی ہے؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''بہترین زبردست۔'' روحیل نے تعریف کی۔

''کیا بات ہے آج کچھ تھکے ہوئے لگ رہے ہیں؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور روحیل ہاں میں سر ہلا کر کہنے لگا۔

''ہے دفتر میں ایک نمونہ اس نے مجھ سے بہتر کام کیا اور پوپس کی شاباشی لے اُڑا۔''

''تو مسلہ کیا ہے؟'' سمیرا نے الجھ کر پوچھا۔

''مجھے وہ شخص شدید ناپسند ہے، سارا کریڈٹ اپنے سر لے لیتا ہے۔'' روحیل نے جل کر جواب دیا۔

''لیکن وہ کام آپ کے لیے کرتا ہے نا یاد رکھیے روحیل آپ مالک ہیں اور وہ آپ کے ہاں کام کرتا ہے اسکی کامیابی آپ کی ہی کامیابی ہوئی نا؟''

سمیرا نے پیار سے کہا اور روحیل نے چونک کر اس کو دیکھا۔

''اگر آپ کی ٹیم میں کوئی کامیاب ہو رہا ہے تو اُسے شاباشی دیں اس کی تعریف کریں حوصلہ دیں تا کہ وہ آپ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چل سکے اور آپ کے لیے بہترین کام کر سکے۔'' سمیرا نے دھیمے لہجے میں کہا اور روحیل مسکرانے لگا۔ کچھ پل سوچ کر اس نے کہا۔

''چلو کوشش کروں گا کہ عمل کروں تمھارے مشورے پر۔''

اس کی بات سُن کر سمیرا مسکرانے لگی۔

''اہم سمیرا میں تم سے کچھ پوچھوں؟'' روحیل نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی؟'' اس نے اپنے شوہر کو دیکھا۔

''اہم کبھی کبھی لگتا ہے...... کہ میں تمھارے لیے سب کچھ ہوں کبھی کبھی تم کافی دُور ہو جاتی ہو جیسے کہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا تمھاری زندگی میں۔'' روحیل نے اپنے دل کی بات کہنا چاہی۔

''اچھا؟ آپ میری زندگی میں حیثیت نہیں رکھتے؟ یہ کیسے محسوس ہوا آپ کو؟''

سمیرا نے ہنس کر پوچھا اور روحیل گڑبڑا گیا۔ وہ سمجھ ہی نہیں رہی تھی کہ روحیل کا اشارہ کس طرف ہے۔

''میں اس گھر کی بیٹی ہوں اور گھر کے ہر فرد کا خیال رکھتی ہوں۔ یہ چھوٹی سی چائے اُس کا ثبوت ہے۔'' سمیرا نے اشارہ کر کے کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''چائے واقعی بہت اچھی ہے۔''

''شکریہ! اب اس بے کار کے سوال کے بدلے میں آپ سے کچھ مانگوں؟'' سمیرا نے مسکرا کر پوچھا اور روحیل کا دل دھڑک گیا وہ محو ہو کر کہنے لگا۔

''جو کہو گی دُوں گا چاند بھی مانگلو تو تمھارے آنچل میں لا کر ڈال دوں گا۔''

''آپ مجھے۔'' سمیرا نے دھیرے سے کہا۔

''میں تمھیں؟'' روحیل اُس کے قریب ہوا۔

''آپ۔'' وہ بولی۔

''ہاں؟'' روحیل کا دل دھڑک گیا۔

''آپ مجھے آنی کے لے جائیں گے آج؟''

سمیرا کے پوچھنے پر روحیل کا دل کیا کے اپنے بال نوچ لے! لیکن وہ خاموش رہا۔

''آنی بہت یاد کر رہی ہیں، بُلا رہی ہیں بہت زیادہ۔'' سمیرا نے پیار سے اپنے شوہر کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے کوئی مسلہ نہیں پر۔'' روحیل کہتے کہتے رُک گیا۔

''پر کیا؟'' اس نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''یار تمھارے خالو جان کبھی کبھی بہت بورنگ باتیں کرتے ہیں۔'' روحیل نے منھ بنا کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔

''کوئی بات نہیں، کوثر بھائی تو ہوں گے نا۔''

''ہاں یہ تو ہے، چلو چلتے ہیں۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''تھینک یو! میں تیاری کرتی ہوں۔''سمیرا نے خوش ہو کر کہا۔

"Whao Whao Whao Whao... .Whao!"۔

اچانک زین آکر انھیں دیکھ کر اشارے کر کے کہنے لگا اور وہ دونوں مسکرا کر اُسے دیکھنے لگے۔

''مجھے پتا ہے دونوں میاں بیوی کے درمیاں کھچڑی پک رہی ہے۔ اور کہیں جانے کا پلان ہو رہا ہے، اوکے! اوکے! I don't mind۔''زین نے کندھے اُچکا کر کہا اور صوفے پر بیٹھا۔

''کیوں آپ کو کیا لگ رہا ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟''سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

''جا رہے ہوں گے کیسی بورنگ جگہ! میاں بیوی سے زیادہ بورنگ ویسے کوئی ہوتا بھی نہیں ہے۔ دونوں کو فرصت ہی نہیں ہوتی ایک دوسرے سے ہٹ کر کچھ اور دیکھنے کی۔''زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''اچھا؟ تو ہم بورنگ جگہ جا رہے ہیں؟ سمیرا اب اسے لے کر جانے کی ضرورت نہیں۔''روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں ہاں جائیں آپ لوگ! مجھے ویسے بھی پڑھنا ہے۔''زین نے لاپروائی سے کہا۔

''ٹھیک ہے، سمیرا اب زین نہیں چل رہا! اوکے۔''روحیل نے زین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوکے! میں ہمیشہ اوکے!''زین نے اترا کر کہا۔

''ہم لوگ تو آنی کے گھر جا رہے ہیں۔''سمیرا نے الجھ کر بتایا۔

''ہیں؟ کیا؟''

زین اُچھل پڑا اور دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں جی! اشرف خالو! کے گھر! خالُووو!''روحیل نے مچل کر کہا۔

''آپ کا مطلب جب تک رہے گا سموسے میں آلووو! جا رہے ہیں ہم آج اشرف خالووو؟''زین نے خوش ہو کر کہا۔

''پر آپ تو نہیں چل رہے تھے؟''روحیل نے مستی میں پوچھا۔

''اب بھابی بے چاری اکیلی جا کر کیا کریں گی تو ان کے کمپنی کے لیے چلنا پڑے گا۔''زین نے کندھے اُچکا کر کہا اور روحیل اُسے دل ہی دل میں گالیاں دینے لگا۔

''کبھی کبھی مجھے آپ دونوں بھائیوں کی سمجھ نہیں آتی۔''سمیرا نے ہنس کر کہا۔

''ارے آجائے گی سمجھ بھابی فکر کی کیا بات ہے۔ میں جا کر تیار ہوتا ہوں، شیو کچھ زیادہ بڑھ رہی ہے تو تھوڑی ٹرم کر لینی چاہیے۔ Meanwhile you kids have fun۔''

زین نے مچل کر کہا اور اوپر کی طرف دوڑا۔ گرتے پڑتے وہ اوپر کی طرف چلا اور سمیرا حیران ہو کر

اُسے دیکھنے لگی۔

''یہ...... یہ اچانک اسے کیا ہوا؟''

سمیرا نے حیران ہو کر کہا اور پلٹ کر دیکھا تو روحیل خاموشی سے چائے کی چُسکیاں لیتا نظر آیا۔

''واہ! کیا چائے ہے۔''

☆......☆

شام کے سات بج چکے تھے اور نزرل بابا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچن میں بیٹھے ہوئے ثمینہ بی بی کو دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ نے کچن کا حال خراب کر کے رکھ دیا تھا اور اپنے موبائل پر YouTube لگائے ہوئے وہ کچھ تجربہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ جب نزرل بابا کا برداشت کا مادہ ختم ہوا تو وہ تڑپ کر پوچھ بیٹھے۔

''ثمینہ بی بی! آج یہ باورچی خانے میں آپ کیوں گھس گئی ہیں۔''

''نزرل بابا! آج کل ویسے ہی گھر پر مہمان آ رہے ہیں اور سب پوچھتے ہیں ثمینہ نے کیا بنایا ہے، ثمینہ نے کیا کیا! مطلب لوگ حد ہی کر دیتے ہیں، اسلیے آج میں اپنے ہاتھوں سے حلوہ بناؤں گی۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''لیکن آپ کو تو حلوہ بنانا نہیں آتا۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''کس نے کہا مجھے حلوہ بنانا نہیں آتا؟'' ثمینہ نے اُسے گھور کر پوچھا۔

''یہ جو یوٹیوب پر ترکیب دیکھی جا رہی ہے اُس کا کیا؟''

نزرل نے فون کی طرف اشارہ کیا اور ثمینہ نے فون چھپایا۔

''ہاتھ دُور! ہاتھ دُور!''

ثمینہ نے جل کر اشارہ کیا اور نزرل پیچھے ہوا۔

''خبردار جو آپ نے میرا کونفیڈنس خراب کرنے کی کوشش کی! میں آج حلوہ بناؤں گی اور اپنے ہاتھوں سے اپنے طریقے سے۔ اور آپ ایک لفظ نہیں بولیں گے۔ پرامس؟'' ثمینہ نے انگلی دکھا کر کہا۔

''پرامس!'' نزرل نے گھبرا کر کہا۔

''بس ٹھیک ہے۔ سب سے پہلے دیگچی میں گھی ڈال لیں اور اور الائچی ڈال کر اُسے بھون لیں۔'' ثمینہ نے موبائل دیکھا اور یہی کیا۔ نزرل خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''الائچی کی خوشبو آ رہی ہے نا؟''

ثمینہ نے خوش ہو کر پوچھا اور نزل نے دانت نکالے پھر منھ بنا کر دیگچی کی طرف دکھنے لگا۔

”اب دیگچی میں چینی اور پانی ڈال دیں۔“
ثمینہ نے ترکیب دیکھتے ہوئے کہا اور مزے سے نمک اٹھایا۔
نزرل کی نظر پڑی تو وہ اُچھل پڑا!
”ثمینہ بی بی! نہیں۔“
”نزرل بابا چُپ پلیز!“ ثمینہ نے منہ بنا کر کہا۔
”پر بی بی؟“ نزرل نے ہاتھ چلائی۔
”نزرل بابا! آپ جائیں یہاں سے۔“
ثمینہ نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے باہر بھیجا اور نزرل گھبرا کر جانے لگا۔ ثمینہ نے بھر بھر کر تین چمچ نمک ڈالا اور راور لگی حلوا بنانے۔ نزرل کو اُلٹی ہونے لگی اور اس کی آنکھوں میں خوف اُتر آیا۔
ایسے میں گھر کی بیل بجی۔
”نزرل دیکھو دروازے پر کون ہے؟“
اشرف صاحب نے اُسے آواز دی اور نزل گھبراتے ہوئے دروازے پر گیا۔ نزرل نے دروازہ کھولا اور دیکھا دروازے پر سمیرا موجود ہے اور اُس کے ساتھ زین کھڑا ہے۔ جب کہ روحیل گاڑی بند کر رہا تھا۔
”سمیرا بی بی!“ نزرل کہ منہ سے خوشی سے نکلا۔
”کیسے ہیں نزرل بابا؟“ سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔
”کیا کہوں بی بی! جب سے آپ سسرال گئی ہو یہ بوڑھا تو مزید بوڑھا ہو گیا۔“
نزرل نے بھرّا کر کہا، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
”ایسا مت کہیں بابا، میں آج بھی اس گھر سے جُڑی ہوں۔“
سمیرا نے اُس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا اور نزرل رونے لگا۔
”سمیرا بیٹے؟“
اشرف صاحب نے پیار سے سمیرا کو دیکھا۔
”خالو جان۔“ سمیرا دوڑ کر ان کے سینے سے لگی۔
”جیتی رہو میرا بیٹا کیسا ہے؟“ اشرف صاحب نے پیار سے پوچھا۔
”بالکل ٹھیک خالو جان۔“ سمیرا نے مسکرا کر جواب دیا۔
”سمیرا!“
تہمینہ بیگم نے سیڑھیوں پر سے اُسے دیکھا اور حیران رہ گئیں۔

”آنی!“

سمیرا خوشی سے بولی اور دونوں خالا بھانجی ایک دوسرے کے گلے لگ گئی ں۔ زین، روحیل اور اشرف صاحب مسکرا کر انھیں دیکھنے لگے۔

”میرا بچہ! کتنی پیاری لگ رہی ہو، سلک کی کالی ساڑھی اور ستارے ایک دم پری لگ رہی ہو۔“ تہمینہ بیگم نے سمیرا کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

”وہ جی کیا ہے کہ ساڑھی کالی ہے لیکن من سفید ہونا چاہیے۔“

زین نے بڑھی بوڑھی عورتوں کی طرح ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

”سمیرا باجی!“ ایسے میں ثمینہ مچل کر کچن سے باہر نکلی۔

”ثمینہ!“ سمیرا نے بھی مچل کر اُس کا نام لیا اور دونوں بہنے گلے لگیں۔

”آ گئی بھائی؟ ثمینہ آ گئی۔“

زین نے بھی مچل کر کہا اور روحیل دانت پیس کر اُسے دیکھنے لگا۔

”کیسی ہو؟“ سمیرا نے اُس کے گالوں کو ہاتھ رکھ کر کہا۔

”حد ہوتی ہے باجی، آپ تو گئیں اور پلٹ کر مجھے پوچھا بھی نہیں۔“ ثمینہ نے شکایت کی۔

”بس دن بھر کے کاموں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلتا۔“ سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

”روحیل میاں ہماری بیٹی سے کام کروایا جا رہا ہے؟“ تہمینہ بیگم نے ہنس کر پوچھا اور سب ہنسنے لگے۔

”ارے آپ سوچ نہیں سکتی، گھر میں ایسے ایسے کام نکال لیے ہیں اس نے کے ہمیں پتا ہی نہیں تھا کہ یہ بھی صاف کرنا ہے۔“ روحیل نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور سب ہنسنے لگے۔

”ہاں! اب پنکھے کے اوپر والا حصہ کون صاف کرتا ہے بھلا۔“

زین نے معصومیت سے کہا اور سمیرا نے اُس کے سر پر ہاتھ مارا! سب ہنس پڑے!

”چلیں آپ مرد حضرات تھوڑی دیر کے لیے بیٹھیں میں سمیرا کو لے کر اوپر جا رہی ہوں۔“ تہمینہ بیگم نے سمیرا کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”میں بھی چلوں؟“ زین نے اٹھتے ہوئے پوچھا اور سب ہنسنے لگے۔

”جی نہیں چھوٹے میاں آپ یہیں بیٹھیں، ابھی آپ اپنے بھابھی کا پلّو چھوڑ دیں۔“

تہمینہ بیگم نے ہنس کر کہا اور سمیرا کو اوپر لے کر چلیں۔ زین، روحیل صوفوں پر بیٹھے اور اشرف صاحب سے باتیں کرنے لگے جب کہ ثمینہ واپس کچن میں چلی گئی تھی۔

☆......☆

تہمینہ بیگم سمیرا کو اپنے کمرے میں لے کر آئیں اور بستر پر بیٹھیں۔
''ادھر بیٹھو میرے پاس۔'' انھوں نے پیار سے کہا اور سمیرا ان کے سامنے بیٹھ گئی۔
''کیسی ہو؟ کیسا لگ رہا ہے سب؟'' انھوں نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔
''بہت اچھا لگ رہا ہے آنی سپنوں کی دنیا ہے۔'' سمیرا نے مسکرا کر بتایا۔
''واقعی، اتنے بڑے گھر کی بہو بنو گی میں نے سوچا بھی نہ تھا کل تک کاٹن کا کُرتا شلوار پہنے، کالے بال اور یونیفارم اور آج ماشااللہ سونے کے کنگن، تو سونے کا ہار، مہنگی ساڑھی، گولڈن بال تم تو بالکل شہزادی لگ رہی ہو۔'' تہمینہ بیگم نے خوش ہو کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔
''میں تیرے لیے بہت خوش ہوں۔'' انھوں نے خوش ہو کر کہا۔
''آنی...... گھر کے تینوں فرد سے بہت پیار مل رہا ہے مجھے۔'' سمیرا نے مسکرا کر بتایا۔
''روحیل خیال رکھ رہا ہے تمھارا؟'' تہمینہ بیگم نے پیار سے پوچھا۔
''بہت زیادہ، شادی سے پہلے تو اتنی باتیں کیا کرتے تھے ابھی صرف مجھے تکتے رہتے ہیں۔'' سمیرا نے ہنستے ہوئے بتایا۔
''پُوجا کر رہا ہے تمھاری بھئی دیوانہ ہو گیا ہے۔'' تہمینہ بیگم نے ہنس کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔
''اتنی خوبصورت ہو کوئی بھی دیوانہ ہو جائے، ویسے تو بہت جلدی ہے یہ پوچھنا لیکن خُوشخبری والا معاملہ ہے یا نہیں؟'' تہمینہ بیگم نے ہنس کر پوچھا اور سمیرا سر جھکا گئی۔
''کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟'' انھوں نے چونک کر پوچھا۔
''میں میں ابھی تک ان کے ساتھ......'' سمیرا گھبرا کر بولی۔
''کیا؟ کیا واقعی؟'' تہمینہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔
''جی وہ کاوچ پر سوتے ہیں...... میں نے بھی کبھی انھیں بیڈ پر نہیں بُلایا۔'' سمیرا نے گھبرا کر بتایا۔
''سمیرا تم پاگل ہو؟'' تہمینہ بیگم غصے میں آ گئیں۔
''آنی۔'' سمیرا پریشان ہو کر بولی۔
''سمیرا یہ کتنی زیادتی کی بات ہے کہ ایک لڑکا تمھارا شوہر ہے اور تم نے اُسے ابھی تک اُس کا حق نہیں دیا۔'' تہمینہ بیگم آنکھیں نکال کر کہا۔
''دل تو میرا بھی کٹ جاتا ہے آنی، جب وہ دُور ہو کر مجھ سے سوتے ہیں لیکن میں کیا کروں؟'' سمیرا نے پریشان ہو کر کہا۔
''پیار کرو، محبت کرو، جوان ہو تم دونوں زندگی کے مزے لو۔'' تہمینہ بیگم نے جھنجھلا کر کہا اور سمیرا نفی

میں سر ہلانے لگی۔

''سمیرا پُرانی باتوں کو بھول جاؤ گُڈا، ورنہ جی نہیں پاؤ گی۔''

تہمینہ بیگم نے پیار سے سمجھایا اور سمیرا سر جھکا گئی۔

''ہر ایک کو جینے کا حق ہے ہر ایک کو۔ نصیب نے تم سے یہ حق چھینا لیکن اللہ نے تمھیں یہ حق لوٹا دیا ہے اب تم روحیل سے تو یہ حق مت چھینو! وہ بیچارہ رہ تو تم سے شکایت بھی نہیں کر رہا، وہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے، تمھیں یہ بات پتا نہیں لیکن آج بتاتی ہوں زارا کی شادی سے لے کر آج تک میں نے جتنا خرچہ تم پر کیا ہے وہ کسی اور کا نہیں روحیل کا پیسہ ہے اس نے مجھے پیسے ٹرانسفر کیے تھے یہ کہ کر کہ سمیرا کو جو چاہیے آپ اُسے وہ دلائیں۔''

تہمینہ بیگم نے اُسے سچ بتایا اور سمیرا حیران رہ گئی۔

''ایک ایک چیز ایک ایک کپڑا ہر چیز روحیل کے پیسے سے ہے وہ اب سے نہیں بہت پہلے سے تمھارا خیال رکھ رہا ہے۔'' تہمینہ بیگم نے اُسے بتایا اور سمیرا نظریں جھکا کر سوچنے لگی۔

''تم سچ کی بات کرتی ہو؟ یہ ہے سچ...... وہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے سمیرا بدلے میں تم سے محبت ہی تو مانگ رہا ہے تو مت روکو اُسے ترس کھاؤ تھوڑا اُس پر۔'' تہمینہ بیگم نے اُسے پیار سے سمجھایا۔

''آنی آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں اُن سے پیار نہیں کرتی؟ میں بہت پیار کرتی ہوں روحیل سے مگر...... چاہتی ہوں ان کے پاس آنا ہر رات ہر دن...... بس ڈرتی ہوں اگر...... اگر انھیں اُس سچ کا پتا چلا تو کیا ہوگا؟'' سمیرا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''سچ! سچ! سچ!'' تہمینہ بیگم جھنجلا گئی ں اور آنکھیں بند کر کے کہنے لگیں۔

''بھول جاؤ! جو تم ہو وہ سچ ہے۔ جو ہم ہیں وہ سچ ہے۔ جو آج ہے وہ سچ ہے۔ اور کچھ نہیں۔ سمیرا میری یہ بات یاد رکھنا، روحیل وہ ہے جو تمھیں سہارا دے کر کنارے تک لے جائے گا، اُس کا ساتھ مت چھوڑنا کبھی......''

تہمینہ بیگم نے جھلّا کر کہتی چلی گئیں اور سمیرا سر جھکا کر سوچنے لگی۔

☆......☆

''1969 میں جب بنگلا دیش مشرقی پاکستان ہوا کرتا تھا، لوگوں نے کتنی مصیبتیں دیکھیں پیسے بھجوانے میں۔ اُس زمانے میں بینک سسٹم تھے نہیں تو بڑی مشکلیں ہوتی تھیں لوگوں کو، اسٹیٹ بینک بھی اُس وقت اتنا مضبوط ادارہ نہیں تھا۔''

اشرف صاحب اپنی بورنگ باتیں کرنے کا ورلڈ ریکارڈ بنا رہے تھے اور روحیل، زین بیزار ہو کر اُن کا

چہرا تک رہے تھے۔ دونوں شدید بور ہو چکے تھے۔

"تب ہمارا بینک آیا اور پاکستان میں لوگوں نے دھڑا دھڑ اکاونٹ کھلوائے دھڑا دھڑ اکاونٹ کھلوائے۔ آج ہم لوگ 170 ملکوں میں پیسا منٹوں میں ٹرانسفر کرتے ہیں......" اشرف صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

"Naaayicce....." ۔روحیل اور زین کے منہ سے شدید بوریت کے عالم میں نکلا۔

ایسے میں تہمینہ بیگم اور سمیرا نیچے اُترتی ہوئی نظر آئیں۔

"آ گئیں بھابھی!" زین نے خوش ہو کر کہا اور روحیل اُسے گھورنے لگا۔

"ہاں بھئی ہم آ گئے ہو گئی ہماری باتیں۔" تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"کیا باتیں کی آپ لوگوں نے؟" زین نے خوش ہو کر پوچھا۔

"تمھاری شکایتیں ہو رہی تھیں۔" تہمینہ بیگم نے اشارہ کر کے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"یہ ہر ایک کو میری ہی ٹانگ کیوں ملتی ہے کھینچنے کے لیے؟" زین نے منہ بنا کر کہا۔

"کیوں کہ آپ کو ٹانگ اڑانے کا بہت شوق ہے۔" روحیل نے جل کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"بھئی ہمیں بھی تو اپنی بچّی سے باتیں کرنے کا موقع دو، سارا ٹائم تو آپ ہی لے گئیں۔" اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا اور سمیرا ان کے پاس بیٹھی۔

"بالکل! ہماری بچّی گھر آئی ہے جی بھر کے باتیں کیجیے۔" تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"بھئی روحیل قصے کہانیوں میں سُنا تھا کہ محبوب اپنی محبوبہ سے کہتا ہے کہ میں تجھے رانی بنا کر رکھوں گا مگر آج سمیرا کو دیکھ کر احساس ہو رہا ہے کہ تم نے ہماری سادی سی سمیرا کو واقعی رانی بنا کر رکھا ہوا ہے۔"

اشرف صاحب نے تعریف کی اور روحیل مسکرا کر سر جھکا گیا۔ سمیرا شرمانے لگی۔

"ارے انکل! رانی تو چھوٹا لفظ ہے۔ مہارانی کہیں مہارانی!"

زین نے ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"کھانا تیار ہے۔"

ایسے میں ثمینہ نے کھانا لا کر ٹیبل پر رکھا اور سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ارے واہ! آپ کھانا بھی بنا لیتی ہیں؟" زین نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جی!" ثمینہ نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"ویسے آپ واقعی کھانا بہت اچھا بناتی ہیں، اُس دن پکنک پر جاتے ہوئے چائے پی تھی وہ کتنی اچھی تھی۔" زین نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''زین وہ میں نے بنائی تھی۔''سمیرا نے کُرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اوہو اُس دن والی کھیر کتنی اچھی تھی؟''زین نے سنبھل کر کہا۔

''وہ میں نے بنائی تھی۔''تہمینہ بیگم نے مستی میں کہا اور زین بوکھلا گیا۔

''وہ وہ آئس کریم کتنی اچھی تھی۔''

''وہ میں لایا تھا۔''

اشرف صاحب نے بے چین ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔ زین پریشان ہو گیا۔

''حد ہوتی ہے۔ اڑا لیں مذاق میرا! ٹھیک ہے یہ کھانا نزرل بابا نے بنایا ہے لیکن آج کا میٹھا میری طرف سے۔''ثمینہ نے اترا کر کہا اور نزرل برابر کچن میں سر پکڑ کر گرا!

''دھپ!''کر کے آواز آئی تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''ارے نزرل بابا آپ کیوں گر گئے؟''سمیرا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''بس بیٹا کبھی کبھی زندگی بہت بڑے جھٹکے دیتی ہے۔''نزرل بابا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہی ہی مذاق کر رہے ہیں۔''

ثمینہ نے کھسیانی ہنسی ہنس کر یہ جملے کہے اور گھور کر نزرل بابا کو کچن میں لے کر گئی۔

''نزرل بابا! خبردار جو میرے حلوے کی بُرائی کی!''ثمینہ نے دانت پیس کر کہا۔

''بی بی آپ کو یقین ہے کہ جو آپ نے بنایا ہے وہ حلوہ ہی ہے؟''نزرل بابا نے روتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا! مجھے پتا ہے یہ اوور ایکٹنگ آپ نے اس لیے کی ہے کہ سب میرے حلوے پر ہنسیں!''ثمینہ نے جل کر کہا۔

''نور جہاں کی قسم ثمینہ بی بی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''نزرل نے روتے ہوئے کہا۔

''بس چُپ چُپ! بالکل چُپ!''ثمینہ انگلی دکھا کر بولی۔

''آپ ثمینہ بی بی ہو یا عامر لیاقت!''وہ الجھ کر پوچھ بیٹھا۔

''بابا چُپ!''

ثمینہ جل گئی اور کچن سے نکلی۔ نزرل اپنا ماتھا پیٹنے لگا اور ثمینہ کے پیچھے گیا۔

سب لوگ مزے سے کھانا کھا رہے تھے۔ نزرل بابا بیچارے زین کے پاس جا کر کھڑے ہوئے۔ زین اس وقت کوفتہ چُوس چُوس کے کھا رہا تھا۔

''واہ آنی آنٹی! کیا کوفتہ ہے۔''زین نے کھاتے ہوئے کہا۔

''زین صاحب اسے میں نے بنایا ہے وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔''

نزرل نے بابا خوش ہوکر بتایا اور زین کے منہ سے خوف کے عالم میں کوفتہ نیچے گرا! وہ گھن کھا کر ٹشو نکال کے اپنی زبان صاف کرنے لگ گیا۔

روحیل ایک بار پھر اشرف صاحب کی بینک کی تعریفیں سُن رہا تھا جب کہ سمیرا اس وقت تہمینہ بیگم اور ثمینہ سے باتوں میں لگی ہوئی تھی۔ جلد ہی کھانا کھا کر وہ واپس صوفوں پر آ کر بیٹھے اور آخرکار باری آئی اُس زہریلے حلوے کی جو ثمینہ سب کو کھلانے والی تھی۔ ثمینہ ڈش میں حلوہ لے کر لاونج میں آئی۔ نزرل بے بسی کے عالم میں چلتا ہوا آیا۔ اُس کے ہاتھ میں چمچیاں اور پیالے تھے۔

ثمینہ بیٹھی اور خوش ہوکر کہنے لگی۔

''ہاں جی یہ میں نے بنایا ہے۔ اور نزرل بابا نے میری کوئی مدد نہیں کی!''

''یہ بالکل سچ کہہ رہی ہیں۔'' نزرل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''پہلے کون کھائے گا؟'' ثمینہ نے سب کو دیکھ کر پوچھا اور وہ سب ایک دوسرے کا چہرا دیکھنے لگے۔

''حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ جل کر بولی اور سب ہنس پڑے۔

''بتائیں نا کون کھائے گا؟'' ثمینہ نے تنگ آ کر پوچھا۔

''میں کھاوں گا! ویسے بھی میں منگل والے دن حلوہ بہت شوق سے کھاتا ہوں......'' زین نے آگے بڑھ کر کہا۔

''ثمینہ اسے اب پیٹ بھر کے کھلاو۔''

تہمینہ بیگم نے چڑ کر کہا اور ثمینہ نے تھوپ کر حلوہ دیا۔ زین مزے سے حلوے کو دیکھنے لگا۔

''آہ!......چمچ ملے گا؟''

''جی جی یہ لیں۔'' ثمینہ اُسے چمچی دے ہی رہی تھی کہ ایسے میں نزرل زین کے پاس آیا اور خوش ہوکر کہنے لگا۔

''زین صاحب وہ رہنے دیں یہ لیجیے! بڑے حلوے کے لیے بڑا چمچا! مزے سے کھائیے۔'' نزرل بابا نے چمچ اُسے دیا۔

''ہاں ہاں لاو لاو، بھئی میں ابھی سے بتا رہا ہوں کہ حلوہ واقعی بہت اچھا بنا ہے......'' زین نے چمچ لیتے ہوئے کہا۔

''کھا تو لو پہلے۔'' روحیل نے تنگ آ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''باجی آپ بھی لونا۔'' ثمینہ نے سمیرا کو حلوہ نکال کر دیا۔

''بس تھوڑا سا لوں گی۔'' سمیرا نے حلوہ لیتے ہوئے کہا۔

''اوفوہ! زیادہ کھالوگی تو موٹی نہیں ہوجاؤ گی۔'' تہمینہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

ایسے میں زین نے بڑا سا نوالہ لیا اور کھایا لیکن یہ کیا! ایک پل کے لیے اُسے ایسا لگا جیسے اُسے کسی نے نمک کے پہاڑ پر پھینک دیا ہو! جیسے سمندر کا سارا پانی اس حلوے میں آ گیا ہو۔ زین کی آنکھیں باہر کو اُبل پڑیں اور شکل فق ہوگئی۔

''کیسا بنا ہے؟'' ثمینہ نے خوش ہو کر پوچھا اور زین اُسے دیکھنے لگا۔

''اتنا کھاؤ گے تو جواب کیسے دو گے؟''

روحیل نے ہنس کر کہا اور حلوہ نکالنے لگا۔ زین اپنے بھائی کو دیکھ کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

''کیا ہوا؟ اچھا نہیں ہے؟'' ثمینہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ زین حلوہ سٹک گیا اور بولا۔

''بہت بہت اچھا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ ایک دو چمچے اور کھانے لگا۔ زین کی طبیعت خراب ہونے لگی۔

''ایک کام کرو ثمینہ تم زین کو تھوڑا اور حلوہ دو، اسے کچھ زیادہ ہی پسند آ رہا ہے۔'' اشرف صاحب نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور زین دھک سے رہ گیا۔

''جی جی خالو جان، کیوں نہیں۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا اور دو تین مرتبہ حلوہ زین کے پیالے میں ڈالا۔ زین کی آنکھیں نکل آئیں ہونے لگیں۔

''چلو اب کھاؤ مزے سے۔'' اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا اور زین اپنی نانی یاد کرنے لگا۔

''چلیں انھوں نے تو پاس کر دیا اب آپ لوگ بھی بتائیے گا!'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں ہاں بتا دیں گے، ویسے جب یہ تینوں میرے پاس یہاں آئیں تو مجھے لگا کہ شاید مجھے تینوں کو کھانا سکھانا پڑے گا۔ لیکن زارا اور سمیرا دونوں ہی بہت اچھی کُوکنگ کرتی ہیں۔ ماشاءاللہ روٹیاں اور پراٹھے بھی بنا لیتی ہیں۔ ہاں مگر ثمینہ کو ابھی سیکھنا ہے۔'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر ثمینہ کو دیکھ کر کہا۔

''وقت سب سکھا دیتا ہے آنٹی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''یہ تو ہے، جب میں چھوٹی سی تھی تو مجھے بھی کھانا بنانا نہیں آتا تھا۔ میری والدہ بار بار مجھے کہتی کے کب کھانا بنانا سیکھو گی اور میں انھیں یہی جواب دیتی کے وقت سب سکھا دیتا ہے اور آج اشرف باہر کا کھانا کھانا پسند ہی نہیں کرتے، انھیں میرے ہاتھ کا کھانا ہی اچھا لگتا ہے۔'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''بھئی ایک تو مجھے تیزابیت ہو جاتی ہے باہر کا کھا کر اس لیے گھر کا ہی کھانا صحیح ہے۔'' اشرف صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''خالو جان آپ کو تو آپی کے ہاتھ کے پراٹھے بھی بہت پسند ہیں۔''

سمیرا نے مسکرا کر کہا اور حلوہ لینے لگی۔

''ہاں بالکل، زارا ماشا اللہ بہت اچھے آلو کے پراٹھے بناتی ہے۔ روحیل تم کسی دن کھانا یار مزہ آجائے گا۔'' اشرف صاحب نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

ایسے میں زین کی نظر کچن میں نزرل پر پڑی تو وہ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ زین نے چونک کر اُسے دیکھا۔ نزرل نے سفید بورڈ اٹھایا جس پر لکھا تھا: چینی کے بجائے نمک۔

''آہ!!''

زین کے منہ سے اتنی بڑی اُلٹی نکلی کہ کیا سُور یا وِنشم میں امیتابھ بچّن کی خون کی اُلٹی نکلی ہوگی...... وہ سب اُچھل پڑے! سمیرا کے ہاتھ سے حلوہ گرا! اور روحیل حیران ہوکر اپنے بھائی کو دیکھنے لگا۔ زین کسی مچھلی کی طرح زمیں پر تڑپ رہا تھا۔

''ارے ارے زین کیا ہوا!'' سب نے پوچھا پر وہ تڑپتا رہا!

''یہ یہ کیا ہوا اسے؟'' اشرف صاحب بوکھلا کر بولے۔

''حلوہ؟''

تہمینہ بیگم نے حیران ہوکر کہا اور پلٹ کر سب نے ثمینہ کو دیکھا تو وہ اپنا حلوہ دیکھتی ہوئی نظر آئی۔

☆......☆

زین اسپتال کے بیڈ پر لیٹا ہوا ابھی بھی الٹیاں کر رہا تھا اور سمیرا پریشان اُس کے پاس کھڑی تھی۔ جب کہ ڈاکٹر انکل ہنس ہنس کر اُس کا علاج کر رہے تھے۔

''ممم......ممتاز انکل......آپ......آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟'' زین نے بے حال ہوکر پوچھا۔

''تمھیں کہا کس نے تھا نمک والا حلوہ کھانے کے لیے؟'' ڈاکٹر ممتاز نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''یہی تو میں اس سے پوچھ رہا ہوں انکل! لیکن اسکی ایکٹنگ ختم ہی نہیں ہوتی۔''

روحیل نے تلملا کر کہا۔

''بھائی مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہو!'' زین نے پھر الٹی کی۔

''ہاں روحیل، میرے چھوٹے کو نہیں ڈانٹیں پلیز۔'' سمیرا نے اُسے بچاتے ہوئے کہا۔

''ڈانٹوں نہیں تو اور کیا کروں! زندگی میں اتنا حلوہ نہیں کھایا ہوگا اس نے جتنا آج اُلٹی سے نکال دیا......'' روحیل نے جل کر کہا۔

''اُسے حلوہ تو مت کہیں پلیز۔'' سمیرا نے ہنس کر کہا۔

''زہر تھا زہر!'' زین روتے ہوئے بولا۔

''تو مر جاتے نا! زندہ کیوں ہو؟'' روحیل تلملا گیا۔

''بھائی! آپ بھائی ہو؟ آپ بھائی نہیں ہو! آپ جلاّ د ہو جلاّ د!'' زین نے روتے ہوئے کہا۔

''ممتاز انکل یہ بچ جائے گا؟'' روحیل نے تنگ آ کر پوچھا۔

''اما کچھ نہیں ہوا اسے، بس اس کے ذہن میں نمک کا ذائقہ بیٹھ گیا ہے، دو چار میٹھے کپ کیک مس گاے ہیں زبان کا ٹیسٹ صحیح ہو جائے گا۔'' انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بس ٹھیک ہے، چلو سمیرا ہم چل رہے ہیں۔'' روحیل نے سمیرا کا ہاتھ تھاما اور نکلا۔

''بھائی! مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاو!'' زین نے روتے ہوئے کہا۔

''اکیلے کہاں ہو؟ یہ ہے نا ممتاز انکل! ان کے ساتھ رہو۔ انکل اسے گھر پر چھوڑ دیجیے گا۔'' روحیل نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں ہاں چھوڑ دوں گا تم لوگ جاو۔'' ممتاز انکل ہنس کر بولے۔

''چلو سمیرا۔''

روحیل نے سمیرا کا ہاتھ تھاما اور باہر نکلا۔ سمیرا ہکاّ بکاّ سی باہر نکل گئی جب کہ زین انھیں پُکارتا رہا۔

''بھائی؟ بھابھی! بھابھی!''

''اما چھوڑو انھیں تم یہ کیک کھاو!''

ممتاز انکل نے اُس کے سامنے کیک کیا اور زین کہ منھ میں پانی آ گیا، بڑی مشکلوں سے اس نے پوچھا: ''اس میں نمک تو نہیں ہے نا؟''

زین کا یہ پوچھنا تھا کہ ڈاکٹر ممتاز منھ بنا کر اُسے دیکھنے لگے۔

☆......☆

سمیرا کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت سمندر کی لہروں پر چل رہی تھی اور مستقل ہنسے جا رہی تھی۔ جب کہ روحیل اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں سمیرا کے سینڈلز تھیں۔

''اُفف توبہ!......ایسا زہریلا حلوہ زین نے کبھی نہیں کھایا ہوگا!'' سمیرا نے چہرے پر ہاتھ رکھ کے ہنستے ہوئے کہا۔

''پاگل ہے ایک نمبر کا۔'' روحیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ثمینہ کی شکل دیکھنے والی تھی جب زین اُچھل کر زمین پر گرا! ایسا لگ رہا تھا جیسے مچھلی تڑپ رہی ہو!'' سمیرا نے ہنس کر کہا اور بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''تو ثمینہ کو پتا نہیں چلا کہ نمک کی جگہ چینی ڈال دی ہے؟'' روحیل نے بھی ہنستے ہوئے پوچھا۔

''کیا بول رہے ہیں نمک کی جگہ چینی؟''سمیرا نے ہنس کر روحیل کی غلطی پکڑی اور کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''اوہ سوری لگتا ہے میں بھی ثمینہ ہو گیا ہوں۔'' روحیل نے سر کھجا کر کہا اور سمیرا پھر ہنسی۔

''تمھیں تو ہنسی کا اٹیک آ گیا ہے۔''روحیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اُفف اتنا مزہ آیا نا روحیل اُفف میرے پیٹ میں تو بل پڑ رہے ہیں......''

سمیرا نے جھومتے ہوئے کہا اور روحیل اُسے مسکرا کر دیکھنے لگا۔

''ویسے اگر ثمینہ یہ کہہ دے کہ سمندر کا پانی اس نے بنایا ہے تو زین اس میں بھی چائے کی پتّی ڈال کر پی جائے۔''روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''اور پھر الٹی کرے گا......''

سمیرا نے ہنس کر کہا اور پھر دیوانوں کی طرح ہنسنے لگی۔روحیل ہنس کر اُسے دیکھنے لگا۔

''ہمارے لاہور والے محلے میں نا ایک آنٹی رہتی تھیں،سب بجیا کہہ کر پُکارتے تھے انہیں۔ہر وقت اُن کا اپنے شوہر سے جھگڑا ہوتا رہتا۔پُورا محلہ ان کے جھگڑے کو سُنا کرتا تھا۔''سمیرا نے مزے سے بتایا۔

''پھر؟''روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''ایک دن بجیا کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے جمال انکل کی چائے میں چینی کے بجائے نمک ڈالا!''سمیرا نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اوہ! اُن کا بھی زین والا حال ہوا؟''روحیل نے ہنس کر پوچھا۔

''بہت بُرا! الٹیاں تو لگی ہی لگیں بیچارے کو بلڈ پریشر بھی شروع ہو گیا لیکن بجیا خوش ہو گئیں۔''سمیرا نے ہنس کر کہا۔

''میری سمجھ نہیں آتا کہ لوگ ایسی شادی کیسے گزار لیتے ہیں۔''روحیل نے چلتے ہوئے کہا۔

''پیار تھوڑی نا کرتے تھے لیکن ماشااللہ سات بچّے تھے۔''سمیرا نے ہنس کر بتایا۔

''اور جو پیار کرتے ہیں ان کے کتنے ہونے چاہیے؟''روحیل نے الجھ کر پوچھا۔

''سات سے زیادہ۔''سمیرا نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اور ہمارے؟''روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہمارے؟ سات سے کہیں کہیں زیادہ!''

سمیرا معصومیت میں کہہ گئی اور روحیل رُک کر اُسے دیکھنے لگا۔سمیرا کو بھی خیال گزرا کہ وہ کیا کہہ گئی اس لیے ہنس کر نظریں جھکا گئی۔روحیل کے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ آ گئی،خوشی سے اُس کا من کھل اُٹھا۔سمیرا ابھی مسکرائی جا رہی تھی۔تب ہی اس نے روحیل کو دیکھ کر پوچھا۔

''لگتا ہے ہم کافی دُور نکل آئے ہیں، گاڑی کس طرف ہے؟''

''اُس طرف۔''

روحیل نے اشارہ کر کے بتایا اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ چلنے لگی۔ روحیل کا من اس وقت کھل رہا تھا اور وہ بہت خوش تھا۔ جلد ہی وہ گاڑی کے پاس پہنچے۔

''روحیل آپ کی گاڑی گندی ہو جائے گی، میرے پاوں خراب ہو رہے ہیں۔'' سمیرا نے اپنے پاوں دیکھ کر کہا۔

''ارے تو اس میں کیا مسلہ ہے، ابھی حل نکال دیتے ہیں۔''

روحیل نے گاڑی کا دروازہ کھول اور سمیرا کو بٹھایا، اُس کے پاوں اس وقت گاڑی سے باہر تھے۔ روحیل نے پچھلی سیٹ پر سے منرل واٹر کی بوتل نکالی اور سمیرا کے پاوں کے پاس بیٹھا۔

''لاو پاؤں آگے کرو۔''

اس نے پیار سے کہا اور سمیرا نے اپنا نازک سے پاؤں آگے کیے۔ اب روحیل پانی ڈال کر اُس کے پاوں دھونے لگا۔ سمیرا کا سانس رُک گیا اور وہ پیار سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگی۔ کسی چیز کی کمی روحیل کی زندگی میں نہیں تھی لیکن وہ یہاں اس وقت بیٹھا ہوا سمیرا کے پاوں اپنے ہاتھوں سے دھو رہا تھا۔ نجانے کس نیکی کا صلہ روحیل کی صورت میں ملا۔ اُسے اپنی آنی کی باتیں یاد آنے لگیں، واقعی روحیل کی محبت ایک حسین تحفہ تھی۔ سمیرا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آنے لگے۔

دوسری طرف روحیل بے خیالی میں سمیرا کے پاوں دھوئے جا رہا تھا۔ جب اُس کے پاوں دھل گئے تو سینڈل اُٹھا کر اس کو پہنائی۔ سمیرا نے مسکراتے ہوئے سینڈل پہنی۔

"There you go..."۔ روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا نے پاوں گاڑی کے اندر رکھے۔ روحیل نے پانی کی بوتل برابر والے ڈسٹبن میں ڈالی اور پلٹ کر گاڑی کی طرف آیا۔ دروازہ کھول کر سیٹ پر بیٹھا۔

''ہاں جی چلیں؟'' روحیل نے پوچھا اور سمیرا مسکراتی رہی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''مجھے گھر نہیں جانا۔'' سمیرا نے دھیرے سے کہا۔

''اہم پھر؟'' روحیل نے گڑبڑا کر پوچھا اور سمیرا مسکرا کر کہنے لگی۔

''کہیں چلتے ہیں جہاں صرف آپ اور میں ہوں......''

سمیرا کی بات سُن کر روحیل کا دل دھڑک گیا۔ اس نے اپنے لیے سمیرا کے چہرے پر محبت صاف

دیکھی۔سمیرا واقعی اس لمحے محبت میں ڈوبی ہوئی تھی۔روحیل مسکرایا اور کہنے لگا۔

’’چلو......آج کی رات کہیں کھو جاتے ہیں۔‘‘

یہ کہہ کر روحیل نے گاڑی چلائی اور سمیرا اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔اب وہ لوگ شہر گھوم رہے تھے،سمیرا اس لمحے ہنسے جارہی تھی اور مسکرائے جارہی تھی،سمیرا کو خوش دیکھ کر روحیل بھی مسکرا رہا تھا۔جلد ہی وہ ایک مال میں تھے جہاں سمیرا اور روحیل نے بڑی سی کون آئسکریم لی اور اُسے کھاتے ہوئے دونوں مال کی دکانوں کو دیکھنے لگے۔وہاں سے نکلے تو ایک بار پھر سڑکوں پر گھومنے لگے۔سمیرا اپنا ہاتھ باہر نکال کر فضا سے کھیلنے لگی اور روحیل مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔سمیرا اس قدر خوش تھی کہ سارا سما حسین ہو رہا تھا۔ روحیل کا من اس لمحے کھلا ہوا تھا اور وہ مسکرا مسکرا کے گاڑی چلاتا رہا۔ایسے میں روحیل کی نظر ایک ریسٹورینٹ پر پڑی جہاں 'غزل نائٹ' کا بورڈ لگا ہوا تھا۔روحیل نے مسکرا کر اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا خیال ہے چلیں؟ سمیرا نے مسکرا کر ہاں میں سر ہلایا۔ جلد ہی گاڑی روک کر وہ دونوں اُترے اور ریسٹورینٹ میں داخل ہوئے۔ ریسٹورینٹ کا مینیجر انھیں ایک خوبصورت سی ٹیبل کی طرف لایا۔دونوں نے دیکھا ایک خوبصورت سی ٹیبل سجی ہے،جس پر موم بتیاں جل رہی ہیں۔مینیجر نے سمیرا کے لیے کُرسی کھینچی اور وہ نزاکت سے کرُسی پر بیٹھی۔ اب اس نے روحیل کو تشریف رکھنے کے لیے کہا اور وہ بھی مسکرا کر بیٹھا۔دونوں نے دیکھا انہی کی طرح کئی جوڑے اس وقت یہاں موجود ہیں اور غزلیں سُن رہے ہیں۔ غزل گائیک اس وقت روحیل کی پسند کی غزل گا رہا تھا اور خوبصورت موسیقی نے سما بنا دیا تھا۔

اپنے ہونٹوں پر سجانا چاہتا ہوں
ہاں تجھے میں گنگنانا چاہتا ہوں

سمیرا مسکرا کر غزل سُننے لگی اور روحیل اُسے کن اکھیوں سے دیکھنے لگا۔وہ جانتا تھا کہ شاعری،نزاکت اور غزلیں سمیرا کا مذہب ہے،اس لیے اُسے وہ یہاں لے کر آیا تھا۔دونوں نے سُنا غزل گائک کہہ رہا تھا۔

تھک گیا میں کرتے کرتے یاد تجھ کو
تھک گیا میں کرتے کرتے یاد تجھ کو
اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں
ہاں تجھے میں گنگنانا چاہتا ہوں

شاعر کے الفاظ روحیل کے دل کی آواز تھے۔اور وہ سمیرا کا چہرا دیکھنے لگا۔واقعی اب وہ اُسے یاد آنا چاہتا تھا،سمیرا اس لمحے چہرے سے بہت خوش تھی اور روحیل مسکرا کر اپنی کامیابی پر فخر کرنے لگا۔غزل گائیک نے کیا خوب کہا۔

آخری ہچکی تیرے زانوں پہ آئے

آخر ہچکی تیرے زانوں پہ آئے

موت بھی میں شاعرانہ چاہتا ہوں

سمیرا نے کن اکھیوں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ واقعی سمیرا کے دل کی خواہش تھی، کہ اتنی حسین زندگی دینے کے بعد سمیرا کا دم نکلے تو اپنے شوہر کی بانہوں میں۔ اُسے اور اپنے رب سے کچھ نہیں چاہیے تھا۔ اُس کا دل اس لمحے روحیل کے پیار سے بھر گیا تھا۔ وہ نازک سی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر اپنے شوہر کو تکنے لگی۔

موت بھی میں شاعرانہ چاہتا ہوں

اپنے ہونٹوں پر سجانا چاہتا ہوں

یہ کہہ کر غزل گائک نے غزل کو اختتام تک پہنچایا اور ہال تالیوں سے گُونج اُٹھا۔ سمیرا اور روحیل بھی تالیاں بجا رہے تھے، دونوں کے دل کی کیفیت ایک ہی تھی، زباں کھو گئی الفاظ خاموش تھے اور لب جیسے سل گئے۔ وہ دونوں خاموش تھے اور اُن کی خاموشی گفتگو کر رہی تھی۔

ایک خوبصورت رات گزار کر وہ قریب رات دو بجے گھر پہنچے۔ روحیل نے اپنی گاڑی پارک کی اور سمیرا ہاتھوں میں سینڈل لے کر گھر کی طرف بڑھی۔ جلد ہی دونوں داخل ہوئے اور سمیرا سب سے پہلے زین کے کمرے کی طرف بڑھی۔

سمیرا نے دھیرے سے زین کے کمرے کا دروازہ کھولا تو زین تکلیف کے عالم میں سوتا ہوا نظر آیا۔ سمیرا کی آنکھوں میں دو آنسو آ گئے۔ وہ آرام سے چلتی ہوئی زین کے پاس آئی۔ روحیل دروازے پر رُک یہ منظر دیکھنے لگا۔ سمیرا نے پیار سے زین کو کمبل اوڑھایا اور اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''میرا بچّہ۔''

سمیرا کے لبوں سے یہ الفاظ سُن کر روحیل سکتے میں آ گیا۔ جس ماں کی کمی زین کی زندگی میں ہمیشہ سے تھی سمیرا نے وہ کمی پُوری کر دی۔ زین کو اس کی ماں مل گئی ......اس قدر پیار اُسے اپنی بھابھی سے مل رہا تھا۔ روحیل کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ سوچنے لگا کہ وہ کامیاب ہو گیا وہ زہرا بیگم کو واپس لے آیا تھا۔

کچھ پل گزرے ہوں گے کہ روحیل ہال میں بیٹھا اپنا گٹار بجانے کی کوشش کر رہا تھا اور سمیرا کچن میں سے کام کرتے ہوئے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ مسکرا مسکرا کر اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔ روحیل کی نظر سمیرا پر پڑی تو اُسے جھٹکا سا لگا۔ سمیرا کی آنکھوں میں اشارہ تھا اور شاید وہ یہ وہ اشارہ تھا

جسے روحیل کو نجانے کب سے انتظار تھا۔

سمیرا لائٹس آف کر کے روحیل کو دیکھتے ہوئے اوپر چلی اور روحیل کو اپنے قدم جمتے ہوئے محسوس ہوئے۔ دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ سمیرا کی نگاہیں بہت کچھ کہہ کر گئیں اور روحیل زندگی میں پہلی بار نروس ہو گیا۔

سمیرا بیڈروم میں گئی اور جلد ہی کلوزٹ میں جا کر اپنے بدن سے کپڑے اُتارنے لگی۔ اب سمیرا کے بدن پر کوئی کپڑا نا تھا اور درودیوار اُسے دیکھ کر دیوانے ہو رہے تھے۔ سمیرا نے کلوزٹ میں سے وہی نائیٹی نکالی جو روحیل نے اُسے سہاگ رات پر تحفے میں دی تھی۔ اس نے مسکرا کر اُس نائٹی کو دیکھا، اس نے اپنے بال کھولے اور زلفوں کو لہرا کر نائٹی کو پہنا۔ سمیرا اب غضب ڈھا رہی تھی، اُس کا حُسن اس وقت آسمانوں سے بات کر رہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی بستر پر آئی اور آدھا لحاف لے کر اپنے شوہر کا انتظار کرنے لگی۔ اُس کے گورے پستان اس وقت ظاہر ہو رہے تھے اور وہ انتہائی دلکش لگ رہی تھی۔ اس لمحے اُس کا دل دھڑک رہا تھا۔

دوسری طرف روحیل بیڈروم کے باہر کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ اندر جائے کے نہیں؟ روحیل کے ماتھے پر پسینہ تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے، کیا وہ اندر جا کر سمیرا کو اپنی بانہوں میں لے یا اس کی مرضی کا انتظار کرے؟ وہ اس وقت شدید الجھن کے عالم میں اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ روحیل کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ سمیرا نے پلٹ کر گھڑی کو دیکھا، دس منٹ سے زیادہ ہو چکا تھا لیکن روحیل کمرے میں داخل نہ ہوا۔ وہ مایّوس ہونے لگی۔

روحیل گھڑی دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ سمیرا واقعی اُسے اپنے پاس بُلا رہی ہے؟ یا محض اُس کا وہم ہے؟ وہ سوچنے لگا۔

سمیرا گھڑی کو دیکھتی رہی اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ دو منٹ ہی لگے ہوں گے کہ سمیرا کی آنکھ لگ گئی۔

ہمّت کر کے وہ کمرے کے دروازے پر گیا اور گہرا سانس لے کر دروازہ کھولا۔ روحیل دھیرے سے اندر داخل ہوا اور آہستہ سے چلتا ہوا بستر کی طرف آیا۔ اس نے دیکھا...... سمیرا سر سے لے کر پاوں تک لحاف لے کر گہری نیند سو رہی ہے۔ روحیل کے لبوں پر ایک اُداس مسکراہٹ آ گئی اور وہ اندر آ کر واپس اپنے کاوچ پر لیٹ گیا۔ سمیرا کو ایک نظر دیکھ کر روحیل نے اپنے دیوانے دل کو سمجھایا کہ ابھی کچھ وقت ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار پھر وہ سمیرا کی محبت سے محروم تھا۔

☆......☆

گرم دن، گہما گہمی اور شور شرابا۔ یہ کراچی کا ہمیشہ کا ماحول تھا۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف، کسی کو کسی کی پرواہ نہیں۔ سڑکوں پر بسیں چل رہی ہیں اور ٹیکسیاں، رکشے دوڑ رہے ہیں۔ کوئی کام کے لیے جا رہا ہے تو کوئی کسی اپنے سے ملنے کے لیے پہنچا ہوا ہے۔ ڈھابے ہر وقت بھرے پڑے ہیں، لوگ چائے کے اس قدر شوقین ہیں کہ بس۔ ایر پورٹ پر جہاز اُتر رہے ہیں اور اُڑ رہے ہیں۔ بازار کھچا کھچ بھرے ہوئے، دفاتر اور سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئیں۔ کوئی رزقِ حلال کی تلاش میں تھا تو کوئی کہیں فراڈ کرنے کی کوشش میں مصروف رہا۔

اسی گرم دن کی دوپہر کراچی کے ریلوے اسٹیشن پر لاہور سے ایک ٹرین آ کر رُکی اور لوگ اُترنے چڑھنے لگے۔ اسی ہجوم کے درمیاں ایک شخص پھٹے پُرانے کپڑوں میں نیچے اُترا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ سر کے بال بکھرے ہوئے، چہرے پر جھرّیاں۔ شاید اس شخص نے کئی دن سے غسل لیا تھا نہ ہی کھانا کھایا تھا۔ یہ اجنبی شخص شاید اس شہر میں پہلی بار آیا تھا۔ اُس کے چاروں طرف چہرے ہی چہرے تھے لیکن وہ اس ہجوم میں تنہا تھا۔ سب اُس کے لیے اجنبی تھے، کوئی اُسے نہیں جانتا تھا۔ وہ خالی نظروں سے لوگوں کو دیکھتا رہا۔ ایک نظر اٹھا کر سُورج کو دیکھا تو تپش سے جلتا ہوا سُورج اُسے گھورتا ہوا نظر آیا، شاید سُورج بھی اُس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس اجنبی شہر میں اُس کا کیا کام؟ سُورج کے اس سوال کو سہہ کر اُس اجنبی شخص نے گہرا سانس لیا اور کچھ سوچ کر وہ دائیں طرف چلتا چلا گیا۔

☆......☆

''ایک بات کہوں؟''

سعد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے روحیل سے یہ جملے کہے۔ تینوں دوست اس وقت سعد کے گھر پر اُس کے بیڈرُوم میں موجود تھے۔ فہاد مزے سے اس وقت پلے اسٹیشن کھیل رہا تھا۔

''بول۔'' روحیل نے صوفے پر بیٹھے Holsten پیتے ہوئے پوچھا۔

''بُرا مت ماننا روحیل...... مگر مجھے، مجھے نہیں لگتا کہ تُو نے صحیح جگہ شادی کی ہے۔''

سعد نے فکر مند ہو کر کہا۔

''سعد ٹھیک کہہ رہا ہے روحیل، مجھے بھی نہیں لگتا کہ یہ شادی صحیح ہے۔'' فہاد نے گیم کھیلتے ہوئے کہا۔

''اور ایسا کیوں لگ رہا ہے تم لوگوں کو؟'' روحیل نے الجھ کر پوچھا۔

''دیکھو یار، خوبصورتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ میں مانتا ہوں کہ سمیرا بھابھی بہت خوبصورت ہیں اور سیرت کی بھی اعلیٰ ہیں۔ اور تو اور وہ تیری والدہ سے بھی ملتی ہیں۔ لیکن شادی بہت مشکل چیز ہے یہ اتنی آسان نہیں۔ صرف ان دو چیزوں سے شادی نہیں چل سکتی۔ ماحول کا ایک ہونا، رہن سہن، ایک ہی مینٹل

اسٹینڈرڈ ہونا بہت ضروری ہے۔'' سعد نے اُسے سمجھایا۔

''میں تائید کرتا ہوں، جو تم نے آخری بات کہی ہے نا وہ بات سو فیصد درست ہے۔ مینٹل انڈرسٹینڈنگ۔ روحیل برطانیہ کا پڑھا ہوا ہے، دنیا دیکھی ہے، کئی لڑکیوں کے ساتھ ڈنر پر گیا ہے، پارٹی میں گیا ہے، کلبز میں گیا ہے۔ دوسری طرف سمیرا لاہور کے ایک چھوٹے گھر میں رہنے والی لڑکی تھی۔ اشرف صاحب بھلے آدمی ہیں لیکن ان کے اور ہمارے ماحو میں زمین و آسماں کا فرق ہے۔''

فحاد کہتا چلا گیا۔

''اور یہی زمین و آسماں کا فرق تم دونوں کے بیچ آ رہا ہے۔'' سعد نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا اور روحیل سوچنے لگا۔

''اب تُو ٹھہرا ماڈرن لڑکا، تو ایسا انسان نہیں ہے کہ بیوی کی مرضی کے بنا ہی شروع ہو جائے، تُو کوئی گاؤں دیہاتی تو ہے نہیں کہ بس گھر آیا اور بیوی کے ساتھ شروع۔ تجھے پتا ہے ماحول کیا ہوتا ہے، طریقہ کیا ہوتا ہے Foreplay کسے کہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف سمیرا بھابھی بھولی بھالی you know ایک ایسے ماحول سے ہیں جہاں ان سب چیزوں پر زیادہ فوکس نہیں ہوتا اس لیے وہ گھبراتی ہیں پریشان ہوتی ہیں اسی وجہ سے تُو ابھی تک کنوارہ ہے میرے بھائی۔'' سعد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اچھا؟ تو تم لوگوں کے مطابق مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' روحیل نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''میرے خیال سے زیادہ ماحول بنانے کی کوشش مت کر! بس اپنا کام کر دے کسی رات۔ اندر جا، کام کر اور باہر آ کر باغ میں مسواک کر!'' فحاد نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''یہ تُو نے کہاں دیکھا؟'' سعد نے چونک کر پوچھا۔

''ابے یار! ہمارا پُرانا فلیٹ تھا نا تو میں اکثر بالکونی میں ہوتا تھا۔ سامنے غریبوں کی جگّیاں بنی ہوئی تھیں وہاں یہ رومانس ہوتے ہوئے دیکھا تھا ایک بار۔'' فحاد نے منہ بنا کر کہا۔

''واہ رے بھائی! مطلب لائیو!'' سعد نے ہاتھ چلا کر کہا۔

"Exactly"۔ فحاد نے چٹکی بجا کر کہا۔

''روحیل تجھے کچھ سمجھ آ رہا ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' سعد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''تو تم دونوں سمجھتے ہو کہ میں نے سمیرا سے شادی کر کے غلطی کی؟''

روحیل نے اُن دونوں کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں۔''

انھوں نے ایک ساتھ کہا اور روحیل سوچنے لگا۔ دو پل ٹھہر کر وہ اُٹھا اور کھڑکی کی طرف چلا۔ سعد اور فحاد

ایک دوسرے کو دیکھ کر روحیل کو دیکھنے لگے۔فخاد نے جلدی سے اپنا گیم بند کیا اور روحیل کو تکنے لگا۔روحیل کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔اس نے گہرا سانس لیا اور اُس کے لب ہلے۔

’’آج سے بہت سال پہلے بالاج علی کراچی میں اپنا نام اپنا مقام ڈھونڈنے نکلا چھوٹا سا گھر چھوٹا سا باورچی خانہ......ایک الماری جس میں محض ایک سوٹ رکھا ہوا تھا دن بھر کی خاک چھانی اور رات کو پڑھنا اگلے دن وہی ایک سوٹ پہن کر نوکری کی تلاش میں نکل پڑنا......پھر ایک دن آیا ایک عورت نے بالاج علی کے زندگی میں قدم رکھا اُس کا سہارا بنی اس کی دوست بنی جلد ہی دونوں نے اپنے نصیب جوڑ لیے جو تقدیر میں اُس عورت کے پاس تھا وہ اپنے ساتھ لے آیا اور بالاج وہ اپنے دامن میں محبت کے سوا رکھتا ہی کیا تھا......دونوں کی شادی ہوئی...... بالاج علی کی زندگی میں رونق آ گئی اُس عورت نے بالاج علی کے جھونپڑے کو جنّت بنا دیا...... اپنے پیار، اپنی محبت سے اُسنے...... ایک ایک چیز کو سنبھال لیا......اپنی تقدیر میں کیا کچھ نہیں لائی وہ...... بالاج علی ایک عام سا وکیل تھا......، دیکھتے ہی دیکھتے...... پاکستان کا سب سے بڑے وکیل بن گیا......اپنی کامیابی پر...... جب کبھی مسکرا کے پلٹ کے دیکھتا تو وہ عورت کھڑی نظر آتی...... مسکراتی نظر آتی اس کی محبت نے بالاج علی کو وہ بنا دیا جو شاید اُس کے نصیب میں نہیں تھا پھر نجانے کیا ہوا کس کی نظر لگی وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی، بالاج صاحب کی گود میں دو چھوٹے بچّوں کو چھوڑ کر ہمیشہ اپنی آنکھیں بند کر گئی...... بالاج علی نے...... کسی دوسری عورت کا انتخاب نا کیا بلکہ اُن کی سکھائی ہوئی محبت سے دونوں بچّوں کو پالا انھیں بڑا کیا جو سیکھا تھا وہی کیا، وقت گزرتا چلا گیا دونوں چھوٹے بچّے......اب بالاج صاحب کے قد سے اوپر نکل گئے...... باپ بوڑھا ہونے لگا جو ایک مقصد تھا وہ پُورا ہو گیا......لیکن وہ تینوں آج بھی تنہا تھے گھر میں اُس عورت کی کمی آج بھی تھی...... پھر ایک دن اس گھر کے بڑے بیٹے کا ٹکرا و ایک لڑکی سے ہوا وہ لڑکی ہو بہو وہی عورت تھی جو برسوں پہلے اس گھر کو چھوڑ کر چلی گئی تھی بڑے بیٹے نے اُس لڑکی کا انتخاب کیا اور تینوں کو لگا کہ جو عورت انھیں تنہا کر گئی تھی وہ لوٹ آئی ہے......وہ واپس آ گئی ہے اس نے اُسی طرح سب کچھ سنبھال لیا......‘‘

روحیل کہتا رہا اور سعد، فخاد اُسے دیکھتے رہے۔

’’زین جس ماں کے لیے تڑپتا رہا...... وہ ماں زین کو مل گئی بالاج صاحب کا درد سمجھنے کے لیے آج وہ عورت اُن کی بیٹی کے رُوپ میں موجود ہے تم لوگ جس سوسائٹی کی بات کر رہے ہو دراصل بالاج علی...... اُسی سوسائٹی سے ہی نکل کر سیڑھیاں چھڑا ہے اور وہی خون روحیل کے رگوں میں بھی ہے تو کیا ہوا اگر سمیرا اُسے اُس حد تک پیار نہیں کرتی تو کیا ہوا اگر روحیل کو یہ موقع نا ملا کہ وہ اُس سے محبت کر سکے...... برسوں سے وہ عورت جو گھر کا راستہ بھول گئی تھی وہ پلٹ آئی ہے......اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور بھلا کیا ہو سکتی

ہے۔‘‘

روحیل نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہتا گیا اور نظریں جھکا گیا۔ سعد اور فخاد سر جھکا کر سوچنے لگے۔

’’تو یہ کہنا کہ سمیرا سے میرا شادی کرنا غلط ہے میں نہیں مان سکتا سچ پوچھو تو میری شادی سمیرا کے علاوہ کسی اور سے ہو ہی نہیں سکتی تھی کیوں کہ سمیرا میرے لیے بنی ہے جیسے زہرا بالاج علی کے لیے بنی تھی سمیرا میرے لیے بنی ہے۔‘‘

روحیل نے مضبوط لہجے میں یہ جملے کہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سعد تڑپ کر اُٹھا اور اُس کے پاس آیا۔

’’اوئے! دل چھوٹا مت کر میرے یار میں مان گیا سمیرا ہی بالاج علی کے گھر کی اصل حقدار ہے......‘‘ سعد نے یقین کے ساتھ کہا۔

’’ہاں روحیل اور مجھے یقین ہے کہ تجھے تیرے حصے کی محبت ضرور ملے گی۔‘‘

فخاد نے بھی جذباتی ہو کر کہا۔ روحیل اُداس مسکراہٹ اپنے لبوں پر لے آیا اور دونوں کے شانے تھام کر بول پڑا۔

’’تھینکس یارو......‘‘

یہ کہہ کر وہ تینوں گلے لگ گئے۔

☆......☆

رات کے وقت آصف بستر پر بیٹھا اپنا فون استعمال کر رہا تھا۔ ایسے میں زارا اندر داخل ہوئی تو اُس کے ہاتھ میں دھلے ہوئے کپڑے تھے۔ خاموشی سے وہ کپڑے الماری میں رکھنے لگی۔ جلد ہی اس کام سے فارغ ہوئی تو اپنے بال کھول کر بستر پر بیٹھی۔

’’تھک گئی......‘‘

زارا کے منھ سے تھکن کے عالم میں نکلا۔

’’کیا ہوا جان؟‘‘ آصف نے پیار سے پوچھا۔

’’سر میں بہت درد ہو رہا ہے، آج الٹی بھی ہوئی ہے۔‘‘ زارا نے تھکن کے عالم میں کہا۔

’’تو بیگم آپ کو کون کہتا ہے کہ اتنا کام کریں؟‘‘ آصف مسکرا کر اپنی بیوی کے پاس ہوا۔

’’آصف میرے لیے گھر کے کام کام نہیں، زندگی ہے لیکن ہاں آج تھوڑی تھکن سی ہو رہی ہے۔‘‘ زارا نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

’’اس کا مطلب آج آپ کو آرام کرنے دیا جائے؟‘‘ آصف نے پاس آ کر کہا۔

''اچھا؟ اتنے شریف ہیں آپ کہ بنا کچھ کیے چھوڑ دیں گے؟''

زارا نے مسکرا کر کہا اور آصف ہنسنے لگا۔

''ہاں تھوڑا بہت تو چلتا ہے۔''

''مجھے پتا تھا۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''ویسے قصور میرا نہیں ہے، تمھارا ہے۔'' آصف نے پیار سے اپنی بیگم کو دیکھ کر کہا۔

''میں نے کیا کیا؟'' زارا نے مسکرا کر پوچھا۔

''بلکہ میں تو کہتا ہوں سارا قصور تمھارا ہے۔'' آصف نے منھ بنا کر کہا۔

''اچھا جناب؟ وہ کیسے؟'' زارا نے آنکھیں نکالیں۔

''تم اتنی خوبصورت ہوتی نہ ہم اتنے دیوانے ہوتے...... یہ آنکھیں یہ بال یہ ہونٹ۔'' آصف نے رومانوی ہو کر کہا۔

''اور میری ناک!'' زارا نے ناک پر انگلی رکھی۔

''اور تمھاری ناک۔''

آصف نے ہنس کر یہ جملے کہے اور زارا بھی ہنس پڑی۔ جلد ہی دونوں ایک دوسرے کی بانہوں میں تھے۔ ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ آصف اور زارا دونوں چونکے۔ زارا نے اٹھ کر دوپٹّہ سر پر لیا اور جا کر دروازہ کھولا۔ باہر دیکھا تو شفیق صاحب گاون پہنے کھڑے نظر آئے۔

''بہو بیگم کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟''

''ڈیڈی یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، آیئے نا۔'' زارا نے پیار سے کہا اور شفیق صاحب اندر آئے۔

''السلام علیکم ڈیڈی۔'' آصف نے اٹھ کر کہا۔

''بیٹھو بیٹھو بھئی میں تو بس ایک مشورہ لینے آیا تھا۔'' شفیق صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی جی حکم۔'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''وہ کیا نام ہے اُس کا ہمارے بھانجے کا؟'' شفیق صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''روحیل؟'' آصف نے نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں روحیل، یار وہ اس کی شادی اتنی گہما گہمی میں ہوئی کہ پتا ہی نہیں چلا۔ ہم نے اس کی شادی کی دعوت نہیں کی۔'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں ڈیڈی یہ بات تو ہے۔'' آصف نے ہاں میں سر ہلایا۔

''تو میں سوچ رہا تھا کہ اس اتوار کو دعوت رکھ لیتے ہیں۔'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔

”یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔“ زارا نے خوش ہو کر کہا۔آصف نے بھی سر ہلایا۔

”ہے نا؟ میں تو کہتا ہوں......“

”واہ! شاباش! میرا آئیڈیا چُرا کر بچّوں سے ڈسکس بھی کر لیا؟“

شکیلہ بیگم نے اندر آ کر آتے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

”ارے بھئی ابھی تو میں نے سرسری ذکر کیا ہے بس۔“ شفیق صاحب نے آنکھ مار کر کہا۔

”سب سمجھتی ہوں میں، میرے بنا پلاننگ بھی شروع......“ شکیلہ بیگم نے منھ بنا کر کہا اور آ کر بیٹھیں۔

”کوئی بات نہیں امی اب آپ کوئی مشورہ دیں ہم اُس پر عمل کرتے ہیں۔“ زارا نے مسکرا کر کہا۔

”میں کہہ رہی ہوں کے اچھے سے ہوٹل پر چلتے ہیں۔شیراٹن، مووِن پک۔“

انھوں نے انھیں دیکھ کر کہا۔

”اہم......میرے خیال سے نہیں امّی۔“ آصف نے سوچتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ انھوں نے پوچھا۔

”امّی، پھپا صاحب نجانے کتنے ہوٹلز پر گئے ہیں میٹنگز کے لیے، ہوٹل ان کے لیے نئی بات نہیں ہے۔اُس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ انھیں گھر پر بُلا کر آرام کرایا جائے۔“ آصف نے تجویز پیش کہا۔

”میں بھی یہی کہنے والا تھا، میں چاہتا ہوں بالاج سکون سے بیٹھے، باتیں شاتیں کرے ہوٹل پر تو یہی ہوگا کے بل دیا اور گھر کو چلے۔“ شفیق صاحب نے ہاتھ چلا کر کہا۔

”لیکن گھر پر ہم خواتین پھس جاتی ہیں۔زارا دن بھر کام کرتی ہے، دعوت گھر پر کی تو وہی باورچی خانے کے چکّر۔تھوڑا ہم بھی تو گھر سے باہر نکلیں۔“ شکیلہ بیگم نے اعتراض کیا۔

”امی باہر ہم لوگ کبھی بھی چلدیں گے۔چلیں کل چلتے ہیں، کل ہم لوگ باہر ہی کھانا کھائیں گے۔ لیکن دعوت کا مزہ گھر پر ہے۔“ آصف نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

”میرے خیال سے گھر پر ٹھیک ہے، میں کھانا بنالوں گی اور ساتھ ساتھ میٹھا بھی۔“ زارا نے سب کو دیکھ کر کہا۔

”اور آپ سے کس نے کہا کھانا بنانے کے لیے؟“ شفیق صاحب نے زارا کو چھیڑا۔

”کیا مطلب؟“ زارا نے چونک کر پوچھا۔

”ہم باہر سے کیٹرنگ کرائیں گے۔کھانا، میٹھا سب کچھ۔صرف چائے گھر کی ہونی چاہیے۔“ شفیق صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں یہ صحیح ہے، کم از کم ہم خواتین گھر کے کاموں سے فارغ ہوں گی۔“ شکیلہ بیگم نے تائید کی۔

''ہاں ہاں برتن، ویٹر، کھانا سب کچھ باہر سے ہوگا۔گھر میں کچھ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔''شفیق صاحب نے سب کو دیکھ کر کہا۔

''ڈیڈی صرف چار لوگوں کو لیے باہر سے کھانا؟'' آصف نے الجھ کر پوچھا۔

''چار کیوں، اشرف صاحب کو بھی کہیں گے وہ بھی اپنا پُورا گھر لے کر آئیں۔وہ کیا نام ہے اُس لڑکے کا؟''شفیق صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کوثر بھائی۔''زارا نے مسکرا کر نام بتایا۔

''ہاں کوثر کو بھی لے آئیں۔ بہت دن ہوئے ہم سب ساتھ نہیں بیٹھے۔''شفیق صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''بہترین ہوگیا، میں کل ہی فون کر دیتا ہوں سب کو۔'' آصف نے خوش ہو کر کہا۔

''بس سیٹ ہوا، مزہ آئے گا۔''

شفیق صاحب نے خوش ہو کر کہا ایسے میں نتاشہ چلتی ہوئی آئی اور بولی۔

''امی میں بور ہو رہی ہوں، کوئی پارٹی ہی رکھ لیں۔''

اس کی بات سُن کر وہ سب ہنس پڑے!

☆......☆

''خان بابا چائے کو دیکھیں اُبل نہ جائے۔''

صبح صبح سمیرا نے جلدی جلدی ناشتہ تیار کرتے ہوئے کہا اور خان بابا پلٹ کر چائے دیکھنے لگے۔گھر کے نوکر بھی اس وقت چُست ہوئے تھے اور جلدی جلدی سب کام میں ہاتھ بٹا رہے تھے۔

''سلطان! سلطان؟''سمیرا نے آواز دی۔

''جی باجی؟''سلطان نے دوڑ کر آیا۔

''سلطان آج باغ میں پانی تم ڈالنا، مالی نے چھٹی کر لی ہے۔کہ رہا تھا طبیعت خراب ہے۔''سمیرا نے ناشتہ بناتے ہوئے کہا۔

''ہاں باجی وہ اس کو پتھری ہوگئی ہے۔''سلطان نے خوش ہو کر بتایا۔

''میں نے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ جو کہا ہے وہ کرو۔''سمیرا نے جھلّا کر کہا۔

''جی باجی۔''

سلطان نے جلدی سے کہا اور پلٹ کر چلا۔سمیرا ناشتے کی ٹرے لے کر ٹیبل کی طرف بڑھی تو بالاج صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے جب کہ زین بیٹھا موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔

''سوری بابا آج دیر ہوگئی۔''

سمیرا نے ٹرے رکھ کر کہا اور زین کے ہاتھ سے موبائل لے کر ٹیبل پر رکھا۔

"What Da!"۔ زین کے منہ سے نکلا۔

''اِٹس اوکے بیٹا! کوئی مسلہ نہیں۔'' بالاج صاحب نے پیار سے کہا۔

''زین ناشتہ کرو۔'' سمیرا نے اُسے ڈانٹا۔

''یہ میرا انڈہ اتنا اُداس کیوں ہے؟'' زین نے انڈے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کے شیئرز گر گئے ہوں گے۔'' بالاج صاحب نے ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔

''انڈے کے ہاہاہا۔'' زین ہنسنے لگا۔

''چُپ! ناشتہ کرو جلدی سے۔'' سمیرا نے اُس کے سر پر ہاتھ مارا اور وہ چُپ ہوگیا۔

''تمھیں آج کلاس لینے بھی جانا ہے۔'' سمیرا نے جلدی سے کہا۔

''ہاں میں تو بھول ہی گیا۔'' زین نے سوچتے ہوئے کہا۔

''سمیرا؟ سمیرا؟''

ایسے میں اوپر سے روحیل کی آواز آئی۔

''آئی!'' سمیرا نے زور سے جواب دیا اور اوپر کی طرف چلی۔ سمیرا کے جانے کے بعد بالاج صاحب نے ایک نظر اپنی بہُو کی طرف دیکھا اور پھر اپنے چھوٹے سے مخاطب ہوئے۔

''زین تم نے ایک کام کرنا ہے؟''

''جی پوپس؟'' زین انھیں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''بھابھی کا پاسپورٹ بنانا ہے، اوکے؟'' انھوں نے ناشتے کرتے ہوئے کہا۔

''بھابھی کا پاسپورٹ نہیں ہے؟'' زین نے ناشتہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ روحیل بزی ہے تو بہتر ہے کہ تم یہ کام کرو۔ جیسے ہی پاسپورٹ کا کام ہوگا اُس کے بعد سمیرا کا ویزا لگوانا ہے۔ بہتر ہے میاں بیوی دونوں یورپ گھوم آئیں۔'' بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''میرا کیا ہوگا پوپس؟'' زین نے منہ بنا کر کہا۔

''تم کیوں کباب میں ہڈّی بن رہے ہو؟'' انھوں نے مسکرا کر پوچھا۔

''پوپس ہڈّی نہیں بن رہا۔ بھائی اور بھابھی اگر فرانس میں ہوں گے تو میں جرمنی چلا جاؤں گا، وہ جرمنی آئیں گے تو میں فرانس۔ لیکن یورپ میں بھی جاؤں گا۔'' زین نے انگلی دکھا کر کہا۔

''اچھا بابا ٹھیک ہے، تمھارا بھی ویزہ renew ہو جائے گا۔'' بالاج صاحب نے سر پکڑ کر کہا۔

"You're the best Pops!"

زین نے خوش ہو کر کہا اور ناشتہ کرنے لگا۔ بالاج صاحب اپنے چھوٹے لاڈلے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

☆......☆

سمیرا چائے کی ٹرے لے کر اوپر پہنچی تو روحیل ٹائی لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اوہ میں بھول گئی آپ کو ٹائی باندھنی نہیں آتی......''

سمیرا نے ٹرے رکھی اور دوڑ کر روحیل کی ٹائی باندھنے لگی۔ روحیل اپنی آستینوں کے بٹن لگانے لگا۔

''سنیے۔'' اس نے پیار سے کہا۔

''کہو۔'' روحیل نے پوچھا۔

''واپسی پر دہی لیتے آئیں گے؟ کچھ اور بھی چاہیے۔'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''سمیرا میں بارہ لا فرمز کا پارٹنر ہوں اور تم مجھے دہی لینے بھیج رہی ہو؟ گھر پر سلطان ہے اُسے بھیجو......'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''نہیں۔ جو مجھے چاہیے وہ میں آپ سے منگواؤں گی سلطان کو نہیں کہوں گی۔'' سمیرا نے خفا ہو کر کہا۔

''اچھا بابا اوکے۔ آج میں سمجھ گیا کہ بندا جتنا بھی بڑا بن جائے بیوی کے سامنے اس کی ایک نہیں چلتی۔'' روحیل نے سر ہلا کر کہا اور سمیرا مسکرانے گی۔ ایسے میں روحیل کا موبائل بجا اور اس نے اپنے موبائل پر نام پڑھا۔

"Asif Calling"۔

روحیل کے منھ سے نکلا اور فون اٹھایا۔

''ہیلو؟......''

''السلام علیکم جناب!'' آصف کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

''وعلیکم سرکار کیا حال ہیں؟'' روحیل نے بھی ہنس کر پوچھا۔

''بس ٹھیک ٹھاک، بات ہو سکتی ہے؟ بزی تو نہیں ہو؟'' آصف نے پوچھا۔

''نہیں نہیں بولیے سرکار کیا حکم ہے؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''یار سب سے پہلے تو معذرت کے آپ کی شادی کی دعوت اتنی لیٹ ہوگئی، دوسری بات یہ ہے اس اتوار کو ڈیڈی نے آپ کی شادی کی دعوت گھر پر رکھی ہے۔'' آصف نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''ارے بھئی اسکی کیا ضرورت ہے ہم ویسے ہی کھانا کھانے آجائیں گے، ویسے بھی کافی دن ہوئے زارا کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''لو تم خود بول دو! ساتھ ہی بیٹھی ہیں۔'' آصف نے ہنس کر کہا اور زارا کو فون دیا اور زارا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام کیسی ہو زارا؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''بالکل ٹھیک، میں کہہ رہی تھی کے کھانے پر تو انھوں نے بُلا لیا، آج سمیرا کو چائے پر لے کر آجاو شام میں؟......'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''یار بالکل آجاتے لیکن آج شام میری میٹینگز ہیں اس لیے نہیں آسکیں گے۔''

روحیل نے منھ بنا کر بتایا۔

''اور ہماری بہن کدھر ہیں؟'' زارا نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ تو مجھ سے بھی زیادہ بزی رہتی ہے، فی الحال میرے پیچھے ہی ہے۔'' روحیل نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سمیرا بستر صحیح کرتی نظر آئی۔

''بات کراو ذرا۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''سمیرا لو فون لو۔'' روحیل نے سمیرا کو دیکھ کر موبائل آگے کیا۔

''کون ہے؟'' سمیرا نے آکر آہستہ سے پوچھا۔

''زارا۔'' روحیل نے جواب دیا اور سمیرا نے فون لیا۔

''ہیلو آپی؟''

''کیا حال ہیں کیسی ہو؟'' زارا نے خوش ہو کر پوچھا۔

''بہت اچھی ہوں آپی آپ کیسی ہیں؟'' سمیرا نے بھی خوش ہو کر پوچھا۔

''میں بھی بس ٹھیک ہی ہوں۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''آواز سے تو تھکی تھکی لگ رہی ہیں؟'' سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں......بس اب تم تیّاری کرو۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''کس بات کی؟'' سمیرا نے الجھ کر پوچھا۔

''آنی بننے کی!'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''ہاہ! سچ؟'' سمیرا خوشی سے پھولی نا سمائی۔

''ہاں، دوتین دن سے چکّر آرہے تھے، پر ہمارے بھوندوں میاں جی کو سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا معاملہ ہے۔ امی اور آنی لے کر گئے اسپتال۔ وہاں ڈاکٹر نے بتایا کہ Two Weeks Pregnancy ہے۔'' زارا نے مسکرا کر بتایا۔

''آپی! میں بیان نہیں کرسکتی کہ میں کتنا خوش ہوں۔'' سمیرا نے خوش ہو کر کہا۔

''تم لوگ آرہے ہونا اتوار کو! پھر خوب ساری باتیں کریں گے بیٹھ کر۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''بالکل ٹھیک ہے، ہم ضرور آئیں گے۔'' سمیرا نے خوش ہو کر کہا۔

''اچھا چلو خیال رکھنا، اللہ حافظ۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''اللہ حافظ۔''

سمیرا نے خوش ہو کر فون رکھا۔ روحیل پیچھے کھڑا چائے پی رہا تھا۔

''روحیل آپ کو پتا ہے؟ آپی پریگننٹ ہیں۔'' سمیرا نے خوش ہو کر بتایا۔

''اچھا؟ چلو اچھا ہے ان کے لیے۔'' روحیل نے خشک لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا؟ آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''نہیں میں خوش ہوں ہاں بھنگڑا نہیں ڈال رہا کون سا ہمارے ہاں کچھ ہو رہا ہے۔''

روحیل کے جملے سُن کر سمیرا دھک سے رہ گئی۔ اپنی بات کہ کر روحیل کمرے سے نکلتا چلا گیا اور وہ کھڑی سوچتی رہ گئی۔ ایک لمحے میں ہی سمیرا واپس اپنے اندھیروں میں چلی گئی۔ روحیل ایک بہت بڑی بات کہہ کر چل پڑا تھا۔

☆......☆

'''اٹھا لے! اٹھا لے! اٹھا لے!......''

یہ زین کے موبائل کی رنگ ٹون تھی، زین جلدی سے آیا اور فون اٹھایا۔

''ہیلو؟'' زین نے فون اٹھا کر کہا۔

''کون؟......''

دوسری طرف سے ثمینہ کی آواز سُن کر زین بُری طرح چونکا۔

''ارے آپ! وہ بھی ہمارے موبائل فون پر!'' زین نے حیران ہو کر کہا۔

''کیوں میں آپ کو فون نہیں کرسکتی؟'' ثمینہ نے چڑ کر کہا۔

''اجی بالکل کرسکتی ہیں لیکن بس ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ کہاں آپ کی کال اور کہاں اس غریب کا فون۔'' زین نے مسکرا کر کہا۔

’’کچھ جمع نہیں۔‘‘ ثمینہ نے جل کر کہا۔

’’ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔‘‘ زین عجیب سا ہو گیا۔

’’وہ...... میں نے...... آپ سے کچھ کہنا تھا...... اس لیے فون کیا ہے۔‘‘ ثمینہ نے گڑبڑا کر کہا۔

’’کہیے ہم سُن رہے ہیں۔‘‘ زین نے مسکرا کر کہا۔

’’آئی ایم سوری۔‘‘ ثمینہ نے شرمندہ ہو کر کہا۔

’’سوری؟ کس بات کے لیے؟‘‘ زین نے چونک کر پوچھا۔

’’مجھ سے حلوہ صحیح سے نہیں بنا اور آپ کی طبیعت خراب ہوئی، میں شرمندہ ہوں۔‘‘ ثمینہ نے شرمسار ہو کر کہا۔

’’ارے اس میں شرمندہ ہونے والی کیا بات ہے، آپ کی کوشش اچھی تھی، بس چینی کے بجائے نمک ڈل گیا، اس میں آپ کا کیا قصور؟‘‘ زین نے مسکرا کر کہا۔

’’اس کا مطلب آپ نے بُرا نہیں مانا؟‘‘ ثمینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’ہم بُرا ماننے والوں میں سے نہیں ہیں، وہ کیا ہے کہ دن بھر میں پوپس، بھابھی اور بھائی کو اتنا تپاتا ہوں کہ اب تو عادت سی ہے مجھ کو ایسے جینے میں!‘‘

زین نے عاطف اسلم کی طرح گایا اور ثمینہ ہنسنے لگی۔

’’ہنسی تو پھنسی۔‘‘ زین نے مسکرا کر کہا۔

’’جی؟‘‘ ثمینہ چونکی۔

’’جی کچھ نہیں۔‘‘ زین دانت نکال کر بولا۔

’’میں نے اپنا فرض سمجھا کے میں آپ سے سوری کروں اس لیے کال کی ہے اور کوئی مقصد نہیں ہے......‘‘ ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

’’چلیے اگر آپ معافی مانگنے پر اتنی بضد ہیں تو میں پھر ایسے سوری قبول نہیں کروں گا، پھر سزا سوچ لیتے ہیں۔‘‘ زین نے مزے سے کہا۔

’’آپ مجھے سزا دیں گے؟‘‘ ثمینہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔

’’کیوں؟ جب ہیر مجنوں کو پسند کر سکتی ہے، لیلیٰ فرہاد کے پیچھے جا سکتی ہے، رانجھا جولیٹ کو پسند کر سکتا ہے اور حلوے میں چینی کے بجائے نمک آ سکتا ہے، تو میں آپ کو سزا کیوں نہیں دے سکتا؟‘‘ زین نے مستی میں کہا۔

’’حد ہوتی ہے۔‘‘ ثمینہ چڑ کر بولی۔

''وہ تو ہو رہی ہے۔'' زین نے مستی میں کہا۔

''ٹھیک ہے کیا سزا دینی ہے آپ نے؟'' ثمینہ نے جل کر پوچھا۔

''اب جب کبھی ہماری ملاقات ہو، آپ نے نیلا جوڑا پہننا ہے۔'' زین نے رومانوی ہو کر کہا۔

"Never"۔ ثمینہ نے اِترا کر کہا۔

''کیا کہا؟...?Never۔'' زین نے آنکھیں نکالیں۔

"Never"۔ ثمینہ نے زور سے کہا۔

''پھر تو آپ کا سوری بھی ہم نہیں قبول کریں گے......'' زین نے مستی میں کہا۔

''اچھا دیکھتے ہیں، ویسے آپ آ رہے ہیں دعوت میں؟'' ثمینہ نے جلدی سے پوچھا۔

''دعوت؟ کیڑی دعوت؟'' زین نے چونک کر پوچھا۔

''آصف بھائی نے دعوت رکھی ہے روحیل بھائی کی شادی کی۔ سب کو بُلایا ہے لیکن آپ دنیا سے بے خبر آپ کو کیا پتا ہو گا، حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے منہ بنا کر کہا۔

''مجھے واقعی نہیں پتا تھا! کب ہے دعوت؟'' زین نے حیران ہو کر پوچھا۔

''سنڈے۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

''اوہ اوکے تو بس فیصلہ ہو گیا۔'' زین نے مسکرا کر کہا۔

''کس چیز کا؟'' ثمینہ نے پوچھا۔

''دعوت میں آپ نے اگر نیلا جوڑا پہنا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ نے ہمارا مان رکھا ورنہ دل کا کیا ہے وہ تو اکثر ٹوٹا ہی رہتا ہے۔''

زین نے رومانوی انداز میں یہ جملے کہے اور ثمینہ کا دل دھڑک اٹھا۔

''تو بتائیے پہنیں گی؟'' زین نے پیار سے پوچھا۔

''کوشش کروں گی۔''

ثمینہ نے دھیرے سے یہ جملے کہے۔ اس بار زین کا دل دھڑک اٹھا وہ مسکرا کر کہنے لگا۔

''انتظار رہے گا۔''

''چلیں میں جا رہی ہوں، آنی بُلا رہی ہیں، بائے۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا اور فون رکھ دیا۔

''ہیلو؟''

زین نے حیران ہو کر کہا اور فون کو دیکھا تو ثمینہ فون بند کر چکی تھی۔

''پگلی کہیں کی!''

زین نے ہنس کر کہا اور پھر ثمینہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُسے ثمینہ سے محبت ہوتی جا رہی تھی اور وہ یہ بات بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ دوسری طرف ثمینہ بھی مسکرا کر زین کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا اس کی منزل بھی اپنی بہن کے گھر پر ہے؟ اس خیال کے ساتھ ہی وہ مسکرانے لگی۔

☆......☆

اتوار کی شام سب لوگ شفیق صاحب کے گھر جانے کی تیّاری میں مصروف تھے۔ روحیل ہال میں تیار ہوا سمیرا کا انتظار کر رہا تھا اس نے کالی جینز، کالی ٹی شرٹ اور کالا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ سمیرا کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ روحیل نے منہ بنا کر سمیرا کے موبائل پر کال ملائی۔ جلد ہی سلسلہ ملا۔

''ہیلو؟''

''کتنی دیر ہے بھئی؟'' روحیل نے منہ بنا کر پوچھا۔

''بس پندرہ منٹ، تھوڑا ٹائم لگے گا۔'' سمیرا نے جواب دیا۔

''اچھا جلدی کرو۔''

روحیل نے آرام سے کہا اور فون بند کیا۔ ایسے میں بالاج صاحب اور زین اُترتے ہوئے نیچے آئے۔ بالاج صاحب نے سفید کُرتا شلوار پہنا تھا اور کندھوں پر شال اوڑھی ہوئی تھی جب کہ زین نیلی جینز، سفید ٹی شرٹ اور نیلے کوٹ میں تھا۔

''روحیل، ہم لوگ چلتے ہیں، تم سمیرا کے ساتھ آ جانا۔'' بالاج صاحب نے آ کر کہا۔

''پوپس ایک ہی گاڑی میں چلتے ہیں نا؟'' روحیل نے تجویز پیش کی۔

''ارے نہیں بھئی تم میاں بیوی ساتھ آؤ، ہم دونوں چلتے ہیں۔ چلو زین۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''انجوائے۔'' زین نے آنکھ مار کر کہا۔

"Yeah! You Too"۔ روحیل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور سوچا کاہے کا انجوائے!

☆......☆

سمیرا کے پندرہ منٹ گزرے ہوئے بھی بیس منٹ ہو چکے تھے۔ بالاج صاحب اور زین شفیق صاحب کے گھر پہنچ چکے ہوں گے۔ روحیل ہال میں بیٹھا ہوا Holsten پی رہا تھا۔ اُس کے پاس انتظار کہ علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ایسے میں سلطان آیا اور سر جھکا کر کہنے لگا۔

''روحیل صاحب باہر ایک شخص موجود ہے۔''

''کون ہے؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''نام نہیں بتا رہا، کہہ رہا ہے۔'' سلطان کہتے کہتے رُک گیا۔
''کیا کہہ رہا ہے؟'' روحیل نے پوچھا۔
''وہ کہہ رہا ہے کہ باجی کو جانتا ہے۔'' سلطان نے گھبرا کر کہا۔
''باجی کو؟'' روحیل نے حیران ہو کر کہا اور ماتھے پر شکنیں آ گئیں۔
''جی۔'' سلطان نے ڈرتے ہوئے کہا۔
''کہاں ہے وہ؟'' روحیل نے الجھ کر پوچھا۔
''باہر ہے۔'' سلطان نے اشارہ کیا۔
''چلو۔''

روحیل اٹھا اور اُس کے ساتھ گیا۔ جلد ہی وہ مرکزی دروازے پر پہنچا۔ گھر کے گارڈز بھی روحیل کے انتظار میں تھے۔ روحیل دروازے پر پہنچا تو دیکھا ایک بوڑھا شخص پھٹے پُرانے کُرتا شلوار میں موجود کھڑا ہے۔ داڑھی اور مونچھوں کے بال سفید اور رنگ دھوپ کی شدّت سے جل چُکا تھا۔ قد کوئی پانچ فٹ پانچ انچ کا اور وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ شکل سے بھولا بھالا نظر آئے۔

''جی؟ کہیے؟'' روحیل نے جا کر پوچھا۔
''سمیرا یہیں ہے؟'' اس نے پوچھا، اس کی آواز میں انتہائی کرب تھا۔
''آپ کون ہیں؟'' روحیل نے اُسے گھور کر پوچھا۔
''اکیلے میں بات ہو سکتی ہے؟'' اُس شخص نے رازداری میں کہا۔
''ٹھیک ہے۔'' روحیل نے بھنویں چڑھا کر کہا اور پلٹ کر اپنے گارڈز سے کہنے لگا۔
''سلطان تم اپنے کام پر جاو، گارڈز اسے اندر آنے دو۔''
روحیل نے حکم دیا اور سلطان دوڑ کر چلا گیا۔ گارڈز نے دروازہ کھولا اور وہ ڈرتا ڈرتا اندر آ گیا۔
''کہیے؟'' روحیل نے خشک لہجے میں پوچھا۔
''سمیرا اتنے بڑے گھر کی بیٹی بن گئی......واقعی......اللہ جسے چاہے دیتا ہے۔'' بوڑھے شخص نے پیار سے کہا۔
''آپ کون ہے اور آپ کی تعریف؟'' روحیل نے چڑ کر پوچھا۔
''تم سمیرا کے شوہر ہو؟'' اس نے پیار سے پوچھا۔
''جی۔'' روحیل نے جواب دیا۔
''یعنی میرے داماد ہو۔''

اس کی بات سُن کر روحیل دھک سے رہ گیا۔اس کی آنکھیں پھٹ پڑیں اور وہ اس شخص کا چہرا تکنے لگا۔ سمیرا نے تو کہا تھا کہ اُس کے والدین حادثے میں جاں بحق ہو چکے ہیں۔

''آپ سمیرا کے والد ہیں؟''روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں میں ہی وہ بدنصیب باپ ہوں جو اپنی سنتان سے الگ ہو گیا......''اس نے بھرّائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''او کے اندر آیئے۔''

روحیل نے الجھ کر اُسے اندر آنے کی اجازت دی اور اُس شخص کو لے کر اندر چلا۔ ہال میں داخل ہی ہوئے تھے کہ سمیرا نیلی ساڑھی پہنے نیچے اُترتی ہوئی نظر آئی۔

''سوری سوری مجھے دیر ہو گئی لیکن چلیں اب میں۔''

سمیرا کے جملے ادھورے رہ گئے اور وہ پتھر کی بن گئی !اس کی آنکھیں ایک سیکنڈ میں ہی خوف میں تبدیل ہوئیں! جو مسکراہٹ سمیرا کے لبوں پر تھی اب غائب ہو چکی تھی۔خوف کے عالم میں سمیرا اُس شخص کو دیکھنے لگی۔

''ابّا!''

سمیرا کہ منھ سے دہشت کے عالم میں نکلا اور وہ ساکت کھڑی رہی۔

چند لمحے اسی طرح گزرے، روحیل سمیرا کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھتا رہا اور سمیرا پلکیں جھپکانا تک بھول گئی۔وہ مسلسل اُس شخص کو تک رہی تھی۔

''سمیرا اس شخص کو جانتی ہو؟''

روحیل نے بغور سمیرا کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور سمیرا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اُس شخص کو دیکھنے لگی۔

''بیٹا تم جاننے کی بات کرتے ہو؟ اسے تو میں نے جنم دیا ہے اور کیا نصیب پایا ہے میرے بچّی نے اتنے بڑے گھر کی بہو بن گئی واہ سمیرا تُو نے مجھے کبھی مایّوس نہیں کیا۔''

وہ شخص خوش ہو کر آگے آ کر کہنے لگا اور سمیرا دہشت زدہ ہو کر سیڑھیاں واپس چڑھی۔

''دیکھ کیا رہی ہے؟ اپنے باپ کے گلے نہیں لگے گی؟''

اُس شخص نے آگے بڑھ کر کہا اور سمیرا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اُسے دیکھتی رہی۔

''سمیرا میں تم سے پوچھ رہا ہوں کیا یہ شخص تمھارا باپ ہے؟''

روحیل نے خشک لہجے میں پھر پوچھا اور سمیرا خاموش رہی۔

''سمیرا؟''روحیل سخت لہجے میں اُس کا نام لیا۔

''جی؟''

سمیرا جیسے بُری طرح چونکی۔ ایسا لگا جیسے اُسے کسی نے نیند سے جگایا ہو۔

''کیا یہ تمھارا باپ ہے؟'' روحیل نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''جی؟...... جی......''

سمیرا نے بامشکل یہ جملے ادا کیے اور وہ شخص مسکرا کر روحیل کو دیکھنے لگا۔

''اوہ۔''

روحیل کے منھ سے نکل اور وہ حیران رہ گیا۔ ثابت ہوا کہ والدین کی ایکسیڈنٹ والی کہانی محض جھوٹ تھی اور کچھ نہیں۔ روحیل پریشان ہوا اور گڑبڑا کر کہنے لگا۔

''لیکن آنی نے تو کہا کہ تمھارے والدین ہلاک ہوگئے حادثے میں؟''

''تہمینہ کی غلطی نہیں ہے داماد جی، سب ہی مجھے مُردہ سمجھتے رہے۔ بچیّاں چھوٹی تھیں بھولی تھیں، مجھے مُردہ سمجھ کر چلی آئیں تہمینہ کے پاس۔ میں نے کہاں کہاں اپنی بچیّوں کو نہ ڈھونڈا۔ پر وہ کہتے ہے نا ڈھونڈنے سے تو خدا مل جاتا ہے بس یہ ہے میری کہانی......''

وہ شخص انتہائی معصومیت کے ساتھ کہتا چلا گیا۔

''آپ کا نام؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''شوکت شوکت راشد۔'' اس نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔

''آپ تشریف رکھیں۔'' روحیل نے نرمی سے کہا اور وہ زمین پر اُکڑھو بیٹھ گیا۔

''زمیں پر نہیں یہاں صوفے پر بیٹھیں۔''

روحیل نے آرام سے کہا اور وہ گھبرا کر صوفے پر بیٹھا۔ روحیل نے پلٹ کر دیکھا تو سمیرا اوپر جا چکی تھی۔ وہ حیران رہ گیا۔ سمیرا اپنے باپ کو دیکھ کر خوش نہیں خوف زدہ ہوگئی تھی۔ وہ اس لمحے شدید الجھن کا شکار رہوا۔ روحیل نے پلٹ کر شوکت کو دیکھا اور کہا۔

''آپ کچھ لیں گے چائے؟ وغیرا؟''

''نہیں بیٹا بس میں تو سمیرا کا چہرا دیکھنے آیا تھا۔ اب چلتا ہوں۔''

شوکت نے جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے آپ کہاں جارہے ہیں؟ آپ میرے سسر ہیں میں آپ کو ایسے اب تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''نہیں بیٹا میں چلتا ہوں پھر آؤں گا دوبارا۔'' شوکت نے نرم لہجے میں کہا۔

’’آپ کیسے جائیں گے؟‘‘ روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

’’پیدل۔‘‘ وہ بولا۔

’’نہیں آپ رُکیں میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔ میں بس سمیرا کو بتا کر آجاؤں۔‘‘

روحیل نے نرم لہجے میں کہا اور شوکت سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اوپر اپنے کمرے کی طرف آیا۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو سمیرا بُت بنی بستر پر بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ رہی تھیں اور جسم کانپ رہا تھا۔

’’سمیرا؟ کیا ہوا؟ تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟ تمھارے والد یہاں آگئے یہ تو بہت خوشی کی بات ہے؟‘‘ روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

’’مجھے اکیلا چھوڑ دیجیے۔‘‘ سمیرا نے کانپتے ہوئے کہا۔

’’سمیرا Panic ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ سوچو کہ جو ثمینہ اپنے آپ کو یتیم سمجھتی ہے آج اپنے والد کو دیکھ کر کتنا خوش ہوگی۔‘‘ روحیل نے پیار سے کہا۔

’’نہیں۔ تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کے میرا باپ پلٹ آیا ہے۔ کسی کو نہیں۔‘‘

سمیرا ایک دم بھڑک کر اُٹھی اور روحیل حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ آج پہلی بار سمیرا نے اُسے تم کہہ کر پُکارا تھا۔ سمیرا کی وہ معصومیت اور اخلاق جیسے کہیں کھو گیا۔

’’تم کسی سے کوئی ذکر نہیں کرو گے ورنہ......‘‘ سمیرا کہتے کہتے رُک گئی۔

’’ورنہ کیا؟‘‘ روحیل نے بھی غصیلے لہجے میں پوچھا۔

’’میں میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی......‘‘

سمیرا نے سنبھل کر جواب دیا اور منہ پھیر لیا۔

’’میرے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہا تم نے آج مجھے ’آپ‘ سے ’تم‘ مخاطب بھی کر لیا......اب نا بات کرنے کی جو دھمکی دی ہے شوق سے پُوری کر لو ویسے بھی اسی چیز کی کمی تو رہ گئی ہے......وہ بھی کر لو فرق نہیں پڑتا......‘‘

روحیل انتہائی درد کے عالم میں کہتا گیا اور سمیرا نے پریشان ہو کر اُس کا چہرا دیکھا۔ روحیل اُسے ایک نظر دیکھ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا اور سمیرا بُت بنی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

☆......☆

روحیل کی مرسیڈیز ایک بہت ہی گندے اور آوارہ سے علاقے میں آکر رُکی۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو کچّے پکّے مکاں نظر آئے اور عجیب سے لوگ۔ بیشتر لوگ یہاں پر جُرائم پیشہ لگ رہے تھے۔ چمکتی ہوئی مرسیڈیز دیکھ کر کچھ لوگوں کی آنکھوں میں لالچ آگیا لیکن وہ جانتے تھے کہ اگر مرسڈیز چھینے

کی کوشش کی تو بہت بڑی مصیبت اُن پر آسکتی ہے۔ ویسے بھی اتنی مہنگی گاڑی کسی بڑے آدمی کی ہی ہوگی۔ روحیل نے ایک بار پھر ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور شوکت کو دیکھ کر کہنے لگا۔

''آپ یہاں رہ رہے ہیں؟''

''ہاں بیٹا۔'' شوکت نے جواب دیا۔

''میرے مانیں گھر چلیں اور آرام سے رہیں وہ گھر آپ ہی کا ہے۔'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''نہیں بیٹا وہ گھر میری بیٹی کا ہے اور بیٹی کے گھر کا تو نوالہ بھی مجھ پر حرام ہے۔''

شوکت نے پیار سے یہ جملے کہے اور روحیل کا دل بھر آیا۔

''تم بہت اچھے انسان ہو خدا تمھیں سلامت رکھے۔'' اس نے دعا دی اور روحیل مسکرانے لگا۔

''خوش رہو میرے بچّوں اچھا اللہ حافظ۔'' شوکت نے پیار سے کہا۔

''اللہ حافظ۔'' روحیل نے بھی نرم لہجے میں جواب دیا اور وہ اُتر کر چلا۔

''سنیے!......''

ایسے میں روحیل نے اُسے آواز دی اور گاڑی سے اُترا۔ وہ پلٹ کر روحیل کو دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے بٹوے میں سے پانچ ہزار روپے نکال کر شوکت کو دیے۔

''نہیں رکھ لیں۔'' روحیل نے پیسے دیتے ہوئے کہا۔

''بیٹا یہ؟'' شوکت شرمسار ہو گیا۔

''کوئی بات نہیں رکھ لیجیے......''

روحیل نے پیسے دیتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہاتھ جوڑ کر شکریہ کیا اور چلتا بنا۔ روحیل کو اس لمحے اُس پر بہت ترس آیا۔

وہ واپس پلٹا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھا۔ عباس نے گاڑی پیچھے کی اور نکلتا چلا گیا۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ مستقل سمیرا کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ شدید الجھن کا شکار ہو گیا۔ شادی کے بعد سمیرا کی وہ باتیں اُس پر ظاہر ہو رہی تھیں جس کا اس نے سوچا بھی نا تھا۔ سمیرا کو سوتے ہوئے اٹیکس آتے تھے جو کہ جان لیوا حد تک تھے اور اب مرا ہوا باپ زندہ ہو چکا تھا۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے وہ گاڑی چلاتا رہا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ روحیل کا دماغ الجھ رہا تھا، اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے۔ کیا وہ اس بات کا ذکر اشرف صاحب سے کرے؟ یا پولیس سے؟ وہ نہیں جانتا تھا۔

☆......☆

شفیق صاحب کے گھر زبردست رونق لگی ہوئی تھی۔ سب لوگ ہنسی مذاق اور باتوں میں مصروف

تھے۔خواتین نے ایک سے ایک جوڑا پہنا ہوا تھا اور مرد بھی جواں لگ رہے تھے۔اس وقت سب سے زیادہ خوش بالاج صاحب تھے، دن بھر کی تھکن سے ہٹ کر وہ اپنوں کے ساتھ آرام سے بیٹھے تھے، ایسے لمحے اُن کی زندگی میں کم ہی آتے تھے۔

ثمینہ نے خوبصورت نیلا جوڑا پہنا ہوا تھا جسے دیکھ کر زین مسکرائے جا رہا تھا اور ثمینہ منھ بنا رہی تھی۔ لیکن دل سے وہ بھی خوش تھی۔

''مزہ آ گیا! بالاج کے آنے سے رونق آ گئی ہے۔''

شفیق صاحب نے صوفے پر بیٹھے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''پھوپھا صاحب کو پکڑنا آسان کام تھوڑی نا ہے۔'' آصف نے ہنس کر کہا۔

''ہاں بھئی اتنی مصروفیت کے بعد سچ پوچھو تو بہت سکون مل رہا ہے۔'' بالاج صاحب نے بھی صوفے پر بیٹھے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ کہاں ہیں جن کے لیے دعوت دی گئی ہے؟''

اشرف صاحب نے الجھ کر پوچھا۔

''امم! چھوڑو یار! جوان ہیں دیر ہو ہی جاتی ہے۔''

شفیق صاحب نے ہنس کر کہا اور بالاج صاحب ہنسنے لگے۔

''دیر ہو جاتی ہے ماموں؟ وہ کیسے؟'' زین نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اچھا یہ بتا وروحیل نیچے ٹہل رہا تھا؟ سمیرا کے انتظار میں؟'' شفیق صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''بالکل۔'' زین نے سر ہلایا۔

''بے چین بھی تھا؟'' انھوں نے ہاتھ چلا کر پوچھا۔

''بالکل۔'' زین نے پھر سر ہلایا۔

''انتظار کر رہا تھا اپنی بیوی کا؟'' انھوں نے پھر ہاتھ چلا کر پوچھا اور چہرے پر شرارت آ گئی۔ بالاج صاحب ہنسنے لگے۔

''بالکل۔'' زین نے پھر سر ہلایا۔

''اب جب انتظار ہوتا گیا، ہوتا گیا، تو محبت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ دل میں چنگاریاں اُٹھنے لگیں اور انتظار مزید بڑھتا گیا۔ پھر وہ گھڑی آئی کہ دلہن صاحبہ نیچے اُتریں۔ بال کھول کر مسکرا کر، خوبصورت ساڑھی یا جوڑے میں جسے دولہے میاں دیکھ کر ہو گئے دیوانے۔''

شفیق صاحب نے اترا کر کہا اور سب مرد ہنسنے لگے۔ اشرف صاحب نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیا

اور ہنسے جا رہے تھے۔
''ایک سیکنڈ! ایک سیکنڈ! یہ ساڑھی اور جوڑے سے کوئی کیوں دیوانہ ہونے لگا؟''
زین نے الجھ کر پوچھا۔
''بیٹا جب تمھاری شادی ہو گی نا، تب پتا چلے گا۔'' کوثر نے ہنس کر کہا اور شفیق صاحب نے اُس کے ہاتھ پر تالی ماری۔
''ماموں جان آگے کیا ہوا؟'' زین نے الجھ کر پوچھا۔
''روحیل کی نظر سمیرا پر پڑی سمیرا کی زلفیں ہواوں سے باتیں کرنے لگیں روحیل کا دل دھڑکا اور اس نے گھٹنے پر بیٹھ کر کہا۔ اے میری جان بہار! اے میری دل گلزار آجا میری بانہوں میں آجا، سمیرا نے شرما کر پلّو اپنے دانتوں میں لیا اور کہا۔ چھوڑیں جی کوئی دیکھ لے گا۔ روحیل مسکرایا اور ناچتے ہوئے بولا۔ کوئی دیکھتا ہے تو دیکھ لے پیار کرنے والے کسی سے ڈرتے نہیں جو ڈرتے ہیں وہ کبھی مرتے نہیں۔''
شفیق صاحب کہتے چلے گئے اور سب ہنس ہنس کر دیوانے ہونے لگے۔
''یہ کیا بے شرمی ہے شفیق؟'' بالاج صاحب نے ہنس کر کہا۔
''سنو سنو آگے سنو!'' شفیق صاحب نے مزے سے کہا اور کہنے لگے۔
''تب ہی نصیبوں لعل کا ایک بے انتہا رومینٹک گانا چلا 'آج دیکھے گا کاراوڈ Groove میرا Groove میرا' دونوں میاں بیوی ٹھمکے مار کر ناچنے لگے اور ناچتے گئے ناچتے گئے اس ناچ نے پھر خوشخبری کی نوید سُنائی دی۔'' شفیق صاحب نے محو ہو کر کہا۔
''پھر؟'' زین نے منہ کھولے پوچھا۔
''پھر کچھ ہفتے بعد زین بھائی ہمارے گھر آئیں گے مٹھائی کا ڈبہ لے کر۔'' شفیق صاحب نے مزے سے کہا اور سب ہنسنے لگے۔
''شفیق مجھے لگ رہا ہے روحیل سے زیادہ تو تمھیں مزے آ رہے ہیں......'' بالاج صاحب نے ہنس کر کہا۔
''یار بالاج قسم خدا کی جوانی بڑی تیزی سے چلی گئی۔'' شفیق صاحب نے مچل کر کہا۔
''اسی کا نام زندگی ہے شفیق بھائی۔'' اشرف صاحب مسکرا کر کہنے لگے۔
''ماموجان آگے بتائیں نا کیا ہوا؟'' زین نے مچل کر پوچھا۔
''چپ کرو! بس اب اتنا ہی کافی ہے۔ جاؤ جا کر اپنے بھائی کو فون کرو! دیکھو کہاں رہ گیا ہے۔''
بالاج صاحب نے کہا اور سب ہنسنے لگے۔ زین بھی ہنس کر بھائی کا فون ملانے لگا۔

☆......☆

روحیل گھر پہنچ چکا تھا اور آنکھیں بند کیے صوفے پر لیٹا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا ہوا ہے۔ سمیرا اپنے کمرے میں بند تھی اور نیچے اُتر کر نہیں آئی تھی۔ ایسے میں گھر کا فون بجا۔ روحیل نے فون کو اٹھانا ضروری نہیں سمجھا اور خاموشی سے لیٹا رہا۔ قریب تیس سیکنڈ تک فون بجتا رہا کہ ایسے میں روحیل کا میسنجر چل پڑا۔

''ہیلو! اس وقت ہم لوگ گھر پر نہیں ہیں اس لیے اپنا میسج ریکارڈ کر دیں اور اگر آپ لوگ ہمیں فیکس کرنا چاہتے ہیں تو برائے مہربانی پہلے فیکس مشین دلا دیں۔''

بیپ کی آواز کے ساتھ ہی زین کی آواز آئی۔

''ہیلو بھائی حد ہوتی ہے یار! نا بھابھی فون اٹھا رہی ہیں نا آپ اتنی دیر؟ یہاں سب انتظار کر رہے ہیں ماموں جان صحیح کہہ رہے ہیں آپ لوگ شروع ہو گئے ہوں گے رومانس کرنے لیکن بھئی ہر چیز کا وقت ہوتا ہے اسلام بھی اس چیز کی اجازت نہیں دیتا کہ کہیں بھی شروع ہو جائیں!...... بھائی فون اٹھاؤ! فون اٹھاؤ!''

روحیل ساکت لیٹا رہا اور فون اُٹھانا مناسب نا سمجھا۔ وہ ساکت رہا۔

''بھائی میری بات مان لو پلیز فون اُٹھا لو مجھے بھی کبھی عزّت دے دیا کرو آخر گھر کا سب سے چھوٹا ہوں پلیز فون اُٹھاؤ......''

اچانک سمیرا نے فون اٹھایا۔

''ہیلو زین؟''

سمیرا کی آواز سُن کر روحیل نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''کہاں ہو بھابھی آپ؟ کدھر ہو بھئی؟'' زین نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بس میری طبیعت تھوڑی خراب ہوئی تھی، ہم آرہے ہیں۔'' سمیرا نے بھرّائی ہوئی آواز میں جواب دیا اور روحیل اُسے دیکھنے لگا۔

''جلدی آئیں آپ لوگ۔''

زین نے مچل کر کہا اور فون رکھا۔ سمیرا نے پلٹ کر اپنے شوہر کو دیکھا تو روحیل نے چہرا پھیر لیا۔

''چلیے میں تیار ہوں۔''

سمیرا نظر جھکا کر کہنے لگی اور روحیل نے ایک نظر سمیرا کو دیکھا...... گہرا سانس لے کر اس نے ہاں میں سر ہلایا اور اٹھا۔

''مجھ سے ایک وعدہ کریں گے پلیز؟''

سمیرا کی آواز سُن کر روحیل نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

''آج یہاں کون آیا کیا ہوا اس کا ذکر آپ کسی سے نہیں کریں گے نا ہی خالو جان، آنی سے نا ہی بابا اور زین سے۔'' سمیرا نے التجا کی۔

''اور میں ایسا کیوں کروں؟'' روحیل نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''آپ مجھ سے پیار کرتے ہے نا؟''

سمیرا کا یہ سوال سُن کر روحیل کا دل دھڑک گیا۔ وہ واقعی سمیرا کو بہت چاہتا تھا، پلٹ کر اس نے اپنی بیوی کا چہرا دیکھا۔ سمیرا نے ہاتھ جوڑ لیے اور روتی ہوئی آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔ روحیل کا دل تڑپ گیا وہ سمیرا سے بے انتہا محبت کرتا تھا لیکن سمیرا کے آنسوؤں نے اس کی الجھن ختم نہ کی۔ وہ الجھ کر کہنے لگا۔

''میں میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں......''

یہ کہہ کر وہ چلتا چلا گیا۔ سمیرا سر جھکا کر چل پڑی۔

☆......☆

دعوت میں روحیل اور سمیرا پہنچے تو ان کے اُکھڑے ہوئے چہرے دیکھ کر سب ہی سمجھ گئے کو دونوں میاں بیوی کے درمیاں کوئی بات ہوئی ہے۔ شفیق صاحب نے ان کے آتے ہی کھانا لگوایا اور سب کھانے میں مشغول ہو گئے۔ روحیل کھانا کھاتے ہوئے بھی اس وقت سمیرا کے بارے میں سوچ رہا تھا جب کہ سمیرا بالکل خاموش تھی۔ یہ بات تہمینہ بیگم اور زارا نے نوٹس کی۔ کونے میں لے جا کر انھوں نے سمیرا سے پوچھنے کی کوشش بھی کی لیکن سمیرا نے اُن سے بات کرنا مناسب نا سمجھا اور صرف اتنا کہا۔

''آپ لوگوں نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نا چھوڑی۔''

اُسکا جواب سُن کر تہمینہ بیگم دھک سے رہ گئیں اور تڑپ کر زارا کی طرف دیکھا۔ زارا انھیں سمجھانے لگی اور انھیں مطمئن رہنے کے لیے کہا۔ اس کے سوا وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

مردوں میں رونق زبردست تھی، شفیق صاحب نے محفل لگا ی ہوئی تھی اور سب ہنسے جا رہے تھے۔ کھانے کے بعد سب مرد اور عورتیں ایک ساتھ بیٹھ گئے تو ایسے میں زین کھڑا ہوا اور ہاتھ پھیلا کر کہنے لگا۔

''معزز حضرات اور خوبصورت خواتین ذرا میری بات سُنیں!''

زین کی آواز سُن کر سب اس کو دیکھنے لگے۔

''یا اللہ ہو گا کوئی ڈرامہ۔'' بالاج صاحب نے سر پکڑ کر کہا۔

''ڈرامہ نہیں پوپس! یہاں ہو گی وکالت! جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ میں جلد ہی ایک وکیل بننے

والا ہوں تو اہم تالیاں پلیز......'' زین نے شرمہ کر کہا اور سب نے تالیاں بجائیں۔

''شکریہ شکریہ!'' زین نے شرما کر کہا مگر کوثر تالیاں بجاتا رہا۔

''ارے بس شکریہ نا!'۔ زین نے گھور کر کہا اور سب ہنس پڑے۔

''اس لیے آج اس عدالت میں ہوگا فیصلہ! اور فیصلہ ہوگا کہ کون میاں بیوی The Super Couple ہیں۔'' زین نے اعلان کر کے کہا۔

''ارے واہ! زبردست!'' شفیق صاحب خوش ہو کر بولے۔

''ہمارے جج ڈاکٹر کوثر یہاں موجود ہیں، ہمارے معزز جج نے امریکا سے ڈاکٹری سیکھی ہے لیکن مریض کو غلط انجیکشن لگا کے بھاگ کر پاکستان آ گئے۔''

زین نے منھ بنا کر کہا اور کوثر سب کو ہاتھ ہلانے لگا۔ سب ہنس پڑے۔

''CIA سے لے کر FBI تک ان کے پیچھے ہے، یہاں تک کے نصیبوں لال نے بھی انکا پیچھا کیا ہوا ہے۔'' زین نے خوش ہو کر بتایا اور سب کے قہقے نکل گئے۔ کوثر منھ بنانے لگا۔

''ہم یہاں بلوائیں گے ایک عدد بیوی صاحبہ کو اور ان کے شوہر صاحب کو بھیج دیں گے دوسرے کمرے میں جہاں ہماری آواز اُن تک نہ پہنچے۔ ایجنٹ نتاشہ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گی۔''

زین نے نتاشہ کی طرف اشارہ کیا اور نتاشہ نے سلیوٹ کیا۔

''ہم پوچھیں گے چار سوال بیوی صاحبہ سے جن کا جواب شوہر صاحب کو دینا ہوگا، جو درست جواب دی سکے گا وہ ہوگا ہمارا سوپر کپل!'' زین نے سب کو سمجھایا اور سب تالیاں بجانے لگے۔

''جج صاحب کارروائی شروع کی جائے؟'' زین نے اجازت طلب کی۔

''بالکل!'' کوثر نے اکڑ کر کہا۔

''تو جج صاحب پہلے کس جوڑے کو بُلوایا جائے؟'' زین نے کوثر کو دکھ کر پوچھا۔

''ملزم چچا! اور ملزم چچّی جان حاضر ہوں!'' کوثر نے چلّا کر کہا اور سب ہنس پڑے۔

''جج صاحب آپ جج ہیں۔ دربان نہیں۔'' زین نے جل کر کہا۔

''اوہ میں بھول گیا!'' کوثر نے بوکھلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''آیئے تہمینہ صاحبہ۔ نتاشہ آپ اشرف صاحب کو کمرے میں لے جایئے۔'' زین نے اشارہ کیا اور نتاشہ اشرف صاحب کو کمرے میں لے گئی۔

''بھئی سب سے پہلے تالیاں کیوں کہ آج تہمینہ آنٹی بہت ہی غضب لگ رہی ہیں......''

زین نے آنکھ مار کر کہا اور سب نے تالیاں بجائیں۔ تہمینہ بیگم اُس کے کندھے پر ہاتھ مارنے لگیں

اور زین بچتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرا پہلا سوال اسی سے منسلک ہے، آپ کے شوہر ج آپ کی تعریف کرتے ہیں یا نہیں؟''

''بالکل بھی نہیں، زمانہ ہوا۔'' تہمینہ بیگم نے ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''جج صاحب آپ نوٹ کر رہے ہیں۔ ملزم چچا نے زمانہ ہوا تعریف نہیں کی!'' زین نے اترا کر کہا اور کوثر نوٹ کرنے لگا۔

''میرا دوسرا سوال: ان کے کھانے کی سب سے زیادہ پسندیدہ کیا چیز ہے؟'' زین نے تہمینہ بیگم کو دیکھ کر پوچھا۔

''اہمم دال بہت شوق سے کھاتے ہیں اور گوبھی گوشت۔'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر جواب دیا اور سب نے تالیاں بجائیں۔

''تیسرا سوال: ان کی فیورٹ ہیروین کون ہے؟'' زین نے مستی میں پوچھا۔

''ماہرا خان۔'' تہمینہ بیگم نے جھٹ سے بتایا۔

''واہ واہ واہ! جج صاحب جواب کی تیزی دیکھیں!'' زین نے ناچ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''میرا چوتھا سوال: اگر آپ دونوں کسی ریسٹورینٹ میں کھانا کھا رہے ہوں اور خوبصورت خاتون آ کر 'ہیلو اشرف' کہتی ہیں تو آپ کو کیا لگے گا کہ یہ خاتون کون ہیں؟''

زین نے انھیں بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کالج یا یونیورسٹی کی کوئی دوست۔'' تہمینہ بیگم نے سوچ کر جواب دیا۔

''تھینک یو سو مچ تہمینہ صاحبہ، ہاں جی نتاشہ ملزم چچا جان کو بلاؤ۔'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''چچا جان حاضر ہوں!''

نتاشہ نے آواز لگائی اور سب ہنسنے لگے۔ اشرف صاحب گھبرائے ہوئے آ گئے۔

''ہاں جی اشرف صاحب تیار ہیں؟ ویسے پوپس اور بھائی میرے بات کی تائید کریں گے۔ یہ اشرف نام ہوتا ہی مشکوک ہے۔ آج کراچی میں بم رکھ کر ملزم اشرف فرار!'' زین نے اترا کر کہا اور سب قہقہہ لگانے لگے۔

''ارے بھائی کیوں ہمارے اشرف بھائی کی ٹانگ کھینچ رہے ہو؟'' شفیق صاحب نے ہنس کر پوچھا۔

''نہیں نہیں میری کیا مجال جو ٹانگ کھینچوں، اشرف صاحب آپ تیار ہیں؟''

زین نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''بالکل۔'' اشرف صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں جی تو بتایئے ان کی تعریف وغیرہ کرتے ہیں یا نہیں؟'' زین نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''بالکل کرتا ہوں، آج بھی کی تھی ہر وقت کرتا ہوں!'' اشرف صاحب نے سر ہلا کر کہا۔

''جھوووٹ!'' سب ایک ساتھ بولے۔

''کیوں بیگم آپ کی تعریف نہیں کی آج؟'' اشرف صاحب نے بیگم کو دیکھ کر پوچھا۔

''پہلے سے تھوڑی دُبلی ہوگئی ہو تعریف نہیں ہوتی اشرف صاحب۔'' تہمینہ بیگم نے جل کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''چلیں جی دوسرا سوال۔ کھانے میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے آپ کو؟......''

زین نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''دالیں کھاتا ہوں شوق سے اور گوشت آلو یا گوبھی گوشت......'' اشرف صاحب نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''اے لے! ماموں جان! آپ نے کباب بنوا لیے انھیں دالیں اور آلو گوشت پسند ہے۔'' زین نے منھ بنا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''تیسرا سوال: آپ کی فیورٹ ہیروین کون ہے؟'' زین نے مستی میں پوچھا۔

''میں فلمیں دیکھتا ہی نہیں۔'' اشرف صاحب نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''جھوٹ!'' سب ایک ساتھ بولے اور اشرف صاحب بوکھلا کر اپنی بیگم سے مخاطب ہوئے۔

''تہمینہ! تم نے سچ بتا دیا کیا؟''

اُنکا جواب سُن کر سب ہنس پڑے!

''خالو جان حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ممم نہیں بھئی کوئی فیورٹ نہیں ہے۔'' اشرف صاحب نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''جج صاحب نوٹ کریں۔'' زین نے پلٹ کر کہا اور کوثر نوٹ کرنے لگا۔

''آخری سوال! آپ کسی ریسٹورینٹ پر ہیں اور کوئی خاتون آپ کو آ کر ہیلو کہتی ہیں تو تہمینہ صاحبہ کیا سمجھیں گی؟'' زین نے مستی میں پوچھا۔

''کوئی پُرانی دوست سمجھیں گی اس سے زیادہ نہیں......'' اشرف صاحب نے سوچتے ہوئے جواب دیا اور سب نے تالیاں بجائیں۔

''درست جواب! چلیں جی آپ کا ٹیسٹ ہوا مکمل۔ جج صاحب کیا اسکور ہے ہمارے پیارے کپل

کا؟'' زین کوثر سے پوچھا۔

"50%"۔ کوثر نے جواب دیا۔

'' چلیں اب دیکھتے ہیں کہ اسکور کو کون ہراتا ہے، جج صاحب کس کو بُلایا جائے اب؟'' زین نے پوچھا۔

'' بھئی...... Experience اور New کا ٹڑ کا صحیح رہے گا! اس لیے ہمارے رومینٹک کپل زارا اور آصف کو بُلایا جائے......''

کوثر نے مستی میں کہا اور سب نے تالیاں بجائیں۔ زارا آکر زین کے پاس کھڑی ہوئی جب کہ آصف کمرے کے اندر جاچکا تھا۔ نتاشہ نے مکمل تیاری کی ہوئی تھی۔

'' بھابھی جی۔'' زین نے مسکرا کر کہا۔

'' جی دیور جی۔'' زارا نے بھی مسکرا کر کہا۔

'' سب سے پہلے تو آپ کو اور آصف بھائی کو بہت بہت مبارکباد جو خوشخبری آپ نے ہم سب کو سُنائی۔'' زین نے مبارکباد دی اور سب تالیاں بجانے لگے۔ زارا ہنس کر شرمانے لگی۔

'' میرا سوال اسی سے متعلق ہے، آصف بھائی کا کیا ری ایکشن تھا جب آپ نے یہ خبر سُنائی؟'' زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

'' منہ کھلا رہ گیا اور آنکھیں پھٹیں ہوئی تھیں۔'' زارا نے ایکٹنگ کر کے بتایا اور سب ہنسنے لگے۔

'' مطلب سائنسدان کو اپنے تجربے پر یقین ہی نہیں تھا، جج صاحب نوٹ کریں۔''

زین نے سوچتے ہوئے کہا اور زارا نے اس کی کمر پر ہاتھ مارا!

'' آئی! اللہ!'' زین تکلیف میں بولا اور سب ہنسنے لگے۔

'' دوسرا سوال: شادی سے پہلے کبھی لائن ماری تھی؟'' زین نے کمر سہلاتے ہوئے پوچھا۔

'' اووو......'' سب آوازیں نکالنے لگے اور زارا ہنسنے لگی۔

'' جواب دینا ہوگا بھابھی وہ بھی بالکل سچ۔'' زین نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

'' ہاں۔'' زارا نے ہنس کر جواب دیا اور سب ہنسنے لگے۔

'' بارش میں آگئے تھے ساتھ چہل قدمی کرنے کے لیے۔ ویسے بہت شریف بنے ہوئے تھے لیکن پتا لگ رہا تھا کہ لائن مار رہے ہیں۔''

زارا نے ہنس کر بتایا اور سب ہنسنے لگے۔

'' اوکے بہت ہی اچھی انفارمیشن، جج صاحب! نوٹ کیجیے لائن مارنے کا طریقہ نمبر پچپن!'' زین نے

خوش ہو کر کہا اور کوثر نوٹ کرنے لگا۔ سب اس لمحے ہنس پڑے۔

''تیسرا سوال: انھیں کھانے میں کیا پسند ہے؟'' زین نے زارا کو دیکھ کر پوچھا۔

''بریانی بہت شوق سے کھاتے ہیں۔'' زارا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آخری سوال: آپ کی سالگرہ کب آتی ہے؟'' زین نے مزے سے پوچھا۔

''یہ ہوا نا سوال! یہاں پھنسے گا آصف!'' شفیق صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''وہ کیوں بھلا؟'' بالاج صاحب نے الجھ کر پوچھا۔

''کیوں کہ میں بھی اس سوال پر پھنسوں گا!''

شفیق صاحب نے معصومیت سے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''سب سمجھ رہی ہوں میں!'' شکیلہ بیگم نے منھ بنا کر کہا۔

''چلیے بھابھی بتائیے کیا!'' زین نے وکیلوں کی طرح کہا۔

''کیا؟'' زارا نے بوکھلا کر اُسے دیکھا۔

''کیا!'' زین نے پھر چلّا کر کہا۔

''کیا؟'' زارا نے چڑ کر پوچھا اور سب ہنس پڑے۔

''کیا آپ کی سالگرہ!......انھیں یاد ہے؟'' زین نے اشارہ کر کے پوچھا۔

''نہیں بھئی۔''

زارا نے جواب دیا اور سب ہنس پڑے! شفیق صاحب نے بالاج صاحب کے ہاتھ پر تالی ماری۔

''ویسے آپ کی سالگرہ کب آتی ہے؟'' زین نے ہنستے ہوئے زارا کو دیکھ کر پوچھا۔

"19th May"۔ زارا نے جواب دیا۔

''چلو بھئی ملزم آصف کو بُلا کر لاو۔'' زین نے نتاشہ کو اشارہ کیا۔

''ملزم آصف بھائی حاضر ہوں!''

نتاشہ نے اعلان کیا اور آصف جھینپا جھینپا سا آیا۔ زارا مسکرا کر آصف کے برابر کھڑی ہو گئی۔

''ہاں جی آصف بھائی تیّار؟'' زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''بالکل۔'' آصف نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

''جب آپ کو پتا لگا کہ ننھا آصف آ رہا ہے تو آپ کا ری ایکشن کیا تھا؟'' زین نے مزے سے پوچھا۔

''ایسے۔'' آصف نے آنکھیں اور منھ کھولیں اور سب ہنسنے لگے۔

''جواب درست ہے۔ چلیے دوسرے سوال کا جواب دیں، شادی سے پہلے کبھی ان پر لائن

ماری؟'' زین نے زارا کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔
''کبھی نہیں۔ شادی سے پہلے تو ہمارے جھگڑے ہو رہے تھے۔''
آصف نے ہنس کر بتایا اور زارا ہنسنے لگی۔
''یہ پھڈوں کا کیا سین ہے؟'' زین نے الجھ کر پوچھا۔
''غلطی میری ہے میں انھیں مالی سمجھ بیٹھی تھی۔''
زارا نے ہنس کر جواب دیا اور سب ہنسنے لگے۔ آصف منھ بنانے لگا۔
''بھئی لائن ماری کے نہیں؟'' زین نے چڑ کر پوچھا۔
''نہیں نہیں۔'' آصف نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔
''جھوٹ!''
سب ایک ساتھ بولے اور آصف نے سر پکڑ لیا۔ سب ہنسنے لگے۔
''چلیے دوسرا سوال، کھانا کیا پسند ہے؟'' زین نے آصف سے پوچھا۔
''بریانی۔'' آصف نے سعادت مندی سے جواب دیا اور سب نے تالیاں بجائیں۔
''چلیے اب آ گیا سب سے خطرناک سوال، تیار ہیں؟'' زین نے آستین اوپر چڑھائی۔
''بالکل! بالکل!'' آصف نے بھی تیار ہوتے ہوئے کہا۔
''ان کی!'' زین چلایا!
''کن کی؟'' آصف بوکھلایا۔
''ان کی!'' زین نے زارا کی طرف اشارہ کیا!
''اچھا ان کی!'' آصف نے بوکھلا کر زارا کو دیکھا اور سب ہنسنے لگے۔
''ان کی!'' زین نے پھر اشارہ کر کے کہا۔
''ہاں ہاں ان کی؟'' آصف چڑ کر بولا۔
''ان کی! سالگرہ کب آتی ہے؟'' زین نے مستی میں پوچھا۔
''ہاہا بس اتنی سی بات؟''
آصف نے ہنس کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔ آصف نے زارا کی طرف دیکھا اور کہا۔
''اُنّیس!......''
آصف نے اپنے جملے ادھورے چھوڑ دیے اور سب اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ شفیق صاحب تھوڑا آگے ہوئے، شکیلہ بیگم بھی دیکھنے لگیں۔ نتاشہ نے منھ پر ہاتھ رکھ لیا۔ زارا اپنے شوہر کو دیکھنے لگی۔ زین بھی

آصف کا چہرا دیکھ رہا تھا۔ تب ہی آصف کے منہ سے نکلا۔

''ممی!''

"Yeah!!!!"۔ زین، کوثر اور سب چلّا پڑے اور تالیاں بجنے لگیں!

آصف اور زارا ہنسے جا رہے تھے۔

''جج صاحب اسکور پلیز!'' زین نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''بھئی واہ! 75%۔'' کوثر نے تعریف کر کے کہا۔

''تالیاں!'' زین نے تعریف کی اور سب تالیاں بجانے لگے۔

''اب باری ہے ہمارے سب سے کیوٹ کپل کی! شفیق صاحب اور شکیلہ بھابھی۔''

کوثر نے انھیں دیکھ کر کہا اور سب نے تالیاں بجائیں۔ شفیق صاحب کمرے میں چلے گئے۔ شکیلہ بیگم آ کر کھڑی ہوئیں۔

''ہی ہی ہی! مامی۔''

زین نے خوش ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔ زین نے مستی میں مامی کو دیکھا اور بولا۔

''تیّار ہو مامی؟''

''بالکل۔'' شکیلہ بیگم نے کانفیڈنٹ ہو کر کہا۔

''آپ کی سالگرہ کب آتی ہے؟'' زین نے ہنستے ہوئے پوچھا اور سب کا قہقہہ اُبل پڑا!

''کمینے مجھے پتا تھا یہی پوچھے گا!'' شکیلہ بیگم نے اُسے مارا اور سب ہنسنے لگے۔

''چلیں چلیں بتائیں۔'' زین نے چٹکی بجا کر کہا۔

''پندرہ اکتوبر۔'' شکیلہ بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

''دوسرا سوال: آپ کا فیورٹ ریسٹورنٹ کونسا ہے؟'' زین نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

"Bar-B-Q Tonite"۔ شکیلہ بیگم نے جواب دیا۔

''تیسرا: خدا نا خواستہ گھر میں ڈاکو آ گئے تو آپ کے شوہر کیا کریں گے؟ پولیس کو فون؟ یا ڈٹ کے مقابلہ کریں گے کہ چاہے کچھ کرلو! پر میں اپنی بیوی پر آنچ نہیں آنے دوں گا!'' زین نے ہوا میں تلوار چلاتے ہوئے پوچھا۔

''بہت ہی چھچھورا وکیل ہے بھئی۔'' کوثر نے گالوں کو ہاتھ لگا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''جج صاحب Maintain the order!!۔'' زین جل کر بولا۔

''اوکے۔'' کوثر سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔

''ہاں جی مامی کیا جواب ہے آپ کا؟'' زین نے پلٹ کر پوچھا۔

''بھاگ جائیں گے۔فُل اسپیڈ سے۔''

شکیلہ بیگم نے ہنس کر جواب دیا اور سب ہنسنے لگے۔

''یہ دیکھو ذرا! مطلب ماموں کی بہادری کی واٹ لگ گئی۔'' زین نے منھ بنا کر کہا۔

''بھائی صاحب ہوتے تو زہرا کہتی کہ مقابلہ کریں گے پر شفیق سے مجھے یہ اُمید نہیں ہے۔''

شکیلہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا اور سب ہنسنے لگے۔ بالاج صاحب سر جھکا کر ہنسنے لگے۔

''چلیے یہ بتائیں آپ کی کون سی بات انھیں سب سے زیادہ پسند ہے؟''

زین نے اپنی مامی کو دیکھ کر پوچھا۔

''چائے کے شوقین ہیں تو وقت پر چائے مل جانا بہت پسند ہیں انہیں۔'' شکیلہ بیگم نے جواب دیا۔

''گریٹ! ہاں جی بُلائیں ماموں جان کو۔'' زین نے اشارہ کیا اور نتاشہ اپنے ڈیڈی کو لے کر آئی۔

''ماموں تیار ہیں؟'' زین نے آستین چڑھا کر پوچھا۔

''بچپن سے۔'' شفیق صاحب نے اکڑ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''قُربان جاؤں اس ہمیشہ کے کانفیڈنس پر۔'' زین نے تعریف کی اور بولا۔

''چلیں سالگرہ بتائیں۔''

''ارے یار تم لوگ بچّہ سمجھتے ہوئے مجھے؟ تمھیں کیا لگتا ہے کہ مجھے یاد نہیں ہے؟ مطلب بوڑھا ہو گیا ہوں تو بھول گیا ہوں کیا؟'' شفیق صاحب نے تلملا کر کہا۔

''ہاں تو بتائیں نا!'' زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''نہیں تم سمجھتے کیا ہو؟ مجھے یاد نہیں؟'' شفیق صاحب نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

''ارے تو بتاؤ نا!'' بالاج صاحب ہنس کر کہنے لگے۔

''نہیں نہیں بالاج! ان سب کو لگتا ہے کہ مجھے یاد نہیں؟'' شفیق صاحب نے سب کو دیکھ کر کہا۔

''ارے تو بتائیں نا!'' سب کی ملی جلی آوازیں آئیں۔

''بھئی پاکستان کا نیشنل ڈے تھا...... 23 March۔'' شفیق صاحب نے سوچتے ہوئے کہا اور سب ہنس پڑے!

''ایک سیکنڈ یہ تیئس مارچ کس کی سالگرہ یاد ہے آپ کو؟'' شکیلہ بیگم نے جل کر پوچھا۔

''ہاں جی زین دوسرا سوال؟''

شفیق صاحب نے فوراً کہا اور سب ہنس پڑے۔

اب تو سب کے ہنس ہنس کر پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔

''ہاں ہاں ماموں! دوسرا سوال انکا فیورٹ ریسٹورینٹ؟'' زین نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''بار بی کیو ٹو نائٹ، مجھے اس لیے پتا ہے کیوں کہ بل میں ہی دیتا ہوں!''

شفیق صاحب نے سعادتمندی سے جواب دیا اور سب نے تالیاں بجائیں۔

''تیسرا سوال، گھر میں ڈاکو آ گئے تو انھیں بچانے کے لیے مقابلہ کریں گے یا پولیس کو فون کریں گے؟'' زین نے پوچھا۔

''مقابلہ کروں گا! صندُوق میں سے بندوق نکال کر بھون دوں گا!'' شفیق صاحب نے فُل ایکشن کر کے کہا۔

''کاکروچ!'' ثمینہ چلائی!

''کدھر کدھر!؟''

شفیق صاحب ڈر کر بھاگے اور سب ہنسنے لگے۔ بالاج صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

''چلیے ماموں آخری سوال! آپ کو ان کی کون سی بات سب سے زیادہ پسند ہے؟'' زین نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''یار چائے وقت پر دیتی ہیں۔ واہ!''

شفیق صاحب نے تعریف کرتے ہوئے کہا اور سب نے تالیاں بجائیں!

''چلیے جی جج صاحب کیا اسکور کیا رہا؟'' زین نے کوثر سے پوچھا۔

"50%"۔ کوثر نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''اس کا مطلب آصف بھائی اور زارا بھابھی لیڈ کر رہے ہیں 75% کے ساتھ۔ تالیاں!'' زین نے کہا اور سب نے تالیاں بجائیں۔

''اب باری ہے ہمارے پھٹے پُرانے کپل! بالاج صاحب اور روحیل صاحب کی!'' زین نے مستی میں کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''یہ کپل کہاں سے ہو گئی؟'' کوثر نے جھلاّ کر پوچھا۔

''میں تو بچپن سے انھی کو دیکھ رہا ہوں، یہ پوپس ہیں اور وہ پینٹ شرٹ والی ماں۔'' زین نے دھیرے سے کہا اور ثمینہ اس کو دیکھنے لگی۔

''چلو اب بھابھی آ گئی ہے نا! تو فکر کیسی؟'' تہمینہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''کون یہ؟ سمیرا بھابھی میری بھابھی تھوڑی نا ہیں...... یہ میری والدہ ہیں۔''

زین نے مسکرا کر اپنی بھابھی کو دیکھ کر یہ جملے کہے اور سمیرا پیار سے اُسے دیکھنے لگیں۔ روحیل مسکرا کر سر جھکا گیا، سمیرا کا مقام بہت۔

”ہاں تو بلاؤ نا بھابھی ماں کو، میں کب سے ان دونوں کا انتظار کر رہا ہوں۔“

بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور سب نے تالیاں بجائیں۔ نتاشہ اور ثمینہ روحیل کو کمرے میں لے گئیں اور سمیرا آ کر زین کے پاس کھڑی ہوئی۔

”ہاں جی بھابھی تیار ہیں؟“ زین نے اپنی بھابھی کو دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں۔“ سمیرا نے گھبرا کر جواب دیا اور سب ہنسنے لگے۔

”کوئی نہیں جواب دینے ہوں گے۔ اچھا جی پہلا سوال: آپ کے شوہر آپ کو سب سے پہلے کہاں لے کر گئے تھے؟“ زین نے پوچھا اور سمیرا کو یاد آیا، روحیل اُسے سوئمنگ پول پر لے کر گیا تھا جہاں اس نے Frappacuino پیا تھا۔ وہ کالج یونیفارم میں تھی اور بہت گھبرائی ہوئی تھی جب کہ روحیل کو اُس لمحے دنیا کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ صرف اُسی کو دیکھ رہا تھا، اس کی دنیا کوئی اور نہیں وہی تھی۔ سمیرا یاد کرتے ہوئے مسکرائی۔

”پرل کونٹینینٹل پر......سوئمنگ پول کے پاس۔“

سب نے جواب سُن کر تالیاں بجائیں۔

”حد ہوتی ہے۔ مجھے آئس کریم پر لے کر نہیں گئے! سمیرا باجی کو پرل کونٹینینٹل لے گئے!“ ثمینہ نے جل کر کہا۔

”اب وہ تو آپ کی باجی کو گھر بھی لے گئے۔“ زین نے ہاتھ چلا کر کہا اور سب ہنس پڑے۔ ثمینہ بھی سر جھکا کر ہنسنے لگی۔

”اوکے دوسرا سوال: کیا شادی سے پہلے انھوں نے آپ کا پیچھا کیا تھا؟“

زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور سمیرا سر جھکا گئی۔ اُسے یاد آیا کہ کس طرح وہ روحیل سے ایک جنرل اسٹور پر ٹکرائی تھی اور کس طرح روحیل کالج کے باہر اپنی بائیک پر اُس سے ملنے آیا تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔

”ارے بولیں! بات بھئی شرمانے کی نہیں ہو رہی۔“

زین نے اپنی بھابھی کو دیکھ کر کہا اور سمیرا مسکرا کر کہنے لگی۔

”ہاں......“

سمیرا نے مسکرا کر جواب دیا اور سب ہنسنے لگے۔

”چلیے تیسرا سوال: شادی کی پہلی رات تحفے میں کیا دیا؟“ زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''اووو!''

سب ہوٹنگ کرنے لگے۔ سمیرا کو یاد آیا پہلی رات جب روحیل کی بانہوں میں وہ مدہوش تھی، وہ دونوں جیسے اپنا آپ کھو بیٹھے تھے۔ وہ رات سمیرا کی سب سے یادگار رات تھی۔ سمیرا مسکرائی اور سر جھکا کر کہنے لگی۔

''نائٹ سوٹ دیا تھاVictoria Secret کا...... بہت پیارا......''

سمیرا کا جواب سُن کر سب ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑے۔

''چوتھا سوال: اگر آپ کو کچھ غنڈے چھیڑیں اور روحیل بھائی آجائیں تو کیا کریں گے؟ مقابلہ کریں گے یا بھاگ جائیں گے؟'' زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور سمیرا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ایک ایک سے مقابلہ کریں گے ڈٹ کر میرے لیے......''

سمیرا کا جواب سُن کر سب مسکرا دیے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''ہاں جی، روحیل بھائی کو بُلایا جائے پلیز۔'' زین نے نتاشہ کو اشارہ کیا۔

''روحیل بھائی حاضر ہوں!''

نتاشہ نے اعلان کیا اور روحیل باہر آیا اور خاموشی سے زین کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

''تھوڑا مسکرا لیں آپ جیل میں نہیں ہیں۔''

زین نے جل کر کہا اور روحیل ہنس پڑا۔ وہی کیا سب ہنسنے لگے۔

''چلیے جی، سب سے پہلا سوال: کہاں لے کر گئے تھے سب سے پہلے انہیں؟''

زین نے ہاتھ چلا کر پوچھا۔

''ہمم...... ہمم...... پرل کونٹینٹل...... سوئمنگ پول کے پاس۔'' روحیل نے جواب دیا اور سب نے تالیاں بجائیں۔

''کیا بات ہے، دوسرا سوال: کیا آپ نے شادی سے پہلے انکا پیچھا کیا تھا؟'' زین نے اپنے بھائی کو گھور کر پوچھا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''بتایئے بتایئے!'' زین نے مچل کر کہا۔

''میرے خیال سے اس سوال کا جواب زارا صحیح دے گی۔'' روحیل نے ہنس کر کہا اور سب نے زارا کی طرف دیکھا۔

''جی بھابھی؟ کیا جواب ہے؟'' زین نے ہنس کر پوچھا۔

''جواب درست ہے۔'' زارا نے ہنس کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''چلیے جی تیسرا سوال: شادی کی پہلی رات کیا دیا تحفے میں؟''

زین نے چھیڑ کر پوچھا اور روحیل مسکرا کر سمیرا کو دیکھنے لگا۔ اس نے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور نظر جھکائی ہوئی تھی۔ روحیل مسکرایا اور کہنے لگا۔

"Night suit, Victoria Secret"۔

''یار روحیل یہ آئیڈیا تم نے ہم سے نہیں پوچھا؟''

شفیق صاحب نے الجھ کر اُسے دیکھ کے پوچھا اور سب ہنس پڑے۔ روحیل بھی مسکرانے لگا۔

''ارے واہ بھئی۔ آخر سوال: اگر ان کو غنڈے چھیڑیں اور آپ آجائیں تو کیا کریں گے؟ مقابلہ کریں گے غنڈوں کا یا بھاگ جائیں گے؟''

زین نے مستی میں سوال پوچھا اور روحیل نے گہرا سانس لیا، ایک پل کے لیے اپنی بیوی کا چہرا دیکھا وہ مستقل سر جھکائے ہوئے تھی۔ روحیل نے گہرا سانس لیا اور کہا۔

''ایک ایک کا مقابلہ کروں گا، چاہے جان چلی جائے۔''

''ارے واہ! 100% صحیح جواب!''

کوثر اُچھل پڑا! اور سب تالیاں بجانے لگے۔ روحیل اور سمیرا حیران ہوکر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ بھلا ان کے جواب سو فیصد کیسے صحیح ہو سکتے تھے۔ بالاج صاحب کا چہرا کھل اُٹھا۔

''تو یہ رہے۔ ہمارے آج کے سوپر کپل! روحیل بھائی اور سمیرا بھابھی، تالیاں!''

زین نے اعلان کیا اور سب کھڑے ہوکر تالیاں بجانے لگے۔ روحیل اور سمیرا گھبرائے ہوئے سب کو دیکھنے لگے۔

''لو بھئی رکھو!'' شفیق صاحب نے ہزار کا نوٹ نکال کر دیا۔

''ارے ماموں جان اسکی کیا ضرورت؟'' روحیل نے شرمندہ ہوکر کہا۔

''رکھو بھئی جیتے ہو تم لوگ!''

شفیق صاحب نے خوش ہوکر کہا اور اشرف صاحب نے اپنا بٹوہ نکالا۔ سب کے سب تالیاں بجا رہے تھے اور روحیل، سمیرا کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ خاندان میں چار جوڑے موجود تھے اور وہ پہلے نمبر پر آئے۔ پھر بھی ایک دوسرے سے نجانے کیوں دُور تھے۔

☆......☆

قریب رات دو بجے وہ لوگ گھر لوٹے۔ سمیرا تیزی سے چلتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی جب کہ زین باہر اپنی گاڑی میں کچھ کام کر رہا تھا۔ روحیل اوپر کی طرف جانے لگا تو صوفے پر بیٹھے ہوئے

بالاج صاحب کی آواز آئی۔

''روحیل؟ یہاں آؤ۔''

اُن کی آواز سُن کر روحیل رُکا اور پلٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا۔ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا وہ اپنے باپ کے پاس بیٹھ گیا۔

''مجھے پتا ہے آپ کیا پوچھیں گے لیکن پوپس میرے پاس جواب نہیں ہیں۔'' روحیل نے پریشان ہو کر کہا۔

''اس لیے میں تم سے سوال نہیں کر رہا، بس اتنا کہوں گا کہ اُسے سمجھو تھوڑا۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''کیا سمجھوں پوپس؟ کیا کیا سمجھوں؟ ہر دن کوئی نئی بات سامنے آتی ہے۔ آپ جانتے ہیں میں اور سمیرا آج تک ایک ساتھ نہیں سوئے؟'' روحیل نے اپنے والد کو دیکھ کر بتایا۔

''جانتا ہوں۔'' بالاج صاحب نے اطمینان سے کہا۔

''آپ جانتے ہیں؟'' روحیل نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں۔'' انھوں نے اطمینان سے کہا۔

''کیسے؟'' روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

''لڑکی کی چال بتا دیتی ہے۔'' انھوں نے جواب دیا۔

''اچھا؟ یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔''

روحیل نے سوچتے ہوئے یہ جملے کہے اور بالاج صاحب نے ہنس کر اُس کے سر پر ہاتھ مارا اور کہنے لگے۔

''لیکن میں سمجھ سکتا ہوں، تمھارے اوپر کیا گزر رہی ہے۔''

''سمجھ نہیں آتا پوپس کیا معاملہ ہے، ایسی بہت سی باتیں ہیں جو مجھے پتا لگ رہی ہیں لیکن میں ذکر نہیں کر سکتا سمیرا نے مجھے اپنی قسم دی ہے۔'' روحیل نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ٹھیک ہے، جب تم بہتر محسوس کرو تب بتاو لیکن ایک مشورہ دینا چاہوں گا۔'' بالاج صاحب نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہا۔

''جی؟'' روحیل نے انھیں دیکھا۔

''کسی بنا پر وہ تم سے قریب آتے ہوئے رُک رہی ہے۔ اگر وہ دو قدم نہیں بڑھا رہی تو تم چار قدم بڑھاو۔'' بالاج صاحب نے اُسے سمجھایا۔

''ایسا کرنا ٹھیک ہوگا؟'' روحیل نے الجھ کر پوچھا۔

''میں زور زبردستی کے لیے نہیں کہہ رہا، نا ہی یہ کہہ رہا ہوں کہ تم اپنا شوہر والا حق مانگو۔ I swear I hate this statement" میں اس کا شوہر ہوں میں یہ کر سکتا ہوں، یقین کرو عدالت میں بھی جب لوگ اس طرح بات کرتے ہیں تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا......'' بالاج صاحب نے منھ بنا کر کہا اور روحیل سر ہلانے لگا۔

''محبت کرتے ہونا؟ محبت سے ہی جیتو اس کو۔''

بالاج صاحب نے پیار سے اُسے سمجھایا اور روحیل سوچنے لگا۔

''چلو اب جاو، آرام کرو کل صبح میں بھی ایک ٹپیکل باپ کی طرح پوتے کی ڈیمانڈ کر دیتا ہوں۔''

بالاج صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور دونوں باپ بیٹے ہنسنے لگے۔

"You're the best Pops! in the world"۔ روحیل نے مسکرا کر کہا۔

"I Know"۔ بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور روحیل اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا۔

☆......☆

روحیل کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا، حسب معمول کمرے میں اندھیرا ہے اور سمیرا سر سے لے کر پاوں تک لحاف اوڑھ کر سو چکی ہے۔ روحیل اندر آ کر اپنی گھڑی اور موبائل رکھنے لگا۔ اچانک اُس کے دماغ میں اپنے والد کے جملے آئے، اُسے اب دو قدم نہیں چار قدم آگے بڑھنا تھا۔ کچھ پل وہ وہیں ٹھیرا رہا اور پھر پلٹ کر بستر کی طرف گیا۔ وہ جا کر بستر پر بیٹھا اور ایک ہاتھ سے لحاف سمیرا کے چہرے پر سے ہٹایا۔ اس نے دیکھا لحاف کے اندر سمیرا جاگ رہی ہے۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ اُس کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ سمیرا سو نہیں رہی تھی، بلکہ کسی بات پر رو رہی تھی۔ روحیل نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دھیرے سے کہا۔

''تمھیں پتا ہے تمھارا مسئلہ کیا ہے؟ تم ہر چیز کا پریشر اپنے سر پر لے لیتی ہو۔ کوئی بات ہے کوئی پریشانی ہے مجھ سے کہو؟ تم کیوں اپنے آپ کو کمزور سمجھتی ہو؟''

روحیل نے اُس کا سر سہلاتے ہوئے پوچھا اور سمیرا خاموشی سے روتی رہی۔

''مجھے نہیں پتا کہ تمھارا کیا مسلہ ہے اپنے والد صاحب کے ساتھ ہوگا کوئی جھگڑا تم لوگوں کا، مجھے نہیں جاننا کہ کیا ہوا کیا نہیں......لیکن مجھ پر یقین تو کرو بھروسہ تو کرو۔'' روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''میں کچھ نہیں بتا سکتی آپ کو، میری سانس رُکتی ہے۔'' سمیرا نے روتے ہوئے کہا۔

'اچھا ریلیکس!...... جب تمھارا دل کرے کہنے کا مجھ سے کہہ سکتی ہو میں آج بھی تمھارا بہت اچھا

دوست ہوں...... یہ یادرکھنا۔'' روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا نے پیار سے اُس کا چہرا دیکھا۔

''روحیل آپ کا پیار مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیتا ہے...... کہ میں کتنی بُری بیوی ہوں......''

یہ کہہ کر وہ زاروقطار رونے لگی۔

''ششش ایسی کوئی بات نہیں ہے تم بہت اچھی ہو...... بس ڈری ہوئی ہو، گھبرائی ہوئی ہو اور کچھ نہیں...... میں وعدہ کرتا ہوں یہ ڈر نکال پھینکوں گا...... میرا وعدہ ہے......''

روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا خاموش ہوئی۔

''چلو اب آرام سے سو جاو، کسی بات کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اب میرے پاس ہو اور چاہے کوئی بھی آئے اُسے مجھ سے لڑ کر گزرنا ہوگا چاہے تمھارے والد ہی کیوں نہ ہوں۔''

روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا سوچنے لگی۔

''رویا نہیں کرو، میرا دل بہت خراب ہوتا ہے۔'' روحیل نے اُس کے آنسو صاف کر کے کہا۔

''ہم جیت گئے آج روحیل؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''ہاں، سوپر کپل ہیں ہم۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا روتے ہوئے مسکرانے لگی۔

''چلو اب آرام کرو اوکے گڈ نایٹ۔''

روحیل نے پیار سے یہ جملے کہے اور اٹھ کر کاوچ کی طرف چلا لیکن یہ کیا؟ سمیرا نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ روحیل نے پلٹ کر اُس کا چہرا دیکھا...... سمیرا کی نظر جھکی ہوئی تھی یہی وہ لمحہ تھا جب سمیرا نے لحاف ایک طرف سے ہٹایا اور نظر اُٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھنے لگی...... روحیل دھک سے رہ گیا...... سمیرا کی نظر کا مطلب...... وہ سمجھ گیا تھا...... اس اجازت کا نجانے کب سے روحیل کو انتظار تھا اور آج پہلی بار...... وہ شادی کے بعد...... سمیرا اُسے اپنے پاس بُلا رہی تھی روحیل دھیرے سے بستر پر بیٹھا...... اور دھڑکتے دل کے ساتھ...... سمیرا کے برابر لیٹ گیا...... سمیرا اپنے تکیے پر سر رکھ کر لیٹی ہوئی تھی جب کہ روحیل کمر کے بل کروٹ لے کر لیٹا ہوا تھا، دونوں کے دل اس وقت دھڑک رہے تھے اچانک روحیل نے اپنے بازُو پر سمیرا کا ہاتھ محسوس کیا روحیل نے پلٹ کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا تو اس کی حسین ظلفیں چہرے پر پڑی ہوئی نظر آئیں اور وہ روئی ہوئی نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی...... اب رُکنا ناممکن تھا...... روحیل پلٹا اور تڑپ کر سمیرا کو اپنے سینے سے لگا لیا سمیرا بھی تڑپ کر اُس کے گلے لگی۔ دونوں ایک دُوجے کی بانہوں میں سما گئے، روحیل دیوانوں کی طرح کبھی اس کی گردن تو کبھی اُس کے ہونٹوں کو چومنے لگا...... سمیرا بھی اس آگ میں دہک رہی تھی اور روحیل سے بُری طرح لپٹی ہوئی تھی...... ایک آگ جو دونوں کے سینوں میں جل رہی تھی...... آج رات اُس کے بجھنے کا وقت آچکا تھا...... روحیل تڑپ کر اُس کے کپڑے

اُتارنے لگا تو سمیرا نے نفی میں سر ہلایا...... وہ الجھن کا شکار ہوا......اور سمیرا کا چہرا دیکھنے لگا......سمیرا نے اپنی بانہیں اُس کے گرد ڈالیں اور اُس کا چہرا چومنے لگی......

روحیل سمجھ گیا......سمیرا اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی...... بہر حال بھی اُس کے لیے کسی کامیابی سے کم نہیں تھا......آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا...... یہ سوچ کر وہ دل سے خوش ہوا......اور سمیرا کو بانہوں میں بھر لیا......اس آگ کی دہک نے......کمرے کی روشنی کو کب مدھم کیا......اُن دونوں کو خبر نہ ہوئی......

☆......☆

روحیل مسکرا کر ان پلوں کو یاد کرتا رہا......ایک حسین سی مسکراہٹ......اُس کے لبوں پر تھی...... یہ رات اس کی...... ہر رات سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی......وہ بیٹھا ہوا مسکرائے جا رہا تھا......اور یاد کیے جا رہا تھا......اچانک اُسے جیسے بجلی کا ایک جھٹکا لگا......اور وہ پریشان ہو کر......اپنے اردگرد کی حقیقت کو تکنے لگا......

وہی اسپتال کا کمرا............ وہی گھڑی کی آواز......اور سمیرا کا بے جان جسم...... اسپتال اس قدر ہولناک ہو سکتا ہے......روحیل نے کبھی سوچا بھی نا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے...... وہ اپنی سمیرا کا چہرا تکنے لگا...... جن ہونٹوں کو وہ چُوما کرتا تھا......آج اُن پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا......اور وہ تنہا بیٹھا سمیرا کی زندگی کی دعا کر رہا تھا......دھیرے سیاس نے سمیرا کی کلائی پر...... اپنی انگلیاں پھیریں اور یاد کرتا چلا گیا یاد کرتا چلا گیا......بیتا ہوا وقت...... یاد کرتا چلا گیا......!

☆......☆

اگلے روز بالاج صاحب اور زین خاموشی سے ڈائینگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کررہے تھے۔ ایسے میں روحیل تیار ہوا اور ناچتا ہوا نیچے آیا۔

"Good Morning my lovely Family!!"۔

روحیل نے اتنے جوش کے عالم میں یہ جملے کہے کہ زین کے ہاتھ سے جوس چھلک گیا اور بالاج صاحب بھی چونک کر اس کو دیکھنے لگے۔ روحیل ناچتا ہوا آیا اور اپنے پوپس کو پیار کر کے کُرسی پر بیٹھ گیا۔

''خیریت؟ اتنی خوشی؟'' بالاج صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

''خوشی؟ خوشی کیوں نہ ہو پوپس کل رات ہم نے سو پر کپل مقابلہ جو جیتا ہے۔'' روحیل نے کہا اور زین کہ آنکھ ماری۔

"Yeah Righ!"۔ زین منہ بنا کر بولا۔

"Yeah Right!"۔ روحیل نے مسکرا کر کہا پھر کہنے لگا۔

''اور اتنی خوشی مجھے آج تک نہیں ملی۔''

''بھائی صبح ہی صبح گوونده کی یاد دلا دی آپ نے۔'' زین نے منہ بنا کر کہا۔

''ہاں میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں۔'' روحیل سوچنے لگا۔

''امم زین تم ذرا باہر باغ کا چکّر تو لگا کر آؤ۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر زین سے کہا۔

"Seriously Pops?"۔زین نے منہ بنایا پھر کہنے لگا۔

''یہ پرائیویٹ بات آپ لوگوں نے صبح ہی صبح کرنی ہے؟''

''جاؤ۔''

بالاج صاحب نے زور سے کہا اور وہ منہ بنا کر اُٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی بالاج صاحب روحیل کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اب بتاؤ کیا ہوا؟''

''پوپس کل رات پہلی بار میں اور سمیرا ایک دوسرے کی بانہوں میں تھے...... میں شادی کے بعد پہلی بار اپنے بستر پر سویا۔'' روحیل نے مسکرا کر بتایا۔

''ارے کیا بات ہے۔ زبردست! تو کچھ ایسا ہوا کہ ہم دادا بن سکیں؟''

بالاج صاحب نے خوش ہو کر پوچھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہوا، شاید سمیرا تیار نہیں ہے ابھی۔'' روحیل نے سوچ کر کہا۔

''اور تم زبردستی کرو گے نہیں۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''بالکل پوپس! بہت کم لوگ اس سبجیکٹ کے اوپر بات کرتے ہیں۔ نکاح کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ جب چاہیں عورت کی مرضی کے بغیر اُس کے ساتھ منسلک ہوتے رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ محبت کا رشتہ دو طرفہ ہونا چاہیے اور عورت کی مرضی کو سامنے رکھنا چاہیے۔''

روحیل نے اپنے والد کو دیکھ کر کہا۔

''یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس سیکٹر کو اپنی لا فرم میں رکھا ہے لیکن ابھی تک اس حوالے سے کوئی کیسز نہیں آئے۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اس کی وجہ ہے پوپس ہمارے ہاں کی خواتین کو شعور نہیں ہے انہیں اندازہ نہیں ہے کہ دراصل قانون ان کے لیے بنا ہے، اس لیے اس حوالے سے کیس نہیں آتا اور پھر عدالتیں مہنگی بھی بہت ہیں یہ سب چیزیں سستی ہونی چاہیے۔'' روحیل نے اپنے والد کو دیکھ کر کہا۔

''اتنی اچھی انفارمیشن ہے تمھیں پھر بھی تم نے کارپوریٹ وکیل بننے کا فیصلہ کیا۔'' بالاج صاحب نے منہ بنا کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''تم تو اچھے خاصے کیس لڑ سکتے ہو۔ میری مانو! لٹیگیشن پریکٹس بھی کر لو۔'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''کروں گا پوپس، ابھی تو اپنے ڈپارٹمنٹ کو اٹھانا ہے، آفتاب کو ہرانا ہے۔''

روحیل نے سوچتے ہوئے کہا اور بالاج صاحب نفی میں سر ہلا کر ہنسنے لگے۔
ایسے میں سمیرا کچن سے چلتی ہوئی آئی اور پریشان ہو کر کہنے لگی۔
''یہ شور کیسا ہوا تھا؟ اور یہ زین کہاں چلا گیا ناشتہ چھوڑ کر؟''
''میں یہ رہا بھابھی! میں یہ رہا!'' زین دوڑ کر آیا اور ناشتہ کرنے لگا۔
''تم کہاں چلے گئے تھے؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔
''یہ ہے نا آپ کے شوہر، آج کل شور بھی یہی کرتے ہیں اور مجھے باہر بھی یہی بھیجتے ہیں۔'' زین نے شکایت کی۔
''روحیل؟ کیوں کیا میرے بیٹے کے ساتھ ایسا؟'' سمیرا نے زین کو پیار کر کے پوچھا۔
''سمیرا تمھارا لاڈ پیار نا اسے بگاڑ رہا ہے۔'' روحیل نے منھ بنا کر کہا۔
''کوئی نہیں بگاڑ رہا، اتنا پیارا بچّہ ہے میرا۔ آپ لوگ دیکھیے گا اسی سال زین لائسنس بھی حاصل کر لے گا۔'' سمیرا نے خوش ہو کر کہا۔
''بھابھی مطلب تُسّی گریٹ ہو نا!'' زین نے تعریف کی اور جُوس پیا۔
''بھئی جو بھی ہو لیکن کل زین نے واقعی بہت رونق لگائی......'' بالاج صاحب نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔
''اس میں کوئی شک نہیں، کل سوال جواب پروگرام میں بہت مزہ آیا۔'' روحیل نے بھی زین کی تعریف کی۔
''اور آپ دونوں جیت بھی گئے۔''
بالاج صاحب نے خوش ہو کر کہا اور روحیل سمیرا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔
''پوپس میری کوشش یہی تھی کہ بھابھی اور بھائی جیتیں، پہلے میں نے سوچا کہ انھیں جواب بتا دوں لیکن پھر میں نے سوچا کہ نہیں گیم سچی رکھتے ہیں۔'' زین نے انھیں دیکھ کر بتایا۔
''اور یہ تم نے بہت اچھا کیا۔'' سمیرا نے اس کی تعریف کی۔
''تھینکس بھابھی۔'' زین مسکرا کر کہنے لگا۔
''شفیق بھی کل بہت خوش تھا۔'' بلاج صاحب نے روحیل کو دیکھ کر کہا۔
''سب بہت خوش تھے بابا، کل واقعی اچھا رہا۔'' سمیرا نے خوش ہو کر کہا۔
''بس یہ ہے کہ دعوت ہفتے کے دن رکھ لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اب سب کو دفتر جانا پڑ رہا ہے۔'' روحیل نے منھ بنا کر کہا۔

”ارے تو تم مت جاؤ آج، بلکہ ایک کام کرو دفتر آج میں زین کو لے جاتا ہوں، تم بہو کے ساتھ رُکو آج۔“ بالاج صاحب نے آنکھ مار کر کہا۔

”اوکے۔“ روحیل مسکرایا۔

”پوپس یہ یہ یہ...... زیادتی ہے۔“ زین نے چڑ کر کہا۔

”کوئی زیادتی نہیں۔ تمھیں ویسے بھی تجربہ حاصل کرنا ہے، اس لیے تم زیادہ دیر بیٹھا کرو۔“ بالاج صاحب نے اُسے گھور کر دیکھا۔

”لیکن پوپس؟“ زین نے گھبرا کر کچھ کہنا چاہا۔

”یہ میرا فیصلہ ہے زین، تمھیں اگر بھائی کی طرح وکیل بننا ہے تو وقت لگانا ہوگا، اپنے گھنٹے ریکارڈ کرنے ہوں گے تب کہیں جا کر تمھیں لائسنس ملے گا۔“ بالاج صاحب نے اُسے سمجھایا۔

”اوکے پوپس۔“ زین نے پریشان ہو کر کہا۔

”آج تم میاں بیوی انجوائے کرو، روحیل کل سے کام سنبھال لے گا۔“ بالاج صاحب نے پیار سے کہا اور اٹھ کر چل دیے۔

”قسم سے شادی کرلو مزے ہی مزے ہیں۔“

زین جل کر کہنے لگا اور سمیرا، روحیل ہنسنے لگے۔ اُس کے جانے کے بعد روحیل مسکرا کر سمیرا کو دیکھنے لگا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟“ سمیرا نے شرما کر پوچھا۔

”خدا نے آپ کو دیکھنے جیسا بنایا ہے تو دیکھ رہے ہیں۔“

روحیل نے مسکرا کر جواب دیا اور سمیرا نے سر جھکا لیا۔

”تو کیا پروگرام ہے؟ ابھی تو صبح ہو رہی ہے، کہیں چلنا ہے؟“ روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

”چلیں مارکیٹ چلتے ہیں کچھ خاص تو نہیں لینا لیکن بس دل بہل جائے گا۔“ سمیرا نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے، چلو ہم تو آج پُورے دن کے لیے آپ کے ساتھ ہیں۔“

روحیل نے مسکرا کر سر جھکایا اور سمیرا اُسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

☆......☆

دوپہر سمیرا تیار ہو کر گھر سے باہر نکلی۔ اس نے ایک عام سا لال رنگ کا کُرتا شلوار پہنا ہوا تھا اور کندھے پر پرس ٹنگا ہوا۔ وہ باہر آ کر دائیں اور بائیں دیکھنے لگی مگر روحیل کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کی گاڑی

بھی جوں کی توں کھڑی تھی۔

''ارے! کہاں چلے گئے۔''

سمیرا بڑبڑائی اور گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ ایسے میں روحیل Honda 125 موٹر سائیکل لے کر اُس کے سامنے آیا۔

''یہ کون سی بائیک ہے؟ آپ نے پہلے کبھی تو نہیں چلائی؟'' سمیرا نے قریب آ کر کہا۔

''یہ ہونڈا 125 ہے، آج میرا بائیک چلانے کا دل کر رہا تھا تو سوچا کو بائیک کیوں نا چلائی جائے۔ ہیوی بائیک اس لیے نہیں نکالی کے تم اُس پر بیٹھنا پسند نہیں کرو گی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''یہ تو ہے۔'' سمیرا نے مسکرا کر ہاں میں سر ہلایا۔

''تو چلو بیٹھو، آؤ تمھیں کراچی کی سیر کرا کر لاؤں۔'' روحیل نے آنکھ مار کر کہا۔

''چلیے۔''

سمیرا نے ہنس کر کہا اور بائیک پر بیٹھی اور ایک ہاتھ سے روحیل کو تھام لیا۔ روحیل نے بائیک چلائی اور وہ گھر سے نکلتے چلے گئے۔ گھر کے گارڈز بھی مسکرا کر انھیں دیکھنے لگے۔ دونوں اس لمحے باتوں میں مشغول تھے اور کراچی کی فضاؤں کے مزے لوٹنے لگے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ روحیل کے پاس کتنی دولت ہے اس وقت وہ عام سے لوگوں کی طرح زندگی کے مزے لے رہے تھے۔ روحیل سمیرا کو لے کر دو تلوار پر آیا اور سمیرا ادھر اُدھر کپڑوں کو دیکھنے لگی۔ روحیل سر جھکائے اُس کے پیچھے چل رہا تھا اور ہنیّار تھا کہ کب سمیرا کچھ پسند کرے اور کب وہ اپنا کارڈ نکال کر دُکاندار کو دے۔ کچھ ایسا ہی ہوا، سمیرا نے قریب تین چار جوڑے پسند کیے اور روحیل نے اُن کی قیمت ادا کی۔ وہاں سے نکل کر اب وہ مال کی طرف بڑھے۔ مال میں بھی سمیرا چیزوں کو تکنے لگی اور روحیل مسکرا کر اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک سونے کی دُکان پر رُک کر سمیرا خوبصورت سونے کا سیٹ دیکھنے لگی۔ روحیل نے دیکھا سمیرا کو وہ سیٹ بہت پسند آ رہا تھا۔

''تمھیں اچھا لگ رہا ہے؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''بہت پیارا ہے نہیں؟'' سمیرا نے خوش ہو کر اپنے شوہر کو دیکھا۔

''اوکے چلو لی لیتے ہیں۔''

روحیل نے مزے سے یہ جملے کہے اور سمیرا کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلا۔

''نہیں روحیل میں تو بس ایسے ہی۔'' سمیرا گھبرا گئی۔

''ارے چلو نا! کیا ہو گیا۔''

روحیل اُسے لے کر اندر آیا اور سمیرا گھبرا کر داخل ہوئی۔

''گڈ آفٹرنُون سر، میڈم، کہیے کیا خدمت کر سکتی ہوں؟'' سیلز گرل نے پیار سے پوچھا۔

''وہ جو باہر سیٹ لگا ہے کیا قیمت ہے اس کی؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔

''سر باہر کا گولڈ ہے اور 22 کیریٹ گولڈ ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''قیمت بتائیں۔'' روحیل نے اطمینان سے پوچھا۔

''ساڑھے چار لاکھ کا ہے۔'' سیلز گرل نے جواب دیا۔

''ساڑھے چار لاکھ۔'' سمیرا دھک سے رہ گئی۔

''جی میڈم۔'' اس نے جواب دیا۔

''تھینک یو، ہم بعد میں آئیں گے، چلیں روحیل؟'' سمیرا نے گھبرا کر روحیل سے پوچھا پر وہ اپنا بٹوا نکال رہا تھا۔

''روحیل؟'' سمیرا حیران ہو کر بولی۔

''کارڈ سے پیمنٹ ہو جائے گی نا؟'' روحیل نے سیلز گرل سے پوچھا۔

''نہیں۔ روحیل نہیں۔'' سمیرا گھبرا کر بولی۔

''کیا نہیں؟ میں لے رہا ہوں بھئی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''روحیل نہیں پلیز بہت مہنگا ہے۔'' سمیرا گھبرا گئی۔

''کوئی مہنگا نہیں ہے۔'' روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا اور کارڈ سیلز گرل کو دیا۔

''اسے اچھا سا پیک کریں پلیز۔''

روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا گھبرانے لگی۔ جلد ہی سیلز گرل نے ایک خوبصورت سے باکس میں گولڈ سیٹ پیک کر کے دیا۔ روحیل نے باکس لیا اور مسکرا کر سمیرا کی طرف کیا۔

''اور کچھ جناب؟''

اس نے مسکرا کر پوچھا اور سمیرا بے انتہا خوشی سے باکس کو دیکھنے لگی پھر اک دم سے سیلز گرل سے کہنے لگی۔

''سنیے، یہ مردانہ Bracelet ہے نا؟''

''جی۔'' سیلز گرل نے ہاں میں سر ہلایا۔

''یہ بھی دیجیے پلیز۔''

سمیرا نے مسکرا کر کہا اور روحیل چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ سیلز گرل نے پیارا سا مردانہ چاندی کا بریسلیٹ نکال کر سمیرا کی طرف بڑھایا۔ سمیرا نے بریسلیٹ لیا اور روحیل کے سیدھی کلائی پر باندھا۔

''یہ میری طرف سے۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا اور روحیل پیار سے اس کا چہرا دیکھنے لگا۔

''میں اس بریسلیٹ کو اب کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں اُتاروں گا۔''

سمیرا اس کی بات سُن کر مسکرانے لگی۔ روحیل بھی محبت میں ڈوبے ہوئے اُس کا چہرا تکنے لگا۔

''چلیے اب کارڈ نکالیں۔''

سمیرا نے جلدی سے کہا اور روحیل ہنس پڑا۔ سمیرا بھی ہنس کر اُس کے سینے سے لگی۔ سیلز گرل بھی اپنی ہنسی کو نہ روک سکی۔

جلد ہی ایک بار پھر وہ فضاؤں سے بات کر رہے تھے۔ روحیل بہت تیز بائیک چلا رہا تھا اور سمیرا نے اپنا سر روحیل کے کندھے پر رکھا ہوا تھا ایسے میں سمیرا نے اُس کے کان کے پاس آ کر کہا۔

''میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو۔'' روحیل نے موٹر سائکل چلاتے ہوئے کہا۔

''آپ کیوں مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں؟ لڑکیاں تو بہت آئیں ہوں گی آپ کی زندگی میں۔'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور وہ ہنسنے لگا۔

''یقین کرو تم پہلی نہیں ہو...... یہ سوال بہت سے لوگوں نے مجھ سے پہلے بھی کیا ہے۔''

''اور آپ کا جواب کیا ہے؟''

سمیرا نے مسکرا کر پوچھا اور روحیل نے پلٹ کر ایک جھلک اُسے دیکھا اور موٹر سائکل دوڑاتا ہوا ایک پارک کے پاس لے گیا۔ اس نے موٹر سائیکل کو پارک کیا اور اور پلٹ کر اپنی بیوی کو دیکھا۔

''تم واقعی جاننا چاہتی ہو؟''

''اتنا لمبا جواب ہے کہ موٹر سائیکل روکنی پڑی؟''

سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''ہاں اتنا ہی لمبا جواب ہے۔''

''تو بتائیے، کیا جواب ہے آپ کا؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں بچپن سے ہی Co-Education میں پڑھا ہوں، لڑکیوں کی کمی زندگی کی کسی حصے میں نہیں رہی۔ جب لندن میں تھا تو کلبز بھی جاتا تھا، ڈانس وغیرہ بھی کرتا تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی میرے پاس آتی، مجھے لبھانے کی کوشش کرتی۔ کبھی کبھی قدم بھی ڈگمگا جاتے لیکن میں ایک بات جانتا تھا کہ مجھے اپنی شریکِ حیات میں صرف اپنی ہی نہیں، زین اور پوپس کی خوشی بھی ڈھونڈنی ہے۔ مجھے ایک لڑکی نہیں بلکہ ایک لڑکی کے اندر ایک گھر کی تلاش تھی جو ہم تینوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے۔''

روحیل کہتا جا رہا تھا اور سمیرا پیار سے اُس کا چہرا دیکھنے لگی۔

''میں نے دُنیا دیکھی ہے سمیرا...... میں نے نجانے کتنی لڑکیاں دیکھی ہیں...... ہر لڑکی میں حُسن تو دکھائی دیا......لیکن میرا گھر...... مجھے تمھارے اندر دکھائی دیتا ہے مجھے اپنا مستقبل......تمھارے اندر دکھائی دیتا ہے...... مجھے میرے بچّے دکھائی دیتے ہیں ایک خاندان دکھائی دیتا ہے بس اس لیے تم سے محبت ہر دن ہر لمحہ بڑھتی جا رہی ہے رُکنے کا نام ہی نہیں لیتی......''

روحیل نے کندھے اُچکا کر کہا اور سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ سر جھکا گئی۔ روحیل نے آگے بڑھ کر سمیرا کا ماتھا چُوم لیا اور اس نے اپنا سر روحیل کے سینے پر رکھ لیا۔ یہ سچ تھا کہ وہ دونوں میاں بیوی تھے لیکن جو محبت ان کے درمیان تھی وہ احساس پر مبنی تھی اور زندگی گزارنے کے لیے یہی کافی تھا۔

☆......☆

شاپنگ سے لوٹ کر دونوں میاں بیوی گھر آئے تو روحیل ہال کے صوفے پر لیٹا اور ٹی وی چلا کر چینل دیکھنے لگا۔ سمیرا نے تجوری کو کھولا اور سونے کا ہار رکھ کر واپس آئی۔

''چائے پیئں گے؟......''

''ہاں یار ذرا تگڑی سی چائے ہو جائے۔'' روحیل نے مچل کر کہا اور ٹی وی دیکھنے لگا۔

''ابھی لائی۔''

سمیرا نے مسکرا کر کہا اور کچن کی طرف چلی۔ ایسے میں روحیل کا موبائل فون بجا، روحیل نے دیکھا فخاد کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے مسکرا کر فون اٹھایا اور بولا۔

''ہاں جانی بول۔''

''روحیل یار سعد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' فخاد نے پریشان ہو کر بتایا۔

''ارے کیسے؟'' روحیل پریشان ہو کر اٹھا۔

''زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے، نارمل چوٹیں آئیں ہیں اور پنجا فریکچر ہوا ہے۔ میں اسپتال میں ہی ہوں اس وقت۔'' فخاد نے فون پر بات کرتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹرز کیا کر رہے ہیں؟'' روحیل نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ابھی تو اندر ہی ہیں، تو یہاں آ سکتا ہے پلیز؟'' فخاد نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، میں ابھی آ رہا ہوں۔''

روحیل نے جلدی سے کہا اور فون بند کر کے باہر کی طرف گیا۔

''ارے کہاں جا رہے ہیں؟ چائے بن رہی ہے؟''

کچن سے نکل کر سمیرا نے آ کر پوچھا۔

''سعد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، اسپتال جا رہا ہوں، کچھ دیر میں آ جاوں گا واپس۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''پر آپ کی چائے؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''کوئی بات نہیں، میں چلتا ہوں جلد آ جاؤں گا۔''

روحیل نے چابی اُٹھاتے ہوئے کہا اور چلتا چلا گیا۔ سمیرا اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☆......☆

قریب قریب روحیل کو گئے ہوئے ایک گھنٹہ ہو گیا تھا۔ سمیرا بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ ایسے میں اُس کا موبائل فون بجا۔ سمیرا نے نام دیکھا تو نمبر لکھے ہوئے نظر آئے۔ اس نے فون اٹھایا۔

''ہیلو؟''

''فون رکھنے کی کوشش بھی مت کرنا......''

دوسری طرف سے شوکت کی آواز سُن کر سمیرا دھک سے رہ گئی۔

''تم؟ تمھیں میرا نمبر کیسے ملا؟'' سمیرا نے خوف کے عالم میں پوچھا۔

''سمیرا......تُو بھولی کی بھولی ہی رہے گی یہ پاکستان ہے یہاں سب کچھ ہو سکتا ہے میرا بچّہ۔'' شوکت نے ہنس کر کہا۔

''مت لو اپنی غلیظ زبان سے میرا نام۔'' سمیرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، نہیں لیتا تمھارا نام......کیا فرق پڑ جائے گا باپ تو میں ہوں تمھارا ت، مھاری رگوں میں خون تو میرا ہی دوڑ رہا ہے۔'' شوکت نے ہنس کر کہا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟'' سمیرا نے نفرت کے عالم میں پوچھا۔

''ایک باپ اپنے بچّوں سے کیا چاہتا ہے؟ مدد ہی چاہ سکتا ہے اور کیا؟ اور ہمیشہ تُو ہی میرے کام آئی ہے اس لیے میں نے تجھ سے تعلق رکھنا بہتر سمجھا۔ مجھے نہیں پرواہ کہ زارا یا ثمینہ کیا کر رہی ہیں جب تک سمیرا میری مدد کے لیے ہے مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہیں۔''

شوکت نے مسکرا کر کہتا چلا گیا۔

''تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں تمھاری مدد کروں گی؟'' سمیرا نے غرّا کر کہا۔

''مدد تو تمھیں بیٹا کرنی پڑے گی اپنے باپ کو مرتے ہوئے تُو نہیں دیکھ سکتی تجھے پتا ہے مجھے جُوّے کے لیے رقم اور شراب نا ملے تو میرا دل گھبرانے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے داماد جی کی آفر کو ٹھکرایا، میں

جانتا تھا کہ میں اگر داماد جی کے ساتھ رہا تو یہ کام نہیں کر سکوں گا۔‘‘شوکت نے منھ بنا کر کہا پھر ہنس کر بولا۔

’’زیادہ نہیں بتیس ہزار چاہیے۔‘‘

’’دفع ہو جاؤ یہاں سے۔تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں اپنے بابا اپنے شوہر کی حلال کی کمائی تمھارے حرام کاموں پر لگاؤں گی۔ مجھے گھن آتی ہے تم سے۔‘‘سمیرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

’’ٹھیک ہے مت لگوا اپنے شوہر کی حلال کی کمائی تمھیں مجھ سے گھن آتی ہے نا؟ میں سمجھ سکتا ہوں لیکن ذرا سوچو اور اگر داماد جی کو سچ کا پتا چل گیا......تمھارے سسر کو سچ کا پتا چل گیا......تو انھیں تم سے کتنی گھن آئے گی؟......‘‘

شوکت کہ یہ الفاظ سمیرا پر پہاڑ بن کر گرے! وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے زمین کو تکنے لگی۔اُس کا سانس اُکھڑنے لگا۔خون جیسے گردش کرنا بھول گیا۔وہ سکتے کے عالم میں فون کو کان سے لگائے رہی۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

’’نہیں نہیں دو پل کے لیے سوچ جس دن تیرے میاں کو سچ پتا چلا نا، نہ ہی گھر تیرا ہو گا نا ہی تیرے پاس پیسہ اور نا ہی تیرا بابا......سب کچھ تیرے پاس سے پلک جھپکتے چلا جائے گا۔‘‘

شوکت نے ہنس کر کہا اور سمیرا بت بنی اُسے سُننے لگی۔

’’وہ کیا نام ہے تیرے نوکر کا؟ سلطان؟ اُسے تیس ہزار نقد دے کر گھر کے باہر بھیجو، میں یہ پیسے لے کر چلتا بنوں گا اور تم رہو اپنی شان وشوکت میں خدا کی قسم میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا ہاں لیکن جب اس گاڑی میں پیٹرول ختم ہو گا تو پھر انجن آواز تو کرے گا۔‘‘

شوکت نے شوخ لہجے میں کہا اور ہنسنے لگا۔سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

’’میں انتظار کر رہا ہوں تیس ہزار روپے نقد۔‘‘

یہ کہہ کر شوکت نے فون بند کر دیا۔سمیرا کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔اُس کے پسینے چھوٹنے لگے، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔دو پل سوچنے کے بعد وہ اٹھی اور لاکر کھولنے لگی۔لاکر کھلا اور سمیرا نے اپنے شوہر اور سسر کی حق حلال کی کمائی رکھی ہوئی دیکھی۔سمیرا کے ہاتھ کانپنے لگے لیکن وہ کچھ اور کر نہیں سکتی تھی بڑی مشکلوں سے اس نے تیس ہزار روپے نکالے۔

’’سُل سُلطان؟‘‘سمیرا نے آواز دی۔

کچھ پل بیت گئے پر سُلطان نہیں آیا۔

’’سلطان؟‘‘سمیرا نے زور سے آواز دی۔

’’جی باجی؟‘‘

سلطان کی آواز آئی اور وہ بھاگا بھاگا آیا۔

''سلطان یہ لفافہ باہر لیکر جاو، باہر ایک شخص ہوگا اُسے دے دو۔''

سمیرا نے سرد لہجے میں اُسے ہدایت دی۔

''اچھا باجی ابھی دے کر آیا۔''

سلطان نے سر ہلا کر کہا اور دوڑتا چلا گیا۔سمیرا اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔اس کی حالت غیر ہو رہی تھی، وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُس کا اپنا سگا باپ یہ حرکت کر سکتا ہے۔

☆......☆

سمیرا بُت بنی صوفے پر بیٹھی تھی۔شوکت کیا چاہتا تھا وہ اب سمجھ گئی تھی۔اُس کا اپنا والد اُسے بلیک میل کر رہا تھا اور سمیرا یہ سوچ سوچ کر گھبرا رہی تھی کہ خدا نا خواستہ سچ کا پتا اگر اُس کے شوہر کو چل گیا تو کیا غضب ہوگا؟ کیا وہ اس گھر میں رہ سکے گی؟ کیا بالاج صاحب اُسے اپنا سکیں گے؟ کیا اُس کے خالو جان سر اُٹھا کر سماج میں جی سکیں گے؟ خالو جان؟ ہاں شاید اُسے اپنے خالو جان سے بات کرنی چاہیے لیکن نہیں وہ پریشان ہو جائیں گے......زارا؟ مگر مگر زارا تو پریگننٹ ہے، اس حالت میں اُسے اسٹریس دینا بالکل ٹھیک نہیں ہوگا۔

سمیرا کا سر گھومنے لگا، اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس سے بات کرے؟ کیا کہے؟ یا اللہ! یہ کس عذاب میں وہ مبتلا ہو گئی تھی۔وہ ابھی بیٹھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ آواز آئی۔

''سمیرا؟ سمیرا کہاں ہو؟''

روحیل کی آواز سُن کر وہ بُری طرح چونکی اور آنسو پونچھ کر باہر آئی تو دیکھا اُس کا شوہر گھر کے اندر آ رہا ہے۔

''آپ آ گئے؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''ہاں پر تم کہاں تھیں؟ روحیل نے اُس کے پاس آ کر پوچھا۔

''اندر۔'' سمیرا نے مختصر جواب دیا اور روحیل صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں گیا تھا اسپتال، شکر ہے خدا کا سعد خطرے سے باہر ہے لیکن پیسے ابھی جمع کرانے ہیں۔اسپتال کا سسٹم کام نہیں کر رہا تو انھیں کیش چاہیے۔ذرا جلدی سے لاکر سے پچاس ہزار نکال کر مجھے دے دو۔''

روحیل کے یہ جملے سُن کر سمیرا کے اوپر جیسے پہاڑ گرا! وہ دھک سے رہ گئی۔اُسے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی جلدی اُس کے شوہر کو روپے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔وہ سکتے کے عالم میں وہیں کھڑی رہی۔یقینی طور پر تجوری میں پچاس ہزار روپے نہیں تھے۔وہ ساکت نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگی۔پیسے تو وہ اپنے

باپ کو دے چکی تھی تو اب کہاں سے پچاس ہزار لا کر دے؟

روحیل نے اُسے ایک نظر دیکھا اور پھر سے کہا۔

''سمیرا جاؤ پیسے لا کر دو۔''

اس کی بات سُن کر بھی سمیرا اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ روحیل نے اُسے دیکھا اور منہ بنا کر کہنے لگا۔

''اچھا چلو میں خود دے لیتا ہوں......''

یہ کہہ کر وہ لاکر کی طرف بڑھا اور سمیرا کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ خالی خالی نظروں سے روحیل کو تکتی رہی۔ جلد ہی وہ لاکر کے سامنے موجود تھا۔ سمیرا پتھرائی ہوئی پیچھے کھڑی روحیل کو دیکھنے لگی۔

''سمیرا ایک بات پوچھوں؟'' روحیل نے لاکر کھولتے ہوئے کہا۔

''جی؟'' سمیرا گھبرا کر بولی۔

''تم سب کو کب بتاؤ گی کے تمھارے والد زندہ ہیں؟'' روحیل نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''کک کیوں؟'' سمیرا گھبرا گئی۔

''ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔'' روحیل نے تجوری کھولتے ہوئے کہا۔

''صحیح وقت پر۔'' سمیرا نے جلدی سے جواب دیا۔

''ثمینہ کتنا خوش ہو گی جب وہ یہ دیکھے گی کہ اُس کے والد زندہ ہیں مجھے سب سے زیادہ خوشی اُسی کی ہے وہ ابھی بچّی ہے اور اُسے والد کی ضرورت ہے۔''

روحیل نے مسکرا کر کہا اور لاکر کھول کر پیسے نکالنے لگا لیکن لاکر میں صرف بیس ہزار رکھے تھے۔

''بیس ہزار؟'' روحیل کے منہ سے نکلا۔

''کیا ہوا؟'' سمیرا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''یار تیس ہزار کم ہیں لاکر میں۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''کہاں گئے؟'' سمیرا نے انجان بن کر پوچھا۔

''ہم پولیس نے نکالے ہوں گے شٹ! اب مجھے بینک جانا پڑے گا۔''

روحیل آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا اور سمیرا کی جان میں جان آئی۔ وہ شکر کا سانس لینے لگی۔

ایسے میں سلطان دوڑا ہوا آیا۔

''ارے باجی آپ کو بتایا نہیں میں نے وہ آپ کا کام ہو گیا وہ میں نے اُسے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ سلطان ٹھیک ہے۔'' سمیرا ایک دم سے بولی۔

''جی باجی وہ۔'' وہ پھر سے بولا۔

''سلطان ٹھیک ہے۔ جاؤ! کام کرو!''

سمیرا نے جلدی جلدی کہا اور وہ سر ہلا کر چلا گیا۔

''کیا ہوا؟'' روحیل نے تجوری بند کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ میں نے اُسے دہی لینے بھیجا تھا۔'' سمیرا نے جلدی سے سفید جھوٹ کہا۔

''اچھا؟ دہی لینے کے لیے تو آپ مجھے کہا کرتی تھیں۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ہاں بس وہ جلدی چاہیے تھا کچھ۔''

یہ کہہ کر سمیرا نے پلٹ کر دیکھا تو سلطان جا چکا تھا۔ وہ پلٹی اور روحیل نے اُسے اپنی بانہوں میں لیا۔

''ہاہ!'' سمیرا ایک جھٹکے میں روحیل کی بانہوں میں آ گئی۔

''کتنی اچھی لگ رہی ہو۔'' روحیل نے اُسے اپنے آپ سے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''روحیل کوئی دیکھ لے گا۔'' سمیرا نے گھبرا کر کہا۔

''دیکھنے دو، اپنی بیوی سے ہی رومانس کر رہا ہوں کسی اور سے تو نہیں۔'' روحیل نے مزے سے کہا اور اپنے ہونٹ اُس کے ہونٹوں کے قریب کیے۔

''نہیں ابھی نہیں آپ سعد بھائی کے پاس جائیں پہلے۔'' سمیرا نے پیچھے ہوتے ہوئے کہا۔

''چلا جاؤں گا بس دو منٹ پیار کرنا ہے۔'' روحیل نے اُسے بانہوں میں لیے ہوئے کہا۔

''نہیں آپ جائیں انھیں آپ کی ضرورت ہے۔'' سمیرا نے روحیل کو سمجھایا۔

''اچھا بابا جاتا ہوں لیکن جلد آؤں گا، رات میں کھانا آج باہر کھانے چلیں گے اوکے؟''

روحیل نے پیار سے کہا اور چلتا چلا گیا اور سمیرا مشکلوں سے مسکراہٹ اپنے لبوں پر چسپاں کر کے اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

جب روحیل چلا گیا تو سکون کا سانس لیا۔ وہ اپنا سر پکڑ کر کھڑی تھی۔

اچانک اُس کا موبائل فون بجا! اور سمیرا نے چونک کر فون اٹھایا: ''ہیلو؟ ہیلو؟ ہیلو!''

''واہ بھابھی! اتنی جلدی فون اٹھالیا؟''

دوسری طرف سے زین نے ہنس کر یہ جملے کہے اور سمیرا اپنا سر پکڑ کر بیٹھتی چلی گئی۔ پسینہ اُس کے ماتھے پر چمک رہا تھا اور وہ اس وقت بُری طرح گھبرائی ہوئی تھی، بُری طرح۔

☆......☆

شوکت نے اپنا پہلا وار کر دیا تھا،اس نے سمیرا کو بلیک میل کیا کہ اگر اس نے یہ تیس ہزار نا دیے تو وہ سب کچھ روحیل کو بتا دے گا۔سمیرا معاملے کی نزاکت کو سمجھ کر اپنے باپ کو پیسے دے چُکی تھی۔پانچ دن گزر گئے لیکن شوکت نے پلٹ کر سمیرا کو فون نا کیا۔شاید اس کی خوراک ابھی ان پیسوں سے چل رہی تھی۔سمیرا اس ذہنی اذیت کے ساتھ گھر کا خیال بھی رکھ رہی تھی۔گھر کے مرد اُس سے بے انتہا خوش اور مطمئن تھے، انھیں اندازہ نہیں تھا کہ سمیرا کس پریشانی سے گزر رہی ہے۔ان پانچ دنوں میں سمیرا کو دو بار سوتے ہوئے اٹیک بھی آیا جسے روحیل نے بخوبی سنبھال لیا۔وہ سمیرا کو اپنی بانہوں میں سما لیتا اور سمیرا سکون میں آ کر سو جاتی۔روحیل اب اس سوچ میں تھا کہ سمیرا کا یہ علاج کیسے اور کس طرح کیا جائے؟

دوسری طرف حسب معمول سب کچھ اچھے سے گزر رہا تھا۔شکیلہ بیگم زارا کا خیال کر رہی تھیں اور آصف اس خوشخبری سے بے انتہا خوش تھا۔تہمینہ بیگم اور اشرف صاحب بھی زارا کی خیریت پوچھتے رہتے اور اپنی حیثیت کے مطابق زارا کے لیے کچھ نا کچھ خریدتے رہتے۔

ایک شام ثمینہ گھر سے نکل کر شفیق صاحب کے گھر کی طرف بڑھی اور بے دھڑک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

''نتاشہ نتاشہ کہاں ہو؟'' ثمینہ نے اندر آ کر کہا۔

''یہیں ہوں ثمینہ باجی کیا حال ہیں؟'' نتاشہ نے نیچے آتے ہوئے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں،تم سناؤ تم نے مجھے بلایا؟'' ثمینہ نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی بہت ضروری کام سے بلایا ہے آپ کو۔ابھی تو گھر پر کوئی بھی نہیں ہے،سب گئے ہوئے ہیں، میں تو اوپر دعوت کی تصویروں کی سلائڈ شو بنا رہی تھی سوچا تصویروں پر آپ سے مشورہ کر لوں۔'' نتاشہ نے مسکرا کر کہا۔

''ارے واہ! یہ تو بہترین آئیڈیا ہے چلو لیپ ٹاپ لے کر آؤ۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''ایک سیکنڈ لیپ ٹاپ لے کر آتی ہوں۔''

نتاشہ نے خوش ہو کر کہا اور دوڑ کر اپنا لیپ ٹاپ لینے چلی گئی۔ثمینہ صوفے پر بیٹھی۔جلد ہی نتاشہ واپس آئی اور ثمینہ کے پاس بیٹھی اور کہنے لگی۔

''یہ دیکھیے، پُورا لڑکیوں کا گرُوپ۔''

''سب کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔'' ثمینہ نے تصویر دیکھ کر کہا۔

''ہاں لیکن سمیرا باجی کی شکل دیکھ کر لگ رہا ہے وہ کوئی سسپینس فلم دیکھ کر آئی ہیں۔'' نتاشہ نے منہ بنا کر کہا اور دونوں ہنسنے لگیں۔

''ایک کام کرو یہ تصویر فوٹو شاپ کر دو، تھوڑی مسکراہٹ ڈال دو ان کے چہرے پر......'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔'' نتاشہ نے ہنس کر کہا اور اگلی تصویر لگائی۔

''شکیلہ آنٹی کی ساڑھی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔

''امی کو ساڑھیاں بہت پسند ہیں۔'' نتاشہ نے مسکرا کر بتایا اور اگلی تصویر لگائی۔

''آصف بھائی اور زارا بھابی، جلد ہی دونوں دو سے تین ہو جائیں گے۔'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

''آمین۔'' نتاشہ نے بھی خوش ہو کر اپنے بھائی اور بھابی کو دعا دی۔

نتاشہ نے اگلی تصویر لگائی۔

''یہ دیکھیں روحیل بھائی اور سمیرا بھابی کا چہرا۔''

''پتا نہیں کیا بات تھی دونوں کا مُوڈ خراب تھا۔'' ثمینہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''سمیرا باجی تھوڑی پریشان رہتی ہیں شاید انھوں نے پریشان کر دیا ہو روحیل بھائی کو۔'' نتاشہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہو سکتا ہے......''

ثمینہ نے بڑبڑائی اور نتاشہ نے اگلی تصویر لگائی۔ اگلی تصویر میں زین اور ثمینہ کھڑے تھے۔ یہ تصویر دیکھ کر ثمینہ کا دل دھڑک گیا۔ وہ گھبرا کر کہنے لگی۔

''نتاشہ یہ تصویر سلائیڈ شو میں نہیں ڈالنا۔''

''کیوں؟'' نتاشہ مسکرا کر بولی۔

''اہمم اچھی نہیں آئی۔'' ثمینہ نے گھبرا کر کہا۔

''تصویر اچھی نہیں آئی یا کسی کو ابھی دکھانی نہیں ہے؟'' نتاشہ نے ہنس کر کہا۔

''حد ہوتی ہے نتاشہ۔'' ثمینہ نے سر پکڑ کر کہا۔

''اچھا میں حد کر رہی ہوں؟ آپ دونوں نے میچنگ کی ہوئی تھی اُس دن۔'' نتاشہ نے ہنس کر کہا۔

''وہ تو میری سزا تھی زین کی طرف سے۔'' ثمینہ نے چڑ کر کہا۔

''انھوں نے آپ کو سزا کیوں دی؟'' نتاشہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''نمک والا حلوہ جو کھلا دیا تھا۔'' ثمینہ نے چڑ کر بتایا اور دونوں ہنسنے لگیں۔

''تو زین بھائی نے آپ کو نیلا رنگ پہننے کے لیے کہا؟ اور آپ کو یہ سزا لگ رہی ہے؟'' نتاشہ نے ہنس کر پوچھا۔

''تو؟ تمھیں کیا لگ رہا ہے؟'' ثمینہ نے اُسے دیکھ کر پیار سے پوچھا۔

''مجھے تو لگ رہا ہے کہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہے۔''

نتاشہ نے ہنس کر کہا اور ثمینہ مسکرانے لگی اس نے ایک نظر نتاشہ کو دیکھا اور پوچھا۔

''زین نے تم سے کچھ کہا؟''

''زین بھائی تو بولنے کی مشین ہیں۔ وہ تو نجانے کیا کیا بولتے رہتے ہیں۔ لیکن اتنا مجھے پتا ہے کہ وہ آپ کو چاہتے ہیں۔''

نتاشہ نے پیار سے کہا اور ثمینہ کے دل میں لڈّو پھوٹنے لگے۔ وہ خوشی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ چلتی ہوئی کھڑکی کے سامنے گئی اور مسکرا کر باہر کا منظر دیکھنے لگی۔

''نتاشہ میں جانتی ہوں کہ زین مجھے اچھا لگنے لگا ہے لیکن ڈرتی ہوں، ڈرتی ہوں کہ میں زین کی نظر میں مذاق بن کر نہ رہ جاوں...... ڈرتی ہوں کہ وہ مجھے پسند کرتا بھی ہے یا نہیں زین میں بچپنا ہے، دیوانہ ہے۔ کیا پتا جو باتیں وہ مجھ سے کرتا ہے وہ مذاق کے سوا کچھ نہیں پھر تم ہی بتاو میں کہاں جاؤں؟ میں کس سے اپنے دل کی بات کہوں؟''

''آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں جیسا آپ سوچ رہی ہیں زین بھائی ویسے بالکل بھی نہیں ہیں وہ شرارتی ہیں لیکن محبت کے معاملے میں بالکل روحیل بھائی پر گئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی آپ کو پسند کرتے ہیں۔''

نتاشہ نے اُس کے قریب آ کر کہا اور ثمینہ مسکرا کر سر جھکا گئی۔ تب ہی وہ چونک کر کہنے لگی۔

''پر تم یہ بات کسی کو بتانا مت۔''

''اسکی تو فیس لگے گی۔'' نتاشہ نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''حد ہوتی ہے۔'' ثمینہ چڑ کر بولی۔

''تین چوکلیٹ کے ڈبّے وہ بھی بڑے والے۔'' نتاشہ نے مستی میں کہا اور ثمینہ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

''اچھا بابا پہنچا دوں گی، فی الحال ہم تصویریں فائنل کر لیں؟''

''اوہ ہاں میرا اسلائیڈ شو۔''

نتاشہ نے چونک کر کہا اور ثمینہ ہنس کر اُس کے ساتھ واپس لیپ ٹاپ کی طرف چلی گئی۔ قریب قریب آدھا گھنٹا ثمینہ اور بیٹھی اور واپس اپنے گھر کو چلی گئی۔

☆......☆

ثمینہ کے جانے کے بعد نتاشہ اپنے کمرے میں آئی اور اپنے موبائل سے کسی کا نمبر ملایا۔ جلد ہی

دوسری طرف سے زین کی آواز آئی۔

''ہاں نتاشہ کیا رپورٹ ہے؟''

''کام ہوگیا باس!'' نتاشہ نے غنڈوں کی طرح کہا۔

''ارے واہ! تو کیا کہا ثمینہ نے؟'' زین نے مچل کر پوچھا۔

''آپ کہیں تو واٹس اپ پر پوری گفتگو کا وائس نوٹ بھیج دوں؟، میں نے چپکے سے ساری باتیں رکارڈ کی ہیں اُنکی۔'' نتاشہ نے مسکرا کر بتایا۔

''موٹی کتنی خطرناک ہو تم!'' زین نے گھبرا کر کہا۔

''میں اتنی بھولی نہیں ہوں جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔'' نتاشہ نے ہنس کر کہا۔

''ماننا پڑے گا۔'' زین نے سر ہلا کر کہا۔

''بھیجوں یا ڈیلیٹ کر دوں؟'' نتاشہ نے پوچھا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ! بھیجو!'' زین نے مچل کر کہا۔

''لیکن میری فیس کا کیا ہوگا؟'' نتاشہ نے بھنویں اوپر چڑھائیں۔

''کیا فیس ہے تمھاری؟'' زین نے منہ بنا کر پوچھا۔

''تین بڑے چوکلیٹ کے ڈبّے۔'' نتاشہ نے انگلی آگے کر کے کہا۔

''تین کس خوشی میں بھائی؟'' زین نے آنکھیں نکالیں۔

''زین بھائی کم از کم پیار میں تو کنجوسی نا کریں!'' نتاشہ نے چڑ کر کہا۔

''اوکے اوکے ڈن اب بھیجو وائس نوٹ!''

زین نے منہ بنا کر کہا اور نتاشہ مسکرا کر اُسے ثمینہ کی گفتگو بھیجنے لگی۔

لیڈی ڈاکٹر زارا کا الٹرا ساونڈ کر رہی تھیں اور آصف زارا کا ہاتھ تھامے ہوئے مونیٹر اسکرین دیکھ رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہے ڈاکٹر؟'' زارا نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ہے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔'' لیڈی ڈاکٹر نے بتایا۔

''تھینک گاڈ۔'' آصف کے منہ سے نکلا۔

''بچّے کی ہارٹ بیٹ بھی نارمل ہے اور پروگریس بھی نارمل ہے۔ ان شا اللہ سب صحیح رہے گا۔'' لیڈی ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کا مطلب کہ بچّہ نارمل ڈیلیور ہوگا؟'' آصف نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے، ابھی تو قریب قریب چھ مہینے کا وقت باقی ہے۔'' ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا پھر بولیں۔

''آپ لوگ جینڈر پتا کرنا چاہیں گے؟''

ڈاکٹر کے سوال پر زارا اور آصف ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''بولیے؟'' انھوں نے پھر پوچھا۔

''اہمم نہیں ڈاکٹر ہم سرپرائز رکھنا چاہتے ہیں۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں ویسے بھی بچّہ صحت مند ہونا چاہیے، باقی جو اللہ عطا کرے۔'' آصف نے سر ہلا کر کہا۔

''بہت اچھی بات ہے، ایسی ہی سوچ ہونی چاہیے، اکثر والدین بے چین ہو جاتے ہیں کہ انھیں جینڈر پتا کرنا ہوتا ہے لیکن یہ بہت کم والدین سوچتے ہیں کہ بچّے کی صحت کتنی خاص بات ہوتی ہے۔''

لیڈی ڈاکٹر نے تعریف کی اور زارا ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ آصف سوچنے لگا۔ زارا کن اکھیوں سے آصف کو دیکھنے لگی جب کہ آصف نے چہرا دوسری طرف کیا ہوا تھا۔ تنگ آ کر زارا نے مچل کر کہا۔

''کیا جینڈر رہے بچّے کا؟''

زارا کے سوال پر لیڈی ڈاکٹر حیران رہ گئی۔

''زارا! دھوکے باز!'' آصف نے چونک کر کہا۔

''چھوڑیں نا آپ بھی جاننا چاہتے ہیں ہے نا؟'' زارا نے جھلّا کر کہا۔

''نہیں نہیں میں نہیں جاننا چاہتا۔'' آصف گھبرا کر بولا۔

''آصف میرے سامنے ڈرامے نہیں کریں۔'' زارا نے منھ بنا کر کہا۔

''ہاں جاننا چاہتا ہوں لیکن اُس وقت مزہ الگ آئے گا۔'' آصف نے بے چین ہو کر کہا۔

''یہ کوئی بریانی نہیں ہے جس کے آپ مزے لیں گے۔'' زارا نے جھنجلا کر کہا۔

''تو میں جنس بتاؤں؟'' لیڈی ڈاکٹر نے ہنس کر پوچھا۔

''جی۔'' آصف نے بے بس ہو کر کہا۔

''نہیں۔'' زارا نے اُداس ہو کر کہا اور دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اب تم نہیں کہہ رہی ہو؟'' آصف نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں کیوں کہ آپ کو نہیں جاننا نا۔'' زارا نے جھنجلا کر کہا۔

''نہیں اگر تمھیں جاننا ہے تو او کے۔'' آصف نے بے چین ہو کر کہا۔

''رہنے دیں رستے بھر مجھے ڈانٹیں گے۔'' زارا نے منھ بنایا۔

''آپ کو کیا جینڈر پتا کرنا ہے آصف صاحب؟'' ڈاکٹر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ارے نہیں ڈاکٹر آپ غلط سمجھ رہی ہیں، مجھے بس صحتمند بچّہ چاہیے، لڑکا لڑکی سے فرق نہیں پڑتا۔'' آصف نے پھر اپنی بات کہی۔

''لڑکا ہونا چاہیے۔'' زارا نے اک دم سے کہا۔

''زارا۔'' آصف بھی جھنجلا گیا۔

''کیا ہو گیا میں اپنی خواہش بتا رہی ہوں کوئی گناہ تو نہیں ہے۔'' زارا نے چڑ کر کہا۔

''بھئی دعا کرو جو ہو ساتھ خیریت سے ہو بس۔'' آصف نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''آپ کو کیا چاہیے؟'' زارا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''مجھے تو بیٹیاں بہت پیاری لگتی ہیں۔'' آصف نے ہاتھ پھیلا کر جواب دیا۔

''چلیں ڈاکٹر بیٹی بتا دیں پھر۔'' زارا نے کندھے اُچکا کر کہا۔

''مسز آصف یہ میرے ہاتھ میں تھوڑی نا ہے کہ بچّے کا جینڈر ڈیسائیڈ کروں؟ یہ تو اللہ کے کام ہیں۔'' ڈاکٹر نے ہنس کر کہا۔

''چلیں پھر بتا ہی دیں کہ کیا ہے ہمارے نصیب میں؟'' آصف نے ڈاکٹر کو دیکھ کر پوچھا۔

''لڑکا ہے۔'' ڈاکٹر نے مسکرا کر بتایا۔

''چلو جی، مبارک ہو آپ کو۔'' آصف نے مسکرا کر کہا اور زارا خوش ہوئی۔

''ڈاکٹر جیسا میں نے کہا، بچّہ بس صحت مند ہونا چاہیے، لڑکا لڑکی سے فرق نہیں پڑتا۔''

آصف نے مسکرا کر اپنی بات دوہرائی اور زارا مسکرا کر اپنے شوہر کو دیکھنے لگی۔

جلد ہی دونوں اسپتال سے باہر آئے اور گاڑی میں بیٹھے۔

''اب یہ بتاؤ کہ گھر پر کیا بتانا ہے؟ جینڈر بتائیں یا نہیں؟'' آصف نے بیٹھ کر پوچھا۔

''میں تو کہتی ہوں سرپرائز رکھتے ہیں، جب پتا چلے گا سب کو تو سب خوش ہوں گے۔''

زارا نے خوش ہو کر کہا۔

''یار میں امی اور ڈیڈی سے کیسے چھپاؤں؟'' آصف نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کوئی ویسی بات تو نہیں چھپا رہے، بس ایک سرپرائز ہے۔'' زارا نے اُسے سمجھایا۔

''پھر بھی وہ پوچھیں گے۔'' آصف نے سوچتے ہوئے کہا۔

''چلیں پھر جو پوچھے گا اس کو بتا دیں گے، چھپاتے نہیں ہیں کسی سے۔'' زارا نے مشورہ دیا اور آصف نے سر ہلایا۔

''لیکن میرا دل چاہ رہا ہے میں سمیرا سے اس بات کا ذکر کروں۔ وہ بہت خوش ہوگی۔''

زارا نے خوہو کر کہا۔

''تم چاہتی ہو اُسے بتانا؟'' آصف نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں۔'' زارا نے خواہش ظاہر کی۔

''ٹھیک ہے، ملاؤ اُسے کال۔''

آصف نے اُسے دیکھ کر کہا اور زارا نے اپنا موبائل نکال کر سمیرا کا نمبر ملایا قریب چالیس سیکنڈ کی کال جاتی رہی لیکن سمیرا نے جواب نا دیا۔ زارا نے اُداس ہو کر فون رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟'' آصف نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''اس نے فون نہیں اٹھایا۔'' زارا نے پریشان ہو کر کہا۔

''بزی ہوگی بعد میں کال کرنا۔'' آصف نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''آصف دعوت کے بعد سے سمیرا مجھ سے اور آنی سے بات نہیں کر رہی۔'' زارا نے پریشان کُن لہجے میں بتایا۔

''کیوں؟'' آصف نے چونک کر پوچھا۔

''نجانے کیوں اُس دن آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ دونوں کے درمیان کوئی بات ہوئی ہے لیکن وہ ہم سے بات نہیں کر رہیں۔'' زارا نے پریشان ہو کر کہا۔

''اچھا تم پریشان مت ہو، میں کسی دن روحیل کو فون کر کے پوچھوں گا کے معاملہ کیا ہے اوکے؟''

آصف نے اُسے اطمینان رکھنے کے لیے کہا اور زارا سر ہلا کر رہ گئی لیکن دل سے فکر مند تھی۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ کچھ صحیح نہیں ہے۔ اسی سوچ کے ساتھ وہ دونوں گھر پہنچ گئے۔

☆......☆

ایک روز روحیل نے لاکر کھولا اور پیسے نکال کر حساب کرنے لگا۔ اس نے دوبارہ ہاتھ ڈالا تو لاکر میں پیسے نہیں تھے۔ اس بار وہ بُری طرح چونکا۔

''پچاس ہزار کہاں گئے؟''

اُس کے منھ سے نکلا اور اس نے دوبارہ پیسے گنے۔ کچھ ہی دن پہلے اس نے حساب سے پیسے رکھے تھے لیکن ابھی پچاس ہزار روپے کم تھے۔

''زین؟ زین؟'' روحیل نے آواز دی۔

''جی بھائی؟''

زین نے قریب قریب دوڑتا ہوا آیا، اُس کے ہاتھ میں باسکٹ بال تھی۔
''زین تم نے لاکر میں سے پیسے نکالے ہیں؟'' روحیل نے پلٹ کر اُس سے پوچھا۔
''نہیں بھائی مجھے تو نمبر بھی نہیں پتا لاکر کا، نا میرے پاس چابی ہے۔'' زین نے باسکٹ بال کھیلتے ہوئے بتایا۔
''اچھا؟'' روحیل کہ منھ سے نکلا اور وہ سوچنے لگا۔
''کیا ہوا بھائی؟'' زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
''یار پچاس ہزار کم ہیں۔'' روحیل نے پلٹ کر اُسے بتایا۔
''پوپس سے پوچھیں انھوں نے نکالے ہوں شاید۔''
زین نے اطمینان سے کہا اور چل دیا۔ روحیل زین کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا پھر کسی گہری سوچ میں چلا گیا۔ دو منٹ سوچ کر اس نے لاکر بند کیا اور اُٹھ کر اپنے والد کی طرف بڑھا۔ روحیل جب ہال میں آیا تو بالاج صاحب ہال میں بیٹھے ہوئے اخبار پڑھ رہے تھے۔ حسب معمول ٹی وی چل رہا تھا اور اُس پر پاکستانی سیاست کی خبریں چل رہی تھیں۔
''پوپس؟'' روحیل نے آ کر کہا۔
''ہاں بولو۔'' بالاج صاحب نے اخبار پڑھتے ہوئے پوچھا۔
''پوپس آپ نے پچاس ہزار نکالے ہیں لاکر سے؟'' روحیل نے اپنے والد سے پوچھا۔
''نہیں تو۔'' بالاج صاحب نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا۔
''پوپس آپ نے بھی نہیں نکالے اور زین نے بھی نہیں تو پیسے کس نے نکالے؟''
روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔
''تمھیں یقین ہے پیسے کم ہیں؟'' بالاج صاحب نے پلٹ کر پوچھا۔
''جی میں نے کچھ دن پہلے ہی پیسے رکھے ہیں۔''
روحیل نے حیرت کے عالم میں یہ جملے کہے اور بالاج صاحب اُسے دیکھنے لگے۔ روحیل بھی اُن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے دونوں کی نظروں کا تبادلہ ہوا اور بالاج صاحب نے الجھ کر سر کو نفی میں ہلایا۔
''ناممکن ایسا سوچنا بھی نہیں روحیل گھر کے نوکر بھی بہت چالاک ہو گئے ہیں۔''
''کون نوکر چالاک ہو گئے ہیں پوپس؟ خان بابا؟ جو برسوں سے ہمارے ساتھ کام کر رہے ہیں؟'' روحیل نے جل کر کہا۔
''لیکن تم جو سوچ رہے ہو مجھے وہ پسند نہیں آیا۔'' بالاج صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''پوپس پیسے غائب ہوئے ہیں۔'' روحیل نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں منع کر رہا ہوں نا!''

بالاج صاحب نے اُسے گھور کر دیکھا اور روحیل خاموش ہو گیا۔ اسی لمحے سمیرا چائے کی ٹرے لے کر آئی اور بالاج صاحب کے سامنے رکھی۔ ہمیشہ کی طرح سمیرا گھر کی رانی لگ رہی تھی۔ لال ساڑھی اور بال کھلے ہوئے، ہاتھوں میں چوڑیاں اور ہونٹوں پر لالی۔ سمیرا خاموشی سے چائے بنانے لگی اور روحیل اُسے ساکت نظروں سے تکنے لگا۔ بالاج صاحب بھی خاموش تھے۔

''سمیرا تم نے لاکر سے پیسے نکالے ہیں؟''

روحیل کا بے دھڑک سوال سُن کر سمیرا دھک سے رہ گئی اور گھبرا کر اُسے دیکھنے لگی۔ بالاج صاحب نے پلٹ کر اُسے گھور کر دیکھا۔

''ن نہیں میں نے پیسے تو نہیں نکالے۔'' سمیرا گھبرا کر جواب دیا۔

''سمیرا لاکر میں پچاس ہزار روپے کم ہیں۔''

روحیل نے سخت لہجے میں کہا اور سمیرا کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔

''ارے یار!'' بالاج صاحب نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے۔

''پیسے میں نے نکالے ہیں۔''

''آپ نے؟'' روحیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں۔ مجھے کچھ ضرورت پڑی تھی تو گھر سے ہی پیسے نکال لیے، بوڑھا ہو گیا ہوں اب یاد نہیں رہتا مجھے۔'' بالاج صاحب نے الجھے ہوئے کہا۔

''ابھی آپ نے کہا کہ پیسے آپ نے نہیں نکالے؟'' روحیل نے حیران ہو کر پھر پوچھا۔

''میں کہہ رہا ہوں نا کہ بھول گیا اور یہ تم مجھ سے ایسے کیوں سوال کر رہے ہو؟ باپ میں ہوں کہ تم؟''

بالاج صاحب نے جل کر اُسے ڈانٹا اور روحیل خاموش ہو گیا۔ سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اُس کے فرشتہ نما بابا اس وقت اس کی چوری چھپا رہے تھے۔

''سمیرا چائے دو بیٹا۔''

بالاج صاحب نے خشک لہجے میں کہا اور سمیرا گھبرا کر چائے بنانے لگی۔

''ٹھیک ہے پوپس، میں لاکر کے نمبر بدل رہا ہوں احتیاط اسی میں ہے۔''

روحیل نے نرم لہجے میں کہا اور واپس پلٹا۔ بالاج صاحب نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ روحیل واپس پلٹ کر آیا اور لاکر کے نمبر بدلنے لگا۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا تو لاکر بند کیا اور چابی سے لاک

لگا یا۔ پلٹ کر دیکھا تو سمیرا کو عین اپنے پیچھے پایا۔

''اچھا ہوا تم آ گئیں۔ چابی تمھارے پاس ہے، لاکر نمبر ہے...621۔''

''نہیں روحیل آپ مجھے لاکر نمبر نہیں بتائیں۔''

سمیرا نے پیار سے منع کیا اور روحیل گڑ بڑا گیا۔ گھبرا کر کہنے لگا۔

''آئی ایم سوری سمیرا میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''

''میں جانتی ہوں کہ آپ کا وہ مطلب نہیں تھا لیکن یہ یہ بہت بڑی ذمے داری ہے، آپ مجھ سے یہ ذمے داری لے لیجیے پلیز۔'' سمیرا نے چابی دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا؟ بڑی ذمہ داری؟'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''روحیل۔'' سمیرا نے ساکت لہجے میں اُس کا نام لیا اور پلٹ کر کہنے لگی۔

''میں ایک چھوٹے گھرانے سے ہوں گھر کے کام جانتی ہوں...... گھر کی رکھوالی سمجھتی ہوں میری امی نے مجھے گھر گھر ہستی ہی سکھائی ہے...... خیال رکھنا سکھایا ہے محبت بانٹنا سکھایا ہے...... لیکن...... لیکن یہ پیسے کی ذمہ داری یہ بہت بڑی ذمے داری ہے...... اتنا پیسہ میں نے کبھی اپنی زندگی میں دیکھا تھا...... نا کبھی سنبھالا یہ ذمے داری بڑی ہے بہت بڑی۔''

سمیرا کہتی جا رہی تھی اور روحیل اُسے تکنے لگا۔ سمیرا نے پلٹ کر اپنے شوہر کو دیکھا اور کہا۔

''آپ پلیز یہ ذمے داری اپنے ہاتھوں میں لے لیجیے میں اس کے قابل نہیں ہوں۔''

اس کی بات سُن کر روحیل سر جھکا کر مسکرایا اور کہنے لگا۔

''بس اتنی سی بات؟ کوئی بھی انسان ہنر پیدا ہوتے ہی سیکھ کر نہیں آتا سمیرا چیزوں کا سامنا کر کے ہی انسان سمجھ پاتا ہے کہ زندگی گزارنی کیسے ہے تم بھلے ہی اُس گھر سے تھیں جہاں اتنا پیسہ نہیں لیکن احساسِ ذمے داری تم جانتی ہو اور جب تم ذمے داری کو سمجھتی ہو تو پھر رقم ہو یا کچھ اور اُس سے فرق نہیں پڑتا۔''

روحیل پیار سے کہتا گیا اور سمیرا نے سر جھکا لیا۔

''تم اس گھر کی مالکن ہو اور مالکن رہو گی...... یہ تمھاری ذمے داری ہے اسے سنبھال کر رکھو......'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''اتنے ڈائیلاگز کیسے بول لیتے ہیں آپ؟'' سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

''ایکٹنگ وکالت کا دوسرا نام ہے۔'' روحیل نے آنکھ مار کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔

''اچھا یہ لو نمبر نوٹ کرو۔''

روحیل نے اُسے نمبر بتایا اور سمیرا نوٹ کرنے لگی۔ روحیل اُسے لاکر کی ذمے داری دے کر چل دیا اور

سمیرا کھڑی رہ گئی۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح شوکت کی بلیک میلنگ سے نکلے۔ ایک ہی دن پہلے سلطان لفافہ اور شوکت کو دے آیا تھا۔ اس بار رقم تھی پچاس ہزار۔

☆......☆

شام پانچ بجے کے قریب کوچنگ سینٹر کی چھٹی ہوئی اور ثمینہ ہنستی مسکراتی اپنی دوستوں کے ساتھ کوچنگ سینٹر سے باہر نکلی۔ نیلے کُرتا شلوار میں وہ سب سے حسین لگ رہی تھی۔ ثمینہ مرکزی سڑک پر آئی ہی تھی کہ اس کی نظر کالی ہونڈا سوک پر پڑی جس سے ٹیک لگائے کوئی اور نہیں زین موجود تھا۔ زین نے اس وقت کالا سوٹ پہنا ہوا تھا، شاید وہ لا فرم سے نکل کر سیدھا ادھر ہی آیا تھا۔ ثمینہ کا دل دھڑک گیا اور وہ زین کو دیکھنے لگی۔ زین بھی مسکرا کر اُسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ اپنی سہیلیوں سے نکل کر زین کی طرف بڑھی۔ جلد ہی وہ اُس کے قریب پہنچی۔

''آپ؟ آپ یہاں؟'' ثمینہ نے قریب آ کر پوچھا۔

''جی میں یہاں۔'' زین نے پیار سے کہا۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' ثمینہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ جی کیا ہے کہ آج کل میرے خواب میں خربوزے والے بابا آ رہے ہیں اور انھوں نے مجھے کہا کہ بیٹا زین! منگل والے دن ثمینہ کو کوچنگ سینٹر سے پک کر کے تمھاری مُراد پوری ہوگی، اس لیے چلا آیا۔'' زین نے مستی میں کہا۔

''اچھا تو یعنی آپ مجھے پک کرنے آئے ہیں وہ بھی خربوزا والے بابا کی وجہ سے۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''یقین نہیں آتا تو خود پوچھ لینا یہیں نکّڑ پر بیٹھتے ہیں بابا۔'' زین نے بوکھلا کر کہا اور ثمینہ ہنسنے لگی۔

''بھئی نصیب والوں کے خوابوں میں ایسے بابا آتے ہیں، ایویں نہیں آ جاتے۔''

زین نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''تو اب کرنا کیا ہے؟'' ثمینہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں بس آپ کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولنا ہے۔''

زین نے دانت نکال کر کہا اور گاڑی کا دروازہ کھولا۔ ثمینہ مسکرا کر گاڑی میں بیٹھی اور زین خوشی خوشی ڈرائنگ سیٹ پر آ کر بیٹھا۔

''ویسے سچ بتائیں یہاں سے گزر کیوں ہوا آپ کا؟'' ثمینہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''بس کسی کو رشوت دیتا ہوا گزرا تو سوچا آپ سے ملاقات کرتا چلوں۔'' زین نے نتاشہ کو سوچ کر کہا۔

''لیکن آج اتنی مہربانی کیوں؟ کہ ہمیں گھر ڈراپ کیا جا رہا ہے؟'' ثمینہ نے سر جھکا کر پوچھا۔
''کس نے کہا کہ میں آپ کو گھر ڈراپ کر رہا ہوں؟'' زین نے ہنس کر کہا۔
''کیا مطلب؟'' ثمینہ چونک کر کہنے لگی۔
''چلیے گھر چلتے ہیں، بہت دن ہوئے آپ کی ملاقات آپ کی باجی سے نہیں ہوئی۔''
زین نے ہنس کر کہا۔
''ارے سچ! ہم باجی سے ملنے جا رہے ہیں؟'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا۔
''بالکل۔'' زین نے سر ہلا کر کہا۔
''کیا بات ہے آج کچھ زیادہ ہی بدلے بدلے لگ رہے ہیں آپ۔''
ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔
''آج پہلی بار آپ ہماری گاڑی میں جو بیٹھی ہیں۔'' زین نے مسکرا کر گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔
''بڑی پیاری گاڑی ہے آپ کی۔'' ثمینہ نے تعریف کی۔
''صرف گاڑی ہی نہیں دل بھی پیارا ہے، یہ اور بات ہے کہ لوگ ہمیں ابھی بھی بچّہ سمجھتے ہیں......'' زین نے مسکرا کر کہا اور ثمینہ نے چونک کر اس کو دیکھا۔
''بچّہ ہوں دیوانہ ہوں تھوڑا پاگل بھی ہوں لیکن دل کا سچّا ہوں ورنہ کبھی نمک والا حلوہ نہیں کھاتا......'' زین نے پیار سے کہا اور ثمینہ نے نگاہیں جھکا لیں۔
''میرا دل جانتا ہے کہ جو فیصلہ میں نے کیا ہے وہ سچ کے ساتھ کیا ہے اور میں یقین کے ساتھ بنا کسی بچپنے کے بنا کسی دیوانگی کے بغیر تم سے کہتا ہوں میں تمھیں چاہتا ہوں۔''
زین نے اطمینان سے کہا اور ثمینہ کی سانسیں تیز ہونے لگیں۔ زین نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ثمینہ کا ہاتھ تھام لیا، ثمینہ کانپتی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔
"I love you"۔
زین نے دھیرے سے کہا اور ثمینہ کا کی روح جیسے پرواز کر گئی۔ وہ مسکرا کر گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔
''لائسنس ملتے ہی میں بھابھی سے بات کروں گا۔''
زین نے پیار سے کہا اور ثمینہ مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور مسکرا کر بولی۔
''حد ہوتی ہے۔''
اس کی بات سُن کر زین ہنس پڑا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

☆......☆

''سمیرا باجی!''

ثمینہ دوڑتی ہوئی اندر آئی اور سمیرا بُری طرح چونکی۔ وہ اس وقت سلطان، خان بابا کے ساتھ مل کر چھتوں کی ڈسٹنگ کروا رہی تھی۔ سمیرا نے پیلے رنگ کی ساڑھی پہنی تھی اور پلّو کس کے اپنی کمر پر باندھا ہوا تھا۔

''ارے ثمینہ تم!''

سمیرا اپنی چھوٹی بہن کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوگئی اور دونوں بہنیں آپس میں گلے لگ گئیں۔ زین مسکرا کر انھیں دیکھنے لگا۔

''تم کہاں سے چلی آئیں؟'' سمیرا نے خوش ہو کر پوچھا۔

''یہ ہے نا آپ کے دیور! مجھے کڈنیپ کر کے لے آئے۔'' ثمینہ نے ہنس کر کہا۔

''بھابھی اکیلی سڑک پر کھڑی تھیں اور رکشے والے سے لڑ رہی تھیں کہ بیس روپے کم کرو تو میں نے سوچا کے چلو پک کر لیتا ہوں۔'' زین نے سعادتمندی سے کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔

''حد ہوتی ہے۔ کتنے جھوٹے ہیں آپ!'' ثمینہ نے اکڑ کر کہا۔

''خبردار! جو مجھے جھوٹا کہا! خربوزے والے بابا کہتے ہیں زین جھوٹ نہیں بولتا۔''

زین نے اترا کر کہا۔

''یہ خربوزے والے بابا کون ہیں باجی؟'' ثمینہ نے جھنجلا کر پوچھا۔

''پتا نہیں اسی کی پیداوار ہیں آج کل!'' سمیرا نے چڑ کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''چلو جو بھی ہوا اچھا ہوا، اس بہانے تم آئیں تو صحیح گھر پر، روحیل اور بابا بھی آنے والے ہیں ان کے آتے ہی میں کھانا لگاؤں گی۔ تم بھی کھانا کھا کر جاؤ اب۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''باجی باجی باجی! مجھ سے بھی کچھ پکوانا!'' ثمینہ نے بے چین ہو کر کہا۔

''نہیں۔'' زین کہ منہ سے خوف کے عالم میں نکلا اور وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

''بے فکر رہو زین! اس بار نزرل بابا نہیں ہیں سمیرا ہے یہاں کھانا خراب نہیں ہونے دوں گی۔'' سمیرا نے اکڑ کر کہا۔

''کیا بات ہے بھابھی آپ کی۔'' زین نے تعریف کی۔

''تم جاؤ اوپر جا کر یہ جو اتنے سارے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اُتار کر آؤ نیچے۔'' سمیرا نے چڑ کر کہا۔

''بھابھی ارمانی کا سوٹ ہے۔'' زین نے حیران ہو کر بتایا۔

''جو بھی ہے۔ جاؤ اُتار کر آؤ'' سمیرا نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

''ایسے ہی آجاوں ننگا؟'' زین نے ہاتھ چلا کر پوچھا۔
''دو ماروں گی کھینچ کے! جاؤ جا کر کپڑے بدلو اور نہا کر آنا۔'' سمیرا نے اُسے ڈانٹا اور زین منھ بنانے لگا۔ اس لمحے ثمینہ کا ہنس ہنس کر بُرا حال تھا۔

''اچھا بھئی جا رہا ہوں، جب سے بھابھی آئیں ہیں مجھے بھی صاف ستھرا رہنا پڑتا ہے۔''
زین منھ بنا کے کہتا چلا گیا اور وہ دونوں بہنیں ہنسنے لگیں۔ ایسے میں بالاج صاحب کی چمکتی ہوئی مرسیڈیز آ کر رُکی اور روحیل، بالاج صاحب دونوں گاڑی میں سے اُترے۔
''روحیل، اگر ہمیں Success Fee مل گئی تو سمجھو ہمارا اس سال کا ٹارگٹ پورا۔'' بالاج صاحب نے اندر آتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
''بالکل پوپس اور مجھے یقین ہے کہ دو مہینوں میں فیس مل جائے گی ایک سو چالیس ملین کم رقم نہیں ہے۔'' روحیل نے اندر آتے ہوئے کہا۔
''ایک سو چالس ملین میں ہمارا دس فیصد ہے جو کہ اچھی خاصی رقم ہے۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا اور دونوں چلتے ہوئے اندر آئے۔
''السلام علیکم روحیل بھائی!''
ثمینہ کی چہکتی ہوئی آواز آئی اور وہ دوڑ کر روحیل کے گلے لگی۔
''ارے! آپ کہاں سے آگئیں؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔
''بس ملنے آگئی آپ لوگوں سے۔ السلام علیکم انکل۔'' ثمینہ نے چہکتے ہوئے کہا اور بالاج صاحب کے سینے سے لگی۔
''جیتی رہو جیتی رہو کیسی ہو ثمینہ؟'' انھوں نے پیار سے پوچھا۔
''بالکل اچھی۔'' ثمینہ خوش ہو کر بولی۔
''یہ تو بہت اچھا کیا جو آپ آگئیں آج، آپ کی بہنا تو بہت خوش ہوں گی۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا۔
''بہت خوش ہیں، بلکہ ہم بہنیں آج آپ لوگوں کو کچھ اسپیشل کھلانے والے ہیں۔'' ثمینہ نے خوش ہو کے انھیں دیکھ کر کہا۔
''حلوہ نہیں پلیز!''
روحیل نے گھبرا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔ ثمینہ بُرا سا منھ بنانے لگیں۔
جلد ہی ثمینہ اور سمیرا کچن میں تھے اور سمیرا نے ثمینہ کو حلوہ بنانے کے لیے ہی دیا۔ لیکن اس بار وہ دیکھ

رہی تھی اور ہر چیز کی ترکیب بتا رہی تھی۔ دوسری طرف زین، روحیل اور بالاج صاحب ہاتھ منہ دھو کر کھانے کی ٹیبل پر آ گئے اور تینوں بزنس کی باتیں کرنے لگے۔ جلد ہی سمیرا اور ثمینہ نے کھانا پروسنا شروع کیا اور وہ لوگ ہنسی مذاق کرتے ہوئے کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے بعد باری آئی حلوے کی۔ سب سے پہلے حلوہ زین کو دیا گیا جو بیچارا اوپر سے لے کر نیچے تک کانپ رہا تھا۔ ثمینہ بھی اس لمحے بہت ڈری ہوئی تھی جب کہ روحیل، سمیرا اور بالاج صاحب مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ زین نے ڈرتے ڈرتے حلوہ لیا اور تعریف میں ثمینہ کی طرف دیکھا۔ ثمینہ کی جان میں جان آئی اور اسی کے ساتھ سب نے حلوہ لینا شروع کیا۔ روحیل اور بالاج صاحب تو تعریفیں کرتے رہ گئے اور ثمینہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی باجی کا شکریہ کرنے لگی۔

کھانے کے بعد سیشن چائے کا چلا اور وہ لوگ ہال میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ثمینہ اور سمیرا بحث کر رہی تھیں کہ لڑکیاں زیادہ کارآمد ہیں جب کہ روحیل اور زین لڑکوں کے حق میں آواز اٹھا رہے تھے۔ بالاج صاحب مسکرا کر اپنے بچّوں کو دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ شاید ثمینہ بھی اسی گھر کا ایک حصہ ہے۔

آخرکار وہ لمحہ بھی قریب آیا جب ثمینہ نے الوداع کہنا تھا۔ بالاج صاحب، سمیرا اور روحیل مرکزی دروازے پر موجود تھے جب کہ زین گاری کے پاس کھڑا ثمینہ کا انتظار کر رہا تھا۔

''اچھا انکل چلتی ہوں۔'' ثمینہ نے پیار سے بالاج صاحب سے مخاطب ہوئی۔

''جاو بیٹا لیکن ایک شرط پر۔'' بالاج صاحب نے پیار سے کہا۔

''وہ کیا؟'' ثمینہ نے پوچھا۔

''اب مجھے انکل نہیں بابا کہہ کر پُکارنا۔''

بالاج صاحب کے یہ جملے سُن کر زین کا منہ خوشی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ روحیل بھی مسکرا کر اپنے پوپس کو دیکھنے لگا۔ سمیرا اس لمحے مسکرا رہی تھی۔

''بابا'' ثمینہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بالاج صاحب سے لپٹی۔

''میری ایک نہیں دو دو بیٹیاں ہیں۔''

بالاج صاحب نے پیار سے کہا اور سمیرا کے سر پر ہاتھ رکھا۔ سمیرا نے بھی اپنا سر بالاج صاحب کے سینے پر رکھ لیا۔

جلد ہی ثمینہ گاڑی میں بیٹھی اور زین اُسے لے چلا۔ کافی دیر تک سمیرا اپنی بہن کو ہاتھ ہلا کر الوداع کرتی رہی۔ بالاج صاحب پلٹ کر واپس چلے۔ جب ثمینہ چلی گئی تو سمیرا پلٹی اور رُک کر ایک نظر روحیل کو

دیکھا جو مسکرا کر ابھی بھی مرکزی دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''سمیرا تمھیں کچھ نظر آیا؟'' روحیل نے دروازہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کہانی اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے......ایک دن میں تمھیں اس طرح لے کر آیا تھا آج ثمینہ کو زین اس طرح لایا ہے یہ کہانی دوہرائی جا رہی ہے''

روحیل نے مسکرا کر جیسے اپنے آپ سے یہ جملے کہے اور سمیرا۔ وہ مسکراتا ہوا اندر چلا اور سمیرا کھڑی سوچتی رہی کہ وہ کہنا کیا چاہ رہا ہے۔

☆......☆

شام کو ایک روز تہمینہ بیگم اپنی بالکونی میں بیٹھی ہوئی باہر کا نظارہ کر رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا لیکن وہ اس لمحے مکمل طور پر خاموش تھیں۔ ایسے میں اشرف صاحب ہاتھ میں چائے کا کپ لیے ان کے برابر آ کر بیٹھے۔

''لو بھئی یہ مہینہ بھی ختم ہونے کو آ رہا ہے۔ دفتر میں بھی بہت کام رہا اس مہینے۔''

اشرف صاحب نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور تہمینہ بیگم خاموش رہیں۔

''اب تو زارا اور آصف کی بھی الٹی گنتی شروع ہو گئی ہے، دیکھنا ہے کہ کب خوشخبری آتی ہے۔'' اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''ہمم۔'' تہمینہ بیگم کے منھ سے نکلا۔

''کیا ہوا تہمینہ؟ پریشان ہو؟'' اشرف صاحب نے اپنی اپنی بیگم کو دیکھ کر پوچھا۔

''سمجھ نہیں آتا اشرف یہ پریشانی کب اور کیسے ختم ہو گی۔'' تہمینہ بیگم نے فکرمند ہو کر کہا۔

''کیا بات ہے؟'' اشرف صاحب نے الجھ کر پوچھا۔

''زارا ماں بننے والی ہے اس سے زیادہ خوشی کی کوئی بات ہو ہی نہیں ہو سکتی لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر سمیرا کی طرف سے بھی یہ خوشخبری ملتی۔'' تہمینہ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا۔

''بے فکر رہو، جلد وہاں سے بھی خبر آئے گی۔'' اشرف صاحب نے پیار سے کہا۔

''نہیں اشرف مجھے نہیں لگتا۔'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر اپنے شوہر کو دیکھا۔

''کیوں؟'' اشرف صاحب نے الجھ کر پوچھا۔

''سمیرا نے اب تک روحیل کے ساتھ کوئی رشتہ منسلک نہیں کیا۔'' انھوں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی اتنا مت سوچو، یہ کچھ مہینوں پہلے کی بات تھی، اب تک سب کچھ ہو چکا ہوگا، یاد رکھو مرد اپنی فطرت سے نہیں ہٹ سکتا۔'' اشرف صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''تو کیا...... روحیل نے...... زبردستی؟ ......'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''ارے نہیں بھئی! تم اتنا غلط کیوں سوچ رہی ہو آخر؟'' اشرف صاحب نے تنگ آ کر پوچھا۔

''اشرف آپ کو نہیں پتا نا اُس دن شفیق بھائی کے گھر دعوت میں کیا ہوا تھا۔''

تہمینہ بیگم نے جھنجلا کر کہا۔

''کیا ہوا تھا؟'' اشرف صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''آپ نے نوٹس کیا تھا؟ روحیل اور سمیرا دونوں دعوت میں لیٹ آئے تھے اور جب آئے تھے تو دونوں کا مُوڈ بے حد خراب تھا؟'' انھوں نے فکر مند ہو کر کہا۔

''ہاں میں نے نوٹس کیا تھا۔ لیکن یہ جاننا ضروری نہیں سمجھا، بہتر ہے کہ میاں بیوی اپنے مسلے خود د سلجھائیں۔ کوئی تیسرا ان کے معاملے میں نہ ہی بولے تو وہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ دونوں کے درمیان ہو گئی ہو گی کوئی کوئی بات، میاں بیوی میں ان بن ہو ہی جاتی ہے۔''

اشرف صاحب نے انھیں پیار سے سمجھایا۔

''اشرف، آپ کی بات ٹھیک ہے، میں خود بھی اس بات کو سمجھتی ہوں۔ لیکن سمیرا نے جو بات مجھ سے کہی وہ بہت عجیب تھی...... بہت عجیب۔'' انھوں نے فکر مند ہو کر کہا۔

''کیا کہا سمیرا نے تم سے؟'' اشرف صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''جب میں نے سمیرا سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو اس نے پلٹ کر مجھے جواب دیا 'آپ نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' یہ کہا تھا سمیرا نے مجھ سے۔'' تہمینہ بیگم نے فکر مند ہو کر بتایا۔

''سمیرا نے یہ جواب دیا؟'' اشرف صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی اور وہ دن ہے سمیرا، زارا کی کسی کال کا جواب دے رہی ہے نا میری۔ اس نے ہم لوگوں سے بات چیت بند کی ہوئی ہے۔'' تہمینہ بیگم نے پریشان کُن لہجے میں کہا۔

''اوہ۔'' اشرف صاحب کے منھ سے نکلا۔

''سمجھ نہیں آرہا کہ کیا ہو رہا ہے، کہیں...... روحیل کسی قسم کی زیادتی تو نہیں کر رہا اُس کے ساتھ؟'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''مجھے نہیں لگتا ایسی کوئی بات ہے۔'' اشرف صاحب نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''ابھی آپ نے ہی کہا کہ مرد اپنی فطرت سے نہیں ہٹ سکتا...... روحیل بھی ایک مرد ہی تو ہے ہو سکتا

ہے کوئی ڈیمانڈ کر رہا ہو جو سمیرا پُوری کرتے ہوئے گھبرا رہی ہو اور وہ اُس پر زیادتی کر رہا ہو؟'' تہمینہ بیگم نے خیال پیش کیا۔

''ہمم۔'' اشرف صاحب سوچنے لگے۔

''بتائیں اشرف، مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''تو تم ایک کام کرو، تم روحیل سے بات کرو، کسی دن اُسے گھر پر بُلاو اور صاف صاف پوچھ لو کہ کیا معاملہ ہے؟'' اشرف صاحب نے سوچتے ہوئے کہا اور تہمینہ بیگم سوچنے لگیں۔

''اگر سمیرا کی طرف سے کوئی کمی پیشی ہے تو پھر تم سمیرا کو سمجھانا اُسے بتانا کہ بیوی کے فرائض کیا ہیں۔'' اشرف صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا پھر گہرا سانس لے کر کہنے لگے۔

''بہتر ہے کہ تم اُس سے بالکل اکیلے میں بات کرو، میرے بغیر۔ کیوں کہ میں مرد جب ان باتوں میں پڑتے ہیں تو بات بڑھ جاتی ہے۔ اگر روحیل غلطی پر ہو تو اُسے سمجھاو۔''

''ٹھیک ہے......'' تہمینہ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا اور گہرا سانس لے کر کہنے لگیں۔

''میں روحیل سے بات کرتی ہوں......''

☆......☆

ثمینہ صوفے پر بیٹھی زین کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ ایک گہری مسکراہٹ اُس کے لبوں پر موجود تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جو زین اُسے دیوانہ لگتا تھا آج وہ اُسی کی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ یہی سب کچھ سوچ رہی تھی کہ اس نے اپنا فون اُٹھایا اور زین کے نمبر ملائی۔ جلد ہی سلسلہ ملا۔

''Hi Babe۔''

دوسری طرف سے زین کی آواز آئی۔

''حد ہوتی ہے انسان خیریت تو پوچھ ہی سکتا ہے۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''یار کیا کروں! سر پر امتحان کھڑے ہیں اور محبت بھی میں نے انہی دنوں میں کر لی۔'' زین نے منھ بنا کر کہا اور ثمینہ ہنسنے لگی۔

''اچھا؟ تو یعنی جناب کو محبت فارغ دنوں میں کرنی تھی؟''

''کیوں؟ تمھیں نہیں لگتا میں فائدے میں رہتا؟'' زین نے مسکرا کر کہا۔

''محبت میں فائدے نہیں دیکھے جاتے زین صاحب، صرف محبوب کی خواہشوں کو دیکھا جاتا ہے۔'' ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

''اور میرے محبوب کی کیا خواہش ہے؟'' زین نے پیار سے پوچھا۔

”یہ تو تمھیں زیادہ پتا ہونا چاہیے۔“ ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

”جانتا ہوں تمھارے دل میں اُٹھنے والی ہر ایک بات کو جانتا ہوں مگر کیا کروں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں جلد از جلد تاکہ بھابھی سے تمھارے لیے بات کروں۔“ زین نے پیار کہا اور ثمینہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

”میں اپنے اور تمھارے مستقبل کے لیے ہی تو محنت کر رہا ہوں۔“ زین نے پیار سے کہا۔

”تمھیں لگتا ہے کہ تمھاری بھابھی مان جائیں گی؟“ ثمینہ نے ہنس کر پوچھا۔

”سچ پوچھو تو تمھاری باجی مان جائیں گی، مگر میری بھابھی پتا نہیں۔“ زین نے پریشان ہو کر کہا۔

”کیوں کیوں؟“ ثمینہ نے چونک کر پوچھا۔

”بھئی بھابھی نے کلیئر لفظوں میں کہا ہے کہ مجھے لائسنس حاصل کرنا ہے، اگر لائسنس نہیں حاصل کیا تو وہ میری شادی کی بات نہیں کریں گی۔“ زین نے پریشان ہو کر بتایا۔

”حد ہوتی ہے۔لوگ عشق میں کیا کچھ کر جاتے ہیں، ایک تم ہو جو پھٹّو بنے ہوئے ہو۔“
ثمینہ نے جل کر کہا۔

”ارے! میں نے کیا کیا؟“ زین نے آنکھیں نکالیں۔

”بھابھی سے بات کرتے ہوئے ڈر رہے ہو، پڑھائی کی بات کر رہے ہو، اگر نہیں لائسنس حاصل کر سکے تو کیا مجھ سے رشتہ ختم کر دو گے؟“ ثمینہ نے منھ بنا کر پوچھا۔

”میں نے ایسا تو نہیں کہا!“ زین نے گھبرا کر جواب دیا۔

”بیٹا اب ثابت کرو!“ ثمینہ نے اُٹھ کر کہا۔

”کیا؟ ثابت کروں؟“ زین نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ثابت کرو کہ تم میرے لیے کچھ کر بھی سکتے ہو یا نہیں؟“ ثمینہ نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

”اجی! آپ کہہ کر تو دیکھیں! نا آپ کے لیے تاج محل یہاں بنوا دیا تو میرا نام بھی زین نہیں۔“
اس نے اِترا کر کہا۔

”اُس کے لیے تو مجھے مرنا پڑے گا۔“ ثمینہ نے جل کر کہا۔

”اب یہ تمھارا مسئلہ ہے، میں تو تاج محل بنانے کے لیے تیار ہوں!“ زین نے ہنس کر جواب دیا۔

”ہاؤ! مغلیہ بدتمیزی!“
ثمینہ حیرت کے عالم میں بولی اور زین ہنستا رہا۔

”حد ہوتی ہے دیکھ لی تمھاری محبت!“ ثمینہ نے جل کر کہا۔

”اچھا بتاؤ کیا کروں ایسا کہ تمھیں میری محبت پر یقین آجائے؟“ زین نے مسکرا کر پوچھا۔

”آجا بھئی اسی وقت...... آجاؤ میرے پاس۔“ ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

”اوکیا آجاؤں بھئی میں؟...... اسی وقت؟“ زین پریشان ہو کر کہنے لگا۔

”دیکھا! ہوگئی نا حالت غیر؟“ ثمینہ نے ہنس کر کہا۔

”نہیں تو؟ کس نے کہا کہ حالت غیر ہوگئی؟“ زین نے سنبھل کر کہا۔

”اچھا؟ تو آجاؤ آسکتے ہو؟“ ثمینہ نے مسکرا کر کہا۔

”اجی آپ ہمارا انتظار کریں ہم اُڑ کر آتے ہیں۔“

یہ کہہ کر زین نے فون بند کیا اور ثمینہ مسکرا کر اپنا موبائل فون دیکھنے لگی۔ پیچھے پلٹی تو کوثر کو منھ بنائے ہوئے دیکھا۔

”ہاہ! کوثر بھائی آپ؟“ ثمینہ دھک سے رہ گئی۔

”جی ہاں میں!...... اور پچھلے دو منٹ سے میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ایسا کون آپ کی زندگی میں آگیا جس کی وجہ سے آپ کو یہ تک نہ پتا چلا کہ کوثر بھائی یہاں موجود ہیں۔“ کوثر نے طنز کیا۔

”وہ وہ وہ میں اپنی سہیلی سے بات کر رہی تھی۔“ ثمینہ نے گھبرا کر جواب دیا۔

”پہلی بات تو یہ کہ یہ سہیلی لفظ بہت پُرانا لگتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ میں سو فیصدی یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ فون کے دوسری طرف سہیلی نہیں بلکہ سہیلہ موجود تھا۔“ کوثر نے مسکرا کر کہا اور صوفے پر بیٹھا۔

”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ ثمینہ منھ بنا کر بیٹھی۔

”ارے! ارے! ارے! توبہ کرو! مجھے نہیں معلوم تھا کہ عشق کرنے والے جھوٹ بھی کہہ سکتے ہیں......“ کوثر نے آنکھیں نکال کر کہا۔

”ششش آہستہ!“ ثمینہ نے گھبرا کر کہا پھر کہنے لگی۔

”آنی کو پتا چل گیا نا تو غضب ہو جائے گا۔“

”ارے پگلی! چچی کو پتا چلا تو تیرا نکاح ہو جائے گا دیر کس بات کی ہے؟ اتنا کیا ڈرنا؟“ کوثر نے ہنس کر پوچھا اور ثمینہ ہنسنے لگی۔

”اُسے کچھ وقت چاہیے وہ اپنا کیریئر اسٹارٹ کرنے والا ہے۔“

”بھئی کیریئر اسٹارٹ ہوتا رہے گا اب روحیل اور بالاج صاحب اُس کا ہاتھ ایسے ہی تو نہیں چھوڑ دیں گے نا۔“ کوثر نے مزے سے کہا اور ثمینہ دھک سے رہ گئی۔

”یا اللہ کوثر بھائی آپ انسان ہو یا جن؟“

''جن۔'' کوثر نے مزے سے کہا۔

''آپ کو کیسے پتا کہ...... کہ......'' ثمینہ کہتے کہتے رُکنے لگی۔

''کہ تمھاری زندگی میں زین آچکا ہے نا؟'' کوثر نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں۔'' ثمینہ حیرت کے عالم میں انھیں دیکھنے لگی۔

''سچ پوچھو تو تمھارے چہرے کو میں نہیں پڑھ پایا مگر زین میاں کے چہرے پر صاف صاف لکھا تھا کہ وہ تم سے کتنا پیار کرتا ہے۔'' کوثر نے مسکرا کر کہا اور ثمینہ بھی مسکرا کر سر جھکا گئی۔

''ثمینہ میں بہت خوش ہوں بالاج صاحب کے گھرانے سے بہتر تمھارے لیے اور کوئی گھرانہ نہیں ہوسکتا۔'' کوثر نے پیار سے کہا۔

''جانتی ہوں کوثر بھائی...... مگر ڈرتی ہوں...... نجانے روحیل بھائی اور بابا مجھے اپنی بہو بنائیں گے بھی کے نہیں۔'' ثمینہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''تُو پاگل ہے؟ ارے سمیرا وہاں موجود ہے خود بالاج صاحب اور روحیل تجھے پسند کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر زین تجھ سے محبت کرتا ہے پھر پریشانی کس بات کی؟'' کوثر نے مسکرا کر پوچھا اور ثمینہ پلٹ کے سر جھکا کر کہنے لگی۔

''نجانے کیوں کوثر بھائی ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے ایسے...... جیسے کوئی انجانہ خطرہ ہماری طرف بڑھ رہا ہے...... بس یہی پریشانی مجھے کھائے جا رہی ہے......''

''سمیرا والی باتیں نہیں کرو تم تو بہادر ہو شوخ و چنچل! تم کب سے اتنا پریشان ہونے لگیں؟'' کوثر نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کوثر بھائی شاید...... پہلے کچھ کھونے کو نہیں تھا لیکن اب کھونے کے لیے سب کچھ ہے۔'' ثمینہ نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اور مجھے یقین ہے کہ تم کچھ نہیں کھو گی سب صحیح رہے گا۔'' کوثر نے پیار سے کہا اور ثمینہ مسکرانے لگی۔

ایسے میں گھر کا دروازہ کھلا اور نتاشہ اندر آئی اور منھ پھلا کر کھڑی ہوگئی۔

''خیریت ہے نتاشہ؟ اتنا بُرا مُوڈ کیوں ہے؟'' ثمینہ نے ہنس کر پوچھا۔

''میں بور ہو رہی ہوں۔'' نتاشہ نے جل کر کہا۔

''اور یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ یہاں چلی آئیں، ہم بھی بور ہو رہے تھے۔'' کوثر نے خوش ہو کر کہا۔

''تو آپ لوگ کیا کرنے والے ہیں؟'' نتاشہ نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''ہم تو نزرل بابا کا گانا سُننے والے تھے اچھا ہوا تم بھی آگئیں نزرل بابا؟'' کوثر نے آواز دی اور ثمینہ،

نتاشہ اُسے مارنے لگیں!

''آئی! آئی!'' کوثر اپنے آپ کو بچانے لگا۔

''حد ہوتی ہے۔ کوثر بھائی! گھر میں سکون اچھا نہیں لگ رہا آپ کو؟'' ثمینہ نے جل کر کہا۔

''اور میں یہاں گانے نہیں سُننے آئی! کچھ کریں نا میں بور ہو رہی ہوں۔'' نتاشہ نے جل کر کہا اور صوفے پر دھڑام سے بیٹھی۔

''ارے بھئی میں کیا کروں؟ مجھے تو نُور جہاں کے گانے بھی نہیں آتے۔'' کوثر نے تڑپ کر کہا۔

''بوریت ختم کرنے کے لیے نُور جہاں کے گانے ہی ضروری ہیں کیا؟ انسان کہیں باہر بھی چل سکتا ہے۔'' نتاشہ نے منہ پھلا کر کہا۔

''نتاشہ مجھے لگتا ہے کوثر بھائی کو نزرل بابا والا وائرس لگ گیا ہے۔'' ثمینہ ہنس کر کہنے لگی۔

''لیکن بھئی تم بور کیوں ہو رہی ہو؟'' کوثر نے جھنجلا کر نتاشہ سے پوچھا۔

''ڈیڈی اور ماما پتا نہیں کہاں ہیں اور بھائی جان بھابھی بھی گھر پر نہیں ہیں۔ تو میں اکیلے مکھیاں نا ماروں تو کیا کروں!'' نتاشہ نے چڑ کر کہا اور مزید منہ پھلا لیا۔

''ارے ارے ارے! میری پیاری نتاشہ! ہم تمھاری بوریت کا ابھی انتظام کر دیتے ہیں۔'' ثمینہ نے پیار سے کہا اور نتاشہ کو پیار کیا۔

''کوثر بھائی چلیں آئس کریم کھانے۔''

''ابھی چلو!'' کوثر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مجھے آئس کریم نہیں کھانی۔'' نتاشہ منہ پھلا کر بولی۔

''ارے تو کیا چاہیے میری ماں؟'' کوثر نے سر پکڑ کر پوچھا۔

''چلیں پارک چلتے ہیں۔ بہت دن ہوئے ہم لوگ جھولوں پر نہیں گئے۔'' نتاشہ نے تجویز دی۔

''پارک؟ جھولے؟ پاگل ہو گئی ہو کیا اس عمر میں میں جھولے جھولتا ہوا اچھا لگوں گا کیا؟'' کوثر نے بوکھلا کر کہا۔

''اور آپ سے کون کہہ رہا ہے جھولا جھولنے کے لیے؟'' نتاشہ نے چڑ کر کہا۔

''پھر؟'' کوثر نے چونک کر پوچھا۔

''جھولا ہم جھولیں گے اور آپ نیچے کھڑے ہو کر ہمیں دیکھیں گے۔'' نتاشہ نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا یعنی چٹ بھی اپنی پٹ بھی اپنی! دیکھ رہی ہو ثمینہ!'' کوثر نے جل کر کہا۔

''ہاں دیکھ رہی ہوں اور آئیڈیا اتنا بُرا بھی نہیں ہے۔'' ثمینہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟ تم بھی اس کے ساتھ شامل ہوگئیں؟“ کوثر نے چونک کر پوچھا۔

”بالکل! اتنا اچھا آئیڈیا دیا ہے تو کیوں نا شامل ہوں! کوثر بھائی چلیں پارک چلتے ہیں۔“ ثمینہ نے خوش ہوکر کہا۔

”!!Yes۔“ نتاشہ خوش ہوکر بولی۔

”چلو بھئی اب تم لوگوں نے کہہ دیا ہے تو جانا ہی پڑے گا۔“

کوثر نے ہار مان کر کہا اور نتاشہ، ثمینہ خوشی سے تالیاں بجانے لگیں۔ تینوں جانے کے لیے تیار ہوگئے، ثمینہ نے مرکزی دروازہ کھولا ہی تھا کہ دوسری طرف زین کھڑا ہوا نظر آیا اور تینوں کو دیکھ کر بوکھلا کر کہنے لگا؟

”یہ آپ لوگ میرے استقبال کے لیے ایک ساتھ آئے ہیں؟“

زین کی بات سُن کر وہ تینوں ہنس پڑے اور زین سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھنے لگا۔

☆......☆

زین کی گاڑی میں بیٹھ کر اُن تینوں نے زین کو سمجھا دیا کہ کہاں جانا ہے اور نتاشہ کا پلان سُن کر زین بھی خوش ہوگیا۔ اس وقت زین کے ساتھ کوثر جب کہ نتاشہ اور ثمینہ پیچھے بیٹھے تھے۔ ٹھنڈے موسم میں وہ ہواؤں کے مزے لیتے ہوئے پارک کی طرف جا رہے تھے۔ جلد ہی وہ اپنی منزل پر پہنچے اور پارک کی رونقیں دیکھ کر ان کے دل کھل اُٹھے۔ جہاں ساحل پر کوثر اور زین کی دوڑ لگ گئی تھی کہ پہلے کون جائے گا آج نتاشہ اور ثمینہ کی دوڑ لگی کے پارک میں پہلے کون جائے گا۔ جب کہ زین اور کوثر ہنستے ہوئے ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ کاونٹر پر جا کر زین نے سب کے لیے ٹکٹ لیے اور وہ چاروں پارک میں داخل ہوے۔ نتاشہ جھولے دیکھ کر دیوانی ہونے لگی۔ ثمینہ کا حال بھی کچھ مختلف نا تھا۔ Dragon coster سے لے کر Pirate ship تک نتاشہ اور ثمینہ ہر جھولے پر جانے کے لیے مچلنے لگیں۔ ڈراگن کوسٹر میں جانے کی جب بات آئی تو تینوں نے کوثر کو پکڑا اور لگے کھینچنے جب کہ کوثر کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ بہرحال اُن تینوں کے سامنے اُس کا زور کہاں چلتا! مجبور ہوکر اُسے بیٹھنا پڑ گیا۔ کوثر کے ساتھ نتاشہ بیٹھی اور زین ثمینہ کے ساتھ بیٹھا۔ جب انھوں نے حفاظتی بیلٹس باندھ لیں تو زین نے چُپکے سے ثمینہ کا ہاتھ تھام لیا اور ثمینہ مسکرا کر زین کو دیکھنے لگی۔ ڈراگن کوسٹر چلنا شروع ہوئی اور کوثر اللہ سے لگا اپنے گناہ معاف کرانے! اس کی چیخیں سُن کر سب ہی لوگ ہنس رہے تھے۔ کوثر آنکھیں بند کیے اپنے بچنے کی دعا کر رہا تھا جب کہ نتاشہ ہنس ہنس کر اُسے دیکھ رہی تھی۔ زین مسکرا کر ثمینہ کا ہاتھ تھامے رہا اور وہ شرما کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتی۔

جلد ہی چاروں ڈوجنگ کار میں بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو ٹکّر مار رہے تھے۔ نتاشہ پُوری دیوانی

ہو چکی تھی اور رکھ رکھ کر سب کو ٹکریں مار رہی تھی۔ زین، کوثر، ثمینہ اور دیگر بچّے نتاشہ کی غنڈہ گردی سے ڈر کر بچنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے جب کہ نتاشہ رُکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ جلد ہی وہ لوگ لوگ سلائڈ شپ کے پاس تھے۔ نتاشہ اور ثمینہ ہر جھولے پر جا رہی تھیں، اس بار زین اور کوثر کھڑے ہوئے پوپ کورن کھا رہے تھے اور ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ لگ بھگ سات آٹھ جھولے جھولنے کے بعد اب وہ لوگ Arcade والے سیکشن میں موجود تھے جہاں ٹوکن لے کر ثمینہ، نتاشہ نے کئی گیمز کھیلے۔ زین اور کوثر میں بھی گاڑیوں کی ریس کا مقابلہ چل رہا تھا۔ ہر ایک کے اندر بچپنا ابھر آیا۔ وہاں سے نکل کر وہ جا ہی رہے تھے کہ اُن کی نظر Horror House پر پڑی۔ ایک بار پھر کوثر کی جان نکل گئی اور وہ پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا مگر، ثمینہ، نتاشہ اور زین اُس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے۔ اندر کا ماحول انتہائی پُراسرار تھا۔ جگہ جگہ جالے لگے ہوے، کالی دیواریں جن پر خون کی چھینٹیں اور دُور کہیں جنّات اور چڑیلوں کی آوازیں آتی ہوئی محسوس ہوتیں! کوثر کھڑے کھڑے کانپنے لگا اور زین، ثمینہ اور نتاشہ ہنس کر اُسے دیکھنے لگے۔ اچانک! ان کے سامنے ایک سفید چادر پہنے ہوئے بھوت آ گیا! اور کوثر چلّاتا ہوا پلٹ کر بھاگا! جب کہ زین ثمینہ سے لپٹ گیا! اور ثمینہ بُری طرح بوکھلایا۔

''زین! چھوڑو مجھے!''

''آہ! ثمینہ بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' زین نے اُسے تھامے ہوئے کہا۔

''''اچھا؟ ڈر لگ رہا ہے آپ کو؟'' ثمینہ نے طنز کیا۔

''ہاں! خربوزے والے بابا کی قسم۔''

زین نے جلدی سے کہا اور کس کے ثمینہ کو پکڑ لیا اور ثمینہ مسکرانے لگی۔ دوسی طرف نتاشہ اور کوثر دیوانوں کی طرح ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے جب کہ سفید چادر اوڑھے جن ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ زین اور ثمینہ اس لمحے ہنستے رہ گئے۔

☆......☆

''مجھے خوشی ہے کہ آپ سب مل کر اچھا وقت ریکارڈ کر رہے ہیں لیکن ہمیں اور بہتر پرفارمنس دینی ہوگی۔''

روحیل اپنے دفتر کے میٹنگ رُوم میں بیٹھا اپنی ٹیم کے لڑکے لڑکیوں کو ہدائت دے رہا تھا اور وہ سر ہلا کر اس کی بات سُن رہے تھے۔

''ہمارا اسکیٹر اس وقت کافی نیچے ہے اور اس بار میں چاہ رہا ہوں کہ ہم نمبر ون پر آئیں، کیوں کہ آپ لوگوں کو تو کچھ نہیں ہوگا البتہ بالاج صاحب مجھے یہاں سے چلتا کریں گے۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور

سب ہنس پڑے۔

''بس اتنی سی گزارش ہے کہ دل لگا کر اچھے سے کام کرنا ہے۔'' روحیل نے اُن سب کو دیکھ کر کہا۔

''روحیل ہماری بلنگ تو کافی اچھی جا رہی ہے، کلائنٹ پیمنٹ وقت پر کر رہے ہیں۔'' ایک لڑکی نے جواب دیا۔

''ہاں یہ بات میں نے بھی نوٹس کی ہے کہ ہماری بلنگ اچھی ہے، بس ہمارے گھنٹے کچھ کم پڑ جاتے ہیں۔'' روحیل بڑبڑایا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں فکسڈ فیس پر کام نہیں کرنا چاہیے، تا کہ ہم زیادہ سے زیادہ وقت ریکارڈ کر سکیں۔'' ایک لڑکے نے تجویز پیش کی۔

''ہاں ہمیں اب فکسڈ فیس پر کام کم کرنا چاہیے، بہتر ہے کہ ہمارے کانٹریکٹ سال بھر کے ہوں تا کہ ہم اپنے گھنٹے بڑھا سکیں لیکن گائز مجھے آپ سب کی مدد کی ضرورت ہے۔'' روحیل نے اُن سب کو دیکھ کر کہا۔

''ان شا اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' سب نے ملی جُلی آواز میں کہا۔

ایسے میں میٹنگ رُوم کے دروازے پر دستک ہوئی اور سیکریٹری اندر آئی۔

''ایکسکیوز می مسٹر روحیل، آصف صاحب آئے ہیں۔''

''اوہ اوکے، میرے دفتر میں بٹھائیں انہیں۔''

روحیل نے مسکرا کر جواب دیا اور پلٹ کر سب کو کہا۔

"Okay Guys!, back to work"۔

اس کی بات سُن کر سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور روحیل اپنے کوٹ کا بٹن لگاتے ہوئے اپنے دفتر کی طرف بڑھا۔ جلد ہی وہ دفتر میں داخل ہوا تو دیکھا آصف کُرسی پر بیٹھا ہے۔

''سرکار آج رستہ کیسے بھول پڑے؟'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور آصف تپاک کے ساتھ اُٹھا۔

''بس یار! ادھر سے گذرا تو سوچا تمھیں ڈسٹرب کرتا چلوں۔''

یہ کہہ کر آصف روحیل سے گلے ملا۔

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ چلے آئے، کیا لوگے؟ کافی؟ چائے؟'' روحیل نے اپنی کُرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''چائے، پچھلی بار کی طرح۔'' آصف نے خوش ہو کر کہا اور روحیل نے ہنس کر انٹر کام پر نمبر ملایا، جلد ہی سلسلہ ملا۔

''جی سر؟''
''صبا سے کہو کہ وہ دو کپ چائے تیار کرے۔'' روحیل نے حکم دیا۔
''او کے سر۔'' دوسری طرف سے آوازی اور فون رکھا گیا۔
''اب سنایئے سر کیا ہو رہا ہے آج کل؟'' روحیل نے مسکرا کر پوچھا۔
''بس یار کام کاج چل رہا ہے اور گھر پر خدمت ہو رہی ہے۔'' آصف نے ہنس کر کہا اور روحیل بھی ہنسنے لگا۔
''کیسی طبیعت ہے اب زارا کی؟''
''بہتر ہے الحمدللہ لیکن بس سُنتی نہیں ہے، میں کہہ رہا ہوں کہ آرام کرے لیکن کام کرنے کھڑی ہو جاتی ہے۔'' آصف نے منھ بنا کر کہا۔
''یار کچھ یہی کہانی سمیرا کی بھی ہے، وہ بھی نہیں سُنتی۔ گھر کا کام کرتی رہتی ہے۔'' روحیل نے جواب دیا۔
''قسم سے Feminist کو اگر پتا چل جائے تو ہم پر کیس کر دیں۔'' آصف نے گھبرا کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا اور کہا۔
''بے فکر رہو، تمھارا بھائی وکیل ہے اتنی آسانی سے کیس نہیں ہونے دوں گا۔''
''ویسے آپ کی طرف کیا خبر ہے؟ ہماری طرح کب مٹھائی کھلا رہے ہو؟'' آصف نے ہنس کر پوچھا۔
''مٹھائی تو دُور کی بات ہے میں تو ابھی سموسہ بھی کھلانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں......'' روحیل نے منھ بنا کر کہا۔
''کیوں کیا ہوا؟'' آصف نے چونک کر پوچھا۔
''یار ابھی تک کوئی رشتہ ہی منسلک نہیں ہوا میرا سمیرا سے......'' روحیل نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔
''کیا؟ واقعی؟'' آصف نے چونک کر پوچھا۔
''ہاں، ایسا ہی ہے۔'' روحیل نے جواب دیا۔
''تُو نے اُس سے بات کی؟ اُسے سمجھایا؟'' آصف نے پریشان ہو کر پوچھا۔
''سمجھا کے یا یہ کہہ کر کہ میں تمھارا شوہر ہوں، مجھے میرا حق دو، یہ باتیں کر کے رشتہ منسلک کیا تو کیا کیا۔ محبت میں سمجھ نہیں ہوتی صرف جذبات ہوتے ہیں، جب جذبات ہی ایک نا ہوں تو انسان کیا کر سکتا ہے۔'' روحیل نے سوچتے ہوئے کہا ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

”کم ان۔“

روحیل نے کہا اور ایک چھوٹی عمر کی لڑکی ٹرے میں چائے کے دو کپ لیے ہوئے آئی۔ جلد ہی اس نے آصف کے سامنے ایک کپ رکھا۔

”شکریہ۔“ آصف نے مسکرا کر اُس کا شکریا ادا کیا۔

"Thank you Saba, please close the door"۔

روحیل پیار سے مخاطب ہوا اور وہ اُس کے سامنے کپ رکھ کر دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

”تُو عظیم ہے روحیل، جو مرد ہونے کا فائدا نہیں اُٹھا رہا، اگر تُو سمیرا کو اس حد تک سمجھ رہا ہے تو واقعی تُو ایک اچھا انسان ہے۔ لیکن میں مانتا ہوں کہ تیرے لیے یہ بہت مشکل ہے۔“ آصف نے تعریف کی۔

”تھک گیا ہوں آصف محبت کے انتظار میں تھک گیا ہوں......“

روحیل نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”روحیل میں سمجھتا ہوں انتظار مشکل ہے لیکن وہ کہتے ہے نا صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، دیکھنا ایک دن جب اس صبر کا پھل ملے گا تیری ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی“

”آصف؟ ایک سوال پوچھوں؟“ روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

”پوچھو۔“ آصف نے کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

”سمیرا مجھ سے محبت نہیں کرتی نا؟“

روحیل کا سوال سُن کر آصف نے چائے کا گھونٹ لیا اور مسکرا کر اس نے کپ کو رکھا۔ اس نے روحیل کا چہرا دیکھا۔

”تم اگر مجھ سے سچ سُننا چاہتے ہو تو میں تمھیں بالکل سچ جواب دوں گا۔“

”آپ جو کچھ کہیں گے سچ کہیں گے۔......“ روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔

”سچ کے سوا کچھ نہیں کہیں گے۔“ دونوں نے ایک ساتھ کہا اور ہنسنے لگے۔

”نہیں مذاق سے ہٹ کر تم مجھ سے اگر سچ پوچھو تو سچ یہ ہے کہ......سمیرا......تم سے اتنی محبت کرتی ہے کہ شاید تم بھی اُس سے اتنی محبت نہ کرتے ہوں......“

آصف کی بات سُن کر روحیل نے اُسے بے یقینی کے عالم میں دیکھا۔

”ہاں روحیل میں سچ کہہ رہا ہوں......وہ تمھیں بہت چاہتی ہے......محبت کرتی ہے تم سے......مگر...... وہ اپنے اندر بے حد ٹوٹی ہوئی ہے اس قدر کے خوشیوں سے اُسے خوف آتا ہے......جس دن یہ خوف مٹ گیا نا روحیل تم دیکھنا سب کچھ صحیح ہو جائے گا......سب کچھ۔“

آصف نے پیار سے اپنی بات کہی اور روحیل سر جھکا کر مسکرانے لگا۔ اُسے خوشی ہوئی یہ سُن کر کہ سمیرا اُس سے محبت کرتی ہے، اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ ایسے میں اُس کے موبائل فون بجا۔ اس نے فون دیکھا تو تہمینہ بیگم کا نام لکھا ہوا نظر آیا۔

''تہمینہ آنٹی؟'' روحیل کے منھ سے نکلا اور فون اُٹھایا۔

''السلام علیکم آنٹی کیا حال ہیں؟''

''روحیل مجھے تم سے ملاقات کرنی ہے......''

تہمینہ بیگم کی خشک آواز سُن کر روحیل چونک گیا۔ وہ الجھ کر پوچھنے لگا۔

''خیریت ہے آنٹی جی؟''

''تم کل شام گھر پر آسکتے ہو؟'' انھوں نے بدستور خشک لہجے میں پوچھا۔

''جی جی آسکتا ہوں۔'' روحیل نے فکرمند ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے میں شام پانچ بجے تمھارا انتظار کروں گی۔''

یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ روحیل پریشان ہو کر فون کو دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا خیریت؟'' آصف نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں؟ ہاں سب ٹھیک میرے خیال سے سمیرا کے لیے انھوں نے کچھ سامان لیا ہے، وہی لے جانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔''

روحیل نے بہانہ بنایا اور آصف سر ہلا کر رہ گیا۔ اسی طرح کی باتیں کر کے آصف، روحیل سے مل کر چل دیا اور اُس کے جانے کے بعد روحیل گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اُسے سمجھ نہیں آیا کہ تہمینہ بیگم کو ایسی کیا بات کرنی ہے جو انھوں نے روحیل کو اس طرح گھر آنے کے لیے کہا۔

گھر پہنچ کر حسب معمول کھانے کی میز پر سمیرا، زین کو ڈانٹ رہی تھی اور اُسے کھانے کے لیے کہہ رہی تھی جب کہ زین بُرے بُرے منھ بنا رہا تھا۔ بالاج صاحب مسکرا کر اُن دونوں کی نوک جھونک دیکھ رہے تھے لیکن روحیل اپنے ذہن میں کھویا ہوا تھا۔ وہ اس لمحے الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔

رات کو سمیرا جب کمرے میں داخل ہوئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ روحیل کاوچ پر لیٹ کر سو چکا ہے۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ اُس کے آنے سے پہلے ہی وہ سو جایا کرتی تھی، مگر آج روحیل پہلے ہی سو گیا۔ سمیرا نے اس کو کمبل صحیح سے اوڑھایا اور خود بستر پر جا کر لیمپ کی لائٹ بجھا کر سونے لیٹ گئی۔ اس لمحے سمیرا کے چہرے پر بھی الجھنوں کے بادل چھا گئے۔

☆......☆

اگلے روز شام پانچ بجے اشرف صاحب کے گھر کی بیل بجی۔ ثمینہ صوفے سے اُٹھی اور چپلیں پہن کر مرکزی دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو روحیل کو سامنے پایا۔

''السلام علیکم روحیل بھائی۔'' ثمینہ نے مسکرا کر سلام کیا۔

''کیسی ہو ثمینہ؟ تہمینہ آنٹی گھر پر ہیں؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی آنی آپ ہی کا انتظار کر رہی ہیں۔''

ثمینہ کے لہجے میں فکر تھی اور روحیل نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کیا معملا ہے؟ ثمینہ نے کندھے اُچکا کر کہا پتا نہیں۔ بہر حال وہ اندر کی طرف چلا۔ ثمینہ اُسے ڈراونگ رُوم کی طرف لائی، جلد ہی اس نے دیکھا تہمینہ اکیلی بیگم صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے روحیل کی طرف دیکھا اور خشک لہجے میں کہا۔

''آؤ روحیل بیٹھو۔''

تہمینہ بیگم کے الفاظ سُن کر روحیل صوفے پر بیٹھا۔

''ثمینہ بیٹا آپ اوپر جاو۔''

تہمینہ بیگم نے ثمینہ کو حکم دیا اور ثمینہ نے ایک نظر روحیل کو دیکھا۔ سر جھکا کر وہ اوپر کی طرف چلدی۔ روحیل فکر مند ہوا اور انھیں دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

''سب خیریت تو ہے آنٹی؟''

''یہ سوال میں تم سے کرنا چاہوں گی، سب خیریت ہے؟''

انھوں نے روحیل کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''الحمدللہ سب کچھ ٹھیک ہے، پوپس کی طبیعت بھی اچھی ہے، زین اپنے لائسنس کے حصول کی تیّاری کر رہا ہے۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''اور سمیرا؟'' انھوں نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سمیرا بھی ٹھیک ہے، کیوں آپ کی بات نہیں ہوئی اُس سے؟'' روحیل نے ان کو دیکھ کر پوچھا۔

''جس دن شفیق بھائی نے دعوت رکھی تھی اُس دن کے بعد سے سمیرا نے زارا سے بات کی نا ہی مجھ سے۔'' تہمینہ بیگم نے اُسے بتایا اور روحیل الجھن کے عالم میں سر جھکا گیا۔

''ایسی کیا بات ہے کہ اس نے ہم سے بات کرنا بند کر دیا؟'' تہمینہ بیگم نے الجھ کر پوچھا۔

''شاید شاید میں اس سوال کا جواب جانتا ہوں......''

روحیل نے سمیرا کے والد کو سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا تم مجھے بتا سکتے ہو؟'' تہمینہ بیگم نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کاش میں آپ کو بتا سکتا لیکن مجھے سمیرا نے بتانے سے منع کیا ہے۔'' روحیل نے مجبور ہو کر کہا۔
''ایسی کیا بات ہے؟ جو سمیرا نے تمھیں منع کیا ہے؟ وہ ٹھیک تو ہے؟''
تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔
''میں اس وقت آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ سمیرا خوش ہیوہ ٹھیک ہے۔'' روحیل نے انھیں سمجھایا۔
''تمھے یقین ہے؟'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔
''جی......'' روحیل گڑبڑا گیا اور تہمینہ بیگم نے بغور اُسے دیکھا۔ روحیل بھی بدستور اُنہی کو دیکھ رہا تھا۔ تہمینہ بیگم اُٹھیں اور ٹہلتے ہوئے کہنے لگیں۔
''دعوت میں سمیرا نے مجھ سے صرف ایک بات کہی بہت عجیب بات......''
''کہ؟......'' روحیل نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔
''وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی صرف اتنا کہا آنی آپ لوگوں نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی......''
تہمینہ بیگم کے یہ جملے روحیل پر آسماں بن کر گرے۔ وہ دھک سے رہ گیا۔ گویا روحیل سے شادی کر کے سمیرا اپنے آپ کو برباد تصور کر رہی تھی؟ وہ حیرت کے عالم میں اُن کا چہرا دیکھنے لگا۔
''میں نہیں جانتی اُس دن تم لوگوں کے درمیاں کیا ہوا لیکن ایسا بھی کیا کہ سمیرا اپنے آپ کو برباد محسوس کر رہی ہے؟ اور اس نے ہم سے بات کرنا چھوڑ دیا؟ کیا تم نے اُسے منع کیا ہے ہم سے بات کرنے سے؟'' تہمینہ بیگم نے پلٹ کر اُسے دیکھ کر پوچھا۔
''تو آپ کو لگتا ہے...... کہ میں سمیرا پر پابندیاں لگا رہا ہوں؟ سمیرا کی اس بات کا آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے؟'' روحیل نے خشک لہجے میں پوچھا۔
''میں نہیں جانتی اگر میں کچھ جانتی ہوں تو صرف اتنا کہ اس سوال کا جواب تمھارے علاوہ اور کوئی نہیں دے سکتا......'' تہمینہ بیگم نے بھی خشک لہجے میں جواب دیا۔
''نہیں میں آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا میں اور میرا گھر جو محبت سمیرا کو دے سکتا ہے دے رہا ہیا اور ہماری محبت فضاؤں میں دکھی جا سکتی ہے...... اور یقین جانیے صاحبِ نظر کو ہماری محبت دُور سے بھی نظر آ جائے گی...... لیکن جو لوگ نگاہیں نہیں رکھتے...... میں ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتا......''
روحیل کا جواب سُن کر تہمینہ بیگم اُس کا چہرا تکنے لگیں۔
''مگر...... مگر مجھے نہیں معلوم...... کہ اُسے یہ محبت یہ پیار...... یہ عشق...... بربادی کیوں لگ رہی ہے

مجھے نہیں معلوم۔'' روحیل نے دکھی لہجے میں کہا۔ اُس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔

''میری باتوں کا بُرا مت ماننا روحیل بس اتنا کہوں گی کہ سمیرا کو سمجھو وہ بہت ٹوٹی ہوئی ہے اگر تم نے اس لمحے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ بکھر جائے گی پھر سمٹ نہیں پائے گی۔''

تہمینہ بیگم نے اُسے سمجھایا اور روحیل نے ہاں میں سر ہلا کر کہا۔

''کچھ اور کہنا ہے آپ نے؟''

''نہیں، بس یہی کہنا تھا۔'' تہمینہ بیگم نے پریشان ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے، مجھے اجازت دیجیے۔'' روحیل یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کچھ پی کر جاؤ۔'' تہمینہ بیگم نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''شکریہ لفظوں کے گھونٹ پی لیے ہیں...... اب مزید کچھ پی نہیں سکتا...... اللہ حافظ......''

روحیل نے جواب دیا اور تہمینہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

وہ گھر سے باہر نکلا تو اُس کے قدم بوجھل تھے۔ دل مُرجھا چُکا تھا۔ سمیرا سے محبت کرنے کی اس نے حد کی ہوئی تھی لیکن سمیرا کو اس کی محبت میں صرف اپنی بربادی نظر آرہی تھی۔ روحیل گہرا سانس لے کر اپنی مرسیڈیز میں بیٹھا اور چلتا چلا گیا۔

بالکونی میں کھڑی ثمینہ روحیل کو جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس لمحے شدید پریشان ہوئی۔ اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ ایک دم سے کیا ہو رہا ہے۔

روحیل اس وقت سمندر پر آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھا تھا۔ وہ اس وقت ٹوٹ چکا تھا۔ اُس کے ساتھ سعد اور فحاد بھی موجود تھے اور دونوں اُسے اس طرح ٹوٹے ہوئے دیکھ کر شدید پریشان تھے۔ وہ جانتے تھے کہ روحیل ہمّت ہار گیا ہے۔ دونوں کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اُس سے کہیں بھی تو کیا کہیں۔ روحیل کی جو گفتگو تہمینہ بیگم کے ساتھ ہوئی وہ انھیں بتا چکا تھا۔ سب کچھ سُن کر وہ دونوں بھی خاموش تھے، چپ تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اب وہ کیا کہیں۔

''میں نے آج تک سمیرا کے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کی اس کو رات کو ٹیکس آتے ہیں میں نے کسی سے شکایت تک نہیں کی گھر کی ایک ایک ذمے داری اُسے دی گھر کا حصہ بنایا اور وہ کہہ رہی ہے کہ وہ برباد ہو گئی......''

روحیل نے حسرت بھرے لہجے میں کہا اور سعد، فحاد سر جھکائے سُنتے رہے۔

''شادی سے پہلے کون سی آباد تھی وہ؟ کیا تھا اُس کے پاس؟...... یہ میں ہوں جس نے اُسے نام دیا...... دولت دی، گھر دیا اور وہ اپنے آپ کو برباد تصور کر رہی ہے؟''

روحیل نے غصیلے لہجے میں اپنی بات کہی اور وہ دونوں خاموش رہے۔

''میری محبت میری محنت تو سب بیکار گئی میں جس قدر اُس سے قریب ہونا چاہ رہا ہوں اُتنا دُور ہوتا چلا جا رہا ہوں تہمینہ آنٹی آج اس طرح بول رہی تھیں جیسے میں اُس پر کوئی ظلم کر رہا ہوں میں ظالم تو نہیں بننا چاہتا تھا کبھی ...... کیا میں ظالم ہوں؟'' روحیل نے تڑپ کر اپنے دوستوں کو دیکھا۔

''روحیل حوصلہ رکھ یار۔'' سعد نے پریشان ہو کر کہا۔

''میں کیا کروں میری سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کروں۔'' روحیل نے ٹوٹے ہوئے کہا۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے چھلک پڑا۔

''ایک گھونٹ پی پھر میں بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔''

اچانک فہاد نے شراب کی بوتل روحیل کے آگے کی۔ سعد اور روحیل نے چونک کر اس کو دیکھا۔

''پی لے آج پی لے۔''

فہاد نے مطمئن لہجے میں کہا اور روحیل نے ایک نظر فہاد کو دیکھا اور اور بوتل کو دیکھنے لگا۔ سعد اس لمحے خاموش تھا۔ روحیل نے شراب کی بوتل لی اور منہ سے لگا لی۔ ایک پل کے لیے اسے لگا جیسے سینے میں جو جل رہا ہے اُس پر کسی نے ٹھنڈی برف رکھ دی۔ دماغ جیسے سُن ہوا۔

''گڈ بوائے! ......اب میری بات سُن تُو تھک گیا ہے دفتر کے کاموں سے گھر کے چکّروں سے تیری محبت تیرے پاس ہوتے ہوئے بھی تیری نہیں ہے......تُو اُس کے ساتھ ایک بستر پر تو سوتا ہے لیکن ایک جان بن کر نہیں تُو تھک گیا ہے روحیل......'' فہاد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''کیا تُو وہی کہنا چاہ رہا ہے جو میں سوچ رہا ہوں؟'' سعد نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں۔'' فہاد مسکرا کر بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔'' روحیل نے الجھ کر پوچھا۔

''روحیل تُو سمیرا کو چاہتا ہے ہم یہ بات جانتے ہیں لیکن اپنے لیے بھی کچھ سوچ اپنے درد کے لیے کچھ سوچ اُس کے لیے کچھ کر۔'' سعد نے اُسے سمجھایا۔

''اور اس درد کی صرف ایک دوا ہے جو ہمیں پتا ہے۔'' فہاد نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

''کیا دوا؟'' روحیل نے الجھ کر پوچھا۔

''تو یہ بول کہ تجھے دوا چاہیے؟ یا ایسے ہی جلتے رہنا ہے؟'' سعد نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور روحیل سوچنے لگا۔

''سمیرا تو بیٹھی ہے گھر پر آرام سے، اُسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا کہ تُو جل رہا ہے اگر اُسے فرق پڑتا تو

باہیں پھیلا کر تیرے پاس آجاتی اُسے تیری پرواہ نہیں ہے تو کم از کم تُو تو اپنی پرواہ کر لے تو اپنے ساتھ تو ایک بار Loyal ہو جا......'' فحاد نے اُسے دیکھ کر سمجھایا۔

''اور روحیل...... تجھے تیری پرواہ ہونی چاہیے......اس لیے بول دوا چاہیے یا نہیں؟''

سعد نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور روحیل خاموش ہو گیا۔

''کب تک جلے گا اس درد میں؟ کیا تجھے چھٹکارا نہیں چاہیے؟''

فحاد نے پوچھا اور روحیل ہاں میں سر ہلانے لگا۔روحیل نے گہرا سانس لیا اور کہا۔

''مجھے چھٹکارا چاہیے اس درد سے۔''

روحیل کا جواب سُن کر فحاد اور سعد مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

☆......☆

اندھیری گلیاں رات کی تاریکی میں روشن تھیں جو دھندا یہاں ہوتا تھا اُس کے لیے تاریکی کا ہونا لازمی تھا۔فحاد گاڑی چلا رہا تھا اور روحیل برابر میں بیٹھا روئی ہوئی آنکھوں سے اُن عورتوں کو دیکھ رہا تھا جو ایک وقت کی روٹی کے لیے بہت کچھ کرنے کو تیار ہوتی ہیں جنکے دوپٹے نجانے کب ان کے سروں سے چھین لیے گئے...... جنکے ہاتھوں میں مہندی تو رچی تھی لیکن کسی کا نام نہیں لکھا تھا...... یہ عورتیں اتنی کوئی خاص حسین بھی نہیں تھیں بس ایک جسم تھا اور کچھ نہیں ان میں روح بھی شامل نہیں تھی بس ایک دل تھا جو دھڑک تو رہا تھا لیکن زندگی نہیں تھی زمانہ ہوا کہ انھوں نے اپنے لیے کچھ خریدہ ہوئے بس بکنے کے لیے ہر رات تیار تھیں۔

فحاد نے گاڑی سائیڈ پر پارک کی اور اُترا۔روحیل اور سعد بھی اُس کے ساتھ اُترے۔سعد اس لمحے بیسا کی پر تھا اور اُسی کی مدد سے چل رہا تھا۔

''آ و روحیل یہ ہے وہ جگہ جہاں تمھارے ہر درد کا علاج ہے۔'' فحاد نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نشے میں دھت روحیل نے کوٹھے کو ایک نظر دیکھا۔

''چل جانی اندر چل۔''

سعد نے خوش ہو کر کہا اور اُسے لے کر اندر چلے۔دایں بایں لڑکیاں کھڑیاں نھیں چھیڑنے لگیں۔

''کیسی ہے نیلی؟'' فحاد نے مسکرا کر پوچھا۔

''قریب آ کر حال پوچھ لے۔''

اس نے آنکھ مار کر کہا اور اُس کے ساتھ کھڑی طوائفیں ہنسنے لگیں۔روحیل کو نشے کی حالت میں بھی یہ منظر بے حد عجیب لگا۔

''آو روحیل آؤ یہ رہی جنّت۔''

فحاد نے مسکرا کر پردہ ہٹایا اور روحیل نے دیکھا یہ ایک ہال ہے جہاں زمین پر سفید گدّیاں پڑی ہیں، دیواروں پر رنگ ہرا ہے اور مدھم سی روشنی ہے۔ گدّیوں کے بیچ و بیچ فرش ہے۔

''آو روحیل بیٹھو۔''

فحاد نے مزے سے اُسے بٹھایا۔ روحیل بیٹھ کر درو دیوار کو دیکھنے لگا۔ اُس کا دماغ شراب کی وجہ سے سُن ہو گیا تھا۔ وہ اس لمحے کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔

سامنے سے پردہ ہٹا اور ایک لگ بھگ پچاس سال کی قریب عورت ان کے سامنے حاضر ہوئی۔ عورت نے گھاگرا پہنا ہوا تھا اور صورت پر میک اپ۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ تیس سال سے زیادہ کی نا لگے مگر عمر پچاس سے زیادہ ہی تھی۔

''فحاد میاں آج اتوار سے پہلے چلے آئے؟، کیا اُمنگ زیادہ جاگ اُٹھی؟'' اس نے آتے ہی مسکرا کر پوچھا۔

''کیا کریں شبانہ بائی جب دل پر چوٹ لگتی ہے تو آنا پڑتا ہے۔'' فحاد نے مسکرا کر کہا۔

''کہیے کس مریض کو لے آئے آج اپنے ساتھ؟'' شبانہ بائی نے قریب آ کر پوچھا۔

''دوست ہے میرا بلکہ بھائی سے بڑھ کر ہے......روحیل نام ہے یوں سمجھیے محبت پا تو لی......لیکن اُسے حاصل نا کر سکا۔''

فحاد، روحیل کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہتا چلا گیا اور روحیل خاموش بیٹھا رہا۔

''شکل سے تو شریف لگتے ہو صاحب۔'' شبانہ بائی نے روحیل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شکل چھوڑیے......سیرت سے بھی شریف ہے۔'' فحاد نے ہنس کر کہا۔

''دنیا شریفوں کی جگہ نہیں ہے روحیل صاحب محبت ہی حاصل کرنی ہے نا......تو مشکل کیا ہے ہم حاصل کرا دیں گے بس......محبت کی قیمت ادا کیجیے اور حاصل کیجیے۔''

شبانہ بائی نے ہاتھ آگے کر کے کہا اور سعد، فحاد روحیل کی طرف دیکھنے لگے۔ روحیل نے اُن دونوں کی طرف دیکھا اور بٹوے سے پانچ ہزار کے چار نوٹ نکال کر فحاد کی طرف بڑھائے۔ فحاد نے چار نوٹ شبانہ کی طرف بڑھا دیے۔ بیس ہزار دیکھ کر شبانہ بائی خوش ہو گئی۔

''بیس ہزار روپے محبت کی اتنی قیمت ادا کی ہے اس لیے اب آپ کا فرض ہے کہ گُل بانو کو بُلا لیجیے۔''

فحاد نے مسکرا کر شبانہ بائی کو پیسے دیے اور شبانہ بائی پیسے دیکھنے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک آ گئی تھی۔

''کہیے؟ کم ہیں تو اور مل جائیں گے؟'' فحاد نے مسکرا کر کہا۔

''شبانہ لالچ نہیں کرتی فحاد صاحب یہ بات آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔'' شبانہ نے مسکرا کر کہا۔

''تب ہی ہر کوٹھا چھوڑ کر ہم یہاں آتے ہیں شبانہ بائی......'' فحاد نے مسکرا کر اس کی تعریف کی۔

''تو کہیے روحیل صاحب تیار ہیں زندگی کی حسین وادیوں میں جانے کے لیے......؟''

شبانہ بائی نے مسکرا کر کہا اور روحیل نے دیکھا، پردے کے پیچھے کوئی دوشیزہ موجود ہے۔

''فحاد صاحب، چلیے آپ کو میں اپنی چھوٹی بچّیوں سے ملواتی ہوں روحیل صاحب کو کچھ پل کے لیے گُل بانو کے پاس ہی چھوڑ دیتے ہیں۔''

شبانہ بائی نے پیار سے یہ جملے کہے اور فحاد، سعد اُس کے ساتھ چل پڑے۔ روحیل انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا، پلٹ کر پردے کی طرف دیکھا تو وہ دوشیزہ وہیں موجود تھی۔ صرف اُس کا سایہ نظر آرہا تھا۔ کہیں سے کوئی ہوا کا جھونکا چلا اور روحیل نے دیکھا ایک خوبصورت دلہن سفید گھاگرہ پہنے ہوئے کھڑی ہے وہ اس قدر حسین تھی کہ روحیل اُسے دیکھتا رہ گیا۔

یہ گُل بانو تھی، اس محلے کی سب سے خوبصورت طوائف۔ گُل بانو چلتی ہوئی روحیل کی طرف بڑھی تو پیروں میں پازیب کھنکنے لگی۔ اُس کے ہاتھوں میں ایک ٹرے تھی جس میں شراب کی بوتل اور کچھ گلاس رکھے ہوئے تھے۔ روحیل ویسے ہی نیم نشے میں تھا، گُل بانو کا اتنا حسن دیکھ کر سب کچھ بھول بیٹھا۔ اُسے اپنا درد جاتا ہوا محسوس ہوا، جنّت کا ایک جھونکا اُسے چُھو کر گزر سا گیا اور وہ اس اپسرا کو تکنے لگا۔ گُل بانو چلتی ہوئی روحیل کے پاس آ کر بیٹھی۔ اس نے اپنی زلفیں اپنے پستان پر ڈالیں اور مسکرا کر جام بنانے لگی۔ روحیل نے دیکھا، اُس کے ہونٹ سُرخ رسیلے تھے، آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک، پتلی سی گردن اور گورا سینہ، وہ محو ہو کر اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ گُل بانوں نے ایک نظر روحیل کو دیکھا اور دھیرے سے مسکرا کر کہنے لگی۔

''اتنا درد اتنی جلن...... اتنا کرب بھی انسان کے لیے...... کسی دوسرے انساں کی خاطر صحیح نہیں......''

گُل بانو کی آواز اس قدر سُریلی تھی کہ روحیل کے کانوں میں رس گھلنے لگا۔

''محبت پیار اور...... عشق...... یہ سکون کے کئی نام ہیں اسے دل جلانے کے لیے...... استعمال مت کیجیے روحیل صاحب......'' گُل بانو نے دھیرے سے کہا۔

''محبت کیا ہے...... یہ تم کیا جانو......''

روحیل نے سر جھکا کر یہ جملے کہے۔ اس کی بات سُن کر گُل بانو مسکرا اٹھی۔

’’ٹھیک کہا آپ نے ایک بازار میں بیٹھنے والی عورت محبت کیا جانے؟ ہم کسی بھی دور میں کسی بھی زمانے میں کبھی معاشرے کا حصہ نہ رہے کوئی ہم پر تھوک کے چلا جائے......تو ہم کسی سے شکایت نہیں کر سکتے کوئی ہمیں مار کر پھینک دے تو ہماری کوئی سُننے والا نہیں لیکن جب لوگ محبت میں ہارتے ہیں تو اس کوٹھے کے دروازے ہمیشہ ان کے لیے کھلے ہوتے ہیں ہم اُن کا درد سُنتے ہیں ہم اُن کی تکلیف کو اپنا سمجھتے ہیں ہم اپنا سب کچھ اُن پر قُربان کرتے ہیں اور وہ پلٹ کر ہم سے کہتے ہیں محبت......تم کیا جانو......‘‘

گُل بانوں مسکرا کر کہتی چلی گئی اور روحیل دھڑکتے دل کے ساتھ اس کو دیکھنے لگا۔

’’چلیے روحیل صاحب آپ کی بات کا مان رکھ لیتی ہوں مان لیتی ہوں کہ اس عورت کے سینے میں دل نہیں مگر آپ خود چُھو کہ دیکھ لیجیے شاید......اس عورت کے جسم میں آپ کو روح مل جائے شاید۔‘‘

یہ کہہ کر نجانے کہاں سے ایک خوبصورت ستار بجا اور روحیل الجھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔اس نے دیکھا گُل بانوں آہستہ آہستہ پیچھے ہو رہی تھی......روحیل اُسے اپنے آپ سے دُور جاتے ہوئے دیکھتا رہا......گُل بانوں ہال کے بیچ و بیچ کھڑی ہوئی اور اپنے سر پر آنچل لیا......روحیل کا دل جیسے اُس کے سینے سے نکلنے لگا اس قدر حُسن کی ملکہ اس نے اپنی زندگی میں کم ہی دیکھی تھیں۔وہ محو ہو کر دیوانہ ہو کر نشے میں دھت ہو کر گُل بانوں کو دیکھنے لگا۔

چھوڑ دے ساری دُنیا کسی کے لیے
یہ مناسب نہیں آدمی کے لیے
چھوڑ دے ساری دُنیا کسی کے لیے
یہ مناسب نہیں ہے آدمی کے لیے
پیار سے ضروری کئی کام ہیں
پیار سب کچھ نہیں زندگی کے لیے
چھوڑ دے ساری دُنیا کسی کے لیے

گُل بانوں محو ہو کر رقص پیش کر رہی تھی اس کی سُریلی آواز روحیل کو اپنے دل میں اُترتی ہوئی محسوس ہوئی اُس کا ایک ایک درد جیسے سلنے لگا......اس کی ایک ایک تکلیف جیسے تحلیل ہونے لگی وہ دیوانہ ہو کر گُل بانوں کو رقص کرتے ہوئے دیکھنے لگا گُل بانوں کی کمان جیسی پتلی کمر اور خوبصورت پستان اس وقت نُمایاں تھے اور وہ دیوانوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

تن سے تن کا ملن ہو نا پایا تو کیا من سے من کا ملن کوئی کم تو نہیں
تن سے تن کا ملن ہو نا پایا تو کیا من سے من کا ملن کوئی کم تو نہیں

خوشبو آتی رہے دُور ہی سے سہی سامنے ہو چمن کوئی کم تو نہیں
سامنے ہو چمن کوئی کم تو نہیں......

یہ کہہ کر گُل بانوں گھومی اور روحیل کو دیکھ کر گانے لگی۔

چاند ملتا نہیں سب کو سنسار میں ہے دیا ہی بہت روشنی کے لیے
چھوڑ دے ساری دُنیا کسی کے لیے...... یہ مناسب نہیں آدمی کے لیے
چھوڑ دے ساری دُنیا کسی کے لیے......

روحیل کی آنکھوں میں آنسو دوڑ آئے۔اور بھی درد ہیں زندگی میں محبت کے سوا، اُس کا ذہن اب اس بات کو تسلیم کر رہا تھا۔سمیرا کی بے رُخی سے اب وہ تھک چُکا تھا، وہ اپنے حصے کی محبت کے لیے تڑپ رہا تھا۔ وہ اس ڈستی ہوئی تنہائی سے تھک چکا تھا لیکن اس کی تنہائی بانٹنے کے لیے گُل بانو موجود تھی اُس کے سامنے حُسن کی ملکہ موجود تھی جو اُس کے پیار میں اُس کے عشق میں ناچ رہی تھی جھوم رہی تھی روحیل جیسے جیسے اُسے دیکھتا جاتا...... ویسے ویسے اُسے سکون ملنے لگتا گُل بانوں کے رقص میں ایک کہانی تھی ایک داستاں تھی جسے وہ محسوس کر سکتا تھا سمجھ سکتا تھا جان سکتا تھا۔ یہ کہانی اُسے سُنی سُنی سے لگی اپنی سی لگی اُس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ سچّا لگنے لگا۔گُل بانوں نے رقص کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔

کتنی حسرت سے تکتی ہیں کلیاں تمھیں کیوں بہاروں کو پھر سے بُلاتے نہیں
ایک دُنیا اُجڑ ہی گئی ہے تو کیا دوسرا تم جہاں کیوں بساتے نہیں

روحیل اُس کے لفظ سُن کر سوچنے لگا۔ایک آنسو اس کی آنکھ سے چھلک پڑا۔گُل بانوں ناچتی ہوئی روحیل کے پاس آئی اور اپنے لب اُس کے لبوں سے قریب کیے۔

دل نا چاہے بھی تو ساتھ سنسار کے چلنا پڑتا ہے سب کی خوشی کے لیے
چھوڑے دے ساری دُنیا کسی کے لیے یہ مناسب نہیں آدمی کے لیے
چھوڑ دے ساری دُنیا کسی کے لیے

یہ کہہ کر گُل بانو نے اپنا ہاتھ روحیل کے سامنے کیا۔اُس کے ہاتھوں پر مہندی رچی تھی چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔روحیل اُسے تکنے لگا۔گُل بانو نے جام سے بھرا گلاس پیش کیا۔روحیل ایک جھٹکے میں پی گیا، ایک عجیب ٹھنڈی سی راحت اس کو اپنے ذہن میں محسوس ہوئی۔اسی جام کے ساتھ گُل بانو کا حسن مزید نکھر گیا وہ اور خوبصورت دکھنے لگی۔

”یہ آنکھیں...... یہ بال...... یہ ہونٹ۔“

روحیل محو ہو کر گُل بانوں کے چہرے کو ہاتھ لگانے لگا اور وہ آنکھیں بند کیے اُس کے ہاتھوں کو دہکتی

سانسوں کے ساتھ محسوس کرنے لگی۔

''ان آنکھوں میں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے۔'' روحیل نے بہکتے ہوئے کہا۔

''روکیے مت خودکو آ جائیں میری بانہوں میں یہ بانہیں آپ ہی کے لیے تڑپ رہی ہیں۔''

گُل بانوں نے...... دہکی ہوئی...... سانسوں کے ساتھ کہا...... اور روحیل نے...... اُسے اپنی بانہوں میں سما لیا...... روحیل اس کی خوشبو کو محسوس کر رہا تھا...... اس کی بانہوں میں ڈوبے جا رہا تھا...... جلد ہی روحیل نے اُسے فرش پر لٹایا...... اب وہ...... اُس کے اوپر موجود تھا...... گل بانو کی سانسیں دہک رہی تھیں...... اس کی حیا سے آنکھیں بند تھیں روحیل پیار سے...... اُس کے رخساروں پر...... ہاتھ پھیرنے لگا گُل بانوں کا دل دھڑک اُٹھا اور وہ روحیل کی جلد اپنے رخسار پر محسوس کرنے لگی......

روحیل اُس کا چہرا چھوتا رہا کہ اچانک!...... اس کی نظر اپنے بریسلیٹ پر پڑی چاندی کا بریسلیٹ جو سمیرا نے اُسے دلایا تھا......

نشے میں دھت روحیل اپنے بریسلیٹ کو دیکھتا رہا اور یاد کرتا چلا گیا کہ اُس کا تو ایک گھر ہے ایک باپ ہے ایک بھائی ہے سمیرا ہے اور وہ اُن سے دُور یہاں ایک انجان عورت کی بانہوں میں پڑا ہے...... وہ بُری طرح الجھا اور اسی الجھن کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا......

گُل بانو نے اپنی آنکھیں کھولیں اور ایک نظر روحیل کی طرف دیکھا۔ وہ الجھنوں کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ گل بانوں نے اُٹھ کر روحیل کے کندھے پر سر رکھا اور اپنی سُریلی آواز میں کہنے لگی۔

''کیا ہوا میری جان؟ کیا بات ہے؟......''

''آئی ایم سوری میں یہ نہیں کر سکتا۔''

روحیل نے الجھ کر جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا لیکن تب ہی اُسے شدید چکّر آیا۔ وہ اب نشے میں تھا۔ روحیل نے ایک بار پھر ہمّت کی اور اپنا کوٹ اٹھا کر جانے کے لیے پلٹا۔ گُل بانوں خاموشی سے اُسے اس حال میں دیکھنے لگی۔ روحیل کے چلتے ہوئے قدم رُکے اور وہ پلٹ کر گل بانوں کی طرف دیکھنے لگا موتی جیسے آنسو گُل بانوں کی آنکھوں میں ٹکے تھے اور وہ روحیل کو ہی تک رہی تھی۔

''مجھے معاف کرنا تمھاری جنّت بہت حسین ہے لیکن...... لیکن ایک جنّت میرے پاس بھی ہے میرا گھر ہے...... جہاں ایک باپ ہے جو مجھ پر فخر کرتا ہے جہاں میرا بھائی ہے...... جو میرے نقشِ قدم پر چلتا ہے جہاں ایک بیوی ہے...... جسے میرے سہارے کی ضرورت ہے...... مجھ سے کئی لوگ جُڑے ہیں میں تمھاری جنّت میں اُس جنّت کو نہیں چھوڑ سکتا...... چاہے ایک رات کے لیے کیوں نا سہی مجھے...... مجھے بس...... اپنے گھر جانا ہے......''

روحیل کہتا چلا گیا اور گُل بانو اُسے دیکھنے لگی۔ روحیل نے اُس کے سامنے ہاتھ جوڑے اور سر جھکا کر کہا۔

''شکریہ شکریہ مجھے یہ احساس دلانے کے لیے...... کہ مجھے کیا چاہیے اور کیا نہیں...... میرا کیا ہے......اور کیا نہیں...... میں تمھارا یہ احسان......زندگی بھر نہیں بھولوں گا......''

یہ کہ کر روحیل نکلتا چلا گیا۔ گُل بانو اُس اجنبی کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اُس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ آ گئی اور اپنے آپ سے کہنے لگی۔

''حُسن والے جب توڑتے ہیں دل کسی کا بڑی سادگی سے کہتے ہیں مجبور تھے ہم۔''

یہ کہہ کر وہ روحیل کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی......

☆......☆

رات کے تین بج گئے۔ بالاج صاحب پریشان ہو کر ہال میں ٹہل رہے تھے۔ سمیرا بھی فکرمند صوفے پر بیٹھی اپنے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ اُن دونوں کے ساتھ ساتھ اس وقت زین بھی شدید پریشان تھا اور موبائل پر کسی کا نمبر ملا رہا تھا۔ تینوں ایک ہی بات جاننا چاہتے تھے کہ آخر روحیل بنا بتائے کہاں چلا گیا؟ وہ ٹھیک ہے بھی کہ نہیں؟

'' کچھ جواب آیا؟'' بالاج صاحب نے پلٹ کر زین سے پوچھا۔

''نہیں پوپس...... فحاد بھائی نا سعد بھائی...... کوئی جواب نہیں دے رہا...... بھائی کا موبائل تو شام سے ہی بند ہے۔'' زین نے پریشان ہو کر کہا۔

''کہاں چلے گئے یہ۔'' سمیرا فکرمند ہو کر اپنے سسر اور دیور کو دیکھنے لگی۔

''کبھی ایسا کیا نہیں اُس نے...... جہاں ہوتا ہے بتاتا ضرور ہے......لیکن آج بالکل غائب ہے۔''

بالاج صاحب نے فکرمند لہجے میں کہا اور سمیرا اپنے ہاتھوں کو ملنے لگی۔

''پوپس کیا ہم پولیس سے بات کریں؟'' زین نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

''پولیس؟'' سمیرا رونے والی ہوگئی۔

'' کچھ پل ٹھہر جاو......شاید روحیل آجائے اگر نہیں آتا تو میں Inspector General of Police (IGP) سے خود بات کروں گا۔''

بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے یہ جملے کہے۔ وہ اس وقت سمیرا کی حالت سمجھ رہے تھے۔ پولیس کا ذکر سُن کر سمیرا بے حد پریشان ہوگئی تھی۔ زین بھی سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اچانک انھیں مرکزی دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

”میرے خیال سے بھائی آ گئے واپس۔“

زین نے جوش کے عالم میں کہا اور سب اٹھ کر مرکزی دروازے کی طرف چلے۔ تینوں دروازے پر پہنچے تو دیکھا روحیل اپنی مرسیڈیز لے کر اندر آیا اور رفتار سیاس نے گاڑی گھر کی دیوار پر دے ماری!

”بھائی!“

زین کے منہ سے نکلا اور دوڑ کر گاڑی کی طرف گیا۔ سمیرا نے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیے۔ بالاج صاحب بھی اسی طرف دیکھنے لگے۔

”بھائی!؟ بھائی کیا ہوا!؟“

زین دوڑتا ہوا گاڑی کے پاس گیا اور دروازہ کھولا۔

زین نے دیکھا روحیل نیم بیہوشی کی حالت میں ہے۔

”بھائی؟“ زین نے اُسے سنبھالنا چاہا۔

”تم کون ہو؟“ روحیل نشے کی حالت میں بولا۔

”کیا؟“ زین نے چونک کر پوچھا۔

”تم کون ہو بھائی؟ کیوں میری گاڑی کا دروازہ کھول رہے ہو؟“ روحیل نشے کی حالت میں بولا۔

زین سمجھ گیا کہ روحیل نے شراب پی ہوئی ہے، اس نے مشکلوں سے اپنے بھائی کو باہر نکالا۔

”ارے! کیوں نکال رہے ہو مجھے؟ چھوڑو! ہیں؟ زین؟ یہ تو ہے؟“ روحیل دھت ہو کر بولا۔

”جی بھائی! اور یہ بھائی پاگلوں والی باتیں نہیں کرو، اندر چلو۔“

زین نے اپنے بھائی کو ڈانٹا اور اُسے سنبھالا۔

”پاگلوں والی باتیں؟ ابے تیرے بھائی نے پاگلوں والی شادی کر لی تو باتوں کی بات کرتا ہے؟ ہی ہی۔“ روحیل ہنسا اور زین منہ بنانے لگا۔

”ایک کام کر، تُو بھی شادی کا چکّر چھوڑ دے یہ عورتیں ناٹینشن دینے کے سوا کچھ نہیں کرتیں میں تجھے گُل بانو کے پاس لیکر چلتا ہوں وہ تجھے خوش رکھے گی۔“ روحیل نے نشے میں کہا۔

”گُل بانوں یہ کون عجوبہ ہیں؟“ زین نے الجھ کر پوچھا۔

”عجوبہ ہی ہے کم از کم میری محبوبہ سے بہت اچھی ہے۔“

روحیل نشے کے حالت میں بولا اور اس کی نظر بالاج صاحب پر پڑی۔ بالاج صاحب حیران ہو کر روحیل کو دیکھنے لگے۔

”پوپس!...... دا گریٹ پوپس! دا گریٹ گریٹ گریٹ پوپس!...... I love you پوپس!

Everybody loves you پوپس! آپ ہیں بھی تو اتنے گریٹ! کورٹ ہاوس میں جاتے ہیں لوگ آپ کو ایسے ایسے سلیوٹ کرتے ہیں پُورا پاکستان آپ کا نام جانتا ہے آپ کو جانتا ہے......مگر پوپس آپ کا بیٹا جو ہے نا......اُس سے کوئی پیار نہیں کرتا کوئی پیار نہیں کرتا!......''

روحیل نشے کی حالت میں کہتا گیا اور سمیرا کی آنکھوں سے آنسو گرے۔ بالاج صاحب بدستور روحیل کو دیکھ رہے تھے۔

''پانچ سال کا تھا پوپس ماں مرگئی! ہی ہی! ماں وہ کیا کہتے ہیں زین؟ لڑھک گئی! سلپ ہوگئی قبر میں جیسے ہم جھولے سے سلپ ہوا کرتے تھے......شو! کر کے!......ہی ہی......اور ہم سالے یتیم بچّے خود اپنے کپڑے نکالتے خود تیار ہوتے بنا بال بنائے، چلے جاتے اسکول، کوئی بات نہیں ماں ہی تو تھی چلی گئی سوچا اللہ تو مہربان ہے مہربانی کرے گا لیکن ہم بیوقوف تھے زین بالکل بیوقوف! ہمیں اپنی خوشیاں خود حاصل کرنی تھیں ہم پتا نہیں کن چکّروں میں لگ گئے آخر میں ہمیں کیا ملا طعنے؟ تشنے؟...... یہ کہ میں خیال نہیں رکھتا......اُس عورت کا؟''

روحیل نے سمیرا کی طرف اشارہ کیا اور سمیرا روتے ہوئے اپنے شوہر کو دیکھتی رہی۔ بالاج صاحب الجھ کر روحیل کو تکنے لگے۔

''یہ عورت، یہ عورت...... اس کو نا وزیر اعظم چاہیے تھا میں اس کے قابل تھوڑی نا ہوں، میں تو مارتا ہوں اسے ہاں ہاں بہت ظالم آدمی ہوں میں بھائی...... میں تو اس کے کھانے میں بچھو ڈالتا ہوں چائے میں چینی کی جگہ چیونٹیاں ڈال دیتا ہوں...... ششش! بتانا نہیں کسی کو! سیکریٹ ہے۔ شش!......''

روحیل نے لبوں پر انگلی رکھ کر کہا اور زین پریشان ہو کر بھائی کو دیکھنے لگا۔ بالاج صاحب خاموشی سے روحیل کو تکتے رہے۔

''ظالم تو تھا ہی مردود بھی تھا......یتیم بھی تھا......اور اب شرابی بھی ہوگیا ہوں وہ کھڑے ہے نا وکیل صاحب جناب محترم پوپس!......اُن کا سر آج میں نے جھکا دیا ہے کوئی مجھ سے خوش نہیں ہے زین کوئی خوش نہیں ہے۔''

روحیل نے روتے ہوئے کہا اور زین کا دل بیٹھنے لگا۔

''مجھے معاف کریے گا وکیل صاحب جناب پوپس! میں نے آپ کا سر جھکا دیا کیوں کہ کیوں کہ میں آپ کا سر اٹھا اٹھا کر تھک چُکا ہوں...... میں تھک چُکا ہوں...... میں تھک چُکا......میں نے اپنی طرف سے پُوری کوشش کی......مگر آخر میں......آخر میں بیوی کو پیٹنے والا......نامرد نکلا......نامرد نکلا میں......نامرد نکلا میں......''

یہ کہہ کر وہ سیڑھیوں پر گرا اور نیم بیہوش ہو گیا۔

''بھائی!...... بھائی!'' زین نے اُسے سنبھالا۔

''زین اسے اپنے کمرے میں لے جاو۔''

بالاج صاحب نے سرد لہجے میں حکم دیا اور زین روحیل کو اٹھانے لگا۔سمیرا بھی تڑپ کر آگے بڑھی اور روحیل کو سہارا دینا چاہا!

"Don't touch me!.... Don't Touch!.... You.... Gold Digger!"۔روحیل نے چلّا کر کہا اور سمیرا تڑپ کر پیچھے ہوئی۔

''یہ میرا بیٹا ہے یہ مجھے سنبھالے گا ہے نا زین؟ You! عورت!......پلیز دُور!''

روحیل اول فول کہتا گیا اور زین اُسے اندر لے جانے لگا۔ بالاج صاحب خالی نظروں سے روحیل کو اوپر جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔سمیرا روتے ہوئے یہ منظر تکنے لگی۔

''سمیرا......''

بالاج صاحب کی آواز سُن کر سمیرا نے اُن کی طرف دیکھا۔

''جاو بیٹا سنبھالو اُسے۔''

بالاج صاحب کی بات سُن کر سمیرا سر جھکا گئی۔اس نے اپنے آنسو پونچھے اور سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ بالاج صاحب وہیں خاموش کھڑے رہے۔

زین نے کمرے کا دروازہ کھولا اور روحیل کو مشکلوں سے بستر پر ڈالا۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟ یہ تو بڑی نرم ہے۔'' روحیل نے الجھ کر بستر کو دیکھ کر کہا۔

''آپ کا بستر ہے بھائی!'' زین نے منہ بنا کر کہا۔

''ابے! تیرے کو پتا نہیں میرا بستر وہ ہے...... کاوچ! یہاں تو وہ شہزادی سوتی ہے کیا نام ہے اُسکا؟ سمیرا ارا کی ایجنٹ ہے وہ پتا ہے؟...... بتانا نہیں کسی کو! ششش!''

روحیل نشے میں کہتا رہا اور سمیرا کمرے میں داخل ہوئی۔

''اس کی عزّت نہیں کرو تم...... جتنا کرلو اُس کے لیے کم ہے یاد رکھنا میری بات۔'' روحیل نے زین کو پکڑ کر کہا اور زین کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

''زین تم جاؤ۔'' سمیرا نے سرد لہجے میں کہا اور زین سر جھکا کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

''ہاں زین تم جاؤ سب چلے جاو! سب کے سب چلے جاو میں تنہا ہی ٹھیک ہوں میں تنہا ہی ٹھیک ہوں۔''

روحیل بستر پر لیٹے ہوئے بولتا رہا۔ سمیرا نے دروازہ بند کیا اور پلٹ کر اپنے شوہر کے پاس آئی۔

''تُو پھر آ گئی مجھے کیوں لائی ہو یہاں میں نے تو تمھیں برباد کرنے میں کسر ہی نہیں چھوڑی تو پھر میرے پاس کیوں آ رہی ہو؟''

روحیل تلملا کر کہنے لگا اور سمیرا روتے ہوئے اُس کے جوتے اُتارنے لگی۔

''میرے جوتے نہیں اُتارو مجھے دوڑنا ہے مجھے دوڑ......امم......''

یہ کہتے ہوئے روحیل کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ گہری نیند میں غرق ہوا، سمیرا نے آگے بڑھ کر اُس کے سر کے نیچے تکیا رکھا اور بدن پر کمبل ڈالا۔ روحیل اب سو چکا تھا۔ سمیرا زمیں پر بیٹھ کر رونے لگی۔ وہ اپنی قسمت کو کوس رہی تھی۔ اُس کا دل اس لمحے بُری طرح دھڑک رہا تھا، اُس کا سپنوں کا محل جیسے آہستہ آہستہ بکھر رہا تھا۔ سمیرا دیوار سے ٹیک لگا گئی اور رونے لگی۔ اُسے کوئی چُپ کرانے والا نا تھا کوئی خاموش کرانے والا نا تھا۔

صبح کا سورج طلوح ہوا۔ سمیرا رات بھر رونے کے بعد وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر سوتی رہی۔ وہ ابھی بھی بیٹھے ہوئے سو رہی تھی۔ جب کہ روحیل بستر پر اوندھے منہ پڑا سویا ہوا تھا۔

☆......☆

کھڑکی سے ہوتی ہوئی سُورج کی کرن روحیل کے چہرے پر پڑی تو اس نے سوتے ہوئے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ کچھ ہی پل گزرے کے روحیل کی آنکھ کھلی اور وہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے کروٹ لی اور گھبرا کر اپنا کمرا دیکھا۔ اُٹھ کر بیٹھا تو شدید چکّر آیا۔

''آوچ!''

اس کی آواز سُن کر سمیرا کی آنکھ بھی کھلی اور چونک کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ وہ بے چین ہو کر اپنے شوہر کے پاس آئی۔

''کیسے ہیں آپ؟ کیسی طبیعت ہے؟''

سمیرا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ روحیل نے ایک نظر اُسے دیکھا اور کوئی جواب دینا مناسب نا سمجھا۔

''کیا ہوا آپ کو؟ مجھ سے ایسی کیا خطا ہو گئی؟ جس نے آپ کو شراب تک پینے پر مجبور کر دیا روحیل آپ تو ہنستے کھیلتے رہتے تھے خوش رہتے تھے یہ کیا ہو گیا آپ کو؟ مجھ سے کوئی بھول ہوئی تو سزا دے دیں لیکن اس طرح اپنے آپ کو مت توڑیے۔''

سمیرا نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور روحیل اپنا سر پکڑ کر بیٹھا رہا۔

''میں چائے لاوں آپ کے لیے؟ سر دباوں؟'' سمیرا نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”مجھے ہاتھ مت لگانا پلیز۔“

روحیل نے غصیلے لہجے میں جواب دیا اور سمیرا ایک جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔

”مجھے پوپس کو چھوڑنے ایر پورٹ جانا ہے، پلیز مجھے تیار ہونے دو۔“ روحیل نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا۔

”میں نے کیا کیا ہے؟ میرا کیا قصور ہے؟“ سمیرا نے اُس کے پیچھے آ کر پوچھا۔

”تم نے کچھ نہیں کیا قصور میرا ہے سمیرا، نا میں تمھارے پیچھے پڑتا اور نا ہی یہ شادی ہوتی۔“

روحیل نے سرد لہجے میں ایک بہت بڑی بات کہی اور سمیرا دھک سے رہ گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر اپنے شوہر کو تکنے لگی۔

”آئی ایم سوری میں نے تمھیں برباد کر دیا آئی ایم سوری۔“

یہ کہہ کر روحیل باتھ روم میں چلا گیا۔ سمیرا وہیں کھڑی رہی، اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کی جنّت کو کس کی نظر لگ گئی۔ یہ اچانک ایک پل میں کیا ہو گیا۔

☆......☆

"Ladies & Gentlemen, the doors are open for the flight PK-106 Karachi to Islamabad, you may proceed to the gate no. 5. thank you"

جناح ٹرمینل پر اعلان ہوا اور روحیل سر جھکائے کھڑا رہا۔ اُس کے ساتھ اس وقت بالاج صاحب موجود تھے جو کہ اس وقت بالکل خاموش کھڑے تھے۔ اعلان کو سُن کر بالاج صاحب نے اپنے قدم بڑھائے۔

”پوپس۔“

روحیل کے منھ سے نکلا اور انھوں نے رُک کر پلٹ کے اپنے بڑے بیٹے کو دیکھا۔

”مجھے معاف کر دیں میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔“

روحیل نے شرمسار ہو کر یہ جملے کہے اور بالاج صاحب اُسے دیکھنے لگے۔

”میں نے آج تک شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہر درد ہر غم کا حل اپنے اندر تلاش کیا حالات سے مقابلہ کیا...... تنہا اس قدر لڑا...... کہ جیت کی لت سی لگ گئی ...... امی کو کھونے کے بعد...... کسی اور کو کھونے کی طاقت نہیں رہی...... اس لیے ہر جنگ فتح کرنا ضروری سمجھا...... مگر...... مگر اب میں...... اب میں ٹوٹ گیا ہوں پوپس۔“

روحیل کہتا گیا اور بالاج صاحب اُسے تکتے رہے۔

’’میں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ...... بہت جلد بازی میں کیا...... غلطی ہوئی مجھ سے...... سمیرا سے شادی کر کے...... بہت بڑی غلطی ہوئی مجھ سے......‘‘

روحیل کی بات سُن کر بالاج صاحب مسکرائے اور اپنے بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگے۔

’’کل رات...... جو شخص پلٹ کر گھر آیا تھا...... وہ میرا بیٹا نہیں بلکہ ایک انسان تھا جو بوجھ اٹھا اٹھا کر ٹوٹ گیا اس لیے مجھے تم سے کوئی ناراضگی نہیں کوئی شکوہ نہیں۔‘‘

اُن کی بات سُن کر روحیل نے اُن کا چہرا دیکھا۔

’’جو انسان کل رات لوٹ کے آیا تھا وہ میرا بیٹا نہیں تھا...... لیکن اب میں اپنے بیٹے سے مخاطب ہو رہا ہوں...... تم اپنی شادی کو غلطی کہہ رہے ہو ہے نا؟ تو یقین کرو میں نے دنیا دیکھی ہے اور میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں...... کہ سمیرا بنی ہی صرف تمھارے لیے ہے...... صرف تمھارے لیے......‘‘

بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر یہ جملے کہے اور روحیل سر جھکا کر سوچنے لگا۔

’’یہ جو اخبار ہوتا ہے نا یہ طرح طرح کی خبریں چھاپتا ہے فلاں جگہ بم گرا فلاں جگہ دہشت گردی ہوئی لیکن ان لائنوں کے درمیاں جو خالی جگہ ہوتی ہے نا...... اصل خبر وہاں لکھی ہوتی ہے ہمیں اُسے پڑھنا ہوتا ہے۔‘‘

بالاج صاحب نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور روحیل سوچنے لگا۔

’’سمیرا کی زندگی کی وہ خالی جگہ ہیں پڑھو تمھیں اپنے آپ سمجھ آ جائے گا کہ مسلہ کیا ہے...... اور تب تمھیں یقین ہو گا کہ تمھاری شادی کوئی غلطی نہیں...... بلکہ یہ تو وہ عینام ہے جو خدا نے تمھاری قُربانیوں کے عویز تمھیں عطا کیا ہے......‘‘

بالاج صاحب کی بات سُن کر روحیل انھیں دیکھتا رہ گیا...... انھوں نے آنکھوں پر چشمہ لگایا اور چلتے چلے گئے۔ روحیل اپنے والد کو جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔ انھوں نے اُسے بہت پیار سے سمجھایا تھا۔ سب کچھ سُن کر روحیل واپس پلٹا اور سوچتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ جلد ہی وہ اپنے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے اپنے گھڑی دیکھی، وقت گیارہ بجے کا تھا۔ کچھ سوچ کر روحیل نے اپنی گاڑی دوسری طرف موڑی اور گھر کی طرف چل دیا۔ قریب پچیس منٹ کے اندر وہ گھر پر پہنچا۔ قریب پہنچ کر ہارن دے کر اپنے گھر کے گارڈ کو پاس بُلایا۔ گارڈ دوڑا دوڑا ہوا اُس کے پاس آ گیا۔ روحیل نے اپنی گاڑی کے شیشے نیچے کیے۔

’’سلام صاحب۔‘‘ گارڈ نے آ کر سلام کیا۔

''کوئی آیا؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں صاحب کوئی بھی نہیں لیکن وہ لڑکا ہے نا سلطان وہ کچھ پیکٹ لے کر باہر نکلا تھا۔'' گارڈ نے اُسے دیکھ کر کہا اور روحیل چونکا۔

''پیکٹ؟''

''جی صاحب وہ ہر ہفتے کچھ نا کچھ لے کر نکلتا ہے اور اُس گلی میں جاتا ہے، پھر واپس آ کر اندر چلا جاتا ہے۔''

گارڈ نے جواب دیا اور روحیل سوچنے لگا۔ الجھ کر اس نے کہا۔

''سلطان کو باہر بُلاؤ''

''اچھا صاحب۔''

گارڈ نے سر جھکا کر یہ جملے کہے اور پلٹ کر چل دیا۔ روحیل اسٹیرینگ پکڑے وہیں بیٹھا رہا۔ دو منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کے سلطان بھاگا بھاگا گارڈ کے ساتھ آیا۔

''سلام صاب!''

''سلطان تم ابھی کوئی پیکٹ دے کر آئے ہو کسی کو؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں صاب، وہ وہاں ایک بوڑھا آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ چھوٹی بی بی نے کہا اُسے پیکٹ دے آؤ۔''

سلطان نے معصومیت سے سب کچھ بتایا اور روحیل دھک سے رہ گیا۔

گارڈ بھی اُلجھ کر یہ ماجرہ تکنے لگا۔

''بوڑھا آدمی۔'' روحیل کے منہ سے نکلا اور وہ جلدی سے بولا۔

''کتنی مرتبہ تم گئے ہو اُسے کچھ دینے؟''

''دو تین بار صاب۔'' اس نے جلدی سے بتایا۔

''تم نے دیکھا نہیں پیکٹ میں کیا ہے؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں صاب! میرا کام تو بس حکم ماننا ہوتا ہے سمیرا بی بی نے کہا اور میں نے مان لیا۔''

سلطان نے سر ہلا کر بتایا اور روحیل سر جھکا گیا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔''

''اچھا صاب۔''

سلطان نے سلام کیا اور بھاگا بھاگا چلا گیا۔ اب روحیل الجھ کر سوچنے لگا کہ ماجرہ کیا ہے۔ دو سے تین بار سمیرا کے کہنے پر سلطان اُس بوڑھے شخص کو کچھ دے کر آیا ہے۔ روحیل کو ایک خیال گُذرا اور اسی خیال

کے ساتھ اُس کا خون کھول گیا۔ غصے سے اس کی آنکھیں سُرخ ہو گئی ں۔

''دروازہ کھولو......''

روحیل نے غصیلے لہجے میں حکم دیا اور گارڈ نے گھبرا کر گھر کا دروازہ کھولا۔ وہ رفتار سے گاڑی اندر لے کر آیا۔ گاڑی سے اُترا اور زور سے دروازہ بند کیا۔

''سمیرا! سمیرا!'' روحیل اندر آ کر دھاڑا!

دوسری طرف سمیرا بُری طرح چونکی! اس وقت روحیل وہ بھی گھر پر؟ وہ اپنے آنسو پوچھ کر باہر آئی۔

''آپ؟''

روحیل اُسے بُری طرح گھورنے لگا۔ سمیرا ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔ وہ چلتا ہوا اُس کے سامنے آیا۔

''لاکر کی چابی دو۔''

روحیل کا یہ کہنا تھا کہ سمیرا دھک سے رہ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

''چابی دو سمیرا۔''

روحیل نے سرد لہجے میں یہ جملے کہے اور سمیرا نے بے جان ہاتھوں سے اُسے چابی دی۔ روحیل نے چابی لی اور سمیرا کا ہاتھ پکڑ کر لاکر کی طرف بڑھا۔ سمیرا دھکّے کھاتے اُس کے ساتھ بڑھی۔ لاکر کے سامنے پہنچ کر روحیل نے چابی لگائی اور کوڈ ڈالا۔ جلد ہی لاکر کھلا۔ اس نے پیسے گننا شروع کیے لیکن یہ دیکھ کر روحیل حیران رہ گیا کہ پیسے پُورے تھے۔ حساب میں کوئی غلطی نہیں تھی۔ اُس کے ماتھے پر شکنیں پڑھ گئیں یقیناً لاکر سے کچھ باہر گیا ہے لیکن رقم پوری ہے۔ وہ پلٹ کر سوچنے لگا۔ سمیرا ابھی بھی بے جان جسم کے ساتھ کھڑی یہ سب ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اچانک روحیل کو کچھ خیال آیا وہ پلٹا۔ سونے کا وہ سیٹ نکالا جو روحیل نے سمیرا کو تحفے میں دیا تھا۔ روحیل نے ڈبّہ کھولا اور دوسرا ہی لمحہ کسی آفت سے کم نا تھا۔

ڈبّے میں سے سونے کا ہار غائب تھا۔

چند سیکنڈ روحیل نے خالی ڈبّے کو دیکھتا رہا۔ پلٹ کر اس نے سمیرا کو دیکھا۔ وہ بے جان جسم کے ساتھ دیوار سے لگ کر کھڑی تھی۔ سر شرمندگی سے جھکا ہوا تھا۔ روحیل نے اپنا موبائل نکالا اور کسی کا نمبر ملانے لگا۔ جلد ہی دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہیلو روحیل کیا حال ہیں؟'' دوسری طرف سے ایس ایچ او وسیم کی آواز آئی۔

''وسیم ایک بندے کا پتا کرنا ہے۔'' روحیل نے اک دم سے کہا۔

''خیریت؟ تُو کافی سنجیدا ہے، کیا معاملہ ہے؟'' وسیم نے چونک کر پوچھا۔

''بعد میں بتاوں گا معاملہ لیکن اس بندے کی مجھے ایک ایک رپورٹ چاہیے، کہاں جاتا ہے اور کیا

کرتا ہے۔'' روحیل نے خشک لہجے میں کہا۔
''کوئی مسلہ نہیں رات تک سب پتا چل جائے گا، تم صرف مجھے نام اور پتا بتاو۔'' وسیم نے نوٹ کرتے ہوئے کہا۔
''شوکت راشد، عمر پچاس سے اوپر کی ہے۔ اندھیری نگر میں رہتا ہے۔'' روحیل نے بتایا۔
''صحیح ہے، میں رات تک تمھیں سب بتاتا ہوں۔''
وسیم نے سنجیدگی سے یہ جملے کہے اور فون بند کیا۔ روحیل نے پلٹ کر ایک نظر سمیرا کو دیکھا۔ وہ خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ کہنے کے لیے اُس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ گہرا سانس لے کر وہ وہاں سے چل دیا۔ سمیرا وہیں بُت بنی کھڑی رہ گئی۔

☆......☆

رات گئے غیر متوقع طور پر بارش شروع ہو چکی تھی اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں موجود تھے۔ زین اس وقت اپنے دوستوں کے ہمراہ بیٹھا کچھ اسائنمنٹس پر کام کر رہا تھا۔
''تُو نے کیا سوچا ہے کب بات کرے گا بھابھی سے؟'' ایک دوست نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
''پتا نہیں یار، گھر کا ماحول اک دم سے بہت عجیب ہو گیا ہے۔ بھائی اور بھابھی کے درمیاں شاید کوئی بات ہوئی ہے اس لیے گھر میں کافی تنگ ماحول ہے۔'' زین نے پریشان ہو کر جواب دیا۔
''ارے یار میاں بیوی ہیں کوئی بات ہو گئی ہو گی، تُو اتنی ٹینشن کیوں لے رہا ہے؟'' ایک اور دوست نے پوچھا۔
''بھائی نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا کبھی اس قدر نہیں ٹوٹے جتنا پرسوں رات ٹوٹے ہوئے تھے میں نے کبھی انھیں اس حالت میں نہیں دیکھا۔'' زین نے فکر مند ہو کر کہا۔
''اور بھابھی؟ وہ پریشان ہیں؟'' ایک نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
''سب ہی پریشان ہیں کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ بھائی کے دل میں کیا بات ہے اور کس بات پر وہ اتنے ناراض ہوے۔'' زین نے سوچتے ہوئے کہا۔
''ثمینہ سے بات ہوئی تیری؟'' ایک نے پوچھا۔
''نہیں موقع ہی نہیں مل رہا۔'' زین نے الجھ کر کہا۔
''ایک کام کر، بھابھی سے جلد بات کر لے اپنے مسلے کو زیاد طویل مت کر۔ جلد بات کر لے۔'' دوست نے سمجھایا۔
''تم ٹھیک کہتے ہو میں آج رات ہی بھابھی سے بات کرتا ہوں کہ میں ثمینہ سے شادی کرنا چاہتا

ہوں۔'' زین نے سوچتے ہوئے کہا اور واپس پڑھنے لگا۔

☆......☆

بارش اپنی پوری رفتار سے ہو رہی تھی۔ بجلی اس قدر زور سے کڑک رہی تھی کہ گھر کی کھڑکیاں تک ہل گئیں۔ روحیل ہال میں ٹہل رہا تھا جب کہ سمیرا صوفے پر خاموش بیٹھی تھی۔ دوپہر سے دونوں نے ایک دوسرے سے ایک جملہ نہ کہا۔ بس ایک خاموشی تھی دونوں کے درمیاں اور کچھ نہیں۔ روحیل کا دل اس وقت بُری طرح ٹوٹا ہوا تھا، سمیرا کی چوری پکڑی گئی تھی۔ یہ سوچ کر اُس کا دل ڈوب رہا تھا کہ جہاں سمیرا کو اس کی محبت سے کوئی لینا دینا نہیں، وہیں وہ اس کی دولت کو چُرا رہی تھی۔ ایسے میں روحیل کا موبائل بجا، اس نے اپنا فون دیکھا تو وسیم کا نام لکھا ہوا نظر آیا۔ روحیل نے ایک نظر سمیرا کو دیکھا اور فون اٹھایا۔

''ہاں وسیم؟''

''یار روحیل تُو نے تو کمال کر دیا۔ یہ شوکت راشد لاہور کا چھٹا ہوا بدمعاش اور ایک نمبر کا عیّاش ہے۔ یہ اپنی بیوی کے قتل کے سلسلے میں لاہور میں جیل کاٹ چکا ہے۔''

وسیم کی بات سُن کر روحیل دھک سے رہ گیا، اُس کا سانس جیسے رُک گیا۔ شوکت سمیرا کی والدہ کا قاتل تھا۔ گویا ایکسیڈنٹ نہیں بلکہ اُن کا قتل ہوا تھا! وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سمیرا کو دیکھنے لگا۔ سمیرا بُت بنی بیٹھی تھی۔

''کیس ثابت نا ہوا تو جیل سے نکل کر یہ کراچی چلا آیا۔ جوّاری اور شرابی آدمی ہے۔ پیسہ بھی بہت ہے جیب میں۔ تمھاری اس رپورٹنگ سے ہمیں کئی جوے خانے اور شراب خانوں کے بارے میں پتا چلا ہے، تم اگر کہتے ہو تو اس آدمی کو ابھی پکڑ لیتے ہیں اور سارے جوے خانے بند کرا دیتے ہیں۔'' وسیم نے جوشیلی آواز میں کہا۔

''نہیں پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے ابھی۔'' روحیل جیسے اپنے آپ سے کہنے لگا۔

''لیکن روحیل ہمیں شراب خانوں کے خلاف ایکشن لینا ہوگا۔'' وسیم نے اُسے سمجھایا۔

''ہاں وہ ٹھیک ہے لیکن شوکت کو نہ پکڑنا پلیز......'' روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اوکے تم کہتے ہوئے تو ٹھیک ہے۔''

وسیم نے سر ہلا کر یہ جملے کہے اور فون بند کیا۔ روحیل نے فون بند کر کے سمیرا کی طرف دیکھا۔ وہ بے جان جسم کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جیسے اُس کے جسم میں روح ہی نا ہو۔

''تمھارا باپ ایک نمبر کا عیّاش! جواری اور تمھاری ماں کے قتل میں ملوث رہا ہے۔''

روحیل نے دانت پیس کر ایک ایک جملہ ٹکا کر کہا اور سمیرا خاموش رہی صرف بادل گرجنے کی آواز

آتی رہی۔

''تم نے بہت اچھا کیا جو یہ بات زارا اور ثمینہ سے نہیں کی واقعی ایسا باپ ہونے سے بہتر ہے انسان یتیم ہی رہے لیکن تم نے اپنے باپ کو میرے پیسے سے پالنا شروع کیا تیس ہزار...... پچاس ہزار...... یہاں تک کے چار لاکھ کا گولڈ کا سیٹ اُسے دے دیا میری محبت کی یہ قدر کی تم نے؟'' روحیل نے غصیلے لہجے میں پوچھا اور سمیرا خاموش رہی۔

''جواب دو! مجھے!'' روحیل چلائی ا اور سمیرا کانپ گئی۔

''مجھے سچ سُننا ہے۔ خاموشی نہیں چاہیے مجھے!'' روحیل چلائی۔

''روحیل پلیز سمجھنے کی کوشش کیجیے میں میں مجبور تھی۔'' سمیرا روتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا مجبوری تھی؟ کیا مجبوری تھی؟ تمھارا باپ کوئی عزت دار انسان تو ہے نہیں کہ اس کی عزت کی پروا تم کرتی آرہی تھیں؟ تو کیا مجبوری تھی؟ کیا اسی لیے تم نے اس گھر میں قدم رکھا کہ اپنے باپ کی عیاشیاں یہاں سے پوری کر سکو؟'' روحیل چلایا۔

''شٹ اپ روحیل! بہت ہو گیا!''

سمیرا بھڑک گئی! اس کی آنکھوں میں غصہ اُتر آیا۔

''مجھے خاموش رہنے کے لیے مت کہو سمیرا! مجھے اب یہ کھیل سمجھ آرہا ہے مجھ سے نفرت اتنی ہے کہ میرے قریب نہیں آتیں، ارے اتنی گھن آتی تھی مجھ سے تو تھوک کر چلی جاتی میرے منھ پر شادی کیوں کی؟ آنی مجھے سمجھا رہی ہیں کہ سمیرا پر کوئی ظلم نہ کرو آصف مجھ سے ملاقات کر کے بول رہا ہے کہ اچھے شوہر بننے کی کوشش کرو میں پوچھتا ہوں میں نے ایسا کیا کیا؟ کیا میں نے تم پر کوئی ظلم کیا ہے؟ جو لوگ مجھے آکر سمجھا رہے ہیں۔ چلو میری چھوڑو...... میرے باپ نے کیا کیا؟ میرے بھائی نے کیا کیا؟ جو تم نے آنی کو یہ کہا کہ آپ لوگوں نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی!'' روحیل چلایا۔

"Stop it! Rohail... Stop It!!"۔ سمیرا نے اپنے بال پکڑ کر کہا۔

''سچ تو یہ ہے سمیرا کہ تم نے مجھ سے شادی اس لیے کی تا کہ تم اس دولت پر ناگن بن کر بیٹھ سکو اور اُڑاو اس دولت کو اپنے باپ کی عیّاشیوں پر وہ بھی ہماری لاشیں بچھا کر! میں تمھیں ایک نیک عورت سمجھ کر اس گھر میں لایا تھا لیکن تم ایک بدذات عورت ہو!''

روحیل کے جملے ادا ہی ہوئے تھے کہ ایک زنّاٹے دار تھپڑ! اور اُس کے منھ پر پڑا!

روحیل پتھرا گیا اُسے ایک فیصد اُمید نا تھی کہ سمیرا اُس پر ہاتھ اُٹھا دے گی۔

☆......☆

بادل گرجتے رہے۔ زنّاٹے دار تھپڑ کے بعد...... گھر میں مکمل خاموشی چھا گئی! روحیل بے یقینی کے عالم میں کھڑا رہا...... سمیرا تھپڑ مارتے ہی بُت بن گئی!...... اُس کا جسم پتھر کا بن گیا...... وہ خوف کے عالم میں روحیل کو دیکھنے لگی...... یہ اُس سے کیا غضب ہو گیا تھا...... اس نے اپنے شوہر پر ہاتھ اُٹھا دیا۔

سمیرا گرنے لگی تو دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔ وہ کانپتی ہوئی نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔ روحیل اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔

سمیرا پلٹی اور دیوار سے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔ گھر میں اب صرف سمیرا کا بین گونج رہا تھا۔ روحیل کے گال پر سمیرا کی انگلیاں چھپ گئی تھیں...... وہ ساکت کھڑا تھا...... اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے...... اس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا اور اپنے ہاتھ کو تکنے لگا۔ سمیرا مستقل روئے جا رہی تھی۔

روحیل روتے ہوئے پلٹا اور بوجھل قدموں سے جانے لگا۔ ایک پل کے لیے رُک کر اس نے سمیرا کو دیکھا۔

''اب ہم ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتے سمیرا...... تمھیں یہ گھر...... یہ دولت مبارک ہو میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں......''

اُس کا یہ کہنا تھا کہ سمیرا کی سسکیاں رُک گئیں۔ وہ ساکت ہو گئی۔ روحیل نے سر جھکا کر پلٹا اور جانے لگا۔

''روحیل؟......''

سمیرا کی سرد آواز سُن کر روحیل ٹھٹک کر رُکا۔ یہ نام سمیرا نے روتے ہوئے نہیں بلکہ مضبوط لہجے میں لیا تھا۔ وہ پلٹا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سمیرا کی آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں لیکن اب وہ رو نہیں رہی تھی۔ اُس کے ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا، گردن کی رگیں پھول پچک رہی تھیں۔ اس لمحے بجلی بہت زور سے کڑک اُٹھی۔ روحیل اُسے تکنے لگا۔

''تم جاننا چاہتے ہو نا کہ میں نے اپنے کمینے باپ کو تمھاری دولت کیوں دی؟ تم جاننا چاہتے ہو نا کہ میں تمھارے قریب کیوں نہیں آتی؟ تم جاننا چاہتے ہو نا؟ کی میں اس شادی کے لیے کیوں منع کرتی رہی؟...... جاننا چاہتے ہو نا؟''

سمیرا نے اُسے دیکھ کر یہ جملے کہے اور روحیل اُسے تکنے لگا۔ سچ آج پتا چلنے والا تھا۔ ایک بار پھر بجلی بہت زور سے کڑکی۔

''تو سُنو تمھاری دولت میں نے اپنے کمینے باپ کو اس لیے دی کیوں کہ وہ اپنی سگی بیٹی کو بلیک میل کر رہا تھا اور میں میں اس جنّت کو کھونا نہیں چاہتی تھی میں تمھیں کھونا نہیں چاہتی تھی...... میں اس گھر کو کھونا

نہیں چاہتی تھی......''

سمیرا نے ساکت نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے یہ جملے کہے اور روحیل اُس کا چہرا دیکھنے لگا۔

''تم جاننا چاہتے ہو نا کہ میں کیوں تمھارے قریب نہیں آئی؟ کیوں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی؟ کیوں کہ میں تمھارے قابل نہیں ہوں...... مجھے زمانے نے تمھارے قابل نہیں چھوڑا...... جاننا چاہتے ہو کیوں؟ جاننا چاہتے ہو؟......تو سُنو!......کیوں کہ تمھاری سمیرا کی چار بھیڑیوں نے لاہور میں عزّت لوٹی تھی!......

سمیرا کے یہ جملے روحیل پر کسی پہاڑ کی طرح گرے! اُس کے پیروں تلے زمیں نکل گئی! اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں! وہ سکتے کے عالم میں سمیرا کا چہرا تکنے لگا۔ بادل بُری طرح گرجنے لگے۔......

''میرا سگا باپ مجھے جوے میں ہار گیا تھا! بیچ آیا تھا مجھے! میری عزّت کو لوٹا گیا! زیادتی کا نشانہ بنایا گیا!......

سمیرا کا یہ چلّا کر کہنا تھا کہ وہ تکلیف سر فرش پر گری اور بُری طرح تڑپنے لگی۔

''سمیرا!''

روحیل خوف میں چلّاتا ہوا اُس کے پاس آیا۔ سمیرا کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور سانس نہیں آ رہا تھا اُس کا جسم جیسے اکڑنے لگا۔

''سمیرا! سمیرا مجھے دیکھو! سمیرا کیا ہو رہا ہے؟ سمیرا!......سمیرا!''

روحیل اُسے پُکارتا چلا گیا اور سمیرا کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

☆......☆

کراچی کی سڑکوں پر ایمبولینس بارش کا پانی اُچھالتی ہوئی اسپتال کی طرف جا رہی تھی۔ روحیل نے سمیرا کا ہاتھ تھاما ہوا تھا اور آکسیجن ماسک اُس کے منھ پر تھا۔ سمیرا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ روحیل روتے ہوئے کبھی اس کو تو کبھی نرسز کی طرف دیکھتا۔ خود نرسز کے چہرے بھی دھواں ہو رہے تھے۔ جلد ہی وہ اسپتال پہنچے اور روحیل دیگر ڈاکٹرز کے ساتھ سمیرا کو اسٹریچر پر لے کر دوڑ رہا تھا۔ ڈاکٹرز کی ٹیم اُسے آپریشن تھیٹر کی طرف لے گئی۔ روحیل باہر ہی رُک گیا اور اپنے بالوں کو پکڑ کر زمیں پر بیٹھتا چلا گیا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سمیرا کو کیا ہوا ہے۔ روتے ہوئے اس نے اپنا موبائل فون نکالا۔

رات گیارہ بجے کے قریب اشرف صاحب اور تہمینہ بیگم بستر پر سو رہے تھے۔ ایسے میں اُن کا موبائل فون بجا۔ اشرف صاحب نے موبائل فون دیکھا اور گھبرا کر اُٹھے۔ برابر میں رکھا ہوا لیمپ جلایا اور بستر پر

سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ تہمینہ بیگم نے بھی پلٹ کر انھیں دیکھا اور پوچھا۔

''کس کا فون ہے؟''

''روحیل کا فون آ رہا ہے۔'' اشرف صاحب نے فکر مند ہو کر بتایا اور فون اٹھایا۔

''ہیلو روحیل؟''

''اشرف انکل۔'' روحیل نے روتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا روحیل سب ٹھیک تو ہے؟'' اشرف صاحب پریشان ہو کر بولے۔

''انکل پتا نہیں سمیرا کو کیا ہو گیا ہے میں اسپتال میں ہوں وہ اندر ہے اوپریشن تھیٹر میں ہے۔'' روحیل نے روتے ہوئے بتایا۔

''سمیرا؟......اسپتال میں؟'' اشرف صاحب نے بوکھلا کر کہا اور تہمینہ بیگم نے اپنا سینے پر ہاتھ رکھا۔

''میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' روحیل نے روتے ہوئے کہا۔

''تم تم پریشان نہیں ہو بیٹا! میں آ رہا ہوں اوکے پریشان مت ہونا میں ابھی آتا ہوں۔''

اشرف صاحب نے فون رکھا اور اٹھ کھڑے ہوے۔

''کیا ہوا اشرف؟ کیا بات ہے؟'' تہمینہ بیگم نے اٹھ کر پوچھا۔

''سمیرا کو کچھ ہوا ہے، وہ اوپریشن تھیٹر میں ہے۔'' اشرف صاحب نے تیار ہوتے ہوئے کہا۔

''یا اللہ۔'' تہمینہ بیگم کے منھ سے نکلا اور وہ بستر پر بیٹھیں۔

''روحیل رو رہا تھا، مجھے بلا رہا ہے۔ میں شفیق بھائی اور آصف کو لے کر جاتا ہوں۔'' اشرف صاحب نے سوچتے ہوئے کہا اور تہمینہ بیگم سکتے میں بیٹھی رہیں۔

''تہمینا تہمینہ سنبھالو اپنے آپ کو تم ہمّت ہارو گی تو میرا کیا ہو گا؟'' اشرف صاحب نے ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔

''ثمینہ؟......ثمینہ کو کیا کہوں؟'' تہمینہ بیگم نے سکتے کے عالم میں پوچھا۔

''ابھی کچھ نہیں کہو...... وہ سو رہی ہے اُسے کچھ پتا نہیں چلے گا اُسے پریشان نہیں کرنا میں ہو کر آتا ہوں۔''

اشرف صاحب نے فکر مند ہو کر یہ جملے کہے اور کمرے سے باہر نکلے۔ تہمینہ بیگم ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔

''میں جا رہا ہوں، اسپتال پہنچ کر بتاوں گا کہ کیا ماجرہ ہے، تم دعا کرنا۔''

اشرف صاحب نے پریشان ہو کر کہا اور گھر سے باہر نکلے۔ تہمینہ بیگم نے دروازہ بند کیا، پلٹیں تو دھک

سے رہ گئیں۔ ثمینہ سیڑھیوں پر ان کے سامنے موجود تھی۔

''آنی؟ کیا بات ہے؟'' ثمینہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''کچھ نہیں بس وہ دفتر کا کچھ کام۔'' تہمینہ بیگم نے بات بنائی۔

''آنی؟......''

ثمینہ نے دھیرے سے اُن کا نام لیا اور چلتی ہوئی ان کے پاس آئی۔ تہمینہ بیگم سر جھکا گئی ں۔ ثمینہ جلتی ہوئی ان کے سامنے آئی اور ان کے شانوں کو تھامے۔

''آنی؟......کیا بات ہے؟''

ثمینہ کے اصرار پر تہمینہ بیگم سر جھکا گئیں۔

''سمیرا کو کچھ ہوا ہے وہ اسپتال میں ہے۔''

اپنی آنی کی بات سُن کر ثمینہ سکتے میں چلی گئی۔ وہ پتھر کی سی بن گئی۔

''ہمیں خود نہیں پتا کہ کیا ہوا ہے وہ آپریشن تھیٹر میں ہے......دعا کرو بس کوئی خطرناک بات نا ہو۔''

تہمینہ بیگم نے ثمینہ کو پیار کیا اور اُسے اپنے سینے سے لگایا۔ ثمینہ پتھرائی ہوئی اپنی آنی کے سینے سے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

☆......☆

شفیق صاحب، اشرف صاحب اور آصف اسپتال پہنچے۔ قریب قریب دوڑتے ہوئے وہ آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھے۔ روحیل وہیں زمیں پر بیٹھا تھا۔ انھیں دیکھ کر اٹھا اور قریب آیا۔

''کیا ہوا بیٹا کیا ہوا سمیرا کو؟'' شفیق صاحب نے قریب آ کر پوچھا۔

''ماموں مجھے نہیں پتا وہ سینا پکڑ کر تڑپنے لگی میں فوراً اسپتال لے آیا۔''

روحیل نے فکرمند ہو کر جواب دیا۔

''پریشان نہیں ہو سب ٹھیک ہو جائے گا، ڈاکٹر باہر آئے؟'' اشرف صاحب نے پریشان کُن لہجے میں پوچھا۔

''نہیں ابھی تک نہیں۔''

روحیل نے روتے ہوئے جواب دیا اور آصف نے اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ کچھ ہی پل گزرے تھے کہ ڈاکٹر باہر آئے۔

''السلام علیکم ڈاکٹر صاحب، کیا ہوا ہے ہماری بچّی کو؟'' شفیق صاحب نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''آپ لوگ کون ہیں پیشنٹ کے؟'' ڈاکٹر نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

"بچّی ہے ہماری، یہ شوہر ہے اُسکا۔" شفیق صاحب نے روحیل کی طرف اشارہ کیا۔

"میرے پاس بتانے کے لیے کچھ اچھی خبر نہیں ہے اُن کی جان کو خطرہ ہے۔"

ڈاکٹر نے صاف لفظوں میں بتایا اشرف صاحب، شفیق صاحب اور آصف فکرمند ہوے۔ روحیل کا دل ڈوبنے لگا۔

"ہوا کیا ڈاکٹر صاحب؟" اشرف صاحب نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"...Cardiac Arrest ہارٹ اٹیک آیا ہے۔"

"یا اللہ!"

اشرف صاحب کی آواز بھرّا گئی اور وہ بیٹھ کر رونے لگے۔ آصف بوکھلا کر انھیں سنبھالنے لگا۔ روحیل خوف کے عالم میں فرش کو تکنے لگا۔

"ہاں ٹھیک ہے ہارٹ اٹیک ہے لیکن ابھی کیسی ہے ہماری بچّی؟"

شفیق صاحب نے حوصلہ کر کے پوچھا۔

"ہارٹ اٹیک اتنا زبردست تھا کہ ان کے پھیپڑوں نے بھی کام کرنا بند کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ کوما میں چلی گئی ہیں۔"

"یا اللہ! یا اللہ میری بچّی!"

اشرف صاحب دھاڑے مار کر رونے لگے۔

آصف انھیں سنبھالنے لگا۔ روحیل جا کر دیوار سے لگا۔ اس بار شفیق صاحب بھی اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائی۔

"ہم اپنی طرف سے کوشش کر رہے ہیں، فی الحال وہ Ventilator پر ہیں لیکن اُمید کم ہی ہے آپ لوگ دعا کیجیے۔" ڈاکٹر نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"آپ کچھ بھی کیجیے ڈاکٹر صاحب کچھ بھی کیجیے۔" شفیق صاحب نے ہاتھ جوڑے۔

"ہم اپنی پوری کوشش کریں گے آپ میرے دفتر میں آیئے۔"

ڈاکٹر نے شفیق صاحب سے کہا اور چل پڑا۔

"اشرف اشرف چلو۔"

شفیق صاحب نے انھیں تھاما اور ڈاکٹر کے ساتھ چل پڑے۔ روحیل وہیں دیوار سے لگا رہ گیا۔ آصف روحیل کی طرف بڑھا اور اس کو تھاما۔

"روحیل روحیل گھبرا مت سمیرا ٹھیک ہو جائے گی۔"

''میں نے اُسے مار ڈالا آصف میں نے اُسے مار ڈالا۔'' روحیل سکتے کے عالم میں بولا۔

''پاگلوں والی باتیں مت کر ہوش میں آؤ یہ وقت ہوش کھو دینے کا نہیں ہے۔'' آصف نے اُسے ڈانٹا!

روحیل نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں آصف وہ کہتی تھی جب مجھے سچ کا پتا چلے گا وہ مر جائے گی وہ اپنی زندگی کے لیے لڑ رہی تھی اور میں ناداں یہ سوچتا رہا کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔''

''اوہ اس نے تمھیں سب بتا دیا......''

آصف دھک سے رہ گیا اور سوچنے لگا۔ کچھ پل سوچ کر آصف نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''روحیل چلو میرے ساتھ تمھارا یہاں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں۔''

''آصف سمیرا سمیرا......'' روحیل روتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں ہوگا سمیرا کو تم چلو میرے ساتھ چلو......''

آصف نے اُسے سنبھالا اور لے کر چلا۔

☆......☆

تہمینہ بیگم بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ ثمینہ اس وقت شکیلہ بیگم کے سینے پر سر رکھ کر بیٹھی تھی جب کہ زارا ہال میں ٹہل رہی تھی۔ انھیں انتظار تھا فون کا، میسیج کا، کہ بس ابھی کوئی آئے اور بتائے کہ سمیرا بالکل ٹھیک ہے۔ ایسے میں باہر گاڑی آ کر رُکی۔ خواتین چونک کر اُٹھیں۔ زارا نے دروازہ کھولا تو دیکھا، آصف روحیل کو لے کر اندر آ رہا ہے۔

''روحیل؟ کیا ہوا سمیرا کو؟''

زارا نے بے چین ہو کر پوچھا پر روحیل نے کوئی جواب نا دیا۔ وہ سر جھکائے رہا۔

''روحیلجواب دو۔'' زارا نے اُسے دیکھ کر کہا مگر روحیل کچھ نا کہہ سکا۔

''آصف؟''

زارا نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور آصف نے مرجھائی ہوئی نگاہوں سے زارا کو دیکھا۔

''آصف؟ آپ کو میرے بچّے کی قسم بتائیں کیا ہوا ہے سمیرا کو؟......''

زارا نے مضبوط لہجے میں پوچھا۔

آصف نے سر جھکایا اور گہرا سانس لے کر اُن سب کو بتایا۔

''سمیرا کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔''

''نہیں۔ میری بچّی!''

تہمینہ بیگم تڑپ کر روییں اور شکیلہ بیگم نے انھیں سنبھالا۔ثمینہ بھی بیٹھتی چلی گئی، گھر میں بین ہونے لگا۔ زارا کی آنکھیں اس لمحے پھٹی پڑی تھیں۔

''ڈاکٹرز نے کہا ہے اُس کے بچنے کی اُمید کم ہے وہ کوما میں چلی گئی ہے۔'' آصف نے بتایا!

''یا خدا! میری بچّی سمیرا!''

تہمینہ بیگم چلّا کر بین کرنے لگیں اور شکیلہ بیگم اُنہیں سنبھالنے لگیں۔

زارا اس وقت بُت کی بنی ہوئی تھی۔

''کیا ملا روحیل میری بچّی کی زندگی چھین کر! بولو کیا ملا تمھیں! میری پھول سی بچّی کو مار ڈالا تم نے! مار ڈالا!''

تہمینہ بیگم چلائی اور روحیل کا سر مزید جھکتا چلا گیا۔

''آنی! اس میں روحیل کا کیا قصور؟'' آصف غصے میں آ گیا۔

''سارا قصور اسی کا ہی ہے کیوں میری بچّی کی خاموشی کو نہیں پڑھا اس نے! کیوں نہیں سمجھا کے وہ دل کی کتنی کمزور ہے۔ جو حادثہ اُس پر گزرا وہ کوئی چھوٹا حادثہ تھا؟......وہ لڑ رہی تھی ہمیشہ اپنی زندگی کے لیے لڑ رہی تھی......لیکن تُو نے مار دیا اُسے تُو نے مار دیا میری بچّی کو! میری سمیرا کو!''

تہمینہ بیگم نے چلّا کر روحیل کا گریبان پکڑ لیا!

''آنی! آنی یہ کیا کر رہی ہیں۔'' زارا نے انھیں تھاما۔

''تہمینہ تہمینہ چھوڑو!''

شکیلہ بیگم نیانھیں سنبھالنا چاہا اور تہمینہ بیگم کے ہاتھ چُھڑائی۔روحیل سکتے کے عالم میں وہیں کھڑا رہا۔

''تہمینہ سنبھالوں اپنے آپ کو!'' شکیلہ بیگم نے زوردار آواز میں کہا۔

''کیا سنبھالوں بھابھی! میں نے اُسے دلہن بنا کر وداع کیا تھا...... میں اُسے کفن میں لپٹا نہیں دیکھ سکتی! نہیں دیکھ سکتی میں!''

تہمینہ بیگم چلائی ں اور شکیلہ بیگم نے انھیں لپٹا لیا۔

''آصف روحیل کو لے جاو یہاں سے پلیز!''

شکیلہ بیگم نے روتے ہوئے اپنے بیٹے کو حکم دیا اور آصف روحیل کو تھام کر باہر لے جانے لگا۔

''چلو روحیل چلو۔''

آصف اُسے تھام کر باہر لے گیا، بارش ابھی بھی کافی تیز ہو رہی تھی، روحیل بوجھل قدموں سے چلتا رہا۔اُس کے پیروں سے جان نکل رہی تھی۔

”روحیل روحیل آنی کی باتوں کا بُرا مت ماننا پلیز۔“ آصف نے پریشان ہوکے اُسے دیکھ کر کہا۔

”نہیں آصف وہ ٹھیک کہ رہی ہیں وہ ٹھیک کہ رہی ہیں......ایک ایک لفظ اُن کا سچ ہے......میں نے سمیرا کی جان لی ہے۔“ روحیل نے زمیں کو تکتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں مانتا روحیل جتنی محبت تم نے سمیرا کو دی ہے کوئی اور نہیں دے سکتا تھا۔“ آصف نے مضبوط لہجے میں کہا اور روحیل نے اپنے آنسو پوچھے۔

”آصف مجھے گھر چھوڑ دو پلیز......“

”ٹھیک ہے روحیل......لیکن تم اکیلے نہیں رہو گے زارا تمھارے ساتھ جائیگی۔“

آصف نے فیصلہ کُن لہجے میں یہ جملے کہے اور روحیل خالی نظروں سے زمین تکنے لگا۔

☆......☆

زین جب گھر واپس لوٹا تو اس قیامت انگیز خبر کو سُن کر بکھرتا چلا گیا، اُس کے لبوں پر جیسے چُپ سی لگ گئی۔ اپنے بستر پر بیٹھا وہ اپنی اور بھابھی کی تصویر کو دیکھنے لگا۔ سمیرا دلہن بنی ہوئی مسکرا رہی تھی اور زین نے اپنی باہیں اُس کے گرد ڈالی ہوئی تھیں، دونوں کس قدر خوش تھے۔ اُسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی بھابھی موت کی آغوش میں چلی گئی ہے۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سمیرا کی تصویر کو دیکھنے لگا۔ یہ یہ ایک دو راتوں میں کیا سے کیا ہو گیا آج رات تو وہ اپنی بھابھی سے اپنی شادی کی بات کرنے والا تھا پھر اس کی بھابھی نے ایسا کیوں کیا کیوں وہ سب سے رُوٹھ کر زندگی اور موت کی جنگ میں شامل ہو گئی......آخر کیوں؟

زارا نے اُس کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اس نے ایک نظر زین کو دیکھا۔ زین خاموشی سے بیٹھا ہوا اپنی بھابھی کی تصویر کو تک رہا تھا۔ زارا نے گہرا سانس لیا اور چلتی ہوئی زین کے پاس آئی۔ وہ خاموشی سے زین کے پاس آ کر بیٹھی۔

”زارا بھابھی؟“

زین کہ منہ سے نکلا اور زارا نے اُسے ایک نظر دیکھا۔

”کیا میرے نصیب میں ماں کا پیار نہیں لکھا؟“ زین نے پلٹ کر پوچھا اور زارا رو پڑی۔

”مجھے تو یاد بھی نہیں ماں کا پیار کیا ہوتا ہے ماں کا ڈانٹنا کیا ہوتا ہے ماں کا خیال کرنا کیا ہوتا ہے......مجھ سے اگر کوئی پوچھے تو میں کہوں گا...... مجھے نہیں پتا میں نے تو بس اپنی بھابھی کو دیکھا ہے جب کبھی میں صبح اٹھوں......تو میرا ناشتہ تیار ہوتا...... جب میں گیم کھیل رہا ہوں تو وہ نوالے بنا کر مجھے کھلاتی......اگر مجھے کوئی ٹیسٹ کرنا ہو......تو وہ میرے ساتھ بیٹھ کر مجھے پڑھاتی جب میں بستر پر پڑے پڑے سو جاتا ہوں

وہ آ کر مجھے کمبل اوڑھاتی میرے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیتی...... اگر یہ ماں نہیں......تو پھر ماں کیا ہے؟......میرے لیے تو میری بھابھی ہی میری ماں تھیں......''

زین نے روتے ہوئے کہتا چلا گیا اور زارا خاموش رہی۔

''میری ماں بچپن میں چلی گئی غم نہیں......لیکن خدا نے پھر میری ماں کو مجھ سے کیوں چھین لیا؟......پھر کیوں چھین لیا؟......'' زین نے روتے ہوئے پوچھا۔

''زین میرا دل کہتا ہے تمھاری ماں تمھارے پاس واپس ضرور آئے گی میرا دل کہتا ہے۔'' زارا نے روتے ہوئے کہا اور زین سر جھکا کر رونے لگا۔

''ہم سب سمیرا سے بہت محبت کرتے ہیں......لیکن وہ اپنے اندر اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ ہماری آوازوں کو سُننے کے باوجود وہ ہم تک پہنچ نہیں پائی زین تم سمیرا کو اپنی ماں کہتے ہو نا؟ تو ماں کے لیے...... ایک کام کرو گے؟''

زارا نے روتے ہوئے التجا کی اور زین نے اپنے آنسو پوچھ کر زارا کو دیکھا۔

''تم من لگا کر کام کرو...... لائسنس حاصل کرو وکیل بنو اپنے بھائی کی طرح اپنے پوپس کی طرح...... یہی سپنا سمیرا کا تھا وہ کہتی تھی مجھ سے کہ زین باہر سے دیوانہ ہے پر اندر سے اندر سے وہ اپنے بھائی......اور والد سے زیادہ بہادر ہے......زیادہ مضبوط ہے اُسے پُورا یقین تھا کہ تم بڑے وکیل بنو گے اپنا نام بناو گے بس......اپنی بھابھی کا یہ سپنا ٹوٹنے مت دینا......بس یہ سپنا ٹوٹنے مت دینا......۔''

زارا کہتی چلی گئی اور زین ہاں میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''تم آرام کرو اب صبح تمھارا ٹیسٹ ہے اچھے سے من لگا کر پڑھائی کرو تم دیکھنا جب تم واپس آؤ گے سمیرا جاگی ہوئی ہوگی وہ بالکل صحیح ہو جائے گی میرا وعدہ ہے اب تم سو جاو اب تم سو جاؤ۔''

زارا نے روتے ہوئے اُسے سمجھاتی رہی اور زین سر ہلا کر بستر پر لیٹا۔ زارا نے اُسے کمبل اوڑھایا، لائٹ آف کی اور زین کا سر سہلانے لگی۔ زین کے آنسو خشک بھی نا ہوئے تھے کہ وہ نیند میں چلا گیا۔ زارا کے ممتا بھرے ہاتھوں سے اُسے نیند آ گئی۔

جب زین سو گیا تو زارا کمرے سے نکل کر نیچے ہال کی طرف بڑھی تو اس نے روحیل کو صوفے پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے پایا۔ روحیل کے ہاتھ میں پستول تھی اور وہ آنکھیں بند کیے کسی گہری سوچ میں تھا۔ پستول دیکھ کر زارا دھک سے رہ گئی۔ وہ الجھن کا شکار ہوئی۔ زارا نے حوصلہ رکھا اور روحیل سے مخاطب ہوئی۔

''روحیل گن مجھے دو۔''

''نہیں زارا مجھے کسی کا حساب کرنا ہے جس نے آج سمیرا کا یہ حال کیا ہے اُس شخص کو آج اس کا حساب دینا ہوگا۔'' روحیل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کس کا حساب؟ کون؟......تم کس کی بات کر رہے ہو؟''

زارا نے حیران ہوکر پوچھا۔روحیل نے زارا کی طرف دیکھا۔

''شوکت زندہ ہے زارا وہ یہاں موجود ہے کراچی میں۔''

''اوہ۔'' زارا کے منہ سے نکلا اور اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔وہ بیٹھتی چلی گئی۔

''شوکت سمیرا کو بلیک میل کرتا رہا کہ اگر سمیرا نے اُسے پیسے نہیں دیے تو وہ سب کو بتا دے گا جو سمیرا کے ساتھ لاہور میں ہوا۔''

روحیل نے دھیمے لہجے میں بتایا اور زارا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے زمیں تکنے لگی۔روحیل نے زارا کو دیکھا اور اٹھ کر اُس کے قریب آیا۔

''زارا...... مجھے بتاؤ سب......کیا ہوا تھا تم لوگوں کے ساتھ؟۔''

زارا نے ایک نظر روحیل کو دیکھا اور روتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیا بتاؤں روحیل کہاں سے شروع کروں ہماری بربادی کی داستان جس نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔''

''میں اس داستاں میں شریک ہونا چاہتا ہوں......''

روحیل نے زارا کو بغور دیکھتے ہوئے کہا اور زارا نے پلٹ کر اس کو دیکھا۔

''میں جاننا چاہتا ہوں سمیرا کس عذاب سے گزری ہے۔''

روحیل نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں یہ جملے کہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ٹھیک ہے میں تمھیں سب کچھ بتاتی ہوں سب کچھ......''

زارا نے اپنے آنسو پوچھ کر کہا اور روحیل اُس کا چہرا دیکھنے لگا۔

آنی کو اشرف خالو جیسے جیون ساتھی ملے جنھوں نے اُن کا ہر دم ساتھ دیا، انھیں خوش رکھا اور محبت کے ساتھ زندگی بسر کی۔مگر دوسری طرف ہماری امی کا نصیب بالکل الٹ تھا۔گھر میں شوہر موجود تو تھا لیکن اُسے گھر کے لوگوں کی پروہ نہیں تھی۔ہر بیٹی کی ولادت پر وہ امی کو اس قدر مارتا کہ میں انھیں دیکھ کر تھرّا جاتی۔بابا جلد ہی خراب کاموں میں پڑ گئے اور شراب، جوّا، عورت بازی بھی شروع کر دی۔امی کبھی کسی اس کول میں کلرک کی نوکری کرتیں تو کبھی کہیں کام کرتیں اس طرح امی نے ہمارا پیٹ پالا۔سال کے آخر میں آنی ہم سے ملنے آیا کرتی تھیں بہت سارے کھلونے لایا کرتی تھیں۔آنی کو سب سے زیادہ پیار سمیرا سے تھا وہ ہمیشہ امی کو کہتیں کہ یہ میری بیٹی ہے۔لیکن جلد ابّا کو یہ سب چبھنا شروع ہوگیا اور ایک دن

انھوں نے خالو جان اور آنی کو صاف کہہ دیا کہ انھیں گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یاد ہے آنی جب سمیرا کو چھوڑ کر جا رہی تھیں تو بہت دیر تک پلٹ کر اُسے دیکھتی رہیں۔ آنی نے کراچی جا کر بھی ہم سے رشتہ نہ توڑا اور وہ ہر مہینے ہمیں خط لکھتیں۔ جواب میں ہم بھی انھیں خط لکھا کرتے۔ انہی خط و خطابت میں دس سال بیت گئے اور سمیرا بے حد حسّاس ہو گئی۔ میں جانتی تھی کہ اگر میں ٹوٹ گئی تو امی بھی ٹوٹ جائیں گی، اس لیے اپنے آپ کو مضبوط کیا۔ ابّا جب کبھی گھر آ کر امی کو مارتے تو میں اپنے آپ کو آگے کر دیتی چوٹیں کھاتی مار کھاتی لیکن زباں پر اُف نہ آنے دیتی۔ ثمینہ اور سمیرا گھبرا کر مجھ سے پوچھتی تو میں انھیں سمجھاتی کہ کچھ نہیں ہوا ہے، وہ دونوں مجھ سے لپٹ کر دوبارہ سو جایا کرتیں۔ وہ کہتے ہے نا کہ جب بیٹیاں جوان ہو جاتی ہیں تو محلے والے سب سے پہلے آ کر بتاتے ہیں۔ کچھ یہی ہم بہنوں کے ساتھ ہوا۔ بچپن کب گزارا اور ہم کب جوان ہوئے ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا۔ یہ احساس بھی گلی کے غنڈے الطاف اور اُس کے ساتھیوں نے دلایا اس کی نظر ہمیشہ سے گندی تھی وہ سمیرا کو وحشیوں کی طرح دیکھا کرتا تھا۔ لیکن جب میں اُسے گھور کر دیکھتی تو وہ پیچھے ہٹ جاتا۔ میں اپنی بہنوں پر ایک آنچ بھی آنے نہیں دے سکتی تھی۔

ثمینہ ہمیشہ سے ایک مضبوط لڑکی تھی اور اس نے اپنے بچپن کو سنبھال کر رکھا۔ وہ باہر گلی میں جا کر اپنی دوستوں کے ساتھ کھیلتی بھی اور گھر آ کر بھی اُچھل کود کرتی رہتی۔ لیکن سمیرا سمیرا اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی اُس کا دم گھٹ رہا تھا وہ اکثر مجھ سے کہا کرتی کہ اس کی دعا ہے وہ اس جہنم سے نکل جائے کسی ایسے محلے میں رہے جہاں اُس کا سپنوں کا شہزادہ ہو اور وہ راج کرے خوب سارا راج۔

امی کی طبیعت دن بدن خراب رہنے لگی اور وہ جلد چار پائی پر آ گئیں۔ ابّا کو اُن کی پرواہ نہیں تھی وہ اپنی عیّاشیوں میں مصروف رہتے تھے۔ ایک روز مجھے شادی کا کارڈ ملا، میری سہیلی کی شادی ہو رہی تھی جسے پڑھ کر میں بے انتہا خوش ہوئی۔

''امّی! نصرت کی شادی کا کارڈ آیا ہے؟'' میں نے خوشی سے امی کو بتایا۔

''کب ہے شادی؟'' نسیمہ بیگم نے کھانستے ہوئے پوچھا۔

''کل ہے، امی ہم لوگ چلتے ہیں مزہ آئیگا۔'' میں نے امی کے پاس بیٹھ کر کہا۔

''میں اس حالت میں شادی میں کس طرح جاؤں گی؟ تم لوگ جاؤ میں گھر پر ہی ٹھیک ہوں۔'' نسیمہ بیگم تکلیف کے عالم میں جواب دیا۔

''امی اب آپ کو اس طرح تو چھوڑ کر جانے سے رہی میں۔'' میں نے منھ بنا کر کہا۔

''آپی آپ چلی جائیں میں امی کے پاس رُکتی ہوں۔'' سمیرا نے آ کر کہا۔

''نہیں سمیرا وہاں اتنی رونق ہوگی، ہم سب انجوائے کریں گے۔'' میں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''کوئی بات نہیں آپی، مجھے ویسے بھی ہوم ورک کرنا ہے۔ آپ ثمینہ کو لے جائیں میں امی کے پاس رُک جاتی ہوں۔'' سمیرا نے اطمینان بخش لہجے میں کہا اور میں اُلجھ گئی۔

''سمیرا صحیح کہہ رہی ہے، تم ثمینہ کو لے کر جاؤ کچھ پل کے لیے وہ بھی تھوڑا مزے کر لے گی۔ یہاں تمھارے باپ کو مارنے کے سوا آتا کیا ہے۔''

نسیمہ بیگم نے مایوس ہو کر یہ جملے کہے اور میں اپنی ماں کا چہرا دیکھتی رہ گئی۔

آخر کار میں نے اُن کی بات مان لی۔ اگلے روز میں اور ثمینہ تیار ہوئے اور گھر سے نکل کر رکشہ لینے کے لیے مرکزی سڑک کی طرف بڑھے۔ سڑک کے دوسری طرف ایک چائے کے مطعم پر الطاف اپنے تین دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا اور سگرٹ جلانے میں مصروف تھا۔ الطاف کی شکل سخت تھی اور اُس کے نقوش بھی موٹے تھے۔ گھنی مونچھیں اور خراب کپڑے۔ شکل سے ہی چھٹا ہوا بدمعاش۔

''الطاف بھائی کچھ دیکھا یا نہیں؟'' ایک موالی نے پرچی میں چائے پیتے ہوئے کہا۔

''کیا راجو؟'' الطاف نے بُرا سا منھ بنا کر پوچھا اور چائے پر پھونک مارنے لگا۔

''زارا اپنی چھوٹی بہن کو لے کر کہیں جا رہی ہے، جس طرح تیار ہے لگ رہا ہے کہ رات گئے واپس آئے گی۔'' وہ بولا۔

''تو؟'' الطاف نے چونک کر پوچھا۔

''بھائی سمجھا کرو یار سمیرا گھر پر اکیلی ہے۔''

اس نے آنکھ مار کر اُسے سمجھایا اور الطاف چونکا۔

''ہاں تُو صحیح کہہ رہا ہے، سمیرا گھر پر ہی ہے۔'' ایک اور غنڈہ جوش میں بولا۔

''لیکن گھر پر بُڑھیا اور وہ سالا نشئی بھی تو ہوگا۔'' ایک نے غرّا کر کہا۔

''بڑھیا بستر سے اٹھ نہیں سکتی، رہی بات اُس سالے ہیرو گیری کی تو اُسے پٹانے میں کتنی دیر لگے گی۔'' راجو مزے سے کہا اور الطاف سوچنے لگا۔

''بھائی کچھ کرنا ہے تو آج ہی کی رات ہے۔'' راجو نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

سالی کی ساری اکڑ آج رات نکال دیتے ہیں۔''

الطاف نے دانت پیس کر یہ جملے کہے۔

☆......☆

رات سرد تھی اور کُہر چھائی ہوئی تھی، گلیاں ویران اور سُنسان۔ سمیرا بیٹھی ہوئی اپنی کُرتی کی سلائی کر رہی تھی کہ اُسے نسیمہ بیگم کی کھانسی سنائی دی۔ کھانسی اس شدّت سے اٹھی تھی کہ رُکنے کا نام نہیں لے رہی

تھی۔سمیرا پریشان ہوکر اپنی ماں کو دیکھنے لگی۔

''امی ڈاکٹر کے چلتے ہیں......''

سمیرا نے پریشان ہوکر یہ جملے کہے پر نسیما بیگم خون تھوکتی رہیں لیکن ڈاکٹر کے جانا انھوں نے مناسب نا سمجھا۔وہ ہاتھ نفی میں ہلا کر کھانستی رہیں۔

''امی میرے پاس کچھ پیسے ہیں، ہم چل سکتے ہیں۔''

سمیرا نے پریشان ہوکر کہا لیکن وہ بضد رہیں۔ایسے میں گھر کا دروازہ کھلا اور شوکت اندر آیا۔سمیرا اٹھ کر اُس بدذات کے پاس گئی۔

''ابّا؟ امی کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔''سمیرا نے جا کر بتایا۔

''تو میں کیا کروں؟''

شوکت نے خشک لہجے میں پوچھا، وہ مسلسل کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

''ڈاکٹر کے پاس جانا ہوگا اللہ نا کرے امی کو کچھ ہوگیا تو کیا کریں گے؟''سمیرا نے پریشان ہوکر کہا۔

''مر جائے گی زیادہ سے زیادہ، اچھا ہے تھوڑا بوجھ کم ہوگا!......''شوکت نے جل کر جواب دیا اور کچھ ڈھونڈنا شروع کیا۔

''ایسا مت کہیں ابّا ہمارے پاس امی اور آپ کے سوا ہے ہی کون؟ امی کو ضرورت ہے۔میری مانیں میرے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے چلتے ہیں۔میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔''سمیرا نے سمجھایا۔

''تمھارے پاس پیسے ہیں؟ کہاں ہیں پیسے؟''

شوکت نے چونک کے پلٹ کر پوچھا اور سمیرا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''بول کہاں ہیں پیسے؟''شوکت نے آنکھیں نکال کر پھر پوچھا۔

''نہیں وہ پیسے میں نے امی کے لیے رکھیں ہیں۔''

سمیرا نے ڈر کر جواب دیا اور شوکت نے اُس کا گلا پکڑ لیا۔

''حرامزادی! ماں کا خیال ہے پر باپ پر تجھے ترس نہیں آتا۔''

یہ کہہ کر شوکت نے اُسے زنّاٹے دار تھپڑ رسید کیا اور سمیرا نیچے گری۔

''تو بھی اپنی ماں کی طرح زہریلی نکلی۔''شوکت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''زہریلے تو تم ہو ابّا! کسی ناگ سے کم نہیں ہو!''سمیرا نے جل کر کہا۔

''کیا کہا!''شوکت طیش میں آ گیا اور سمیرا ڈر کر پیچھے ہٹی!

''مجھے ناگ کہتی ہے۔مجھے! مجھے!''

شوکت چلایا اور ڈنڈا اٹھایا۔ سمیرا کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا وہ کھسک کر پیچھے ہونے لگی۔ شوکت کو اُس پر ترس نہ آیا اور ڈنڈہ لے کر سمیرا کو مارنا شروع کیا! سمیرا کے ہاتھ، پاؤں، کمر ہر جگہ ظالم مارتا رہا اور وہ چلّاتی رہی۔ میری ماں چار پائی سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی، بھیک مانگنے لگی کہ سمیرا کو چھوڑ دے! لیکن شوکت نا باز آیا۔ جب خود اُس کا سانس پھول گیا تو ڈنڈہ ایک طرف پھینک کر گھر سے نکلتا چلا گیا۔ سمیرا وہیں زمیں پر تکلیف کے عالم میں پڑی رہی۔

☆......☆

''لو بھائی شوکت! تم پھر ہارے!''

الطاف نے جوے میں اُسے ہراتے ہوئے کہا اور شراب کی بوتل منہ سے لگالی۔

''سالی نے میرا دل ہی خراب کر دیا۔ کھیلنے کا من ہی نہیں ہے۔'' شوکت نے جل کر کہا۔

''کون سالی؟'' راجُو نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ ہے نا سمیرا! ڈائن! اس نے میرا پُورا مُوڈ خراب کر دیا۔'' شوکت جل کر بولا۔

''یار شوکت ایک بات بتا! میں نے سُنا تھا کہ اولاد باپ کے کام آتی ہے پر تیری اولاد کس کام کی؟'' الطاف نے کہا اور راجُو کو آنکھ ماری۔

''کیا مطلب؟'' شوکت نے سگرٹ جلاتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب صاف ہے لگاؤ سمیرا کو داو پر اور لے جاو یہ پیسہ جو ہارے ہو؟'' الطاف نے مسکرا کر کہا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے؟'' شوکت نے جل کر کہا۔

''دیکھ شوکت، اس بار تیرے جیتنے کے چانس بہت ہیں، تُو جیت گیا تو پیسہ تیرا۔ نا تجھے زارا سے پیسے مانگنا پڑیں گے نا ہی محلے سے اُدھار۔ پُورے مہینے کی شراب کا پیسہ! اور اگر ہار بھی گیا تو کیا کوئی قیامت آجائے گی۔ ایک رات کی بات ہے سمیرا میرے ساتھ! اگلے دن پھر اس کو جوے پر استعمال کر لینا۔'' الطاف نے مزے سے کہا اور شوکت سوچنے لگا۔

''سوچو نہیں شوکت، لگا و بازی! یہ والی بازی تو تم نہیں ہارو گے۔'' راجُو نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں میں کبھی بھی ایک بازی ہار کر دوسری نہیں ہارتا۔'' شوکت نے سوچتے ہوئے کہا۔

''یہی تو ہم کہہ رہے ہیں۔'' الطاف نے مسکرا کر کہا۔

''ٹھیک ہے لگا و بازی! لیکن لیکن ایک شرط پر؟'' شوکت نے اُسے انگلی دکھا کر کہا۔

''وہ کیا؟'' الطاف نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''اگر میری بیٹی ماں بن گئی تو تُو اُس سے شادی کرے گا۔'' شوکت نے انگلی دکھا کر کہا۔

''ارے تُو بے فکر رہے۔ سمجھ یہ تیری بیٹی کا نکاح نامہ ہے۔''

الطاف نے ہنس کر کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔ اسی کے ساتھ پتّے بٹنے لگے۔

☆......☆

رات گیارہ بجے کے قریب گھر کے دروازے پر دستک ہوئی اور سمیرا فرش پر سے اٹھ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ مشکلوں سے اُٹھ کر وہ دروازے کی طرف چلی۔ اُس کے ہاتھ، پاوں اور کمر پر نیل پڑ گئے تھے۔ نسیما بیگم رو رو کر سو چکی تھیں۔ سمیرا نے دروازے کی چٹخنی نیچے کی اور اُسے کھولا تو شوکت اک دم سے اندر آیا۔

''اب کیسی ہے تیری ماں؟'' شوکت نے پیار سے پوچھا۔

''بخار ہو رہا ہے۔'' سمیرا نے جل کر جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں ہو جائے گا علاج میں نے انتظام کر لیا ہے۔'' شوکت نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''''انتظام؟ کیسا انتظام؟'' سمیرا نے چونک کر پوچھا۔

''الطاف سنبھال لے گا۔'' شوکت نے اطمینان سے کہا اور پلٹ کر بولا۔

''آ و بھائی آ ؤ!''

یہ کہہ کر الطاف اور اُس کے تینوں دوست گھر کے اندر داخل ہوے۔ سمیرا ڈر کر پیچھے ہٹی۔

''بابا! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' سمیرا نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

''بابا سے نہیں میری جان ہم سے پوچھ! اب ہم تیرے رکھوالے ہیں۔'' الطاف نے ہنس کر کہا۔

''کیا بکواس ہے یہ!'' سمیرا نے نڈر ہو کر کہا۔

''بکواس نہیں میری جان سچ ہے۔ ہار گیا ہے تجھے جوے میں یہ!'' الطاف نے ہنس کر کہا۔

''نہیں۔ بابا! تم نے مجھے داو پر لگا دیا۔''

سمیرا نے شوکت کا گریبان پکڑا اور وہ منھ دوسری طرف کر گیا۔

''اب بازی ہار گیا ہے تو بھگتنا تو پڑے گا! راجُو اندر لے کر چل اس کو!'' الطاف نے خشک لہجے میں کہا اور راجُو آگے بڑھا!

''نہیں۔......نہیں۔''

سمیرا چلّانے لگی لیکن راجُو اور اُس کے ساتھی سمیرا کے اندر والے کمرے میں لے گئے۔

''بھائی یہاں تو بُڑھیا لیٹی ہے۔'' راجُو نے پلٹ کر کہا۔

''اٹھا کر پھینک اُسے باہر!''

الطاف نے چلّا کر کہا اور اُس کے دوستوں نے نسیم بیگم کو گلے سے پکڑ کر اٹھا لیا! نسیما بیگم کی آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔ راجُو نے نسیمہ بیگم کو پھینکا!

''امّی!'' سمیرا چلائی!

''چھوڑ دو میری بچّی کو! چھوڑ دو!''

امی تکلیف کے عالم میں اُٹھنے کی کوشش کرنے لگیں! راجُو نے طیش میں آ کر میری ماں کو گلے سے پکڑ کر اُٹھایا۔ یہ ہی وہ لمحہ تھا جب راجُو نے اتنی زور سے نسیمہ بیگم کا سر دیوار پر مارا کہ وہ موقع پر ہی دم توڑ گئی۔

''امّی! امّی!......'' سمیرا چیخ پڑی!

''شوکت تُو باہر جا دیکھ کوئی اندر نا آئے۔''

الطاف نے جلدی سے کہا اور شوکت گھبرا کر گھر سے باہر چلا گیا۔ راجُو نے سمیرا کو چارپائی پر لٹایا۔ سمیرا مستقل ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔

''یہ ایسے نہیں مانے گی۔''

الطاف نے دانت پیس کر کہا اور دو چار مکّے سمیرا کے منھ پر جڑے! سمیرا کا چہرا سوج گیا اور دماغ سُن ہونے لگا۔ نیم بیہوش ہونے سے پہلے سمیرا کو اتنا یاد تھا کہ الطاف اور اُس کے ساتھیوں نے سمیرا کے کپڑے پھاڑنا شروع کر دیے تھے۔

☆......☆

رات بارہ بجے کے قریب شوکت کے گھر کے پاس رکشہ آ کر رُکا اور میں ثمینہ کے ساتھ رکشے سے اُتری۔ میں نے رکشے والے کو پیسے دیے اور پلٹ کر گھر کی طرف چلی لیکن تب ہی ٹھٹھک کر رُکی۔

''کیا ہوا آپی؟'' ثمینہ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''گھر کا دروازہ کھلا ہے، تم یہیں رُکو میں آتی ہوں۔''

میں نے فکرمند ہو کر یہ جملے کہے اور اندر کی طرف چلی۔ میں نے اندر قدم رکھے اور یہ دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی کہ گھر کا حال بُرا ہے، ہر چیز تہس نہس ہوئی ہے۔ میں پریشان ہو کر دیکھنے لگی اور دوسرے کمرے میں آئی اور تب ہی خوف سے میری آنکھیں پھٹ پڑیں! میری آنکھوں کے سامنے امی کی لاش پڑی ہوئی تھی اور سمیرا برہنہ چارپائی پر خون میں لت پت پڑی تھی۔

''یا اللہ! یا اللہ یہ کیا ہو گیا!''

میں روتے ہوئے اپنے ماں کو دیکھنے لگی لیکن میری ماں کو گزرے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔

''امّی۔''

میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے گی۔ لیکن آواز کو بڑھنے نہیں دیا، جانتی تھی میری چھوٹی بہن باہر ہی موجود ہے۔ اب میں نے پلٹ کر سمیرا کو دیکھا۔ سمیرا بے جان جسم کے ساتھ چارپائی پر پڑی ہوئی دہشت زدہ چھت کو تک رہی تھی۔

''سمیرا؟......سمیرا؟''

میں نے اُسے آواز دی سمیرا کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ انتہائی خوف زدہ تھی۔ میں نے الماری سے چادر نکالی اور سمیرا کے اوپر ڈالی۔

''سمیرا میں پولیس کو لے کر آتی ہوں مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی بچّہ تم ہمّت رکھنا۔''

میں نے اُسے سمجھانا چاہا لیکن جانتی تھی، سمیرا میری باتوں کو ان سُنی کر چکی تھی۔ گھر کو لاک کر کے میں واپس پلٹی اور ثمینہ کو ساری صورت حال سمجھائی۔ سب کچھ سُن کر ثمینہ تڑپ گئی لیکن میں نے اُسے سمجھایا کہ یہ وقت ہوش کھونے کا نہیں ہے۔ ثمینہ میری بات کو سمجھ گئی اور ہم تھانے چلے۔

''دفع ہو یہاں سے۔ یہ کوئی وقت ہے رپورٹ لکھوانے کا؟''

سب انسپکٹر نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ میری بات سُن کیوں نہیں رہے؟'' میں نے جھلاّ کر کہا۔

''جاؤ یہاں سے اپنا کام کرو، ہمارا وقت برباد نہیں کرو۔'' وہ جھلاّ کر بولا۔

''آپ میری بات سمجھیں وقت گھر پر۔''

''چور ہوں گے ڈاکو ہوں گے۔ ہم نے ٹھیکا لیا ہوا ہے کیا کہ تم لوگ کُنڈی کھول کر سو جاؤ! اور جب سب لٹ جائے تو یہاں آجاتے ہو رپٹ لکھانے۔'' سب انسپکٹر جل کر بولا۔

''آپ میری بات سُنیں گے بھی یا نہیں؟'' میں نے روتے ہوئے کہا۔

''کیا معاملہ ہے؟ کیا شور ہے یہ؟''

ایس ایچ او کی آواز سُن کر وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ تھانے میں سب کے سب کھڑے ہو گئے۔

''سلام سر کوئی پاگل لڑکی ہے یہ۔'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''میں پاگل نہیں ہوں میری ماں کا قتل کیا گیا ہے، میری بہن کی عزّت لُوٹی گئی ہے وہ لوگ ابھی گھر پر ہیں۔'' میں نے روتے ہوئے بتایا۔

''کس نے کیا یہ سب؟'' ایس ایچ او نے پوچھا۔

''جی! میں جانتی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کن پر؟'' اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''الطاف......اور میرا باپ شوکت۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔

''اوہ۔'' ایس ایچ او کے منھ سے نکلا اور بڑبڑایا۔

''الطاف پر تو ہماری نظر کب سے ہے۔''

یہ کہہ کر وہ زارا سے مخاطب ہوا۔

''بی بی آپ تیار ہیں الطاف کے خلاف مقدمہ کرنے کے لیے؟''

''جی ہر طرح سے۔'' میں نے سفّاک لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے چلیے۔''

اس نے سر ہلا کر یہ جملے کہے اور میں پولیس کو لے کر گھر آئی۔

☆......☆

گھر کا منظر ویسا کا ویسا ہی تھا۔ ایس ایچ او نے مجھ سے گزارش کی کہ سمیرا کو لباس پہنا دوں۔ میں نے سمیرا کو کپڑے پہنائے اور ایس ایچ او صاحب اُس کا بیان لینے کی کوشش کرنے لگے۔ سمیرا کو چُپ لگ گئی تھی۔ جو اُس کے ساتھ ہوا تھا اُس کے بعد سمیرا میں بولنے کی سکت نہیں تھی۔ امی کی لاش کو سرد خانے بھجوا کر پولیس نکل پڑی میرے باپ شوکت، الطاف اور اُس کے ساتھیوں کے پیچھے۔ تین دن انھیں تلاش کرنے میں گزر گئے اور ایک جگہ پولیس کو الطاف اپنے ساتھیوں سمیت شوکت کے ساتھ مل گیا۔ پولیس ان کاونٹر ہوا اور الطاف اپنے ساتھیوں کے ساتھ جہنم رسید ہوا لیکن میرا باپ بچ گیا۔ پولیس اُسے حراست میں لے کر تھانے چلی۔

امی کا سوئم ہو چکا تھا اور میں اپنی دونوں بہنوں کو لپٹائے تنہا گھر میں بیٹھی تھی، ایسے میں ایس ایچ او آیا اور مجھے سمجھایا کہ شوکت کے خلاف کیس کرنے سے بہتر ہے کہ ہم یہ شہر چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے جائیں اور ایک نئی زندگی کا آغاز کریں۔ اس کی بات سُن کر بجلی کی طرح مجھے آنی کا خیال آیا اور میں نے وہ خطوط نکالے جن پر آنی کے گھر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ میں نے جلدی جلدی سمیرا اور ثمینہ کے کپڑے باندھے۔ ایس ایچ او صاحب نے میری کراچی کی ٹکٹ کرائیں اور ہمیں ٹرین اسٹیشن لے جا کر وداع کیا۔ مجھے یاد ہے وہ ہمیں بہت دیر تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا خُدا اس کو اس عمل کا اجرِ عظیم عطا کرے۔ آمین۔

یہاں تک کہہ کر زارا رُک گئی اور روحیل فرش کو تکنے لگا۔ اب اُسے ایک ایک بات کا اندازہ ہو گیا تھا۔ زارا نے اپنے آنسو پونچھے۔

''ہم جیسے تیسے آنی کے گھر پہنچے جس گھر پر دستک دے رہے تھے جانتے بھی نہیں تھے کہ آنی ہوں گی بھی کہ نہیں کیا وہ ہمیں اب قبول بھی کریں گے یا نہیں۔لیکن آنی نے دروازہ کھولا اور ہمیں بانہیں کھول کر قبول کیا۔میں نے آنی اور خالوجان کو سب کچھ بتایا۔سب کچھ سُن کر آنی اور خالو نے ہم سے وعدہ لیا کہ آج کے بعد اس کہانی کو دوبارہ نہیں دوہرایا جائے گا اور ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔ثمینہ بہت جلد خالو جان، آنی اور کوثر بھائی سے گھل مل گئی، میں ہمّت کر کے آنی کا ہاتھ بٹانے لگی مگر سمیرا سمیرا اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی جو اُس کے ساتھ ہوا تھا وہ اپنے آپ کو ختم کر دینا چاہتی تھی لیکن جانتی تھی کہ اگر وہ یہ قدم اٹھائے گی تو اس کی بہنیں جی تے جی مر جائیں گی۔سمیرا کو راتوں میں اٹیک آنا شروع ہوئے جیسے جیسے کوئی اس کی عزّت پر حملہ کر رہا ہے اور وہ نہیں نہیں کہہ کر چلّاتی۔ہم نے کئی بار سوچا کہ سمیرا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلیں مگر یہ سوچ کر رُک گئے کہ جو سمیرا کے ساتھ ہوا وہ دُنیا کو پتا چل جائے گا......اور میں نہیں چاہتی تھی کہ سمیرا دواوں پر چلی جائے آنی بھی خود سمیرا کو سنبھالنا چاہتی تھیں۔سمیرا اپنے اندر جنگ کر کر کے تھک چکی تو اس نے ڈائری کو اپنا دوست بنایا وہ اپنے دل کی ہر بات اُس ڈائری میں کہتی اور اُسے اپنا دوست مان رکھتی۔اسی ڈایئری نے اس کی زندگی میں ایک شخص کو جنم دیا وہ کوئی اور نہیں وہ تم تھے روحیل۔''

زارا نے روتے ہوئے اُسے دیکھ کر کہا اور روحیل نے اس کی طرف دیکھا۔

''سمیرا تمھیں پا کر بہت خوش تھی اُس کے لبوں پر خوشی واپس آگئی اس کی مسکراہٹ واپس لوٹ آئی اور وہ بہت بہت خوش تھی لیکن وہ یہ جانتی تھی کہ اب وہ تمھارے قابل نہیں رہی جس

لڑکی کو تم اپنی بیوی بنانا چاہو گے اُسے پہلے ہی چار جانور نوچ کے کھا چکے ہیں۔وہ کس طرح تم سے نظر ملاے وہ کس طرح تمھیں سمجھائے کے اُس پر کیا بیتی ہے لیکن ،لیکن وہ تمھیں سب کچھ بتانا چاہتی تھی تا کہ تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو مگر میں نے اُسے ڈانٹ دیا کہا کہ وہ اس بات کو بھول جائے کبھی اس ظلم کا ذکر دوبارہ نا کرے......کاش میں نے سمیرا کو نا روکا ہوتا......کاش میں نے اُسے تم سے بات کرنے دیا ہوتا......یہ میری غلطی تھی......اُس کے بعد جب تم نے پوکر گیم کھیلا تو سمیرا کے یقین کو زبردست ٹھیس پہنچی......سمیرا واپس انھیں اندھیروں میں چلی گئی......اور اُسے ایسا محسوس ہوا کہ شوکت کی طرح تم نے بھی اُسے جوے میں داو پر لگایا۔''

زارا نے اُسے دیکھ کر کہا اور روحیل شرمندہ ہو گیا۔اُس کا سر جھکنے لگا۔

''وہ تمھیں کھونا نہیں چاہتی تھی لیکن ڈرتی تھی کہ کہیں تم اس کو بیچ نا چھوڑ دو میں مانتی ہوں وہ تمھارا ایک بچپنا تھا اور تم نے اُسے یقین دلایا کے ایسا دوبارہ نہیں ہوگا تمھاری محبت کی سچّائی اور لہجے کی مظبوطی نے سمیرا کو راضی کر لیا اس نے تم پر دوبارہ بھروسہ کیا اور تم سے شادی کی لیکن تمھاری بیوی بننے میں اُس کو مشکل تھی و

ہ ڈر گئی خوف زدہ ہوگئی...... جو اُس کے ساتھ ہوا اس کی تمھیں بھنک بھی پڑ جاتی تو نجانے تم کیا کرتے اس لیے وہ دن رات گھٹتی رہتی مرتی رہتی پھر جینے کی کوشش کرتی اور پھر ٹوٹ جاتی اسی کشمکش میں اس کی زندگی گزر رہی تھی۔''

زارا نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور پلٹ کر کہنے لگی۔

''لیکن آج اُس کا ماضی ایک بار پھر اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا کاش میرا باپ مرجائے، کاش میرا باپ مرجائے! کاش وہ مرجائے!''

یہ کہہ کر زارا رونا شروع ہوگئی۔ روحیل زارا کے پاس آیا اور اُس کے ہاتھوں کو تھاما۔ زارا مستقل روتی رہی۔

''اتنی بہادر ہو تم؟'' روحیل نے روتے ہوئے کہا۔

''اب نہیں ہوں روحیل اب نہیں ہوں ماں کا جانا تو سہ گئی پر بہن کا جانا نہیں سہ پاؤں گی نہیں سہ پاؤں گی۔''

یہ کہہ کر وہ زارو قطار رونے لگی اور روحیل نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اب اُسے ایک ایک بات سمجھ آ گئی تھی ایک ایک بات۔

☆......☆

روحیل آئی سی یو کے شیشے کے سامنے کھڑا سمیرا کو تک رہا تھا۔ سمیرا کے منہ پر وینٹی لیٹر لگ چکا تھا اور وہ زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔ سمیرا جن تکلیفوں سے گزر کر لاہور سے آئی تھی آج روحیل نے اُسے انھیں تکلیفوں میں دھکیل دیا۔ روحیل شیشے پر سر رکھ کر صرف یہ سوچتا رہا کہ ایک بار صرف ایک بار اُسے سب بتا دیا ہوتا وہ سمیرا کے ماضی کو بانہیں کھول کر قبول کرتا اور کبھی اُسے ماضی کی جھلک بھی پڑنے نا دیتا مگر وہ ڈرتی رہی اپنے اندھیرے کو دل میں دبائے رکھتی رہی۔ وہ روتے وہے اپنی بیوی کو دیکھتا رہا۔

ایسے میں اشرف صاحب روحیل کے پیچھے آئے۔ ''ہمیں معاف کر دینا بیٹا ہم نے تم سے سچ چھپا کر بہت بڑی غلطی کی......ہمیں معاف کر دینا ہمیں معاف کر دیں۔''

یہ کہہ کر اشرف صاحب روتے ہوئے چلے گئے اور روحیل وہیں کھڑا رہ گیا۔ سمیرا روحیل سے بہت بہت دُور ہو چکی تھی۔ بہت دُور۔

☆......☆

اگلے روز بالاج صاحب کی گاڑی گھر میں آ کر رُکی اور خان بابا نے اُن کی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ بالاج صاحب اپنی ٹائی کھولتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔

''خان بابا میرا سامان نکال کر کمرے میں لے جائیں سمیرا؟ بیٹا چائے تیار کرو دماغ سُن ہو رہا ہے۔''

بالاج صاحب نے اندر آتے ہوئے یہ جملے کہے اور صوفے پر آ کر بیٹھے۔ انھوں نے چونک کر دیکھا خان بابا سر جھکائے کھڑے تھے اور اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''ارے خان بابا کیا ہوا؟ رو کیوں رہے ہیں؟''

بالاج صاحب نے حیران ہو کر پوچھا اور خان بابا بنا کچھ کہے اندر کی طرف چلے گئے۔

''کمال ہے پتا نہیں کیا بات ہے۔'' انھوں نے الجھ کر کہا اور صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

''سمیرا؟ روحیل؟ ارے بھئی کہاں ہو تم لوگ؟''

بالاج صاحب نے آواز دی اور آنکھیں بند کیں۔ ایسے میں کسی نے ان کے سامنے چائے لا کر رکھی۔

''تھینک یو۔''

بالاج صاحب کے جملے ادھورے رہ گئے اور وہ چونکے۔ چائے دینے والی زارا تھی۔

''ارے! زارا تم؟'' بالاج صاحب حیران ہو کر بولے اور زارا رونے لگی۔

''پوپس؟''

زین کی آواز سُن کر بالاج صاحب چونک کر اُٹھے۔ دیکھا تو زین بھی روتا ہوا نظر آیا۔

''کیا بات ہے؟ تم لوگ سب کیوں رو رہے ہو؟''

بالاج صاحب نے حیران ہوکر پوچھا اور زین دوڑ کر ان کے گلے لگ کر رونے لگا۔

''زین؟ زارا بیٹے کیا ہوا؟''

بالاج صاحب نے فکرمند ہوکر پوچھا۔ زارا نے اپنے آنسو پوچھے اور ہمّت کر کے کہنے لگی۔

''پلیز آپ آرام سے سُنیے گا......''

زارا کے جملے سُن کر بالاج صاحب اُس کا چہرا تکنے لگے۔

''سمیرا کو ہارٹ اٹیک آیا ہے وہ کوما میں ہے۔''

زارا کی بات سُن کر بالاج صاحب کے پیروں تلے زمیں نکل گئی اور وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے زارا کا چہرا تکنے لگے۔

☆......☆

اسپتال کے کمرے کا دروازہ کھلا اور سب نے چونک کر دیکھا، بالاج صاحب زین اور زارا کے ساتھ اندر داخل ہوے۔ روحیل انھیں دیکھ کر اُن کی طرف چل پڑا۔

''پوپس پوپس!'' روحیل رو پڑا اور ان کے سینے سے لگ گیا!

''ہمّت رکھو! ارے جوان آدمی ہو یہ کیا لڑکیوں کی طرح رو رہے ہو! کچھ نہیں ہوگا ہماری سمیرا کو سُنا تم نے؟ کچھ نہیں ہوگا......''

بالاج صاحب نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے روحیل کا چہرا تھاما ہوا تھا اور وہ روئے جا رہا تھا۔ بالاج صاحب نے دیکھا، کمرے کے اندر اس وقت، اشرف صاحب، تہمینہ بیگم، کوثر، ثمینہ اور آصف موجود ہیں۔ سب انھیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ تہمینہ بیگم آنسوؤں کے ساتھ وہیں بیٹھی رہیں۔ بالاج صاحب نے ایک نظر سمیرا کو دیکھا تو شدید تکلیف اُس کے چہرے پر نمایاں تھی، وینٹیلیٹر کا پائپ اُس کے منھ پر لگا ہوا تھا اور کمرے میں مونیٹر اسکرین کی آوازیں آ رہی تھی۔

''واہ سمیرا تم تو ایسے میں بھی کمال لگ رہی ہو۔''

بالاج صاحب نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بیٹا وفا کی اتنی حد کر دی تم نے کہ اپنی جان ہی دے دی؟ پر یہ نہ سوچا کہ جنھیں تم پیچھے چھوڑے جا رہی ہو اُن کا کیا ہوگا؟''

بالاج صاحب روتے ہوئے کہتے جا رہے تھے۔ سب کے سر جھک گئے، سب کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ بالاج صاحب نے اپنے آنسو پوچھے۔

''اشرف تہمینہ تم لوگ فکرمت کرنا میں پیسہ پانی کی طرح بہادوں گا سمیرا کے علاج کے لیے ایک سے ایک ڈاکٹر بلواوں گا مگر اپنی بچی کو جانے نہیں دوں گا۔''

''یہ آپ کے جذبات ہیں بالاج صاحب ذرا روحیل سے بھی پوچھ لیں کہ وہ یہ چاہتا بھی ہے یا نہیں......''

تہمینہ بیگم کی کڑوی بات سُننے کی اُمید کسی کو نہیں تھی۔ زارا اور ثمینہ حیران ہوکر اپنی آنی کو دیکھنے لگے۔خود بالاج صاحب اس لمحے دھک سے رہ گئے۔اُن کی گردن روحیل کی طرف مُڑی جو اس وقت سر جھکائے کھڑا تھا کہنے کے لیے اُس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

رات کہ بالاج صاحب خاموش اور ساکت اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے حالات کے بارے میں غور کرنے لگے۔ان کے سامنے روحیل اور زین بھی سر جھکاے بیٹھے تھے۔ایسے میں ثمینہ دوای لے کر آئی اور اس نے پیار سے کہا۔

''بابا۔''

''ہاں؟ ہاں؟'' بالاج صاحب چونکے۔

''دوائی لیجیے۔'' ثمینہ نے انھیں دوادی۔

''ہاں لاؤ۔''

بالاج صاحب نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور دوالی۔ثمینہ نے انھیں پانی پلایا اور گلاس لے کر اُنہی کے برابر بیٹھی۔

''یہ...... یہ سب کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟''

بالاج صاحب غیر یقینی لہجے میں کہنے لگے اور سب سر جھکائے رہے۔

''روحیل؟ کیا ہوا تمھارے اور سمیرا کے درمیان؟''

بالاج صاحب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔زین بھی کن اکھیوں سے اپنے بھائی کو دیکھنے لگا۔روحیل نے سر جھکایا اور کہنے لگا۔

''یہ کہانی بہت عجیب ہے پوپس بہت عجیب۔''

''میں سُننا چاہوں گا مجھے سب بتاو کیا بات ہے؟......'' بالاج صاحب نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو یاد ہے جب مامُوں جان نے ہماری گھر پر دعوت رکھی تھی؟ اور آپ زین کے ساتھ جلدی چلے گئے تھے؟'' روحیل نے یاد دلایا۔

''ہاں یاد ہے؟ پھر؟'' بالاج صاحب نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگوں کے جانے کے بعد کوئی گھر پر آیا تھا...... '' روحیل نے جواب دیا۔

''کون آیا تھا؟'' بالاج صاحب نے الجھ کر پوچھا۔ زین بھی اپنے بھائی کو دیکھنے لگا۔

''ایک ایسا شخص جس نے اس گھر کو نظر لگا دی ایک ایسا شخص جس نے سمیرا کی زندگی تباہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ایک ایسا شخص جس نے ہماری اس جنّت کو آگ لگا دی۔'' روحیل نے سر جھکا کر کہا۔

''کون تھا وہ؟'' بالاج صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

''پوپس وہ کوئی اور نہیں سمیرا کا والد شوکت راشد تھا۔'' روحیل نے دھیرے سے بتایا۔

''کیا!''

ثمینہ کے منھ سے خوف کے عالم میں نکلا۔ زین اور بالاج صاحب حیران ہو کر روحیل کو دیکھنے لگے۔ ثمینہ ساکت نظروں سے اپنے بہنوئی کو تک رہی تھی۔

''شوکت اُسے بلیک میل کرنے لگا کہ اگر اس نے اُسے پیسے نہ دیے تو وہ ہم سب کو سچ بتا دے گا ایک ایسا سچ جسے سمیرا کبھی نا کہہ سکی...... اور نہ ہی ہم سُن سکتے ہیں...... سمیرا اس کی بلیک میلنگ کی خاطر...... لاکر سے پیسے نکال کر اُسے دینے لگی...... اسی وجہ سے لاکر سے پیسے غائب ہو رہے تھے کیوں کہ سمیرا اُس کا منھ بند رکھنے کے لیے پیسے دیا کرتی تھی...... '' روحیل نے کہا۔

''لیکن ایسی کیا بات تھی جو سمیرا اُسے پیسے دیتی رہی؟'' بالاج صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یہاں سے اس بربادی کی داستان آپ لوگ مجھ سے سُنیے۔''

ثمینہ کی آواز نے اُن تینوں کو چونکا دیا اور وہ اُسے دیکھنے لگے۔

''ہاں اس کہانی کی چشم دید گواہ ہوں۔ میں نے سمیرا باجی کو برباد ہوتے ہوئے دیکھا ہے میں نے انھیں خون میں لت پت دیکھا ہے میں نے دیکھا ہے جب میرے باپ نے انھیں ڈنڈے سے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا جب میری ماں میری بہن کو بچاتے بچاتے مرگئی میں نے دیکھا ہے میں نے سب کچھ دیکھا ہے......''

ثمینہ روتے ہوئے کہتی گئی اور پھر اس نے پُوری کہانی بتائی کہ کس طرح وہ لوگ لاہور سے نکلے، کس طرح شوکت جوے میں سمیرا کو ہارا اور کیا کچھ ہوا۔ سب کچھ سُن کر زین پتھر کا بن گیا! بالاج صاحب کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ اب کمرے میں سوائے ثمینہ کی سسکیوں کے علاوہ کچھ نہیں گُونج رہا تھا۔ کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بالاج صاحب ساکت بیٹھے رہ گئے۔ زین بھی اپنا سر پکڑے ہوئے بیٹھا تھا۔ روحیل نے گہرا سانس لیا۔

”میں نے فیصلہ کیا ہے پوپس میں سمیرا کو علاج کے لیے امریکا لے جا رہا ہوں۔“

روحیل نے اپنے والد کو دیکھ کر یہ جملے کہے اور انھوں نے اس کی طرف دیکھا۔

”وہاں سمیرا کو اسپتال میں داخل رکھوں گا اور وہیں رہوں گا شاید اس طرح سمیرا کی جان بچ سکے بھلے ہی وہ کوما میں ہی جیتی رہے۔“

یہ کہتے ہوئے روحیل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”اور ہماری جو جانیں نکل جائیں گی اُس کا کیا؟ یہ گھر؟...... میں نے ویران کرنے کے لیے نہیں بنایا تھا روحیل۔“ بالاج صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔

”لیکن پوپس یہاں سمیرا کا رہنا خطرے سے خالی نہیں شوکت کبھی بھی سمیرا کی عزّت اچھال سکتا ہے۔“ روحیل نے پریشان ہو کر کہا۔

”نہیں وہ کچھ نہیں کر پائے گا میں کل ہی IG سے بات کرتا ہوں شوکت کچھ نہیں کر پائے گا......“ بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

”آپ کیا سوچ رہے ہیں پوپس؟“ زین نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”کچھ بھی کر لیں گے، کیس ڈال دیں گے اُس پر پھانسی لگا دیں گے غائب کرا دیں گے۔“ بالاج صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”نہیں پوپس ہم کسی قسم کا گناہ اپنے سر نہیں لیں گے۔“ روحیل نے اطمینان سے کہا۔

”مجھے پرواہ نہیں مجھے پرواہ نہیں۔“ بالاج صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیا امی آپ کو یہ کرنے دیتیں؟......“

روحیل کی بات سُن کر بالاج صاحب دھک سے رہ گئے۔ زین بھی ساکت ہو گیا۔ بالاج صاحب پلٹ کر روحیل کی طرف دیکھنے لگے۔

”میں جانتا ہوں......شوکت نے سمیرا کی زندگی تباہ کی ہے مجھ سے زیادہ اس غم کو کوئی نہیں سمجھ سکتا لیکن ہم کوئی گناہ اپنے سر نہیں لیں گے پوپس میں نے زندگی میں ایک سبق سیکھا ہے وہ یہ...... کہ گناہ چھپتے نہیں ہیں یہ ظاہر ہو جاتے ہیں اور جب گناہ ظاہر ہوئے ہیں تو بس زندگیاں تباہ ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔“

روحیل نے سمجھایا اور بالاج صاحب سر جھکا گئے۔

”اس لیے میں نے وسیم کو کہا کہ شوکت پر کسی قسم کا ہاتھ نا ڈالے ہم جو بھی فیصلہ کریں گے سوچ سمجھ کر کریں گے۔“ روحیل نے انھیں دیکھ کر کہا۔

”ایسے باپ کے ہونے سے بہتر تھا کاش ہم یتیم ہی ہوتے۔“

یہ کہہ کر ثمینہ سر جھکا کر رو پڑی۔

''نہیں بیٹے! دراصل وہ تمھارا باپ تھا ہی نہیں اُس شخص کا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، رہی بات باپ کی تو میں زندہ ہوں جب تک میری سانسیں چل رہی ہیں میں تمھارا باپ ہوں کبھی اپنے آپ کو اکیلا مت سمجھنا کبھی نہیں۔''

بالاج صاحب نے جذباتی ہو کر یہ جملے کہے اور ثمینہ ان کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ وہ سب خاموشی سے ثمینہ کی سسکیوں کو سُننے لگے۔ ایسے میں روحیل نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''میں چلتا ہوں پوپس اسپتال جا کر آپ کو میسج کروں گا۔''

''جاؤ بیٹا جاؤ۔''

بالاج صاحب نے روتے ہوئے کہا اور روحیل بستر سے اٹھا۔ اُسی کے ساتھ زین بھی سر جھکائے چل رہا تھا۔ روحیل اپنی گاڑی کے پاس پہنچا اور دروازہ کھول کر بیٹھنے لگا۔

''بھائی؟''

زین کی آواز سُن کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''اُس رات...... میں بھابھی سے اپنی شادی کی بات کرنا چاہتا تھا۔''

یہ کہہ کر زین رو پڑا۔ روحیل نے اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور کہا؟

''تم اُس سے اپنی شادی کی بات ضرور کرو گے...... مجھے یقین ہے سمیرا ٹھیک ہو جائے گی......''

''بھابھی کے بنا ہم سب بہت ادھورے ہو جائیں گے بھائی۔'' زین نے روتے ہوئے کہا پھر بولا۔

''جس طرح امی ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں بھابھی بھی ویسے ہی جا رہی ہیں۔''

روحیل نے روتے ہوئے زین کو گلے سے لگایا اور کہا۔

''کوئی ہمیں چھوڑ کر جائے یا نا جائے لیکن یہ بھائی تمھارے ساتھ ہمیشہ رہے گا زین یہ بات یاد رکھنا میں تمھیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔''

روحیل نے روتے ہوئے کہا اور زین بھائی کے گلے لگا رہا۔ نجانے کتنی دیر تک وہ بھائی سمیرا کے جانے کا غم مناتے رہے۔

☆......☆

بھائی کو خدا حافظ کہہ کر زین ہال میں آ کر بیٹھا اور گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ ثمینہ نیچے اُترتی ہوئی آئی تو زین کو اس طرح دیکھ کر اُداس مسکراہٹ اپنے لبوں پر لے آئی۔ وہ پیار سے چلتی ہوئی اپنے محبوب کے پاس پہنچی اور دھیرے سے اُس کے کے پاس بیٹھی۔

’’پریشان ہو؟‘‘ ثمینہ نے پیار سے پوچھا۔ زین نے گہرا سانس لیا اور کہنے لگا۔

’’مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ثمینہ بہت ڈر۔‘‘

’’ڈر تو مجھے بھی ہے زین نجانے کیا ہوگا اب۔‘‘ ثمینہ نے پریشان ہو کر کہا۔

’’بھائی کو اتنا ٹوٹے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا، خدانا خواستہ اگر بھابھی کو کچھ ہو گیا تو بھائی کبھی بھی اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائے گا۔‘‘ زین نے پریشان ہو کر کہا اور ثمینہ سوچنے لگی۔

’’سمیرا بھابھی صرف ایک عورت ہی نہیں اس گھر کی روح تھیں جب امی اس گھر سے چلی گئی تو رشتہ داروں کی لاکھ کوششوں کے باوجود...... پوپس نے دوسری شادی نہیں کی اپنا سب کچھ ہم پر لگا دیا...... آج مجھے بھائی کے اندر ایک اور بالاج علی نظر آ رہا ہے وہ بھابھی کے بعد اب کبھی کسی اور کو نہیں اپنا یئنگے کبھی بھی نہیں......‘‘

زین نے سوچتے ہوئے کہتا چلا گیا اور ثمینہ کی آنکھوں میں آنسو دوڑ آئی، اس نے پیار سے اپنا ہاتھ زین کے کندھے پر رکھا۔

’’مولا اپنا کرم کریں گے زین معجزے اسی جہاں میں ہوتے ہیں۔‘‘

’’نہیں ثمینہ معجزے نہیں ہوتے کم از کم ہماری فیملی میں تو کوئی معجزا نہیں ہو سکتا...... ہم بد نصیب...... ماوں کے جنازے اٹھانے کے لیے ہی رہ گئے......‘‘

زین نے ٹوٹے ہوئے کہا اور ثمینہ کا دل بیٹھنے لگا۔

’’آج اس گھر میں کوئی ماں نہیں جو مجھے بیٹا کہے مجھے پیار کرے میرے لاڈ اٹھائے مجھے ڈانٹیں وہ پیار کرنے والی بھابھی تو چلی گئی نجانے اب پلٹ کر آئے گی بھی کے نہیں۔‘‘ زین کہتا چلا گیا۔

’’زین اگر ہم ایسے ٹوٹ گئے......تو سوچو روحیل بھائی اور بابا کو کون سنبھالے گا؟‘‘ ثمینہ نے بھرّا کر کہا اور زین سوچنے لگا۔

’’ہمیں مضبوط ہونا پڑے گا ان کے لیے جو ہمارے ساتھ رہ گئے ہیں اگر ہم ٹوٹنے لگے تو پھر کچھ نہیں بچے گا زین کچھ بھی نہیں......‘‘ ثمینہ نے کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

’’تم صحیح کہ رہی ہو ہمیں ہمّت کرنی پڑے گی۔‘‘ زین نے ہاں میں سر ہلا کر جواب دیا۔

’’آنی بھی روحیل بھائی سے خفا ہیں مستقبل تاریک نظر آتا ہے......‘‘ ثمینہ نے پریشان ہو کر کہا۔

’’ثمینہ کوئی خفا ہو یا نا ہو......کوئی رشتہ رکھے یا نہ رکھے لیکن میں ایک بات جانتا ہوں......اور وہ یہ کہ میں تمھیں نہیں چھوڑ سکتا......‘‘

زین نے اُسے دیکھ کر کہا اور ثمینہ اُس کا چہرہ تکنے لگی۔

''میری رگوں میں بھی بالاج علی کا خون ہے میں نے تمھیں چاہا ہے اور میں اپنی محبت کو حاصل کر کے رہوں گا...... دنیا کی کوئی طاقت...... مجھے...... تمھیں حاصل کرنے سے نہیں روک سکتی...... یہ میرا وعدہ ہے......''

زین محبت کے جذبات میں کہتا گیا اور ثمینہ سر جھکا گئی۔ کچھ پل گزرے تو ثمینہ نے اپنے آنسو پونچھے اور زین کو دیکھ کر کہنے لگی۔

''اچھا یہ باتیں چھوڑو...... کافی پیو گے؟......''

اُس کے سوال پر زین سوچنے لگا، اُس کے ماتھیں پر شکنیں پڑ گئیں، چہرے پر الجھن آ گئی، کچھ سوچ کر اس نے کہا۔

''ہاں۔''

ثمینہ ہنس پڑی۔

''حد ہوتی ہے ایک کافی کے لیے اتنا سوچنا؟''

''بھابھی کے بعد کچھ کھانے اور پینے کا دل نہیں ہے لیکن ہاں...... کافی کی ضرورت ہے۔''

زین نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور ثمینہ ایسے میں بھی ہنس پڑی۔

''میں ابھی لائی۔''

یہ کہہ کر ثمینہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ وہ کچن میں داخل ہوئی اور کافی کا ڈبّہ نکال کر، چمچ سے دو چار کافی مگز میں ڈالی۔ ثمینہ کافی بنانے میں مصروف ہوئی۔ اچانک کچن کی روشنی کسی نے بند کی۔ ثمینہ نے پلٹ کر دیکھا تو دروازے پر زین کو پایا۔ ثمینہ کا دل دھڑک گیا اور وہ پلٹ کو چولہے کو دیکھنے لگی۔ زین اطمینان سے چلتا ہوا ثمینہ کے پاس پہنچا اور اُس کے بالکل پیچھے آ گیا...... ثمینہ زین کی موجودگی کو محسوس کر سکتی تھی...... زین نے اپنی بانہیں ثمینہ کے اردگرد ڈالیں...... اور اس کی گردن کو چُوم لیا...... ثمینہ کی روح نکل کر جیسے زین میں شامل ہو گئی...... وہ آنکھیں بند کیے زین کو محسوس کرنے لگی...... زین نزاکت سے اس کی گردن کو چُومنے لگا...... کبھی اُس کے رخساروں سے تو کبھی اس کی زلفوں سے کھیلنے لگا...... یہی وہ لمحہ تھا...... جب ثمینہ تڑپ کر پلٹی...... اور زین کی بانہوں میں سما گئی...... زین بھی تڑپ کر اس کی بانہوں میں سما گیا...... ثمینہ زین سے لپٹی ہوئی اپنے مستقبل کا سوچ رہی تھی...... دوسری طرف زین ثمینہ کے گلے لگائے ہوئے مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ اب اُن کی زندگی میں کیا ہو گا؟

☆......☆

روحیل اسپتال کے کمرے میں داخل ہوا اور دیکھا تہمینہ بیگم سمیرا کے پاس بیٹھی دعائیں پڑھ رہی

ہیں۔سمیرا کے بدن میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ وینٹیلیٹر اُس کے منہ پر لگا ہوا تھا۔وہی تکلیف کا عالم اُس کے چہرے پر چھایا ہوا تھا جیسا پہلی رات تھا۔ روحیل اور بالاج صاحب نے اسپتال والوں کو علاج میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنے کی تاکید تھی، اس لیے پرائیوٹ رُوم کو اسپتال والوں نے Intensive Care Unit کی Facilities دے رکھی تھیں۔

تہمینہ بیگم نے ایک نظر روحیل کو دیکھا اور منہ پھیر کر واپس دعائیں پڑھنے لگیں۔ روحیل نے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی ٹیبل پر رکھیں اور پلٹ کر سمیرا کے پاس آیا۔سمیرا اس حال میں بھی دلکش تھی۔وہ اُداس مسکراہٹ اپنے لبوں پر چسپہ کر کے اپنی بیوی کا چہرا دیکھنے لگا۔اس نے ایک نظر تہمینہ بیگم کو دیکھا تو وہ نظر جھکا کر دعایں پڑھتی ہوئی نظر آئیں۔اس خاموشی کو روحیل نے ہی توڑا۔

''ڈاکٹرز آئے تھے؟''

تہمینہ بیگم نے ایک نظر اُسے دیکھا اور خشک لہجے میں بتایا۔

''ہاں جنرل چیک اپ کر کے چلے گئے......''

اُنکا جواب سُن کر روحیل نے سمیرا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔اب وہ چلتا ہوا اُسی صوفے پر بیٹھا جس پر تہمینہ بیگم بیٹھی تھیں۔تہمینہ بیگم نے اپنی دعایں پوری کیں اور سمیرا کی طرف دیکھنے لگیں۔

''آپ کا بہنوی شوکت یہاں کراچی میں موجود ہے......''

روحیل نے دھیرے سے بتایا اور تہمینہ بیگم نے خوف کے عالم میں پلٹ کر اُس کا چہرا دیکھا۔روحیل نے صاف محسوس کیا، ان کے پیروں تلے زمیں نکل گئی تھی۔اسی خوف کے عالم میں تہمینہ بیگم نے روحیل سے پوچھا۔

''کیا کہا؟ شوکت؟......''

''جی۔'' روحیل نے دھیرے سے جواب دیا اور گہرا سانس لے کر کہنے لگا۔

''جس دن دعوت تھی اُس دن شوکت ہمارے گھر آیا تھا سمیرا اُسے دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی تھی اور اس نے مجھ سے قسم لی کہ میں اُس کا ذکر کسی سے نا کروں۔''

''اوہ۔'' تہمینہ بیگم کے منہ سے نکلا اور وہ فرش کو تکنے لگیں۔

''کچھ دن بعد......میری غیر موجودگی میں شوکت سمیرا سے بھاری رقم بٹورنے لگا اُسے بلیک میل کرنے لگا کہ اگر اس نے رقم نا دی تو وہ مجھے سب سچ بتا دیگا۔''

روحیل نے دھیرے سے کہا اور تہمینہ بیگم نے روحیل کا چہرا دیکھا۔

''جی مجھے سب پتا چل گیا ہے''۔

اس نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا اور تہمینہ بیگم سر جھکا گئیں۔

''اسی سچّائی کو بیاں کر کے سمیرا آج اس بستر پر پڑی ہے...... کاش کاش سمیرا کو مجھ پر تھوڑا یقین ہوتا تو میں اُسے بتا تا سمجھا تا کہ جو اُس کے ساتھ ہوا وہ اُس کا قصور نہیں ہے بلکہ دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی ریپ جیسا گھناونا جرم ہوتا ہے اُس میں مظلوم کا کوئی قصور نہیں چاہے وہ عورت ہو یا معصوم بچّے وہ درندے ہیں جو کسی کو نہیں بخشتے کسی کو نہیں بخشتے۔''

روحیل کہتا چلا گیا اور تہمینہ بیگم خاموشی سے سُنتی رہیں۔

''کاش سمیرا ایک بار صرف ایک بار میرا جواب سُن لیتی ...... تو میں اُسے بتا تا کہ میں اس کی مظلومیت میں شامل ہوں اس کی تکلیف کو سمجھ سکتا ہوں اُس کے درد کا احساس کر سکتا ہوں کاش وہ مجھے ایک بار بتاتی تو میں اُسے سمجھا تا کہ میں کس قدر اُس سے پیار کرتا ہوں۔''

روحیل نے سمیرا کو دیکھتے ہوئے کہتا چلا گیا اور سمیرا بے جان جسم کے ساتھ بستر پر پڑی رہی۔ تہمینہ بیگم نے بھی ایک نظر سمیرا کو دیکھا اور کہنے لگیں۔

''ریپ ایک ایسا بھیانک عمل ہے کہ جس میں مظلوم اپنے لفظوں اور بھروسہ کھو دیتا ہے اُسے کسی کو یہ بتاتے ہوئے بھی گھن آتی ہے کہ اُس کے ساتھ یہ عمل ہوا ہے بہت ہمّت چاہیے یہ بات کہنے کے لیے بہت ہمّت ......''

تہمینہ بیگم کی بات سُن کر روحیل نے سر جھکا لیا۔

''یہ مشرقی لڑکیاں ان کا ویسے ہی کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا ماں کے گھر ہوتی ہیں تو سُننے کو ملتا ہے کہ جب اپنے گھر جانا تو زندگی جینا جب اپنے شوہر کے گھر جاتی ہیں تو سسرال والے کہتے ہیں کہ نخرے میکے میں ہی چھوڑ کر آنا ساری زندگی ماں باپ کی تو کبھی شوہر کی تو کبھی بچّوں کی سنتی چلی آتی ہیں ایسے میں کوئی ان کی عزّت کے ساتھ کھیل جائے تو یہ کمزور سی لڑکیاں اپنی جان دینے کے سوا کیا کر سکتی ہیں بھلا......''

تہمینہ بیگم نے روتے ہوئے کہتی چلی گئیں اور روحیل کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

''سب کہتے ہیں کہ سمیرا بہت کمزور ہے مضبوط نہیں ہے زارا بہت بہادر ہے ثمینہ بہت بہادر ہے لیکن اگر تم مجھ سے پوچھو تو سمیرا سے زیادہ بہادر کوئی نہیں...... اللہ نہ کرے اگر زارا کے ساتھ کچھ ایسا ہوتا جو سمیرا کے ساتھ ہوا زارا ایک لمحہ نہیں لگاتی اُن جانوروں کو قتل کرنے میں اور اگر نہیں کر پاتی تو فخر سے اپنی جان دے دیتی لیکن سمیرا سمیرا نے اپنا غم اپنے اندر دبایا اُسے روکا سمیرا نے خودکشی کی کوشش نہیں کی وہ جینے کی کوشش کرتی رہی لڑتی رہی میری نظر میں سمیرا بہت بہادر ہے...... بہت بہادر......''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' روحیل نے اُن کی بات کی تائید کی۔

''روحیل؟......کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو؟'' تہمینہ بیگم نے روتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ آپ ہماری بڑی ہیں ہمیں ڈانٹ سکتی ہیں۔'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''نہیں میں نے تمھارے ساتھ زیادتی کی ہے ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' تہمینہ بیگم نے شرمسار ہو کر کہا۔

''آپ اور میں ہم دونوں ہمیشہ سے سمیرا کا بھلا چاہتے آئے ہیں ایسے میں اگر آپ کو لگا کہ میری وجہ سے سمیرا کو مشکل پیش آ رہی ہے......تو آپ نے اپنی طرف سے کچھ غلط نہیں سوچا بس یہ کہتا چلوں کہ سمیرا جتنی آپ کے لیے اہم ہے اُس سے کہیں زیادہ میرے لیے اہم ہےمیری زندگیمیری روح اس بیجان جسم میں قید ہے......'' روحیل نے دھیرے سے سمیرا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''روحیل۔''

تہمینہ بیگم نے اُس کا نام لیا اور سمیرا کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

''اس بچّی سے میرا ایک الگ ہی تعلق ہے میں جب لاہور جاتی تھی سمیرا میری بانہوں میں ہی رہتی مجھ سے کھانا کھاتی، مجھ سے ہی ہوم ورک سیکھتی اور رات ہو جاتی تو میرے پاس ہی سوتی۔ نسیمہ اکثر مجھ سے کہا کرتی کہ سمیرا میری نہیں تیری بیٹی ہے شاید۔ یہ سچ بھی ہے سمیرا میری بیٹی ہے لیکن شوکت، شوکت نے جلد یہ احساس دلا دیا کہ میں اس کی کچھ نہیں لگتی اس نے میرے آنے پر پابندی لگا دی مجھے گالیاں دے کر دوبارہ نہ آنے کے لیے کہا مجھے یاد ہے جب میں گھر سے نکل رہی تھی سمیرا بہت دیر تک بہت دیر تک مجھے تکتی رہی اس کی آنی اُس سے جُدا ہو گئی تھیں......دس سال دس سال میں نے اپنی سمیرا سے خطوں میں بات کی ہے میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی آنی کو کبھی بھولے میری ہمیشہ سے یہی خواہش تھی کہ وہ خوش رہے بہت خوش لیکن میرا نصیب آج سمیرا زندہ لاش کی طرح میرے سامنے موجود ہے......خدا نے یہ دن بھی مجھے دکھانا تھا......یہ دن بھی دکھانا تھا۔''

یہ کہہ کر تہمینہ بیگم آنسو بہانے لگیں۔ روحیل نے اپنا سر جھکا لیا۔ وہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ دونوں ہی اس وقت سمیرا کے غم میں مبتلا تھے۔

ایسے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور کوثر بوجھل قدموں سے اندر آیا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' دونوں نے جواب دیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟ کچھ کہا ڈاکٹرز نے؟'' کوثر نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

''نہیں کوئی اپڈیٹ نہیں وہی حال ہے۔''

تہمینہ بیگم نے جواب دیا اور کوثر پریشان ہو کر سمیرا کو دیکھنے لگا۔

''دعا کرو کوثر۔'' تہمینہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

''ساری دعائیں ہی سمیرا کے لیے ہیں میری جتنی بھی زندگی ہے یا رب میری بہن کے نام کر دے......''

کوثر نے بھرّا کر کہا اور سمیرا کا چہرا دیکھا۔ روحیل اور تہمینہ بیگم سر جھکا گئے۔

''آنی؟ چلیں؟'' کوثر نے اپنے آنسو پوچھ کر کہا۔

''ہاں، ہمیں ثمینہ کو بھی پک کرنا ہے، وہ بلاج بھائی کے پاس ہے۔'' تہمینہ بیگم نے بتایا۔

''کوئی مشکل نہیں۔'' کوثر کہ منہ سے نکلا۔

''آپ لوگ گھر پہنچ جائیں تو میسج کیجیے گا۔'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''بالکل، اچھا بیٹا......خیال رکھنا......''

تہمینہ بیگم نے پیار سے کہا اور روحیل انھیں الوداع کہنے لگا۔ ان کے جانے کے بعد روحیل ٹیک لگا کر صوفے پر بیٹھ گیا بے جان نظروں سے سمیرا کو تکنے لگا۔ اُسے سمیرا کی مسکراہٹ اُس کا باتیں کرنا اُس کا ہنسنا......سب یاد آ رہا تھا۔ وہ یاد کرتا چلا گیا یاد کرتا چلا گیا۔

☆......☆

شام کا وقت تھا حسب معمول کراچی میں گہما گہمی۔ کھانے پینے کی دُکانوں کے باہر لوگ کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے، چائے پی رہے تھے، کچھ دوست یار کُرسیوں پر بیٹھے گپّے لگا رہے تھے۔ اُنہی کے سامنے چمچاتی گاڑیاں کھڑی تھیں اور کچھ لوگ گاڑیوں میں ہی بیٹھے بیٹھے جُوس اور ملک شیکس وغیرہ پیتے۔ چھوٹی عمر کے نوجوان بچّے بھاگ بھاگ کر کبھی انھیں ٹشو پہنچاتے تو کبھی جُوس۔ ایسے میں زین ایک چھوٹے سے لڑکے کے ساتھ دوڑتا ہوا روحیل کی مرسیڈیز کے پاس آیا۔ چھوٹے سے لڑکے کے ہاتھوں میں ایک ٹرے تھی جس پر چاٹ کی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔

''لو بھائی! چاٹ آ گئی۔''

زین نے مزے سے کہا اور لڑکے سے چاٹ لے کر گاڑی میں بیٹھے اپنے بھائی اور بھابھی کو دینے لگا۔

''کیا ہے یہ؟'' روحیل نے منہ بنا کر پوچھا۔

''چنا چاٹ ہے آپ کو مزہ آئے گا۔'' سمیرا نے للچاتے ہوئے کہا۔

''وہ مجھے پتا ہے چنا چاٹ ہے لیکن یہ صحیح چیز نہیں ہے I don't think it's healthy۔''

روحیل نے منہ بنا کر کہا۔

''ارے بھائی کھاؤ تو صحیح، ٹھیلے والے نے خود بالٹی میں پلیٹیں ڈال کر دھوئیں ہیں۔ ان شا اللہ ایڈز وغیرہ کچھ نہیں ہوگا بس ایسا پیٹ خراب ہوگا کہ پُورا خالی ہو جائے گا۔''

زین نے مسکرا کر کہا اور سمیرا ہنسنے لگی۔ جب کہ روحیل گھبرا کر پلیٹ دیکھنے لگا۔ ایسے میں زین نے آواز دی۔

''چھوٹے! ایک کُرسی اور تین پیپسی کی بوتلیں لا کر دے!''

''زین یہ تم تعریف کر رہے ہو؟ یا بھائی کو ڈرا رہے ہو؟'' سمیرا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''بھابھی تعریف کر رہا ہوں بہت اچھی تعریف کر رہا ہوں بھائی کو بھی آج باتھ روم میں مزہ آ جائے گا۔'' زین نے مچل کر کہا اور چھوٹے نے کُرسی لا کر دی۔ وہ کُرسی پر بیٹھا۔

''کیا گندی باتیں کر رہا ہے۔'' روحیل نے چڑ کر کہا۔

''اچھا آپ کھائیں تو صحیح اتنی زبردست پاپڑی چاٹ ہے سچ میں یہ آپ کے بڑے بڑے ریسٹورینٹز میں نہیں مل سکتی۔'' سمیرا نے چاٹ کھاتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا ہے کہ بڑے ریسٹورینٹ میں کھانا ہائجینک ہوتا ہے۔'' روحیل نے دانت پیس کر کہا۔

''بھاڑ میں گئی ہائجین بھائی! کھا کر دیکھیں الگ ہی مزہ آ جائے گا۔''

زین نے چاٹ کھاتے ہوئے کہا اور روحیل نے ایک نوالہ لیا اور اُسے شدید مرچیں لگیں۔

''اہم! سسس بہت مرچیں ہیں۔'' روحیل نے مچل کر کہا۔

''زین تمھارے بھائی پچھلے جنم میں لڑکی تھے کیا؟''

سمیرا نے مسکرا کر کہا اور روحیل نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''میرے خیال سے ہیما مالینی تھے۔'' زین نے چاٹ کھاتے ہوئے کہا۔

''چلیں روحیل میں آپ کو چیلنج کرتی ہوں کہ آپ یہ مکس چاٹ نہیں کھا سکتے۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا؟ یعنی اب آپ مجھے چیلنج کریں گی؟'' روحیل نے مسکرا کر اُسے دیکھا اور سمیرا ہنسنے لگی۔

''ہاں ہاں کیا چیلنج! کھا کر دکھائیں۔'' زین نے چاٹ کھاتے ہوئے کہا۔

''ایکسکیوز می! یہ آپ کی بھابھی ہی ہیں جو مجھے چیلنج کرنے سے روکتی تھیں۔'' روحیل نے اترا کر کہا۔

''مکس چاٹ کے لیے تو میں چیلنج دے سکتی ہوں۔'' سمیرا نے مستی میں کہا۔

''اوکے! اگر میں یہ مکس چاٹ پلیٹ کھا گیا تو تم لوگوں کو ایک ایک پلیٹ اور کھانی ہوگی۔'' روحیل نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ارے نیکی اور پوچھ پوچھ! میں اور بھابھی تو کب سے تیار ہیں۔''

زین نے ہنس کر کہا اور سمیرا بھی ہنسنے لگی۔

''کیا مطلب! تم لوگ اتنی مرچیں کیسے کھا لیتے ہو بھائی!'' روحیل بوکھلا گیا۔

''ایسے۔'' سمیرا نے مزے سے کہا اور چاٹ کھائی۔ زین ہنس پڑا اور بولا۔

''بھابھی بھی نا بالکل مجھ پر جا رہی ہیں۔''

''چلو بچّوں اب میری پرفارمنس دیکھو، میں یہ پلیٹ ختم کر کے دکھاتا ہوں۔'' روحیل نے ہمّت کر کے کہا۔

''نہیں کر سکتے۔'' سمیرا نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''میں بھی کہتا ہوں نہیں کر سکتے۔'' زین نے بھی زور لگا کر کہا۔

"Just watch and learn"۔

روحیل ایک بار پھر Competitive ہوا اور چاٹ کھانا شروع کی۔ سمیرا ہنس کر روحیل کو دیکھنے لگی اور زین کو آنکھ ماری۔ زین بھی مسکرا کر اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پانچ منٹ میں روحیل پلیٹ چٹ کر گیا اور سُن ہو کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا بھائی؟ ایک اور چاٹ لاوں؟''

زین نے مستی میں پوچھا۔ روحیل نے اپنا پسینہ صاف کر کے بولا؟۔

''اہمم ان سے پوچھو باتھ روم ہے؟''

روحیل کا یہ سوال سُن کر سمیرا اور زین ہنس پڑے! اور روحیل مزید بوکھلا گیا! نجانے کتنی دیر تک وہ لوگ ہنستے رہے۔

روحیل کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ آنسوؤں کے ساتھ سمیرا کو دیکھنے لگا۔ سمیرا خاموش لیٹی ہوئی اپنی زندگی کی جنگ لڑ رہی تھی۔

''سمیرا...... اُٹھ جاو...... پلیز اُٹھ جاؤ مجھے تمھارے سارے چیلنج قبول ہیں مگر یہ والا یہ والا چیلنج میں نہیں جیت سکتا...... مجھے ہارنے مت دو پلیز.......... پلیز واپس آجاو...... پلیز...... میں نہیں جی سکتا تمھارے بنا میں نہیں جی سکتا...... میں نہیں جی سکتا......''

روحیل کہتا چلا گیا اور سمیرا کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رونے لگا نجانے کب تک...... نجانے کب تک۔

☆......☆

تین مہینے گزر گئے تھے سمیرا کے اس حال کو۔ سمیرا نے آنکھ دوبارہ نہیں کھولی، اس دوران کبھی کبھی اس کی دھڑکن تیز ہو جاتی یا بلڈ پریشر کافی اوپر جاتا جسے ڈاکٹرز بر وقت کنٹرول کر لیتے، مگر سمیرا نے مجال ہو جو

دوبارہ آنکھیں کھولی ہوں۔ بہتری اتنی تھی کہ اب وینٹی لیٹر ہٹ کر آکسیجن ماسک اُس کے منھ پر لگ چکا تھا۔ ان بیس دنوں میں روحیل کا یہی معمول تھا کہ وہ شام سے لے کر صبح تک سمیرا کے پاس رُکتا۔ صبح دفتر جاتا اور پھر سمیرا کے پاس آجاتا۔ صبح کے وقت کبھی تہمینہ بیگم تو کبھی زارا اُس کے پاس ہوتے، شام کو سب اسپتال چلے آتے اور سمیرا کو دیکھ کر، اُسے دعائیں دے کر اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ بالاج صاحب پیسہ پانی کی طرح بہا رہے تھے اور سمیرا کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خود روحیل اس بات کا خیال رکھتا کہ سمیرا کے بال، اُس کا چہرا، اُس کے ناخن صحیح رہیں جس کے لیے خاص عورتیں آتیں اور اُس کا دیکھ بھال رکھتیں۔ بڑے بڑے بلز کی پروہ دونوں باپ بیٹے نہیں کر رہے تھے۔

زارا کی طبیعت بہتر تھی لیکن اُسے حاملہ ہوئے چھ مہینے کا عرصہ بیت چُکا تھا۔ اس لیے اس کی طبیعت کا بھی سب خیال کر رہے تھے۔ تینوں گھرانوں میں ایک ویرانی سی دوڑ گئی تھی۔ سب لوگوں کے ذہنوں پر صرف یہی سوال تھا کہ کب سمیرا اپنی آنکھیں کھولے اور کب بالاج صاحب کے گھر کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ سب سے زیادہ ویران بالاج صاحب کا گھر ہی ہوا تھا۔ اور یہ ویرانہ پن یہ اُداسی اور یہ تنہائی بالاج صاحب کے لیے نئی نہیں تھی وہ اس تنہائی کو اس ویرانے کو اس بربادی کو دیکھ چکے ہیں سہہ چکے ہیں...... برداشت کر چکے ہیں۔

سُنسان اور ویران گھر میں ایک رات بالاج صاحب اُس کمرے میں داخل ہوئے جہاں زہرا بیگم کی تصاویریں لگی ہوئی تھیں...... بالاج صاحب کے کندھوں پر شال تھی...... اور وہ خالی خالی نظروں سے تصویروں کو تکنے لگے...... ہر تصویر میں زہرا بیگم مسکراتی ہوئی نظر آرہی تھیں لیکن یہ مسکراہٹ اُنکی...... زندگی سے کب کی جا چکی تھی...... بالاج صاحب نے اپنے قدم بڑھائے اور اندر آتے گئے ایک تصویر کے نیچے بیٹھے اور یاد کرنے لگے کہ کس طرح زہرا بیگم انھیں چھوڑ کر گئی تھیں۔

کالا کوٹ سفید قمیص اور کالی پینٹ...... تیس سالا بالاج...... اسپتال کے کمرے کا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا...... اور اپنی بیوی کو ایک نظر دیکھا...... زہرا...... بستر پر لیٹی سخت امتحان سے گزر رہی تھی اُسے سانس لینے میں دُشواری تھی...... اور وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھی کہ اُسے سانس آجائے۔ بس زندگی سے اب اُسے یہی چاہ تھی۔

زہرا کی زلفیں کھلی ہوئی تھیں...... گورا رنگ لمبا قد خوبصورت چہرا بالاج اس حال میں بھی اپنی بیوی پر فدا تھا...... وہ اُداس مسکراہٹ اپنے لبوں پر لاکر اپنی بیوی کو تکنے لگا۔

زہرا نے پلٹ کر اپنے شوہر کو دیکھا تو اس کے لبوں پر بھی ایک گہری مسکراہٹ آگئی، اس کی خوشی اپنے شوہر میں بسی تھی۔

بالاج نے ٹیبل پر پھول رکھے......اور کُرسی کھسکا کر اپنی بیوی کے قریب بیٹھا...... پیار سے اپنی بیوی کا ہاتھ تھام لیا......محبت سے اپنی بیوی کا چہرا تکنے لگے......

''آپ اتنی دیر سے آئے اور یہاں اتنا مزہ آیا۔'' زہرا نے تکلیف کے عالم میں کہا۔

''کیا کیا تم نے؟'' بالاج نے مسکرا کر پوچھا۔

''نرس آئی تھی وہ مجھے ڈرپ لگا رہی تھی کہ مجھے کھانسی اٹھی اتنی شدّت کی کھانسی کہ خون کی الٹی ہوئی وہ مجھے خون تھوکتے دیکھ کر ڈر کر بھاگ گئی۔''

زہرا تکلیف کے عالم میں ہنس کر بتایا اور بالاج روتے ہوئے ہنس پڑا۔ زہرا بھی تکلیف کے عالم میں ہنسنے لگیں۔

''تو مت ڈراونا ہمیں اس طرح......'' بالاج علی نے اپنے آنسو پوچھ کر کہا۔

''کیا کروں بالاج میں اندر سے کٹ رہی ہوں...... کچھ نہیں کر سکتی۔'' زہرا نے تکلیف کے عالم میں کہا اور بالاج اُن کا سر سہلانے لگا۔

''میری چھوڑیے میں تو بس اپنے پل گن رہی ہوں......آپ بتائیں کام کیسا چل رہا ہے؟''

زہرا نے تکلیف کے عالم میں پوچھا اپنے شوہر کو دیکھ کر پوچھا۔ بالاج نے نفی میں سر ہلایا۔

''دل نہیں لگتا اب کسی بھی چیز میں۔''

''دل کو مضبوط کر لیں اب۔'' زہرا نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''کیسے کروں؟ میں نے زندگی جینا ہی تم سے سیکھا ہے تم ہی بتاو کیسے مضبوط کروں اس دل کو؟'' بالاج نے پیار سے پوچھا۔

''میں کہیں نہیں جا رہی میں آپ میں زندہ رہوں گی آپ میں جیوں گی آپ میں ہی روحیل اور زین کی پرورش ہوتے ہوئے دیکھوں گی۔''

زہرا نے پیار سے یہ جملے کہے اور بالاج کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بچّے بہت چھوٹے ہیں بالاج کوشش کیجیے گا کہ انھیں میں یاد رہوں اُن کی یادوں میں میں اس طرح نہیں جینا چاہتی جو خون تھوکتی ہو...... میں چاہتی ہوں وہ مجھے ہمیشہ خوش دیکھیں بس انھیں ہنستی بولتی مسکراتی یاد رہوں۔'' زہرا نے تکلیف کے عالم میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''میں اپنا گھر تمھاری تصویروں سے سجا دوں گا زہرا...... وہ ہمیشہ تمھیں مسکراتا یاد رکھینگیا پنی ماں کو ایسے ہی یاد رکھیں گے......'' بالاج نے اُن کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''میں جینا چاہتی تھی بالاج میں جینا چاہتی تھی ہمارا گھر ہمارا پیارسا گھر ہمارے بچّے میں آپ نے

گھر کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتی تھی لیکن زندگی زندگی بہت عجیب کھیل کھیلتی ہے آپ میرے بچّوں کو گود میں اٹھائے آگے نکلتے چلے گئے اور میرا میرا سفر تمام ہوا...... ہر گزرتا لمحہ مجھے آپ سے دُور کیے جا رہا ہے......اور میں کچھ نہیں کرسکتی کچھ بھی نہیں......''

زہرا روتے ہوئے کہتی چلی گئی اور بالاج نے آنسوؤں کے ساتھ اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔

''میرے بچّے...... میری دولت ہیں بالاج میں اپنی ساری دولت آپ کو دے کر جا رہی ہوں میرے بچّوں کا خیال رکھیے گا......''

زہرا نے انھیں دیکھ کر یہ جملے کہے۔ بالاج نے اپنے آنسو پوچھے۔

''اور تم...... جو مجھ سے دُور ہو رہی ہو کبھی سوچا ہے میرا کیا ہوگا؟ میں کیسے جیوں گا تمھارے بنا؟''

''اسلیے سمجھا رہی ہوں دوسری شادی ضرور کیجیے گا۔''

زہرا نے اُسے دیکھ کر کہا اور بالاج نفی میں سر ہلانے لگا۔

''بالاج، میں آپ کے دل میں زندہ ہوں لیکن آپ کو ضرورت ہے کسی کی مجھے بس اپنے دل سے مت نکلنے دیجیے گا باقی آپ کی زندگی ہے آپ اُس زندگی کو جیے زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں......''

زہرا نے اُسے سمجھایا بالاج نے اپنی زوجہ کو دیکھا۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں زہرا میں بچّوں کو ہر ممکن پیار دوں گا اُن کی اچھی تربیت کروں گا ان کوں ماں اور باپ بن کر پالوں گا دنیا کو بھی جھیل لوں گا کامیاب ہوں گا لیکن اب کبھی کسی اور کو اپنے دل میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دوں گا میں نے تم سے محبت کی تھی جو تم نے میرے لیے کیا ہے کوئی میرے لیے وہ کر ہی نہیں سکتا...... یہ میرا تم سے وعدہ ہے میں کبھی دوسری شادی نہیں کروں گا کبھی بھی نہیں۔''

بالاج کے جملے سُن کر زہرا نے آنکھیں بند کرلیں اور چہرا پھیر لیا۔ بالاج بھی سر جھکا کر اپنا سر ان کے ہاتھوں پر رکھ کر رونے لگے۔ کمرے میں صرف بالاج کی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی اور کچھ نہیں یہی چیز بالاج نے نوٹ کیا ور نظر اُٹھا کر زہرا کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ زہرا کی آنکھیں مسلسل بند تھیں۔

''زہرا؟......'' بالاج نے آواز دی پر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

''زہرا؟''

بالاج کی آواز میں خوف شامل ہوا اور زہرا نے آنکھیں کھول کر انھیں دیکھا...... بالاج کی جان میں جان آئی۔

''آپ سمجھیں...... کہ میں۔''

یہ کہہ کر زہرا تکلیف میں ہنسنے لگیں اور بالاج روتا ہوا بھی ہنس پڑا۔ دونوں میاں بیوی اس لمحے ہنس رہے تھے۔ بالاج نے آگے بڑھ کر زہرا کا ماتھا چُوم لیا اور وہ اپنے شوہر کی قُربت حاصل کر کے کچھ پل سُکوں کے پانے لگی۔ زہرا تکلیف کے عالم میں بھی جینا جانتی تھیں وہ جینا جانتی تھیں۔

☆......☆

دو دن اسی طرح گزرے۔ ایک روز بالاج اپنی نئی گاڑی میں اسپتال پہنچا اور بے حال ہو کر گاڑی سے اُترا۔ گلے میں بندھی ٹائی آدھی کھلی ہوئی تھی، کوٹ کی استری خراب تھی، مگر وہ کسی بات کی پروہ کیے بغیر اسپتال میں داخل ہوتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ ICU کے پاس پہنچا تو شفیق اور شکیلہ کو اپنے سامنے پایا۔ ننھے آصف نے اس وقت شفیق کا ہاتھ تھاما ہوا تھا جب کہ شفیق کی گود میں روحیل موجود تھا۔ شکیلہ نے زین کو گود میں لیا ہوا تھا۔ بالاج دوڑتا ہوا اپنے دوست، اپنے سالے شفیق کے پاس پہنچا۔

''کیا ہوا شفیق؟ خیریت؟''

''پتا نہیں بس ڈاکٹر نے فون کر کے بُلایا ہے یہاں آئے تو پتا لگا کہ زہرا کو ICU میں لے گئے ہیں......'' شفیق نے بالاج کو دیکھ کر بتایا اور وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔

''پوپس۔''

ننھے روحیل کے منھ سے نکلا اور وہ بالاج نے تڑپ کر اُسے اپنی گود میں لیا۔

''آپ پریشان نا ہوں سب بہتر ہوگا۔''

شکیلہ نے پریشان ہو کر کہا۔ ننھا زین اُن کی گود میں رونے لگا۔

''ان شاءاللہ......ان شاءاللہ......''

بالاج کے منھ سے نکلا اور وہ سب باہر انتظار کرنے لگے۔ پندرہ منٹ بھی نا گزرے ہوں گے کے ICU کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آئے۔

''ڈاکٹر......اب کیسی ہے میری بہن؟'' شفیق نے آگے بڑھ کر پوچھا اور ڈاکٹر نے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ڈاکٹر؟ بتایئے کچھ۔'' بالاج نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''پندرہ منٹ سے زائد ہو گئے انھیں گزرے ہوئے۔''

ڈاکٹر کا جواب سُن کر شفیق پتھرا گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں دیوار سے لگ گیا۔ بالاج نے سر ہلایا۔

''ہاں پر اب کیسی ہے زہرا؟''

ڈاکٹر حیران ہو کر اُسے تکنے لگا اور دھیرے سے کہا۔

''بالاج......زہرا......نہیں رہیں۔''

بالاج صاحب نے سر ہلایا اور دھیرے سے کہا۔

''او کے اب ٹھیک ہے زہرا؟''

ڈاکٹر لا جواب ہو کر انھیں تکنے لگے۔شفیق نے آگے بڑھ کر بالاج کو تھاما اور اس نے چونک کر شفیق کی طرف دیکھا۔شفیق نے روتے ہوئے بالاج کو اپنے سینے سے لگا لیا۔شفیق کا گلے لگنا تھا کہ بالاج کو زبردست دھکّا لگا۔اُسے ہوش آیا کہ ڈاکٹر دراصل کیا کہہ رہا ہے۔بالاج پتھرائی ہوئی آنکھوں سے شفیق کو دیکھنے لگا:''کیا ہوا شفیق؟......کیا ہوا؟''شکیلہ تڑپ کر اُٹھی مگر شفیق خاموش رہا۔

''بالاج بھائی؟ کیا ہوا؟ آپ سب لوگ خاموش کیوں ہیں؟''شکیلہ نے تڑپ کر بالاج سے پوچھا مگر اُس کے پاس بھی کہنے کے لیے کچھ نا تھا۔

''ڈاکٹر......؟''شکیلہ نے پلٹ کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ڈاکٹر نے سر جھکایا اور کہا۔

''آپ لوگ اندر جا کر انھیں دیکھ سکتے ہیں بوڈی پھر سرد خانے میں بھجوا دیں گے۔''

یہ جملے شکیلہ کو توڑ کر رکھ گئے۔بالاج کا سر جھکتا چلا گیا،شفیق بینچ پر بیٹھ کر رو پڑا۔زہرا انھیں چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی۔شکیلہ بیگم دیوار سے لگ کر ہچکیوں سے رونے لگیں۔اب اور کچھ ہو بھی کیا سکتا تھا۔

بالاج،اپنے بیٹے روحیل اور زین کو گود میں لے کر ICU کی طرف بڑھے۔اپنے بچّوں کو لے کر وہ زہرا کے پاس پہنچے۔انھوں نے دیکھا۔نرسز اب اُن کی زوجہ کے جسم سے Medical wires اور Monitrong wires نکال رہے تھے۔نئ اور دھلی ہوئی سفید چادر برابر میں رکھی تھی۔زہرا کے چہرے پر سکون تھا،اطمینان تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ سو رہی ہیں۔بالاج پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنی بیوی کو دیکھنے لگے۔وہ اپنے بچّوں کو لپٹا کر رونے لگے۔

''سر ہم باڈی کو سرد خانے میں رکھ رہے ہیں اُس کے بعد ایمبولینس ارینج کرنے میں تھوڑا وقت لگ جائے گا۔''ایک Male-Nurse نے آ کر اُس سے بتایا۔

بالاج علی نے روتے ہوئے اُس نرس کو دیکھا۔

''بھائی جتنا وقت لینا ہے لے لو......میرا انتظار کرنے والی چلی گئی میرے پاس اب وقت ہی وقت ہے......اب وقت ہی وقت ہے۔''

یہ کہہ کر بالاج علی اپنے دو بیٹوں کو لپٹا کر روتا رہا۔نجانے کب تک نجانے کب تک۔

☆......☆

بالاج صاحب سکتے کے عالم میں اپنی یادوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔وہ ایک ایک لمحہ یاد کرتے چلے گئے۔چونک کرانھوں نے اپنی تنہائی کو دیکھا...... گہری خاموشی نے انھیں اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہر طرف سنّاٹا،اب تو ہواوں کا گزرنا بھی محسوس نا ہورہا تھا۔

بالاج صاحب نے آنسوؤں کو صاف کرکے زہرا بیگم کی تصویر کو تکنے لگے۔ہنستی، مسکراتی زہرا بیگم انھیں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''کبھی سوچا بھی نا تھا زہرا کہ ہماری کہانی اس طرح دوہرای جائے گی...... مجھے لگا یہ غم یہ درد بس ہمارے نصیب میں تا ہم اس کرب کوجھیل گئے......اس درد کو سہ گئے اور دعا یہی تھی کہ خدا دُشمن پر بھی یہ وقت نالائی......لیکن یہ وقت آیا......پھرلوٹ کرآیا......اور آج ہماری اپنی اولاد......اسی کرب اسی تکلیف سے گزر رہی ہے......کبھی سوچا نہ تھا زہرا......کہ اتنے سال گزرنے کے بعد ایک اور بالاج ٹوٹے گا...... ایک اور زہرااپنی زندگی کے لیےلڑے گی......کبھی نہیں سوچا تھا......کبھی نہیں......''

یہ کہ کر بالاج صاحب زاروقطار رونے لگے۔تصویر میں زہرا بیگم آج بھی مسکرارہی تھیں۔تنہا گھر میں، ویران گھر میں،اس خالی سے بنگلے میں اب صرف بالاج صاحب کی سسکیاں گُونج رہی تھیں۔

☆......☆

''روحیل صاحب اس سال مکمل ہونے پر ہمارے نمبرز میں کافی فرق آیا ہے۔لیٹیگیشن ڈپارٹمنٹ 10% فائدے میں رہا ہے۔جب کہ کورپوریٹ ڈپارٹمنٹ پہلے کی نسبت کافی بہتر ہوا ہےاور صرف 4% نقصان پر رہا ہے۔''

میٹینگ رُوم میں فاینینس ہیڈ نے خوش ہوکرروحیل کو بتایا اور کالاسوٹ پہنے ہوئے روحیل نمبرز پر غور کرنے لگا۔

''یہ 14% کس سیکٹر کے ہیں؟،ویسے تو مجھے میرے ہی سیکٹر کے لگ رہے ہیں۔''روحیل مسکرا کر کہااور دیگر پارٹنرز ہنسنے لگے۔

''نہیں سر،آپ کی ٹیم نے بہت محنت کی ہے ان مہینوں میں۔آپ کا سیکٹر 8% فائدے میں رہا ہے......''اکاونٹینٹ نے اُسے دیکھ کر بتایا۔

''اوکے تو پھر نقصان کسکو ہوا ہے؟''روحیل نے چونک کر پوچھا۔

''آفتاب صاحب کے سیکٹر کو۔''

اکاونٹینٹ نے مسکرا کر بتایا اور باقی شرا کتدار ہنسنے لگے۔

''چلیے روحیل صاحب آپ نے سال کے آخر میں آفتاب صاحب کو مات دے دی۔''ایک پارٹنر نے

ہنس کر کہا۔
''آفتاب کدھر ہیں؟'' روحیل نے پریشان ہو کر پوچھا۔
''انھوں نے آج میٹنگ نہیں جوائن کی۔ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔'' ایک پارٹنر نے جواب دیا۔
''بھئی %14 گھاٹے میں گئے ہیں پریشان تو ہوں گے۔'' ایک پارٹنر نے شوخ لہجے میں کہا اور سب مسکرانے لگے۔
''ٹھیک ہے چلیں میٹینگ برخاست کرتے ہیں، یہ رپورٹ مجھے اور بالاج صاحب کو ای میل کیجیے گا۔'' روحیل نے سوچتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
''بالکل سر۔''
اکاونٹنٹ نے سر ہلا کر کہا اور روحیل میٹنگ رُوم سے باہر نکلا۔ اُس کے قدم آفتاب کے دفتر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ روحیل نے اُس کے دروازے پر دستک دی۔
''کم اِن......'' اندر سے آفتاب کی آواز آئی۔
''السلام علیکم۔'' روحیل نے دروازہ کھول کر کہا۔
''وعلیکم السلام روحیل صاحب آیئے۔'' آفتاب نے خشک لہجے میں کہا اور اٹھ کر ہاتھ ملایا۔ روحیل ان کے سامنے بیٹھا۔
''کہیے کیسی طبیعت ہے مسز کی؟'' آفتاب نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔
''ابھی تک کوما میں ہی ہے، کوئی فرق نہیں۔'' روحیل نے جواب دیا۔
''میں سمجھ سکتا ہوں بڑا مشکل ہے یہ وقت گزارنا۔'' آفتاب نے دکھی لہجے میں کہا پھر پوچھ بیٹھا۔
''کہیے میٹنگ کیسی رہی؟''
''اچھی نہیں رہی، آپ %14 نقصان میں ہیں۔'' روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔
''چلیے آپ کو جیت مبارک۔'' آفتاب نے مسکرا کر جواب دیا۔
''نہیں آفتاب یہ میری جیت نہیں بلکہ ہم سب کا Loss ہے۔ آفتاب آپ ہمارے سب سے محنتی اور دانشور پارٹنر ہیں۔ آپ اگر پریشان ہیں یا آپ کا ٹارگٹ پُورا نہیں ہوتا تو یہ ہم سب کا Loss ہے......'' روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا اور آفتاب سر جھکا گیا۔
''کیا بات ہے آفتاب؟'' روحیل نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''کیا کہوں روحیل ٹارگٹ کے پیچھے دوڑتے دوڑتے بھول ہی گیا کہ فیملی کے بھی کچھ ٹارگٹس ہوتے ہیں جنھیں آپ نظر انداز کر دیں تو وہ پل کبھی پلٹ کر واپس نہیں آتے۔''

آفتاب نے دکھی لہجے میں یہ جملے کہے اور روحیل انھیں دیکھنے لگا۔

''میرے تین بچّے ہیں تینوں بیٹے ہیں ہم دونوں میاں بیوی کارپوریٹ وکیل ہیں تو ہمیں بچّوں کے ساتھ وقت بتانے کا وقت ہی نہ ملا کبھی میری مسز کام میں بیزی تھی، کبھی میں بزی بچوں کی طبیعت ان کے غم اُن کی خوشی ہم نے کبھی سوچی ہی نہیں بس اپنے اپنے ٹارگٹ کے پیچھے دوڑتے گئے۔ پھر ایک دن بڑے بیٹے نے پاوں میں درد کی شکایت کی اور پھر ہم اُسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے پتا چلا کہ بچّے کو Bone Cancer ہے......''

آفتاب کی بات سُن کر روحیل غمزدہ ہو کر سر جھکا گیا۔

''ڈاکٹرز نے بتایا کہ اگر ہم دو سال پہلے بھی لے آتے اور اُس کے درد کو نظر انداز نہ کرتے تو آج صورت حال کچھ مختلف ہوتی۔ لیکن ہم اپنے ٹارگٹس کی دوڑ میں بھول گئے کہ ہماری اولاد بھی موجود ہے۔ پچھلے تین مہینے سے ہر کام کو روک کر بس میں اپنی اولاد کے پیچھے دوڑے جا رہا ہوں دوڑے جا رہا ہوں آج جب میں اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں باتیں کر سکتا ہوں تو وہ مجھے پلٹ کر کچھ کہہ نہیں سکتا میرے ساتھ چل نہیں سکتا میرے ساتھ کھیل نہیں سکتا بس لیٹا رہتا ہے درد سہتا رہتا ہے ڈاکٹرز نے ٹریٹمنٹ شروع کر دیا ہے ان شا اللہ بہتر ہو جائے گا میرا بچّہ! لیکن میں آج سارے جہاں کی دولت حاصل کر کے بھی وہ وقت واپس نہیں لا سکتا جو میں نے کھو دیا۔''

آفتاب نے سوچتے ہوئے کہا اور روحیل نے سر جھکا لیا۔

''اس لیے آج جب میرا ٹارگٹ پورا نہیں ہوا......تو پرواہیں میں زیادہ وقت اپنے بچّے کے ساتھ بتا رہا ہوں یہی پل میرے لیے بہت ہیں۔'' آفتاب نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اور آپ اچھا کر رہے ہیں، سچ بات ہے کہ اپنوں کے ساتھ وقت بہت مشکل سے ملتا ہے اس دنیا میں ایسے بہت سے بدنصیب ہیں جنھیں اپنوں کا نا ساتھ مل سکا نا محبت اور کچھ ایسے بدنصیب بھی ہیں جنھیں ساتھ بھی ملا محبت بھی ملی لیکن وہ اُسے سنبھال نا سکے آخر میں سب کچھ گنوا گئے۔''

روحیل جیسے اپنے آپ سے کہتا گیا اور آفتاب اُسے دیکھنے لگا۔

روحیل نے سر جھکایا اور کہا۔

اس لا فرم کا Managing Partner ہونے کے ناطے میں یہ آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اور آپ کی ٹیم کو Bonuses ملیں گے ساتھ میں میں آپ کو چالیس دن کی چھٹی بھی دیتا ہوں۔''

روحیل کا حکم سُن کر آفتاب بُری طرح چونک گیا۔ اُس کا چہرا کھل اُٹھا۔

''تھینک یو روحیل تھینک یو سو مچ۔''

آفتاب نے اٹھ کر اُس سے ہاتھ ملایا۔ وہ اس لمحے کانپ رہا تھا۔

''تھینکس کی کوئی بات نہیں اپنے بیٹے کے ساتھ وقت بتائیں یہ پل آپ کے لیے انمول ہیں، بس ہو سکے تو میری زوجہ کے لیے دعا کیجیے گا کہیں سے کوئی معجزہ ہو اور وہ دوبارہ سے میری زندگی میں آجائے۔''

یہ کہتے ہوئے روحیل کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آفتاب نے ہاں میں سر ہلایا۔

جلد ہی وہ آفتاب کے دفتر سے نکل کر اپنے دفتر میں آکر بیٹھا اور گہری سوچ میں چلا گیا۔

ایک سرد جنگ جوان کے درمیاں نجانے کب سے چل رہی تھی آج وہ سرد جنگ ختم ہوئی۔ آفتاب کے دل میں روحیل کے لیے عزّت بڑھ گئی اور روحیل وہ بس وہی کر رہا تھا جو اس کی زوجہ نے اُس سے کہا تھا۔

''اگر آپ کی ٹیم میں کوئی کامیاب ہو رہا ہے تو اُسے شاباشی دیں اس کی تعریف کریں حوصلہ دیں تاکہ وہ آپ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چل سکے اور آپ کے لیے بہترین کام کر سکے۔''

سمیرا کے یہ جملے یاد کر کے روحیل کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

''تم نے مجھے بہتر انسان بنا دیا سمیرا...... بہتر انسان بنا دیا......''

یہ کہہ کر وہ دوبارہ اپنا کام کرنے لگا۔

☆......☆

ثمینہ ہال میں کتاب لیے ہوئے بیٹھی تھی لیکن نظریں کہیں اور ہی تھیں۔ کتاب سامنے کھلی ہوئی تھی لیکن اُس کے ذہن میں اس وقت صرف زین کا تصور تھا اور وہ سوچے جا رہی تھی کہ زندگی کس موڑ پر اور کہاں لے جا رہی ہے۔

ایسے میں کوثر اندر داخل ہوا تو ثمینہ کو اس طرح دیکھ کر چونکا۔ ثمینہ اس لمحے بالکل غائب تھی۔

''اس پر کوئی جادُو وادُو تو نہیں ہو گیا؟ ہمم میں سمجھ گیا۔''

کوثر نے اپنے آپ سے کہا اور دھیرے سے ثمینہ کی طرف بڑھا۔ ثمینہ کو ابھی تک کوثر کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کوثر نے دھیرے سے ٹیبل پر رکھا ہوا اخبار اٹھایا اور زور سے صوفے پر مارا!

''آوچ!''

ثمینہ بُری طرح چونکی! اور پلٹ کر دیکھا تو کوثر منہ بنا کے کھڑا ہوا تھا۔

''کوثر بھائی آپ؟'' ثمینہ کے منہ سے نکلا۔

''جی میں کیوں آپ کسی اور کے بارے میں سوچ رہی تھیں کیا؟'' کوثر نے اُسے چھیڑا۔

''نہیں نہیں نہیں تو۔'' ثمینہ گھبرا کر بولی۔

''اچھا؟ مجھے نہیں پتا تھا کے لوگ محبت کر کے جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ صاف صاف چہرے پر لکھا ہوا نظر آ رہا ہے کہ کسی کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔'' کوثر نے اترا کر کہا۔

''حد ہوتی ہے کوثر بھائی، آپ کو نا غلط فہمیاں بہت ہوتی ہیں۔'' ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

''مجھے غلط فہمی ہے اور نہ ہی خوش فہمی ہم تو ہمیشہ سچ بات کرتے ہیں اور سچ سُنتے ہیں۔'' کوثر نے صوفے پر بیٹھ کر کہا۔

''اتنے سچّے ہیں تو بن جائیں لیڈر!'' ثمینہ نے چڑ کر کہا۔

''سچ اور لیڈر! دو الگ الگ باتیں!'' کوثر نے منھ بنا کر کہا۔

''اچھا چلیں بتائیں، کیسے ہیں آپ؟'' ثمینہ نے بات گھماتے ہوئے پوچھا۔

''نہ نہ کوثر نے کچّی گوٹیاں تو کھیلی ہی نہیں ہیں۔ میں سب سمجھ رہا ہوں کہ جناب کس کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔'' کوثر نے مستی میں کہا۔

''آہستہ نا! خالو جان گھر پر ہیں۔'' ثمینہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''میری پیاری بہنا! یہ جو آپ کی صورت ہے نا! اس پر سب کچھ لکھا ہوا آ رہا ہے، اس کو پڑھنے کے لیے جن کی ضرورت نہیں ہیا اور ایک دن خالو جان بھی صاف صاف پڑھ لیں گے......'' کوثر نے چڑ کر کہا اور ثمینہ ہنسنے لگی۔

''بلکہ صرف تم نہیں، زین کی شکل پر بھی سب لکھا ہوا ہے۔'' کوثر نے ہنس کر کہا۔

''وہ تو دیوانہ ہے بالکل۔'' ثمینہ نے منھ بنا کر کہا۔

''آپ کا صرف آپ کا۔'' کوثر نے پیار سے کہا اور ثمینہ مسکرانے لگی۔

''تو بات وات آگے بڑھی؟ یا ابھی تک کچھ نہیں ہوا؟'' کوثر نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''کیا کہہ کر بات آگے بڑھائیں کوثر بھائی؟ سب ہی لوگ تین مہینے سے اس قدر پریشان ہیں ایسا لگتا ہے ہماری خوشیوں کو نظر لگ گئی۔'' ثمینہ نے فکر مند ہو کر کہا۔

''فکر نہیں کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

کوثر نے سوچتے ہوئے کہا اور ثمینہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ ایسے میں تہمینہ بیگم نیچے اُترتی ہوئی آئیں۔

''السلام علیکم چچی جان!'' کوثر نے انھیں دیکھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام کیسے ہو کوثر؟'' تہمینہ بیگم نے صوفے پر بیٹھ کر پوچھا۔

''میں تو ٹھیک ہوں لیکن آپ سب کے اُترے ہوئے چہرے دیکھ کر میری بھی شوخی نکل گئی ہے۔'' کوثر نے اُداس ہو کر کہا۔

''کیا کریں کوثر سمجھ نہیں آ رہا کہ اب کیا کریں۔'' تہمینہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔
''بھئی میں کہتا ہوں کہ ہمیں اچھا سوچنا چاہیے، ان شاءاللہ سمیرا ٹھیک ہو جائے گی، چچی ہم گھر پر دعائیں کروا لیتے ہیں۔'' کوثر نے تجویز پیش کی۔
''آنی میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی۔ قُران خوانی کرا لیتے ہیں آپی کے لیے بھی اور باجی کے لیے بھی۔'' ثمینہ نے اپنی آنی کو دیکھ کر کہا۔
''ہاں ٹھیک ہے شاید ایسے ہمیں کچھ قرار آئے۔'' تہمینہ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا۔
''رُکیں میں آپ سب کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''
ثمینہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کچن میں چلی۔ وہ کچن میں داخل ہوئی اور یہ دیکھ کر چونک پڑی کے نزرل منھ پر کپڑا رکھ کر رو رہا تھا۔
''نزرل بابا؟ یہ آنسو؟''
ثمینہ نے حیران ہو کر پوچھا اور نزرل آنسو پوچھ کر کام کرنے لگا۔
''کیا بات ہے نزرل بابا؟ کیا ہوا؟'' ثمینہ نے فکرمند ہو کر پوچھا۔
''کچھ نہیں ہوا ثمینہ بی بی جو ہونا تھا ہو گیا سمیرا بی بی خاموش پڑی ہیں بستر پر اب اس کے بعد اور کیا ہو سکتا ہے بھلا۔'' نزرل رونے لگا۔
''بابا ہم سب دعا کر رہے ہے نا ان کے لیے۔'' ثمینہ نے روتے ہوئے کہا۔
''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ثمینہ بی بی ہم غریبوں کے پاس اب دعاوں کے سوا ہے بھی کیا۔'' نزرل بابا رونے لگے اور ثمینہ کا دل بیٹھنے لگا۔
''آخری بار جب سمیرا بی بی کا چہرا دیکھا تھا وہ ہنس رہی تھیں مسکرا رہی تھیں سوچا بھی نا تھا کہ وہ آخری بار دیدار ہوگا۔'' انھوں نے روتے ہوئے کہا۔
''آپ کو ملنا ہے سمیرا باجی سے؟'' ثمینہ نے اُس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔
''ارے نہیں بی بی یہ بڈھا مر جائے گا سمیرا بی بی کو اس حال میں دیکھ کر۔'' نزرل نے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔
''نزرل بابا......''
کوثر کی آواز نے اُن دونوں کو پلٹنے پر مجبور کیا۔ دونوں نے دیکھا کوثر اور تہمینہ بیگم بھی کچن میں موجود ہیں۔
''نزرل بابا ہم سب کا کا دل بیٹھ جاتا ہے، سمیرا کو اس طرح دیکھ کر لیکن جب سمیرا ہوش میں آئے

گی نا تو اُسے کس قدر خوشی ہوگی یہ جان کر کہ آپ بھی اس کی تیمارداری کے لیے آئے تھے۔'' کوثر نے پیار سے کہا۔

''ہاں نزرل سمیرا کی خاطر چلو، اُسے بہت اچھا لگے گا۔''

تہمینہ بیگم نے بھی روتے ہوئے کہا۔ نزرل بابا نے سب کو ایک نظر دیکھا اور سر جھکا کر کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے میں چلوں گا۔''

☆......☆

اسپتال کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ زین اور زارا نے دروازے کی طرف دیکھا تو تہمینہ بیگم اور ثمینہ نزرل بابا کو لے کر کمرے میں داخل ہورہے تھے۔ نزرل کانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا، شاید اس کی ہمّت نہیں تھی سمیرا کو اس حال میں دیکھنے کی۔ زین اور زارا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوئے۔ نزرل کی نظر سمیرا پر پڑی تو وہ بلبلا کر رو پڑا! سمیرا کے منہ پر اوکسیجن ماسک لگا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں مکمل طور پر بند تھیں۔ چہرے پر تکلیف ابھی بھی نمایاں تھی۔

''سمیرا بی بی۔''

نزرل سمیرا کے قدموں کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔

سب کا دل بھاری ہوگیا، ثمینہ، زارا، تہمینہ بیگم ہر ایک کی آنکھ اشک بار تھی۔ زین اور کوثر بھی حوصلہ نہ کر پائی۔

''کس قدر بدنصیب ہیں ہم جو تیرے غم کو سمجھ نہ سکے، سمیرا کی تکلیف کو نہ سمجھ سکے ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا...... تیرے خلوص میں تو کبھی کوئی کمی نہیں تھی بس ہم ہی سمجھ نہ سکے......''

نزرل نے روتے ہوئے کہتا گیا اور سب نے سر جھکا لیا۔ کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ثمینہ اس لمحے سب سے زیادہ رو رہی تھی۔ نزرل بابا اور کوثر اُس کے سب سے اچھے دوست تھے اور وہ نزرل کو اس طرح تڑپتے ہوئے دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ نزرل نے اپنی جیب سے صدقے کے پیسے نکالے اور سمیرا کے ماتھے پر رکھے۔

''چل اُڑ جا او پولیا پنچھیا...... تیرا کوئی نہیں پردیس میں...... تیری بولی نہیں کوئی جانتا تجھے اپنا نہیں کوئی مانتا بیگانوں کی بستی چھوڑ کے...... غیروں سے ناطے چھوڑ کے چل اُڑ جا او پولیا پنچھیا تیرا کوئی نہیں پردیس میں......''

نزرل نے سمیرا کا صدقہ اُتارا اور ہچکیوں سے رونے لگا۔ ثمینہ سے یہ دیکھا نا گیا اور وہ بھاگ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ کمرے سے نکل کر ثمینہ اسپتال کی گیلری سے جا لگی اور زار و قطار رونے لگی۔ وہ

اپنی بہن کے لیے تڑپ رہی تھی، ٹوٹ رہی تھی۔

ایسے میں اُس کے کندھوں پر زین نے ہاتھ رکھا اور ثمینہ پلٹ کہ اُسے دیکھا تو زین کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ ثمینہ نے اُس کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ زین بھی اس لمحے اپنے آنسوؤں کو سنبھال نا پایا، اُس کا دل بھی خون کے آنسو رو رہا تھا۔

بالاج صاحب ضروری میٹنگز اور کلائنٹ بزنس پر اسلام آباد میں تھے۔ روحیل کے اوپر دفتر کی مکمل ذمے داری آ چکی تھی۔ وہ دن دفتر میں گزار کر رات بھر اسپتال میں رہتا، ساڑھے تین مہینے سے اُس کا یہی معمول تھا۔ کچھ دن بعد روحیل دفتر سے گھر کی طرف آیا تو اُس کے گھر کے گارڈ نے اُسے روکا۔ روحیل نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔

''سلام صاب۔'' گارڈ نے آ کر سلام کیا۔

''کیا ہوا؟ کیا خبر ہے؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''صاب سلطان جس شخص سے ملنے اُس گلی میں جاتا تھا آج وہ بڈھا چلتا ہوا دروازے پر آ گیا تھا۔'' گارڈ نے بتایا۔

''شوکت۔'' روحیل کے منھ سے نکلا۔

''بہت چلّا رہا تھا چھوٹی بی بی کے لیے بہت غلط باتیں بول رہا تھا۔'' گارڈ نے پریشان ہو کر کہا۔

''کیا بولا اُس نے؟'' روحیل نے خشک لہجے میں پوچھا اور گارڈ خاموش ہو گیا۔

''بتاؤ کیا کہا اُس نے؟'' روحیل نے دوبارہ پوچھا۔

''چھوٹا منھ بڑی بات صاحب پر وہ بولا سالی کب تک چھپے گی ایک نہ ایک دن اُسے باہر آنا پڑے گا۔''

گارڈ کے یہ جملے سُن کر روحیل کا خون کھول گیا! اور اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ غصے سے اس نے گاڑی کے اسٹیرینگ کو کس کے پکڑ لیا۔ اب برداشت کی حد ہو چکی تھی اور شوکت کہ جہنم رسید کرنے کا وقت آ چکا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی کو ریورس گیئر پر ڈالا اور پھر پُوری رفتار پر چھوڑ دیا۔ اس کی منزل اندھیری نگر تھی۔ وہ بنا ٹریفک کی پروا کیے گاڑی دوڑاتا گیا۔ جلد ہی روحیل وہاں پہنچا۔ اُس کا خون اب تیزی سے گردش کر رہا تھا اور دماغ نے کام کرنا بند کر دیا۔ گاڑی روک کر اس نے ڈیش بورڈ کھولا اور لوڈ ہوئی گن نکال کر پینٹ کے پیچھے لگائی۔ اب وہ گاڑی سے اُتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہر طرف عجیب قسم کے لوگ موجود تھے۔ عجیب سی عورتیں اور مرد اُسے گھور کر دیکھ رہے تھے لیکن روحیل کو ابھی کسی کی پروا نہیں تھی۔ وہ چلتا ہوا ایک پان والے کے پاس گیا۔

''شوکت کہاں ملے گا؟'' روحیل نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ پان والے نے اُسے غور سے دیکھا۔

''یہاں تو کوئی شوکت نہیں ہے۔''

روحیل نے اپنی جیب سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اُسے دیا۔

''ڈرو مت وہ مجھ سے ہی پیسے لے کر جوا کھیلتا ہے اور شراب پیتا ہے، مجھے اُس سے کچھ کام ہے بس۔'' روحیل نے جواب دیا اور پان والے کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ اس نے پانچ ہزار کا نوٹ لیا۔

وہ سامنے ڈبّو کی دُکان ہے نا، اُدھر بھی قائد اعظم دکھا دینا اندر لے جائے گا آپ کو شوکت وہیں دھت پڑا ہوا ملے گا......''

روحیل نے اُسے ایک اور پانچ ہزار کا نوٹ دیا اور دُکان کی طرف بڑھا۔ وہ دُکان پر پہنچا تو اس نے ڈبّو کی کئی ٹیبلیں لگی دیکھیں، اندر کی طرف ایک کمرا تھا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔

''جی صاب؟ کیا چاہیے؟'' کاونٹر پر آدمی نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''دیسی دارُو ملے گی؟'' روحیل نے اُسے بنا دیکھے پوچھا اور وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

''بہت دن ہوئے دیسی نہیں ملی۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''شکل سے تو آپ انگریزی کے شوقین لگتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''کبھی کبھی ذائقہ بدلنا پڑتا ہے۔''

روحیل نے کندھے اُچکا کر کہا اور پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اس کو دیا۔

دو پل روحیل کو دیکھنے کے بعد اس نے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ روحیل سب پر ایک نظر ڈال کر اندر کی طرف چل پڑا۔ چادر ہٹائی تو دیکھا اندر ایک کمرا اور موجود ہے۔ روحیل نے اُس کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور اُسے قریب پندرہ سولا سال کی ایک لڑکی کا چہرا نظر آیا۔ روحیل نے اندر دیکھا تو اُسے کئی شرابی دھت پڑے ہوئے نظر آئے۔ چھت پر لگا پُرانا پنکھا کبھی بھی ٹوٹ کے گر سکتا تھا، کمرے کے فرش پر لکڑی کی میزیں لگی ہوئی تھیں اور دیواروں پر بالی وُوڈ کی ہیروئنز کے پوسٹر چسپاں تھے۔ روحیل نے نظر دوڑائی اور اُسے شوکت نظر آ گیا۔ وہ بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خون اُترا اور وہ دھیرے دھیرے شوکت کی طرف بڑھنے لگا۔ شوکت اُس سے بالکل بے خبر شراب پینے میں مصروف رہا۔ روحیل دھیرے دھیرے اُس کے قریب ہونے لگا، یہاں تک کے وہ اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ شوکت نے کسی کی موجودگی کو محسوس کیا تو منہ بنا کر بولا۔

''حساب بعد میں کرنا!''

اُس کے یہ الفاظ صحیح سے ادا بھی نا ہوئے کہ روحیل نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک

زبردست مکّا اُس کے منہ پر مار دیا۔شوکت الٹ کر میز پر گرا!اور دھت شرابی ادھر اُدھر گرے۔

''کون حرامزادہ ہے۔''شوکت چلایا۔

''تجھ سے بڑا حرامزادہ اور کون ہوسکتا ہے۔''

روحیل نے غرّا کر کہا اور اُسے اٹھا کر پھر ایک مکّا مارا۔اس بار شوکت اُڑ کر دیوار سے لگا۔

''داماد جی!آپ!''شوکت کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

''ہاں میں!''

روحیل نے دانت پیس کر یہ جملے کہے اور ایک مُکّا پھر جڑھ دیا۔شوکت کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ ایک ہی لمحے میں دارُوخانے میں کچھ مرد داخل ہوئے اور غرّا کے بولے۔

''پکڑ اس سالے کو!''

بجلی کی طرح روحیل نے اپنی گن نکالی اور اُن کی طرف تان دی۔وہ ٹھٹھک کر رُکے۔

''خبردار اگر ایک قدم بھی کسی نے آگے بڑھایا!......قسم سے یہیں ٹھوک دوں گا سب کو!''

اس کی غراہٹ سُن کر سب بے غیرت پیچھے ہٹنے لگے۔روحیل نے اپنی گن لوڈ کی اور شوکت کی طرف تان دی۔شوکت کی آنکھوں میں خوف دوڑ آیا۔

''مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ شوکت!''روحیل نے دانت پیس کر کہا اور ٹریگر دبانے لگا۔

''نہیں نہیں۔''

شوکت خوف میں چلّا اٹھا!تب ہی فرّاٹے سے گولی چلی!اور شوکت تڑپ کر رہ گیا لیکن یہ کیا؟گولی اُسے نہیں لگی۔وہ تڑپ کر اپنا جسم دیکھنے لگا اور پھر چونک کر روحیل کی طرف۔روحیل اس وقت دروازے کی طرف تک رہا تھا۔گولی کسی اور نے نہیں ایس ایچ او وسیم نے چھت کی طرف چلائی تھی۔

''روحیل!نہیں۔اپنے ہاتھوں کو خون سے مت رنگوں!مت کرو یہ......''

وسیم نے فکرمند ہو کر اُسے سمجھایا۔

''وسیم چلے جاؤ یہاں سے۔''روحیل نے غرّا کر کہا۔

''روحیل یہ پُورا جواخانہ اس وقت پولیس کی زد میں ہے۔ہم تب سے یہاں موجود ہیں جب سے تم نے مخبری کی ہے تم نے اگر شوکت کو قتل کیا تو اس قتل سے بچ نہیں سکو گے۔''

وسیم نے اُسے سمجھایا اور روحیل گن تانے ہوئے شوکت کا چہرا دیکھنے لگا۔

''اپنا نہیں تو کم از کم زین کا سوچو!اُسے تمھاری ضرورت ہے،اُسے اپنے بڑے بھائی کی ضرورت ہے پلیز رُک جاؤ اپنی بیوی کی خاطر رُک جاؤ۔''

وسیم نے پریشان ہو کر اُسے سمجھایا اور روحیل کا ہاتھ ڈھیلا پڑنے لگا۔ موت ایک پل کی دوری پر تھی لیکن روحیل چاہتے ہوئے بھی شوکت کو جہنم نہیں بھیج سکتا تھا۔ اُس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا روحیل پیچھے ہوا۔

''سب انسپکٹر صاب ان سب کو حراست میں لو!''

وسیم نے شکر خدا کر کے اپنے نائب کو اشارہ کیا اور پولیس کے کارندے سب کو پکڑ نے لگے۔ دو بندوں نے آکر شوکت کو بھی پکڑ کر اٹھایا۔ وسیم چلتا ہو روحیل کی طرف آیا۔ روحیل اس وقت میز پر بیٹھ کر رونے لگا تھا۔ وسیم نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور روحیل اُس کے سینے سے لگ کر رونے لگا۔ وسیم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

جوے خانے کے باہر اب پولیس موبائل گاڑیاں موجود تھیں اور موحلہ خالی ہو چکا تھا۔ جوے خانے سے نا صرف شراب بلکہ اسلحہ بھی بھاری تعداد میں پکڑا گیا۔ پولیس ایک ایک کر کے سب شرابیوں کو گاڑی میں بٹھا رہی تھی۔ روحیل وسیم کے ساتھ باہر آیا اور اس نے دیکھا دو کانسٹبل شوکت کو گاڑی میں بٹھا رہے ہیں۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اُن کو احساس نہیں ہوا کہ شوکت کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے، اس نے ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے ایک کانسٹبل کی جیب سے گن نکالی اور دوسرے کو دھکّا دے کر چلایا۔

''کوئی نہ ہلے! کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!

شوکت کی اس حرکت سے سب پولیس والے دھک سے رہ گئے۔

وسیم اور روحیل بھی چونک کر پیچھے ہٹے!

''سالو! ایک ایک کو بھون دوں گا! میں پہلے بھی جیل جا چکا ہوں دوبارہ نہیں اب دوبارہ نہیں۔''

شوکت بوکھلا کر چلایا۔

''شوکت یہ بیوقوفی مت کرو!''

روحیل نے چلّا کر اُسے سمجھایا اور اس نے گولی روحیل کی طرف چلا دی! نشانہ چونکا اور روحیل بال بال بچا! شوکت گولی چلا کر بھاگ نکلا! روحیل، وسیم اور دیگر پولیس والے اُس کے پیچھے دوڑے۔ اس عمر میں بھی شوکت کی بھاگنے کی رفتار بہت اچھی تھی، اُسے پکڑنے میں ان کو دُشواری ہونے لگی۔ شوکت اندھا دھن بھاگے جا رہا تھا، رستے میں جو کچھ اُس کے سامنے آتا وہ اُسے گراتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ وسیم، روحیل کے ساتھ تین سپاہی اور ان کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔ وہ اُس پر گولی نہیں چلانا چاہ رہے تھے، اُن کا مقصد اُسے صحیح وسلامت پکڑنا تھا۔

''رک جاؤ شوکت! بے قوفی مت کرو!''

وسیم نے اُسے روکنا چاہا لیکن شوکت نے پلٹ کر گولی چلا دی! وہ سب نیچے گرے! گولی کسی کو نہ لگی۔

وہ سب دوبارہ اٹھ کر شوکت کے پیچھے دوڑ پڑے۔ شوکت بھاگتا ہوا مرکزی سڑک پر آ گیا تھا۔ وہ دائیں اور بائیں جانب دیکھنے لگا، یہی وہ لمحہ تھا جب روحیل اُس کے سر پر پہنچ گیا!

شوکت نے پلٹ کر روحیل کو دیکھا۔

اچانک دائیں طرف سے آتے ہوئے ایک ٹرک نے اپنے پہیوں سے شوکت کو کچل دیا۔

''شوکت......!''

روحیل خوف کے عالم میں چلایا! خون کی کئی چھینٹیں اُس پر آئیں! ٹرک گزرتا چلا گیا اور شوکت بُری طرح تڑپنے لگا۔

☆......☆

دوپہر دو بجے کے قریب گورنمنٹ اسپتال کے سامنے ٹیکسی رُکی۔ زارا، ثمینہ اُتر کر اسپتال کے اندر چلیں۔ ہر طرف لوگ ہی لوگ اور مریض ہی مریض موجود تھے۔ زارا اور ثمینہ چلتی ہوئی آپریشن تھیٹر کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ کچھ ہی قدم چلی ہوں گی کے اُن کی نظر روحیل پر پڑی۔ اس کی سفید شرٹ خون میں تر تھی اور وہ کھڑا ہوا انسپکٹر وسیم سے بات کر رہا تھا۔ ثمینہ اور زارا حیران رہ گئے۔ وہ دونوں روحیل کی طرف چل پڑیں۔ روحیل نے اُن کی طرف دیکھا تو سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔

''روحیل بھائی۔''

ثمینہ دوڑ کر روحیل کے سینے سے لگی اور اس نے ثمینہ کو اپنے گلے سے لگایا۔ زارا چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔

''جاو زارا اپنے باپ کو آخری بار دیکھ لو۔''

روحیل کے جملے سُن کر زارا اور ثمینہ حیرت زدہ رہ گئے، وہ دونوں چلتی ہوئیں آپریشن تھیٹر میں داخل ہوئیں۔ وسیم اور روحیل سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ زارا دھڑکتے دل کے ساتھ اندر کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے دیکھا کئی ڈاکٹرز اور نرسز ایک مریض کے اردگرد ہیں۔ زارا قریب ہوئی تو وہ پیچھے ہٹے۔ دوسرا ہی لمحہ ثمینہ کو تھرّا گیا۔ شوکت کے دونوں پاوں اور ایک ہاتھ کُچل چکا تھا۔ سر پھٹا ہوا تھا اور اُس کے منہ سے مستقل خون بہہ رہا تھا۔ وہ بس کچھ پل کا مہمان تھا۔ شوکت نے پلٹ کر زارا کی طرف دیکھا۔

''زارا۔'' اُس کے منہ سے نکلا۔

''نہیں ابّا! مت لو اپنی گندی زبان سے میرا نام تم نہ کبھی ہمارے قابل تھے نہ امی کے تم تو ایک شیطان تھے اور شیطانوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں......'' زارا نے روتے ہوئے کہا۔

''ماف......معافی۔'' وہ مشکلوں سے بولا۔

''کس بات کی معافی ابّا؟ امی کی جان لے لی اس پر معاف کروں؟ سمیرا کو برباد کر دیا اس پر معاف کروں؟ سمیرا نے مشکلوں سے اپنے لیے کچھ خوشی کو ڈھونڈا تم وہاں بھی ناگ بن کر پہنچ گئے، رہ گئی ثمینہ تو اسے بھی برباد کرنا ہے؟...... مجھے بتاو ابّا کس بات کی معافی مانگ رہے ہو تم......؟''

زارا نے روتے ہوئے کہا اور شوکت کی سانسیں تیز ہونے لگیں۔

''کاش! کاش تم مر ہی جاتے تو اچھا ہوتا کاش ہم بچپن سے ہی یتیم ہوتے کم از کم تمھارے نام کی فاتحہ تو پڑھ سکتے تھے......اب تو تمھاری شکل پر صرف لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے صرف لعنت۔''

زارا روتے ہوئے کہتی گئی اور شوکت کی سانس تیز ہونے لگیں۔اس کی آنکھوں کی پُتلیاں اوپر کی طرف جانے لگیں۔ڈاکٹرز اُس کو دیکھنے لگے۔زارا اور ثمینہ ایک قدم پیچھے ہو گئی ں۔جلد ہی شوکت کی سانسیں تھمیں اور اُس کا جسم سرد پڑھ گیا۔ایک ڈاکٹر نے اُس کے منھ پر چادر ڈالی اور زارا کی طرف دیکھنے لگا۔زارا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے باپ کی لاش کو تکنے لگی۔ثمینہ روتے ہوئے اپنا سر جھکا گئی۔

دونوں بوجھل قدموں سے آپریشن تھیٹر سے باہر نکلیں تو روحیل کو دیکھا۔وہ بیٹھا ہوا اُنہی کا انتظار کر رہا تھا۔روحیل نے انھیں دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ثمینہ روتی ہوئی روحیل کے سینے سے لگی۔زارا بے جان قدموں سے چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔

''روحیل بھائی ہم یتیم ہو گئے۔'' ثمینہ نے روتے ہوئے کہا۔

''نہیں ثمینہ یتیم تو تم اُس دن ہوئی تھیں جب تمھاری ماں اس دنیا سے چلی گئی تھی وہی تمھاری ماں تھی وہی تمھاری والد تھی جس شخص کو تم مرتے ہوئے دیکھ کر آئی ہو وہ تمھارا باپ نہیں تھا کبھی بھی نہیں......''

روحیل کہتا گیا اور ثمینہ روتی رہی۔روحیل نے ثمینہ کا چہرا تھاما۔

''جاؤ ثمینہ جیو اپنی زندگی...... اب کوئی کسی کو بلیک میل نہیں کرے گا...... اب کبھی تم لوگوں کا ماضی پلٹ کر واپس نہیں آئے گا آج سے تم آزاد ہو ہم سب آزاد ہیں......شادی کرو اپنا گھر بساو......اپنے شوہر سے خوب سارا پیار کرو گھوموں پھرو خوش رہو......بس یہی دعا ہے میری......یہی دعا ہے......''

یہ کہہ کر روحیل رو پڑا اور ثمینہ اُس کے گلے لگ گئی۔زارا بھی سر جھکا کر رو رہی تھی۔

''چلو زارا......گھر چلیں۔''

روحیل نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور وہ دونوں اُس کے ساتھ چل دیں ایک نئے مستقبل کی طرف ایک نئی روشنی کی طرف شوکت کا باب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا۔

☆......☆

یہاں تک یاد کر کے روحیل رُک گیا وہ پُوری کہانی یاد کرتا گیا......اُس دن سے لے کر جب سمیرا نے

کراچی میں قدم رکھا اور اب تک ہونے والے سارے حالات وہ سب کچھ یاد کرتا چلا گیا۔

سب کچھ یاد کر کے وہ سمیرا کی طرف دیکھنے لگا۔ سمیرا بے جان جسم کے ساتھ پڑی ہوئی تھی۔ روحیل نے اُس کا ہاتھ تھاما اور کہنے لگا۔

''آج چھ مہینے ہو گئے...... تمھیں اسی طرح سوتے ہوئے...... تمھارے روحیل نے تمھارے اوپر ہوئے ہر زخم کا بدلا لے لیا سمیرا...... کاش ایک بار ایک بار تم اپنی آنکھیں کھول کر یہ دیکھ سکو ایک بار...... صرف ایک بار......''

یہ کہہ کر روحیل رو پڑا اور سمیرا کے ہاتھ پر سر رکھ لیا۔ مگر اُس کے رونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سمیرا کوما میں تھی جہاں سے واپسی قریب قریب ناممکن تھی ناممکن۔

☆......☆

زارا بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ برابر میں بیٹھے ہوئے اُس کے شوہر آصف نے اُس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ شکیلہ بیگم اُن دونوں کے سامنے سر جھکائے موجود تھیں۔

''آج تین مہینے ہو گئے ابا کو مرے ہوئے اور میرے ہاتھ اُس کے لیے دعا کرنے کے لیے بھی نہیں اُٹھتے......'' زارا نے روتے ہوئے کہا اور آصف نے اُس کا ہاتھ سہلایا۔

''میرا باپ جانوروں سے بدتر تھا...... جانوروں سے بدتر۔'' زارا یہ کہہ کر رونے لگی۔

''زارا مجھے اندازہ ہے کہ تمھارے اوپر کیا گزر رہی ہے...... لیکن جو بھی ہوا وہ قصہ تمام ہوا اب ایک نئی زندگی...... تمھاری گود میں آرہی ہے بیٹا۔'' شکیلہ بیگم نے پیار سے کہا۔

''ہاں زارا ہمارا بیٹا جب اس دنیا میں آئے گا ہم اُسے بے حد پیار اور محبت دیں گے وہ پیار اور محبت جو شاید تمھیں نہ مل سکی لیکن ہم اپنی اولاد کو پیار اور محبت ضرور دیں گے......''

آصف نے پیار سے یہ جملے کہے اور زارا روتے ہوئے سوچنے لگی۔

''زارا میں نے دیکھا ہے لوگوں کے گھر کس طرح بکھر جاتے ہیں جب گھر میں شوکت جیسا باپ موجود ہو بچّے بکھر جاتے ہیں مرجھا جاتے ہیں اندر ہی اندر مر جاتے ہیں لیکن اللہ کا کتنا خاص کرم ہے آج ثمینہ محفوظ ہے تمھیں محبت کرنے والا سسرال ملا تمھیں تمھاری اولاد ملی...... اللہ کا شکر جتنا بھی کریں کم ہے......'' آصف نے دھیرے سے کہا۔

''اور سمیرا؟'' زارا نے روتے ہوئے اپنے شوہر کو دیکھا اور آصف لاجواب ہوگیا۔ وہ سر جھکا کر خاموش رہا۔

''سب بہتر ہوگا...... سمیرا پر بھی اللہ اپنا خاص کرم کردیں بچی ہنستی کھیلتی واپس آجائے اور ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔'' شکیلہ بیگم نے دعا کرتے ہوئے کہا۔

''آج چھ مہینے ہوگئے سمیرا کو کوما میں رہتے ہوئے۔'' زارا نے روتے ہوئے کہا۔

''سب بہتر ہوگا۔'' آصف نے پیار سے کہا اور اُسے دلاسا دینے لگا۔

ایسے میں شفیق صاحب نے دروازہ کھولا۔

''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟''

''جی ڈیڈی آیئے۔'' آصف نے اخلاق سے کہا اور شفیق صاحب آکر بستر پر بیٹھے۔

''کیسی طبیعت ہے ہماری بہورانی کی؟'' انھوں نے پیار سے پوچھا۔

''آپ ہی سمجھائیں اسے، نا کچھ کھا رہی ہے نا پی رہی ہے۔ Delivery بھی اب کبھی بھی ہوسکتی ہے۔'' شکیلہ بیگم نے پریشان ہوکر کہا۔

''زارا بیٹے اتنی ہمّت والی ہو تم تو ہمارا بہادر بیٹا ہو۔'' شفیق صاحب نے پیار سے کہا۔

''اور تم اس طرح ٹوٹ جاوگی تو ثمینہ کا کیا ہوگا؟'' شکیلہ بیگم نے بھی پیار سے کہا۔

''ثمینہ بھی خاموش ہوگئی ہے پہلے کی طرح بالکل نہیں چہک رہی۔''
شفیق صاحب نے فکرمند ہوکر کہا۔

''سب ہی مایّوس ہیں دل سے۔'' شکیلہ بیگم نے پریشان ہوکر کہا۔

''امی مایّوسی گناہ ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ تھوڑا اطمینان رکھیں اور خدا سے بہتری کی دعا کریں۔ جو سمیرا کے حق میں بہتر ہو وہ ہو بس۔'' آصف نے اُن سب کو دیکھ کر کہا۔

''آصف ٹھیک کہہ رہا ہے شکیلہ میں سوچ رہا ہوں کہ کل ہم اشرف بھائی کی فیملی کو کھانے پر بُلاتے ہیں۔ کھانے سے پہلے سمیرا کی صحت کی دعا بھی کرلیں گے۔ زین اور کوثر کو بھی بُلالیں گے۔ بالاج تو ابھی ملک سے باہر ہے۔'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر کہا۔

''ہاں پھوپھا صاحب تو کام کے سلسلے میں باہر ہیں۔'' آصف بڑبڑایا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے زین اور روحیل کو بھی بُلا لیتے ہیں۔ سب کے ساتھ بیٹھیں گے تو دل بہل جائے گا اُن کا بھی۔'' شفیق صاحب نے تجویز پیش کی۔

''رات کو روحیل تو شاید نہ آئے، وہ اسپتال میں رُکتا ہے رات بھر۔''

آصف نے سوچتے ہوئے بتایا۔

''کچھ دیر کے لیے کھانا کھا کر واپس چلا جائے گا، اس دوارن کوئی اور رُک جائے گا۔'' شفیق صاحب نے تجویز پیش کی۔

''ہاں ٹھیک ہے کل بُلا لیتے ہیں۔'' شکیلہ بیگم نے سر ہلا کر کہا۔

''ثمینہ بھی خاموش خاموش سی ہے اُسے بھی چھکنے کا تھوڑا وقت مل جائے گا...... تھوڑی مایوّسی ختم ہوگی۔'' شفیق صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔ ایسے میں نتاشہ اندر داخل ہوئی۔

''امی بھائی کو بولیں مجھے پیسے چاہیے۔''

وہ آکر اپنی ماں سے لپٹی۔

''ابھی ایک ہفتے پہلے ہی تمھیں پیسے دیے ہیں موٹی!'' آصف نے اُسے گھورا۔

''کون سے زیادہ تھے ختم ہوگئے۔'' نتاشہ نے منھ بنا کر کہا۔

''یا اللہ نتاشہ! پانچ ہزار اُڑا دیے تم نے!'' آصف نے حیران ہو کر کہا۔

''پانچ ہزار سے کیا ہوتا ہے، ہزار تو UBER والا ہی لے لیتا ہے۔'' نتاشہ نے منھ بنا کر کہا۔

''ارے بھائی مجھ سے لے لو کتنے چاہیے۔'' شفیق صاحب نے بٹوہ نکالتے ہوئے کہا۔

''آپ سے بعد میں لوں گی۔'' نتاشہ نے مزے میں کہا۔

''ہیں وہ کیوں؟'' شفیق صاحب نے چونک کر پوچھا۔

''تاکہ میرا ڈبل فائدہ ہو!'' نتاشہ نے مستی میں کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''آصف! چلیں نکالیں پیسے۔'' زارا نے مسکرا کر کہا۔

''لو بھائی یہ لو پانچ ہزار اور! نیکسٹ ٹائم ڈیڈی کو لوٹنا!''

آصف نے پیسے نکالتے ہوئے کہا اور نتاشہ خوش ہوگئی۔

''بڑی ہو جاؤ اب۔'' شکیلہ بیگم نے اُسے گلے لگا کر کہا۔

''جب چھوٹو آئے گا تو خود بخود بڑی ہو جاؤں گی۔'' نتاشہ نے مزے سے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''تو پھر میں اشرف کو فون کر دوں؟'' شفیق صاحب نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''جی میرے خیال سے کر دیجیے۔''

شکیلہ بیگم نے ہاں میں سر ہلایا اور شفیق صاحب موبائل نکال کر اشرف صاحب کو فون کرنے لگے۔

☆......☆

اگلی رات حسبِ معمول روحیل اسپتال میں موجود تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے اور وہ سر جھکائے

سمیرا کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ماموں نے فون کر کے کھانے پر آنے کے لیے کہا تھا لیکن روحیل نے معذرت کی۔ شفیق صاحب نے اس کی معزرت قبول کی لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ وہ کوثر کے ہاتھ کھانا اسپتال ہی بھجوائیں گے اور روحیل کو پیٹ بھر کر کھانا کھانا ہوگا۔ یہ سُن کر روحیل مسکرا کر رہ گیا۔ سارے رشتہ دار اس وقت شفیق صاحب کے گھر پر موجود تھے، صرف وہ اپنی تنہائی کے ہمراہ اس وقت اپنی بیوی کے پاس موجود تھا۔ سمیرا آنکھیں بند کیے اُسی طرح لیٹی تھی، اک لمحے کے لیے بھی اُس کے جسم میں جنبش نہ ہوئی۔ روحیل اُسے تکتا رہا، خالی خالی نظروں سے اُس کا چہرا دیکھتا رہا۔

ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

''کم ان۔''

روحیل نے کہا اور دروازہ کھلا۔ اس نے دیکھا اسپتال کی نرس اندر داخل ہوئی ہے۔

''مسٹر روحیل آپ کو ڈاکٹر امجد اپنے دفتر میں بُلا رہے ہیں۔''

''اوکے سسٹر جب تک میں ڈاکٹر کے پاس ہوں آپ یہاں سمیرا کے پاس رُک سکتی ہیں؟'' روحیل نے اُس سے گزارش کی۔

''مسٹر روحیل مریضہ نے چھ مہینے سے کروٹ تک نہیں لی کچھ دیر کے لیے اکیلی ہو جائیں گی تو کیا فرق پڑ جائے گا۔'' نرس نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جانتا ہوں۔''

روحیل نے جواب دیا اور پلٹ کر سمیرا کا چہرا دیکھ کر کہا۔ ''لیکن میں نہیں چاہتا کہ سمیرا کو بعد میں یہ پتا لگے کہ میں اُسے ایک پل کے لیے بھی تنہا چھوڑ کر گیا تھا۔''

''اوکے مسٹر روحیل میں یہیں رُکتی ہوں۔''

نرس نے مسکرا کر کہا اور وہ چلتی ہوئی سمیرا کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

''تھینکس۔''

روحیل نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اٹھ کے ڈاکٹر کے دفتر کی طرف چلا۔ جلد ہی وہ ڈاکٹر امجد کے دفتر پہنچا اور دستک دی۔

''آیئے۔'' اندر سے آواز آئی اور روحیل اندر داخل ہوا۔

''کیسے ہیں روحیل صاحب؟'' ڈاکٹر نے امجد نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''بالکل ٹھیک۔'' روحیل نے جواب دیا اور ان کے سامنے بیٹھا۔

''روحیل صاحب......میں آپ سے......آپ کی مسز کے حوالے سے کھل کر بات کرنا چاہوں گا......

یہ بہت اچھی بات ہے کہ مریضہ وینٹیلیٹر پر نہیں ہیں لیکن اس کے علاوہ...... چھ مہینے سے انھوں نے کوئی Positivity نہیں دکھائی۔'' ڈاکٹر امجد کے بات سُن کر روحیل کا دل ڈوبنے لگا۔

''میرا خیال ہے آپ انھیں اپنے گھر ہی لے جائیں اب تو زیادہ بہتر ہے۔''

ڈاکٹر امجد نے پیار سے کہا۔

''مطلب آپ اپنی طرف سے اب کچھ نہیں کر سکتے؟''

روحیل نے ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔

ڈاکٹر امجد سوچنے لگے اور کہا۔

''ہم یہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے گھر پر ہی ایسا سیٹ اپ بنا دیں جہاں آپ کی مسز کو ضرورت کی ہر چیز حاصل ہو۔ ڈرپ اسٹینڈ، آکسیجن، یورین بیگ، سب کچھ موجود ہوگا۔ ہم دو نرسز کی ڈیوٹی بھی لگا سکتے ہیں۔ روحیل صاحب...... مریضہ اب مکمل طور پر کومہ میں ہیں دن، ہفتہ، مہینہ سال، دس سال نجانے کب وہ کوما سے پلٹیں اُس میں بھی اگر مریضہ کا دل صحتمند ہوتا تو شاید کوئی چانس تھا لیکن مریضہ کو اس قدر زبردست ہارٹ اٹیک آیا ہے کہ ہوش آنے کے بعد وہ زیادہ چل نہیں سکتیں دوڑ تو بالکل نہیں سکتیں عموماً لوگ انتقال کر جاتے ہیں ایسی صورت حال میں...... بہتر یہی ہے کہ اب آپ کمرہ خالی کر دیں اور انھیں گھر پر ہی رکھیں......''

ڈاکٹر امجد کی بات سُن کر روحیل پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جو تھوڑی بہت اُمید کی کرن بھی تھی وہ بجھ چکی تھی۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ڈاکٹر کو تکنے لگا۔ کتنا آسان تھا ان کے لیے یہ خبر سُنانا اور کتنا ہی مشکل تھا اس حقیقت کو سمجھنا۔ روحیل کا دل بجھ گیا، اُس کا حال، اُس کا مستقبل تاریک ہو گیا۔ وہ ہار گیا۔ بامشکل اس نے اپنے لبوں کو جنبش دی۔

''ٹھیک ہے۔''

''تھینک یو آپ صبح تک چیک آؤٹ کر دیں گے؟'' ڈاکٹر امجد نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''جی۔'' روحیل نے سرد لہجے میں جواب دیا اور کہا۔

''کیا اب میں جا سکتا ہوں؟''

''بالکل۔ تھینک یو روحیل صاحب۔''

ڈاکٹر امجد نے اُٹھ کر اُس سے ہاتھ ملایا اور روحیل ان کے دفتر سے باہر نکلا۔ اُس کے قدم بھاری ہو رہے تھے اور چہرے پر مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر نے دبے لفظوں میں اُسے سمجھا دیا ہے کہ وہ سمیرا کو کھو چکا ہے۔ جو دعائیں وہ کر رہا تھا حقیقت اُس کے بالکل مختلف تھی۔

بوجھل قدموں سے چلتا ہوا وہ کمرے میں لوٹا تو نرس کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ایک بار پھر کمرے میں بلا کی خاموشی، سمیرا کا درد اور روحیل کی تنہائی موجود تھی۔ وہ اپنی بیوی کا چہرا تکتا رہا۔سمیرا کے ہاتھ، پاوں، چہرے پر کسی قسم کی کوئی جنبش نہیں تھی۔

سمیرا کے بیجان جسم کو تکتے رہنے کے بعد، روحیل پاس والی کُرسی پر بیٹھا اور ایک بار پھر سمیرا کو تکنے لگا۔ پچھلے چھ مہینے سے یہی ایک مصروفیات اس کی زندگی میں تھی، اُس کا چہرا تکنا اس کے علاوہ اس کی زندگی میں اب کچھ نا تھا۔سمیرا خاموش اور ایک مُردہ جسم کی طرح بستر پر موجود تھی۔

روحیل نے گہرا سانس لیا۔

''تمھیں پتا ہے سمیرا؟ امی کا جنازہ جب اٹھا ماموں کا بہت بُرا حال تھا ماموں جان جیسے ختم ہو گئے دیگر رشتہ دار ماتم کر رہے تھے دکھ کر رہے تھے جوان موت تھی ذہن قبول نہیں کرتا......لوگوں نے ماتم کی...... اور چلتے چلے گئے......لیکن ایک شخص...... جو ٹوٹ کر بکھر گیا تھا وہ بالاج علی تھا مگر مگر اُس شخص نے...... اپنے چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا مضبوطی سے جنازہ اٹھایا لوگوں سے پُرسہ بھی قبول کیا......امی کو قبر میں بھی لٹایا قبر کی مٹی بھی ڈالی اور پلٹ کر اپنے قدموں سے چل کر گھر واپس بھی آیا......رات بھر مجھے اور زین کو اپنے سینے سے لگا کر ہمیں حوصلہ دیتا رہا کہ تمھارا باپ زندہ ہے تمھاری ماں اس باپ کے اندر زندہ ہے......مجھے اور زین کو کبھی......کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی......اپنا سب کچھ سب کچھ ہم پر لگا دیا...... کیوں کہ ہم......اپنی امی کی دولت تھے اُن کی آخری نشانی تھے ان کے جینے کا مقصد تھے......''

روحیل کہتا رہا اور سمیرا خاموش بستر پر پڑی رہی۔

''لیکن مجھے بتاؤ نا سمیرا میرے پاس کیا ہے جینے کے لیے؟ میرے پاس کیا نشانی ہے تمھاری؟ جس کے سہارے میں جی لوں؟ میرے پاس ہے ہی کیا...... مجھ جیسا غریب کوئی نہیں......کوئی نہیں سمیرا...... کوئی نہیں۔''

یہ کہہ کر روحیل رو پڑا۔کمرے میں اُس کے رونے کی آوازیں گُونجنے لگیں۔خاموشی نے اُسے اپنے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں سمیرا اگر تم میری زندگی میں نہیں تو کوئی نہیں میں تمھارے سر کی قسم کھاتا ہوں میں اب کبھی شادی نہیں کروں گا کبھی کسی کو اپنی زندگی میں قدم رکھنے نہیں دوں گا تمھارے جانے کے بعد ہو سکا تو اپنی زندگی بھی ختم کر دوں گا کیوں کہ...... کیوں کہ اب کچھ بچا نہیں سمیرا...... اب کچھ بچا نہیں......''

یہ کہہ کر روحیل زار و قطار رونے لگا۔اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔روشنی کی کوئی

صورت نہیں۔ روحیل تڑپ کر اُٹھا! اور سمیرا کے شانوں کو تھام کر چلایا۔

''لوٹ آؤ سمیرا!...... لوٹ آؤ!...... پلیز لوٹ آؤ!...... میں مر جاؤں گا تمھارے بنا!...... میں نہیں سنبھال سکتا سب کچھ اکیلا!...... مجھ میں بالاج علی جیسی طاقت نہیں ہے...... مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ اُس بوڑھے شخص کو سنبھال سکوں مجھ میں طاقت نہیں ہے...... کہ زین کو سنبھال سکوں! تمھیں واپس آنا ہوگا سمیرا! تمھے واپس آنا ہوگا!......''

روحیل اُس کے شانوں کو پکڑ کر ہلانے لگا مگر سمیرا کے جسم میں جنبش تک نا ہوئی۔

''میں تمھیں واسطہ دیتا ہوں! اپنی محبت کا! ہمارے ہمارے اس ادھورے رشتے کا!...... ہماری گزری ہوئی اچھی یادوں کا! سمیرا تمھیں آنا پڑے گا! تمھیں آنا پڑے گا!''

روحیل چلّاتا رہا مگر سمیرا بے ہوش رہی!

''آ جاؤ سمیرا!...... اب واپس آ جاؤ پلیز میں بہت تھک گیا ہوں میں ہاتھ جوڑتا ہوں تمھارے سامنے پلیز آ جاؤ!...... پلیز! پلیز!'' روحیل چلّا اُٹھا مگر سمیرا ہلی تک نہیں۔

''یا اللہ!...... یا اللہ!...... یا اللہ!'' روحیل سر اُٹھا کر زاروقطار رونے لگا۔ وہ ٹوٹ گیا تھا، وہ ختم ہو گیا تھا، وہ ہار گیا تھا!

''رو.... روحیل؟''

روحیل کے بہتے آنسو اک دم سے رُکے وہ سکتے میں آ گیا...... اُس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا اُس کے کانوں نے صاف سُنا تھا...... سمیرا نے اُسے پُکارا ہے...... سکتے کے عالم میں اس نے سمیرا کی طرف دیکھا! اور جیسے اُس کا جسم سُن ہو گیا......

سمیرا نے اپنی آنکھیں کھولی ہوئی تھیں اور وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔

دو پل روحیل اسی حالت میں اُسے دیکھنے لگا۔ سمیرا کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ چھت کو تک رہی تھی۔

''سمیرا!...... سمیرا!'' روحیل تڑپ کر اُس کے پاس آیا۔

''روحیل...... روحیل......''

سمیرا بُری طرح گھبرا رہی تھی اُس کا سانس تیز ہو رہا تھا۔ روحیل نے مونیٹر اسکرین پر دیکھا، دل کے دھڑکن کی رفتار 150 کے قریب تھی۔

''ڈاکٹر؟ ڈاکٹر! داکٹر!......''

روحیل چلایا اور جلد ہی نرس اندر داخل ہوئی! سمیرا کو ہوش میں دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

''پلیز ڈاکٹر کو بُلائیں پلیز! جلدی!''

روحیل نے چلّا کر کہا اور وہ اُلٹے قدم دوڑ لگا گئی۔

''سمیرا سمیرا میں ہوں میں ہوں۔''

روحیل نے روتے ہوئے کہا اور سمیرا اُسے دھڑکتے دل کے ساتھ دیکھنے لگی۔

''روحیل؟''

''ہاں سمیرا میں ہوں میں ہوں تمھارے پاس۔'' روحیل نے اُس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

''روحیل۔'' سمیرا زار وقطار رونے لگی۔

''نہیں ششش نہیں روتے نہیں ایسے ایسے نہیں روتے......''

روحیل نے روتے ہوئے اُسے تھاما۔

جلد ہی ڈاکٹرز کی ٹیم اندر داخل ہوئی اور سمیرا کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ڈاکٹر امجد نے فوراً آگے بڑھ کر کہا۔

''Pulse بہت زیادہ ہے۔''

یہ کہہ کر ڈاکٹر امجد نے جلدی سے کہا۔

''Beta Blockers کا انجکشن ریڈی کریں جلدی۔''

نرس نے پھرتی سے انجکشن تیار کیا اور ڈاکٹر امجد کو دیا۔ سمیرا نے کس کے روحیل کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

''مسٹر روحیل پلیز۔''

ڈاکٹر امجد نے اُسے پیچھے ہٹنے کے لیے کہا اور روحیل سر ہلا کر پیچھے ہٹا پر سمیرا نے اُس کے بازو کو پھر سے تھام لیا۔

''سمیرا میں یہیں ہوں میں کہیں نہیں جا رہا میں پاس ہی ہوں اوکے۔''

روحیل نے پیار سے اُسے سمجھایا اور سمیرا نفی میں سر ہلانے لگی۔

''سمیرا میرا وعدہ ہے میں یہیں ہوں ڈاکٹر نے آپ کا چیک اپ کرنا ہے، کہیں نہیں جا رہا میں یہیں موجود ہوں......''

سمیرا کو کچھ ڈھارس ہوئی اور اس بار اس نے اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ روحیل کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی سمیرا اپنے ہوش وحواس میں تھی۔ ڈاکٹر بھی روحیل کو دیکھ کر مسکرایا اور انجکشن لگانے لگا۔ سمیرا کا ہارٹ ریٹ کنٹرول ہونے لگا۔ روحیل کمرے سے باہر نکلا اور تڑپ کر فوراً اپنے ماموں کا فون نمبر ملایا۔

شفیق صاحب کے گھر سب بیٹھے ہوئے ادھر اُدھر کی باتوں میں اپنا وقت بتا رہے تھے۔ دل تو کسی کا بھی نہیں لگ رہا تھا لیکن کیا کر سکتے تھے، زندگی جینے کا نام ہے اس لیے جی رہے تھے۔ خواتین بھی حال

میں موجود تھیں اور سب ہی خاموش سے تھے۔ کہ ایسے میں شفیق صاحب کا فون بجا۔ شفیق صاحب نے نام پڑھا۔

''روحیل فون کر رہا ہے۔''

سب چونک پڑے اور شفیق صاحب کی طرف دیکھنے لگے۔

''یا اللہ۔'' تہمینہ بیگم کے منھ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

شفیق صاحب نے فون اٹھایا۔

''ہاں روحیل؟ خیریت؟''

''ماموں! ماموں! سمیرا کو ہوش آ گیا ہے۔'' روحیل نے انتہائی خوشی کے عالم میں بتایا۔

''صحیح بتاؤ!'' شفیق صاحب اُچھل پڑے!

''جی ماموں اُسے ہوش آ گیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔'' روحیل نے خوشی کے عالم میں کہا۔

''ہم آ رہے ہیں۔ اوکے بس ہم لوگ نکل رہے ہیں۔''

شفیق صاحب نے جوشیلی آواز میں کہا اور فون بند کر کے اعلان کیا۔

''سمیرا کو ہوش آ گیا ہے۔''

"Yeah!!!"۔

زین اور کوثر اُچھل پڑے! ثمینہ خوشی سے اُچھل پڑی! اشرف صاحب اور تہمینہ بیگم نے آنکھیں بند کر کے شکر ادا کیا۔

''ڈیڈی کیا کہا روحیل نے؟'' آصف نے خوشی سے پوچھا۔

''کہہ رہا ہے سمیرا بالکل ٹھیک ہے اپنے ہوش و حواس میں ہے۔'' شفیق صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

''یا اللہ تیرا کرم!'' اشرف صاحب نے شکر ادا کیا۔ شکیلہ بیگم نے تہمینہ بیگم کو گلے لگا یا۔

''چلیں ابھی چلتے ہیں اسپتال!'' زین نے جوش میں کہا۔

''میں سب سے آگے بیٹھوں گی۔'' ثمینہ نے مچل کر کہا۔

''اُس سے کیا ہوگا؟'' زین نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہم جلد پہنچوں گی۔'' ثمینہ نے خوش ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''ثمینہ...... حد ہوتی ہے۔''

کوثر نے پیر پٹخ کر کہا اور سب ایک بار پھر ہنسے۔

''زارا تم یہیں رکو ہم لوگ ہو کر آتے ہیں۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں۔ مجھے اپنی بہن سے ملنا ہے۔'' زارا نے جذباتی ہو کر کہا۔

''زارا لیکن تمھاری تبیعت۔'' آصف نے پریشان ہو کر کہا۔

''نہیں مجھے سمیرا سے ملنا ہے میں اُسے چھوڑوں گی نہیں۔ کیا سمجھتی ہے وہ اپنے آپ کو میں اُسے نہیں چھوڑوں گی۔''

زارا نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سب ہی سمیرا کے لیے تڑپ رہے تھے۔ ایسے میں کوثر نے ہاتھ چلا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں آصف کچھ ہوا تو اسپتال ہی جا رہے ہیں مسئلہ نہیں ہو گا۔''

کوثر کی بات سُن کر سب ہنس پڑے۔

☆......☆

پندرہ منٹ کے اندر اندر سب کے سب اسپتال پہنچ گئے اور چلے سیدھے سمیرا کے کمرے کی طرف۔ اسپتال کا استقبال بھی پریشان رہ گیا اتنے سارے لوگوں کو اندر جاتے دیکھ کر مگر وہ انھیں روک نہ سکے۔ سب کے سب سمیرا کے کمرے کے پاس پہنچے تو روحیل کو ٹہلتے ہوئے پایا۔ وہ بھی ان کو دیکھ کر سب کی طرف بڑھا۔ روحیل سب سے پہلے اپنے ماموں سے ملا پھر اشرف صاحب سے۔

''روحیل! کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟'' آصف نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

''ابھی اندر ہی ہیں...... چیک اپ کر رہے ہیں۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''وہ بات کر رہی ہے؟'' تہمینہ بیگم نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''جی آنی! سمجھ بھی رہی ہے اور جواب بھی دیا، ہم سب کی دعائیں سن لی گئی ہیں۔'' روحیل نے خوش ہو کر بتایا۔

''یا اللہ! تیرا کرم ہے۔'' شکیلہ بیگم کے منھ سے نکلا۔

''ڈاکٹر نے مجھے جانے کے لیے کہا تو میں پلٹا لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روک لیا۔ میں نے سمجھایا کے میں باہر ہی ہوں تو مجھے جانے دیا، وہ سب سمجھ رہی ہے۔'' روحیل نے خوشی کے عالم میں بتایا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' اشرف صاحب نے خوشی سے کہا۔

''بس ڈاکٹر باہر آئیں تو مزید پتا چلے۔''

روحیل نے خوشی سے کہا اور اسی لمحے ڈاکٹر باہر آئے۔

''ڈاکٹر صاحب کیسی طبیعت ہے؟'' شفیق صاحب مچل کے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''شکرانہ پڑھیے معجزہ ہوا ہے۔''

ڈاکٹر نے ہنس کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"میں نے اپنے کیریئر میں ایسا معجزہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا کم از کم۔" ڈاکٹر مسکرا کر کہنے لگے۔

"کیسی طبیعت ہے اس کی؟" تہمینہ بیگم نے تڑپ کر پوچھا۔

"گھبرائی ہوئی ہیں کافی لیکن نارمل ہو جائیں گی۔ ہم نے ابھی انجیکشن لگا کر کنٹرول کر لیا ہے لیکن آہستہ آہستہ بہتر ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"شکرِ خدا۔" سب کی ملی جلی آوازیں آئیں۔

"کیا ہم اندر جا سکتے ہیں؟" زارا نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"جی بالکل لیکن ایک ایک کر کے جائیں تو زیادہ بہتر رہے گا، مسٹر روحیل آپ میرے ساتھ آئیں پلیز۔"

ڈاکٹر کی بات سُن کر روحیل ڈاکٹر کے ساتھ چل پڑا۔ آصف بھی روحیل کے ساتھ چلا۔ جب کہ سب ایک ساتھ کمرے میں گھسے۔ کسی نے ڈاکٹر کی ایک نا سُنی۔ سب سے پہلے تہمینہ بیگم اور زارا سمیرا کے پاس بڑھیں۔ سمیرا خالی نظروں سے چھت کو دیکھ رہی تھی۔

"سمیرا! میری بچّی!" تہمینہ بیگم نے اُس کے ماتھے پر پیار کیا۔

"آنی۔" سمیرا تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

"کتنا پریشان کر دیا ہم سب کو! ایسا کوئی کرتا ہے بھلا؟"

تہمینہ بیگم نے روتے ہوئے کہا اور سمیرا انھیں دیکھ کر رونے لگی۔ وہ زارا اور ثمینہ کو دیکھ کر بولی۔

"آپی ثمینہ......"

دونوں بہنیں اُس کے گلے لگیں اور رونے لگیں۔ تینوں لپٹ کر روئے جا رہی تھیں اور سب کھڑے ہوئے ان کو دیکھ رہے تھے۔

"سمیرا بیٹے۔" اشرف صاحب کی آواز نے سمیرا کو چونکا دیا۔

"ایسا کون کرتا ہے بیٹا؟ تم نے تو ہماری جان ہی نکال دی۔"

اشرف صاحب نے روتے ہوئے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور سمیرا رونے لگی۔ کمرے میں سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"آپی۔" سمیرا کے منہ سے نکلا۔

"بولو سمیرا؟" زارا نے اُس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔

"زین زین کدھر ہے؟" سمیرا نے مشکل سے پوچھا۔

”ارے! یہ کھڑا ہے پیچھے! دیوار سے ٹیک لگائی، زین؟ آؤ بھابھی بُلا رہی ہے۔“
تہمینہ بیگم نے آواز دی لیکن زین سر جھکائے کھڑا رہا۔
”زین بھابھی بُلا رہی ہے۔“ کوثر نے آواز دی اور زین نے نفی میں سر ہلایا۔
”زین! ادھر آؤ میرے پاس۔“
سمیرا نے تکلیف کے عالم میں اُسے پکارا اور زین رو پڑا۔
”اپنی ماں کے پاس نہیں آؤ گے؟“
سمیرا کے یہ الفاظ زین کو تڑپا گئے! اور وہ دوڑ کر اپنی بھابھی کے گلے لگا!
”بہت ستایا بھابھی آپ نے!...... بہت زیادہ!“
زین مستقل روئے جا رہا تھا اور سمیرا اُس سے گلے لگ کر رونے لگی۔ سمیرا نے اُس کا چہرا دیکھا اور پوچھ بیٹھی۔
”لائسنس؟“
زین روتے ہوئے مسکرایا۔
”جی مل گیا ہے لائسنس۔“
”میرا بچّہ۔“
سمیرا نے اُس کے گالوں پر ہاتھ پھیرا اور اُسے سینے سے لگایا۔ اسی لمحے روحیل اندر داخل ہوا اور یہ منظر دیکھ کر رو پڑا۔ زین کو اس کی ماں دوبارہ مل گئی تھی۔ یہ سچ تھا سمیرا زین کو اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر سب رو پڑے کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس میں آنسو نہ ہو لیکن دل سے سب بے حد خوش تھے۔ سمیرا واپس آ چکی تھی۔

زین نے اپنے والد کو جب یہ خبر دی کہ سمیرا ٹھیک ہو گئی ہے تو بالاج صاحب گوروں کے سامنے خوشی سے مکّا لہرا کر رہ گئے اور گورے حیران ہو کر انھیں دیکھنے لگے۔ بالاج صاحب نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دوبارہ میٹنگ میں مصروف ہو گئے۔ سب ہی کے چہروں پر رونق واپس آ گئی۔ سمیرا کی واپسی اُن سب کے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھا اور وہ خدا کا جتنا شکر ادا کریں وہ کم تھا۔

☆......☆

اگلے روز شام چار بجے روحیل پہلے کی طرح اپنی ہیوی بائیک دوڑاتا ہوا اسے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اس لمحے بے حد خوش تھا۔ اسی طرح اُڑتا ہوا وہ اسپتال میں داخل ہوا، اُس کے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا اور وہ ناچتا گاتا سمیرا کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی وہ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے دیکھا

سمیرا کے ساتھ اس وقت تہمینہ بیگم اور شکیلہ بیگم موجود تھیں۔ سمیرا اس وقت بستر پر ٹیک لگا کر جوڑا باندھے ہوئے بیٹھی ہوئی تھی۔

''گڈ آفٹر نون۔'' روحیل مسکرا کر پھولوں کا گلدستہ لیے اندر داخل ہوا۔

''آیئے آیئے! پتی دیوداس صاحب۔'' تہمینہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''کیسی ہیں ہماری بیگم؟'' روحیل نے مسکرا کے سمیرا کو دیکھ کر پوچھا۔

''دیکھ لیجیے آپ کے سامنے ہیں۔ سات مہینے بعد بچّی نے کچھ کھایا تو چہرے پر رونق لوٹ آئی۔'' تہمینہ بیگم نے سمیرا کو پیار کہا اور وہ مسکرانے لگی۔

''میں تو کہتی ہوں کہ بالاج بھائی کے آنے سے پہلے اسے کھلا کر ایسا ہٹا کٹا کردو کہ پہلے سے بھی زیادہ پیاری لگے۔'' شکیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''اب یہ ذمے داری ہمارے روحیل میاں کی ہے۔'' تہمینہ بیگم نے ہنس کر کہا۔

''آپ بے فکر رہیں آنی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا پھر کہا۔

''ویسے آصف نے پیغام دیا ہے کہ وہ زارا کو لے کر اسپتال جا رہا ہے۔ Delivery آج ہی ہوجائے۔''

''چلو پھر ہم لوگ بھی وہیں چلتے ہیں، آصف تو باولا ہے اس کی کچھ سمجھ نہیں آئیگا۔''

شکیلہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا اور وہ سب ہنسنے لگے۔

''میں آؤں گی جلد اور کچھ چاہیے ہو تو میسج کرنا۔''

تہمینہ بیگم نے پیار سے سمیرا سے کہا اور وہ مسکرانے لگی۔

ان کے جانے کے بعد روحیل نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور پلٹ کر اپنی بیوی کو دیکھا۔ سمیرا تھکی تھکی مسکراہٹ سے اُسے تک رہی تھی۔ وہ مستی میں چلتا ہوا اُس کے پاس آیا اور پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔

''پھول آپ کے لیے تازے تازے۔''

''شکریہ۔''

سمیرا نے دھیرے سے کہا اور پھول لیے۔ روحیل کُرسی پر بیٹھا اور مسکرا کر اُسے دیکھنے لگا۔

''میں کتنے دن کومہ میں رہی؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''قریب قریب سات مہینے۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''آپی کے ہاں بچّہ ہو رہا ہے کاش میں اس وقت ان کے ساتھ ہوتی۔'' سمیرا نے حسرت سے کہا۔

''ارے بابا کوئی بات نہیں، کوئی ایک بچّہ تھوڑی نا ہوگا۔ اگلے بچّے کی ولادت پر چلیں گے ہم ناچتے

گاتے۔‘‘

روحیل نے ہاتھ ہلا کر یہ جملے کہے اور سمیرا ہاں میں سر ہلانے لگی۔

’’میری وجہ سے......سب بہت پریشان ہو گئے ہوں گے نا؟‘‘

’’تمھاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا، اپنے دل پر بوجھ نہیں لو، کوئی انسان جان بوجھ کر اپنا ایسا حال نہیں کرتا۔ ہاں مگر سب ہی پریشان تھے۔ یونس اور زین تو جیسے مسکرانا ہی بھول گئے تھے۔ ثمینہ کی باتیں اور کوثر بھائی کی چھیڑ چھاڑ ایسا لگا جیسے سب ہی کچھ تھم گیا۔ حتیٰ کہ نزرل بابا تک تمھیں دیکھنے کے لیے آئے سب تمھارے لیے بہت پریشان تھے۔‘‘ روحیل نے اُسے دیکھ کر بتایا۔

’’میں نے سب کو پریشان کیا۔‘‘ سمیرا نے غمگین ہو کر کہا۔

’’اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں۔‘‘ روحیل نے پیار سے کہا۔

’’روحیل میں میں۔‘‘

سمیرا کچھ کہنے لگی پر روحیل نے اُسے روک دیا۔

’’جو ہو گیا سو ہو گیا...... بیتا وقت گزر گیا ہے، اب اُن باتوں کو سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم آج بھی میرے لیے وہی سمیرا ہو جو ہمیشہ سے تھیں اور ہمیشہ رہو گی۔‘‘

روحیل نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

’’کاش! کاش ایک بار تم مجھے سب کچھ پہلے بتا دیتیں پھر تم دیکھتیں کہ میں تم پر آنچ تک آنے نہیں دیتا میں پیار کرتا ہوں تم سے اور یہ کوئی مذاق کی بات نہیں ہے بس اب آنے والے وقت میں......تم سے صرف ایک التجا ہے بھروسہ رکھو مجھ پر اور کچھ نہیں۔‘‘

روحیل نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور سمیرا نظریں جھکا گئی۔

ایسے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک موٹی نرس اندر داخل ہوئی۔

’’مس سمیرا روحیل بالاج کا رُوم یہی ہے؟‘‘

اس نے کرخت لہجے میں پوچھا اور روحیل سیدھا ہو کر کہنے لگا۔

’’ہاں جی۔‘‘

’’میں نے آپ سے پوچھا؟‘‘ وہ تنک کر بولی۔

’’جی؟‘‘ روحیل چونکا۔

’’میں نے آپ سے نہیں مریضہ سے پوچھا ہے۔‘‘ وہ منھ بنا کر بولی۔

’’جی جی میں ہی ہوں۔‘‘ سمیرا نے بھی گھبرا کر جواب دیا۔

ابھی پچھ دیـ ـر پہلے ا ـلک نوجوان کو کی
''شکر اللہ کا اس ـ مار صحیح کمرے میں آئی Vasactomy
Surgery کے لیے دھکیل کر آ گئی۔ بعد میں پتا لگا اُس بیچارے کو تو پتھری تھی۔''

وہ اندر آتے ہوئے اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی اور روحیل، سمیرا حیران ہوکر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''چلیے میڈم کپڑے بدلنے ہیں آپ کے۔'' وہ منہ بنا کر سمیرا کے پاس آئی۔

''میں باہر رُکتا ہوں۔'' روحیل نے پیار سے کہا اور جانے لگا۔

''ایک منٹ آپ ان کے کون ہیں؟'' اس نے پلٹ کر پوچھا۔

''میں۔'' روحیل گڑبڑایا۔

''یہ شوہر ہیں میرے۔'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر جواب دیا۔

''پھر آپ رُکیے، آیئے ادھر۔''

موٹی نرس نے جیسے روحیل کو حکم دیا اور وہ گڑبڑا کر سمیرا کو دیکھنے لگا۔ سمیرا بھی اس لمحے پریشان ہوئی۔

''نرس! میں باہر ہی رُکتا ہوں۔'' روحیل نے سنبھل کر کہا۔

''اسے پکڑیے۔''

نرس نے جیسے اس کی بات سُنی ہی نہیں اور نیا اسپتال کا ایڈریس روحیل کے ہاتھوں میں دیا۔ روحیل گڑبڑا کر ایڈریس کو دیکھنے لگا۔

نرس آگے بڑھی اور سمیرا کی کمر سے ڈریس کا بند کھول دیا۔ اس نے تیزی سے سمیرا کی بانہوں سے ڈریس نکالا اور روحیل دھک سے رہ گیا۔ آج پہلی بار اس نے سمیرا کو اس طرح دیکھا تھا۔ دوسیر طرف سمیرا نے فوراً اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے اور گھبرا کر نظریں جھکا گئی۔ موٹی نرس کپڑے اُتار کر باتھ روم کی طرف بڑھی۔ سمیرا شرم سے لال ہورہی تھی۔ دوسری طرف روحیل بھی ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ رہا تھا۔ دونوں کے دل بُری طرح دھڑکنے لگے۔ سمیرا نے آہستہ آہستہ لحاف اپنے سینے پر لیا اور روحیل منہ پھیر کر کھڑا ہوا مگر، نگاہیں اس کی سمیرا پر ہی تھیں۔ یہ بات سمیرا بھی سمجھ رہی تھی۔

موٹی نرس واپس آئی اور روحیل کو گھور کر دیکھا۔

''شوہر صاحب یہ پہنانا بھی ہے۔''

''اوہ سوری۔''

روحیل نے ہاتھوں میں لیے ڈریس کو دیکھا اور بوکھلا کر سمیرا کی طرف بڑھا۔ سمیرا نے گھبرا کر اپنے بازو بڑھائے اور روحیل نے اُسے ڈریس پہنایا۔ سمیرا نے جلدی سے ڈریس پہن کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

موٹی نرس واش رُوم سے نکل کر آئی اور سمیرا کی کمر پر ڈریس کے بند باندھنے لگی۔ کچھ ہی پل میں وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ روحیل اور سمیرا خاموش ہو گئے۔ دہکتی سانسوں کو محسوس کرتے رہے۔ سمیرا نے چہرا دوسری طرف کیا ہوا تھا جب کہ روحیل اپنا موبائل دیکھنے میں لگ گیا۔ اس خاموشی کو سمیرا نے ہی توڑا۔

''روحیل؟......''

''ہاں؟ ہاں کہو؟'' وہ چونک کر بولا۔

''بابا کہاں ہیں؟'' سمیرا نے دھیرے سے پوچھا۔

''ہاں؟ ہاں وہ ہم نے اُسے جیل بھیج دیا اُس کے کارنامے یہاں بھی کھل گئے تھے تو عمر قید ہوئی ہے۔''

روحیل نے گڑبڑا کر بہانہ بنایا۔ شوکت کی ڈیتھ ہو گئی ہے یہ خبر سمیرا کو دینا فی الحال مناسب نہیں تھا۔

''کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟'' سمیرا چونک کر مُڑی۔

''تم کس کی بات کر رہی ہو؟'' روحیل نے چونک کر پوچھا۔

''بابا؟ ہمارے بابا؟''

سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا اور روحیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں اور دانت پیس کر بڑبڑایا۔

''موٹی نرس!''

''آپ نے کیا کہا؟ باباّ جیل میں ہیں؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اہمم...... ہاں ہاں انھیں جیل ہو گئی ہے اور بہتر یہی تھا کہ انھیں جیل ہو جائے۔'' روحیل گڑبڑا کر سمیرا کے پاس آ کر کہا پھر کہنے لگا۔

''جیلوں میں بھی کیٹگریز ہوتی ہیں...... جس جیل میں وہ ہیں وہاں کوئی ظلم نہیں ہوتا وہ وہیں خیریت سے ہیں۔''

روحیل نے سفید جھوٹ کہا اور سمیرا سوچنے لگی۔

''ابّا کا یہی انجام ہونا تھا۔''

سمیرا نے حسرت بھرے لہجے میں کہا اور روحیل گڑبڑا کر کہنے لگا۔

''چلو چھوڑو یہ باتیں میں نے کہا نا جو بیت گیا سو بیت گیا ہمیں بیتے ہوئے کل سے کچھ لینا دینا نہیں جو آج ہے جو ہمارے پاس ہے وہی حقیقت ہے۔''

اس کی بات سُن کر سمیرا نے ہاں میں سر ہلایا۔

''چلو میں تمھیں باہر کی ہوا کھلاؤں، یہاں کمرے میں بیٹھے بیٹھے تو میرا بھی دَم گھٹ رہا ہے۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''ایسی حالت میں باہر جاؤں گی؟'' سمیرا نے اپنا ڈریس دیکھ کے مسکرا کر پوچھا۔

''تم ہر حال میں پیاری لگتی ہو۔'' روحیل نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔

''اور کیسے لے کر جائیں گے؟ اپنی بائک پر؟'' سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

''میرے پاس اُس سے بھی بہتر رائیڈ ہے، رُکو۔''

روحیل نے آنکھ مار کر کہا اور باہر گیا، سمیرا اُسے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر میں واپس آیا تو اُس کے پاس ویل چیئر تھی۔ سمیرا یہ دیکھ کر ہنسنے لگی۔

☆......☆

کھلی فضا میں جا کر سمیرا کو بہت اچھا لگا۔ روحیل اُسے اسپتال کے باغ میں لے آیا تھا۔ ہری ہری گھاس، پھول اور پودے، آسماں پر بادل اور سُورج۔ سمیرا اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کرنے لگی اور روحیل اُسے مسکرا کر دیکھنے لگا۔

''کیسا لگ رہا ہے؟''

''بہت آرام مل رہا ہے۔'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر جواب دیا۔

''اچھی بات ہے نا اب روز اسی طرح کچھ دیر آؤ، تم اچھا محسوس کرو گی۔'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''آپ تھک جائیں گے۔'' سمیرا نے مُڑ کر اُسے دیکھا۔

''آزما کر دیکھ لینا۔ نہیں تھکوں گا۔''

روحیل نے پیار سے کہا اور سمیرا مسکرا کر باغ کو دیکھنے لگی۔

''کتنا کچھ ہو گیا میرے کوما کے درمیان، ابّا کو جیل ہو گئی، آپی آج ماں بن جائیں گی، زین کو لائسنس مل گیا۔''

''ہاں یہ تو ہے مگر ایک بہت اہم چیز باقی ہے...... جو شاید...... تمھارے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔'' روحیل نے اُس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہا۔

''وہ کیا؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''ایکچوئلی...... زین تم سے یہ بات کرنا چاہتا تھا...... لیکن میرا نہیں خیال کہ اب وہ یہ بات تم سے کہہ پائیگا۔'' روحیل نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کونسی بات؟'' سمیرا نے الجھ کر پوچھا۔

''سمیرا۔'' روحیل نے مسکرا کر اُس کا نام لیا اور کہا۔

''زین اور ثمینہ...... ایک دوسرے کو چاہتے ہیں......''

روحیل کی بات سُن کر سمیرا کی آنکھیں حیرت کے عالم میں پھیل گئیں، وہ الجھ کر کہنے لگی۔

''اپنی ثمینہ؟''

''ہاں۔'' روحیل نے ہنس کر کہا۔

''یہ دونوں اتنے بڑے ہو گئے کہ عشق کرنے لگے؟'' سمیرا نے حیران ہو کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔

''پر کیسے؟ وہ دونوں تو لڑتے رہتے تھے خاص کر جب ثمینہ نے اُسے نمک والا حلوہ کھلایا۔'' سمیرا نے حیرت کے عالم میں پوچھا اور روحیل ہنسنے لگا۔ سمیرا بھی ہنس پڑی۔

''بس دیکھ لو محبت کی مٹھاس نے نمک کو مات دیدی۔'' روحیل نے ہنس کر کہا اور سمیرا بھی ہنسنے لگی۔

''دونوں کافی سیریس ہیں۔...... ویسے بھی بالاج علی خاندان میں لوگ سیریس محبت ہی کرتے ہیں......'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''آپ کو یقین ہے کہ وہ دونوں؟'' سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں بھئی! دونوں لٹو ہیں ایک دوسرے پر۔'' روحیل نے ہنس کر بتایا۔

''تو کیا زین؟......شادی؟'' سمیرا نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

''ہاں اور اسی سلسلے میں تمھیں پوپس سے بات کرنی ہوگی، ان کے رشتے کے لیے۔ ویسے تو وہ ثمینہ کو بہت پسند کرتے ہیں لیکن تمھاری بات کو ٹالیں گے نہیں۔ پھر ان شااللہ زین اور ثمینہ کی شادی بھی دھوم دھام سے کریں گے۔''

روحیل نے مسکرا کر یہ جملے کہے اور سمیرا کے چہرے پر رونق سے آ گئی۔

''ذرا سوچو ہم لوگ بارات لے کر اشرف خالو کے گھر جائیں گے......ثمینہ دلھن بنی ہوگی اور زین صاحب دولہا ہاں سوچنے میں تھوڑا عجیب لگ رہا ہے لیکن زین کو ثمینہ سے زیادہ اچھی بیوی نہیں مل سکتی۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔

''روحیل میں ٹھیک ہونا چاہتی ہوں۔'' سمیرا نے حسرت سے کہا۔

''اور تم ٹھیک ہو! بالکل ٹھیک ہو۔''

روحیل نے ہاتھ چلا کر کہا اور اُس کے ہاتھوں کو پکڑ کر کھینچا۔

''نہیں۔ روحیل میں گر جاؤں گی۔'' سمیرا گھبرا کر کہنے لگی۔

''نہیں گرو گی میں ہوں نا!''

روحیل نے مسکرا کر اُسے تھاما اور اُٹھانے کی کوشش کی۔ سمیرا پچھلے سات مہینے سے اپنے قدموں پر نہیں چلی تھی اس لیے اُسے بہت دُشواری ہو رہی تھی۔ روحیل نے اُسے تھاما اور کھڑا کیا۔ سمیرا ڈر کر کس کے روحیل کے شانوں کو تھامنے لگی۔ روحیل مسکرا کر اس کو دیکھ رہا تھا۔

''See? اتنا مشکل نہیں ہے تم کھڑی ہو گئی ں؟'' روحیل نے پیار سے کہا۔

''ہاں ہاں۔'' سمیرا بے یقینی میں بولی۔

''چلو قدم رکھو۔''

روحیل اُسے تھام کر چلانے لگا اور سمیرا بچّوں کی طرح چلنے لگی۔ کہیں اُس کے قدم ڈگمگا جاتے تو روحیل اس کو تھام لیتا۔ اس لمحے سمیرا کو اپنی آنی کے وہ جملے یاد آئے۔

''روحیل وہ ہے جو تمھیں سہارا دے کر کنارے تک لے جائے گا، اُس کا ساتھ مت چھوڑنا کبھی''

سمیرا کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اپنے شوہر کو دیکھنے لگی۔ واقعی روحیل اُس کا بہت بڑا سہارا تھا، اس بات کا احساس سمیرا کو ہو گیا تھا۔ تھوڑا سا چل کر جب سمیرا تھکنے لگی تو روحیل نے اُسے پیار سے ویل چیئر پر بٹھایا اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔ آخر روحیل اُسے واپس اُس کے کمرے میں لے چلا۔ دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ تھی۔

☆......☆

اگلے روز خاندان میں اس خوشی کی خبر نے جنم لیا کہ زارا نے ایک بہت ہی پیارے ننھے منّے شہزادے کو جنم دیا ہے۔ آصف اور شفیق صاحب اس لمحے بہت خوش تھے۔ خوشیاں دوبالا اس لیے بھی ہو گئی تھیں کہ سمیرا کی طبیعت صحیح ہو گئی تھی اس لیے سب کے سب بے حد خوش تھے۔ رات کو آصف اپنے بیٹے کو لے کر سمیرا اور روحیل کے پاس آیا۔ اس وقت اُس کے ہمراہ زین، ثمینہ، کوثر اور نتاشہ موجود تھے۔ سمیرا اس وقت بستر پر ٹیک لگا کر بیٹھی تھی اور وہ سب اُس کے اردگرد موجود تھے۔ آصف نے اپنے لختِ جگر کو سمیرا کی گود میں دیا۔

''لو سمیرا تمھارا تحفہ۔''

آصف نے خوشی کے عالم میں سمیرا کو اپنا بچّہ دیا۔ سمیرا نے چھوٹے کو گود میں لیا ننھے ننھے سے ہاتھ اور پیاری سی صورت۔

''آصف بھائی ہمارا شہزادہ ہماری آپی پر گیا ہے۔'' سمیرا نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔

''جی نہیں مجھ پر گیا ہے۔'' زین نے چڑ کر کہا۔

''حد ہوتی ہے، آپ کا کہاں سے نمبر آ گیا؟'' ثمینہ نے ماتھا پیٹ کر پوچھا۔

''کیوں! میں آصف بھائی کا چھوٹا بھائی ہوں۔ بچّہ چاچُو پر گیا ہے۔'' زین نے مضبوط لہجے میں کہا۔
''بچّہ چاچُو پر نہیں ماموں پر گیا ہے۔'' کوثر نے اپنا سینا پیٹا۔
''تختہ نا پیٹیں ٹوٹ جائے گا''
زین نے جل کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔ سمیرا بچّے کو پیار کرنے لگی۔
''ویسے آصف تم اسپتال سے بچّہ لے کر کیسے آ گئے؟'' روحیل نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
''ارے یار یہ پاکستان ہے یہاں جگاڑ چل جاتی ہے۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔
''لیکن میرے خیال سے بہتر ہے کہ تم شہزادے کو واپس لے جاؤ، اگر اُس کے دھودھ کا ٹائم ہو گیا نا تو پھنس جائیں گے ہم سب۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا۔
''ہاں یہ تو صحیح کہا، روحیل تم بھی چلو نا، ذارا سے ملاقات کر لو۔'' آصف نے اُسے دیکھ کر کہا۔
''اہم۔'' روحیل سوچنے لگا۔
''ہاں روحیل بھائی، آپ آرام سے جائیں میں باجی کے پاس رُکتی ہوں آپ اتنے مل کر آ جائیں۔'' ثمینہ نے خوشی سے کہا۔
''چلو ٹھیک ہے۔''
روحیل نے خوش ہو کر کہا۔ سمیرا نے بچّے کو پیار کر کے آصف کو اُس کا بیٹا دیا۔ ہنستے مسکراتے وہ لوگ چل پڑے۔ روحیل نے سمیرا سے وعدہ کیا کہ وہ بس آدھ گھنٹے میں واپس آ جائے گا اور سمیرا مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی۔ ان کے جان کے بعد ثمینہ نے سمیرا کو کھانا کھلانا شروع کیا۔
''مولا کا کرم ہے کہ آپی بھی بالکل ٹھیک ہیں، سب کچھ اچھے سے ہو گیا۔''
ثمینہ نے کھانا کھلاتے ہوئے کہا۔
''ثمینہ! ایک بات پوچھوں؟'' سمیرا نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔
''جی باجی؟'' ثمینہ خوشی سے بولی۔
''میرے کوما میں جانے کے بعد کیا ہوا تھا؟'' سمیرا نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔
ثمینہ نے پلیٹ ایک طرف کو رکھی اور گہرا سانس لے کر کہنے لگی۔
''سب کا بہت بُرا حال تھا۔ ڈاکٹرز نے جواب دیدیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ ہارٹ اٹیک اتنا خطرناک ہے کہ آپ کا بچنا ممکن نہیں۔ روحیل بھائی، خالو جان، سب بالکل جیسے دیوانے ہو گئے۔ آنی بہت جزباتی ہو گئی تھیں انھوں نے بھی کچھ اچھا سلوک نہیں کیا روحیل بھائی کے ساتھ۔''
''آنی نے؟ کیا کیا آنی نے؟'' سمیرا نے حیران ہو کر پوچھا۔

''وہ روحیل بھائی پر شک کرنے لگی تھیں انھیں لگا کہ شاید روحیل بھائی آپ کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کر رہے ہیں اس لیے آپ کے اس حال کا ذمہ دار آنی نے روحیل بھائی کو ٹھیرایا۔ بہت عجیب رات تھی وہ۔'' ثمینہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔'' سمیرا کے منھ سے نکلا پھر الجھ کر پوچھا۔

''اور ابّا؟ انھوں نے تو تنگ نہیں کیا؟''

''کر رہے تھے، بار بار روحیل بھائی کے گھر کے چکّر لگاتے۔ ایک دن روحیل بھائی طیش میں آئے اور چلے ابّا کا

قتل کرنے۔ لیکن ابّا کے نصیب میں موت ہی لکھی تھی۔ وہ ٹرک کے نیچے آکر جاں بحق ہوے۔''

ثمینہ کہتی۔

''کیا؟ ابّا مر گئے؟'' سمیرا دھک سے رہ گئی۔

ثمینہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، سمیرا کے اس سوال سے وہ سمجھ گئی کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ ان کے والد کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ ثمینہ گھبرا کر کہنے لگی۔

''نہیں مرے نہیں وہ وہ۔''

''ثمینہ تم نے اگر مجھ سے جھوٹ بولا تو میرا مرا ہوا منھ دیکھوگی۔''

سمیرا نے غصیلے لہجے میں کہا اور ثمینہ ڈر گئی۔

''مجھے سچ بتاو ابّا کو کیا ہوا؟''

سمیرا نے اُسے دیکھ کر پوچھا اور ثمینہ گھبرا گئی۔

''ثمینہ سچ بولو!'' سمیرا سخت لہجے میں بولی۔

''ہاں ہاں ابّا نہیں رہے......''

ثمینہ نے گھبرا کر بتا دیا اور سمیرا سکتے میں آ گئی۔ ثمینہ اب اُسے ایک ایک بات بتانے لگی۔ سب کچھ بتانے لگی۔ سب کچھ سُن کر سمیرا سکتے میں آ گئی اُس کا دل گھبرانے لگا۔

''آج......آج میری وجہ سے روحیل قاتل ہوتے ثمینہ......''

سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے باجی۔'' ثمینہ نے پریشان ہو کر کہا۔

''قصور ہے ثمینہ قصور ہے......!''

سمیرا نے سوچتے ہوئے کہا۔ اب اُسے شدید گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''باجی آپ اپنے دل پر کوئی بات نالیں جو ہوا سو ہوا ابّا کے نصیب میں اس دنیا سے جانا ہی لکھا تھا وہ چلے گئے......ثمینہ نے اُسے سمجھانا چاہا۔

''ثمینہ پلیز لائٹس بند کردو مجھے سونا ہے۔''

سمیرا نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا اور ثمینہ پریشان ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔

''پلیز۔''

سمیرا نے اُسے دیکھ کر کہا اور ثمینہ سر ہلا کر رہ گئی۔اس نے کمرے کی لائٹس کو ڈم کیا اور سمیرا کو واپس کمبل اوڑھایا۔

کچھ منٹ بعد روحیل اور کوثر واپس آئے اور کوثر، ثمینہ کو لے کر گھر کی طرف چلا۔روحیل نے انھیں الوداع کہا اور پلٹ کر سمیرا کی طرف دیکھا تو وہ سوتی ہوئی نظر آئی۔روحیل خاموشی سے کاوچ پر لیٹا اور آنکھیں بند کرلیں۔دوسری طرف سمیرا کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ بہت کچھ سوچ رہی تھی بہت کچھ۔

☆......☆

''It is an incredible case۔کم از کم میں نے اپنے کیریر میں ایسی Remarkable ریکوری نہیں دیکھی روحیل صاحب۔''

اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے ڈاکٹر امجد نے تعریف کرتے ہوئے کہا اور روحیل ان کے سامنے بیٹھا مسکرانے لگا۔صبح ہی صبح وہ ڈاکٹر کے دفتر میں موجود تھا اور سمیرا کے کیس پر بات چیت چل رہی تھی۔

''میں آج مان گیا ہوں کہ واقعی دعاؤں کا بھی اثر ہوتا ہے، ورنہ آپ کی مسز کا کیس بہت نا اُمید تھا'' ڈاکٹر امجد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اچھا ڈاکٹر صاحب اب کن چیزون پر احتیاط کی ضرورت ہے؟'' روحیل نیا نھیں دیکھ کر پوچھا۔

''دیکھیں اُن کا دل کمزور تو ہو گیا ہے۔کوشش کیجیے کہ وہ زیادہ دوڑ نہ لگائیں نہ کوئی ایسا کام کریں جس سے سانس پھول جانے کا خدشہ ہو۔دوایاں آپ نے نہیں روکنی، مسلسل انھیں دوا کی ضرورت ہے۔مہینے میں ایک بار چیک اپ بھی ضروری ہے۔'' ڈاکٹر امجد نے اُسے دیکھ کر کہا۔

''اور پریگنینسی ہو سکتی ہے؟'' روحیل نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''بالکل ہو سکتی ہے، دل کا اس قدر اثر نہیں ہوتا پریگنینسی پر۔بہت ساری خواتین جو دل کی مریضہ ہوتی ہیں پریگنٹ ہو جاتی ہیں اس میں کوئی مشکل نہیں۔'' ڈاکٹر امجد نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

''اس کا مطلب آج ہم ریلیز لے سکتے ہیں؟'' روحیل نے اطمینان کا سانس لے کر پوچھا۔

''بالکل، آپ جب چاہیں گھر جا سکتے ہیں اپنے۔'' ڈاکٹر امجد نے مسکرا کر کہا۔

''تھینک یو ڈاکٹر۔''

روحیل مسکرا کر اٹھا اور ڈاکٹر سے ہاتھ ملا کر سمیرا کے کمرے کی طرف چلا۔ وہ اس لمحے بہت خوش تھا۔ اج مہینوں بعد سمیرا اپنے گھر واپس جا رہی تھی۔ سب کچھ صحیح ہونے لگا۔ روحیل خدا کا جتنا بھی شکر کرتا کم تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سمیرا کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ نیلا کُرتا شلوار پہنے بیٹھی تھی۔ اس کی زلفیں کھلی تھیں۔

''چلو جی! اچھی خبر یہ ہے کہ تمھیں چھٹی کی اجازت مل گئی، اب ہم گھر چل سکتے ہیں۔'' روحیل نے مسکرا کر کہا پر سمیرا خاموش رہی۔

''چلو سمیرا ایک نئی زندگی کا آغاز کریں اب ساری مشکلیں حل ہو گئی ں سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہیہے نا؟'' روحیل نے مسکرا کر کہا اور سمیرا خاموش رہی۔

''آج پوپس بھی واپس آ رہے ہیں، بے قرار ہیں تم سے ملنے کے لیے جب تک ہم پہنچے گے، وہ بھی آ جائیں گے، میں نے سوچا ہے کہ ہم بہت بڑی پارٹی رکھینگے۔ تمھاری طبیعت کی خوشی میں اور زارا کے لیے بھی۔ بہت خوشیاں نصیب ہوئی ہیں ایک ساتھ۔ اللہ کا جتنا شکر کریں کم ہے۔'' روحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''روحیل؟''

سمیرا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اُس کا نام لیا اور روحیل اُس کا چہرا تکنے لگا۔

''کہو؟''

''میں گھر جانے کے لیے تیار ہوں۔'' سمیرا نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

''میں تو رات سے تیار ہوں۔'' روحیل نے ہنس کر بتایا۔

''لیکن آپ کے نہیں، آنی کے گھر۔'' سمیرا نے دھیرے سے کہا۔

''آنی کے؟......وہ کیوں؟'' روحیل نے چونک کر پوچھا۔

''کیوں کہ......کیوں کہ مجھے آپ سے طلاق چاہیے۔''

سمیرا کے یہ جملے روحیل پر کسی پہاڑ کی طرح گرے! وہ سکتے کے عالم میں سمیرا کا چہرا تکنے لگا۔ جو اس نے سُنا اُسے اُس پر ایک فیصد بھی یقین نہیں آیا۔

☆......☆

چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔ روحیل سکتے کے عالم میں سمیرا کو تکے جا رہا تھا۔ سمیرا نے نظر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

''اور کتنا اس بدنصیب کے لیے اپنے آپ کو قُربان کریں گے؟ اور کتنا برباد کریں گے؟ میرا دل کمزور ہو چکا ہے میں کبھی بھی اس دنیا سے رخصت ہو سکتی ہوں...... میں آپ کو وہ خوشیاں نہیں دے سکتی جو آپ کو ملنی چاہیے...... میرے آنے سے ہوا کیا؟ آپ کو درد ملا غم ملا اذیت ملی اور یہ عین ممکن تھا کہ آج آپ ایک قاتل بھی بن چکے ہوتے۔''

سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور روحیل دھک سے رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے شوکت کے بارے میں پتا لگ گیا ہے۔ وہ حیران ہو کر سمیرا کا چہرا تکنے لگا۔

''کیا یہ کوئی چھوٹی بات ہے؟ کسی کی جان لے لینا؟ کسی کو جان سے مار دینا؟ روحیل تو ہنستا تھا مسکراتا تھا دوستوں میں گھومتا تھا پھرتا تھا پر میرے آنے سے آپ کو کیا ملا؟ ایک ادھوری محبت؟ ایک لڑکی جو آپ ہی کی محنت کی کمائی چوری کرتی تھی؟...... ایک ایسی لڑکی جس کی نا کوئی عزّت بچی نا مقام؟ ایک ایسی لڑکی جس نے آپ کو قتل تک کرنے پر مجبور کر دیا؟''

سمیرا نے روتے ہوئے اُسے دیکھ کر کہنے لگی اور روحیل نے سر جھکا لیا۔

''بھلا ہوا انسپکٹر وسیم کا جس نے آپ کو صحیح وقت پر روک لیا ورنہ آپ اپنے دل سے پوچھیں آپ ابّا کو گولی مار چکے ہوتے ہے نا؟''

سمیرا نے روتے ہوئے پوچھا اور روحیل خاموش رہا، اُس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

''اور کتنی مصیبتیں میرے لیے جھیلیں گے؟ اور کتنا میرے لیے ٹوٹینگے؟ مجھے معاف کر دیں میں آپ کی محبت ضرور ہوں...... لیکن میں زہرا بالاج نہیں ہوں......''

سمیرا نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور روحیل تھرّا گیا، وہ سر جھکا کر سوچنے لگا کچھ پل ٹھیر کر روحیل نفی میں سر ہلا کر کہنے لگا۔

''نہیں سمیرا یہ سچ ہے کہ تم میری محبت ہو...... لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں تمھاری محبت کبھی نہیں بن سکا۔''

سمیرا نے اُس کے ہاتھوں کو تھاما اور اُس کا چہرا اپنی طرف کیا۔ روحیل کی آنکھوں میں اب آنسو تھے۔ سمیرا نے روتے ہوئے پیار سے اُسے دیکھا۔

''جس دن آپ میری ڈائری واپس کرنے آئے تھے اُس دن سے میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔''

سمیرا کا جواب سُن کر روحیل اُسے تکنے لگا۔

''جس دن آپ مجھے پرل کونٹینینٹل لے کر گئے تھے اُس دن سے محبت کرتی ہوں جس دن آپ نے مجھے پولیس سے ملایا اُس دن سے محبت کرتی ہوں...... جس دن ساحل پر آپ نے مجھے اپنی باہوں میں لیا مجھے چھُوا...... مجھے چُوما...... اُس دن سے آپ سے محبت کرتی ہوں...... میں نے اپنی زندگی میں کسی کو

اتنا نہیں چاہا جتنا آپ کو چاہا ہے......
"I love you, I love you so much۔"

سمیرا نے پہلی بار روحیل سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور روحیل روتے ہوئے اُس کا چہرا تکنے لگا۔

"میری محبت آپ کے لیے کبھی ختم نہیں ہو سکتی......کبھی بھی نہیں ہاں مگر میرا ساتھ میرا ساتھ آپ کو اندھیروں میں دھکیل رہا ہے......اور یہ مجھے قبول نہیں......میں اپنے روحیل کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں......چاہے مجھے......چاہے مجھے اُس سے دُور ہو کر ہی کیوں نا رہنا پڑے۔"

سمیرا نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور روحیل نے اُس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔ وہ زاروقطار رونے لگا۔ سمیرا اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ نجانے کب تک وہ اسی طرح اسپتال کے کمرے میں بیٹھے روتے رہے۔

☆......☆

روحیل سمیرا کو گھر لے کر آیا تو وہ یہ دیکھ کر رو پڑی کے بالاج صاحب نے پورا گھر پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔ مرکزی دروازے پر پھولوں سے خُوش آمدید لکھا ہوا تھا اور بالاج صاحب باہیں کھولے اپنی بیٹی کا انتظار کر رہے تھے۔ روحیل سمیرا کو تھام کر اندر آیا اور سمیرا اپنے بابا کے گلے لگی۔ زین اس لمحے بے حد خوش تھا۔ اس کی بھابھی گھر آ گئی تھیں اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ گھر کے نوکر بھی ایک لائن میں کھڑے ہو کر سمیرا بی بی کو سلام کرنے لگے، سمیرا مسکرا کر سب کے پیار اور محبت کا جواب دیتی رہی۔ روحیل اُسے تھام کر اپنے بیڈرُوم میں لے کر آیا اور جلد ہی سمیرا نے صوٹ کیس نکال کر اپنے کپڑے رکھنا شروع کیے۔ روحیل خاموشی سے اس کی مدد کرنے لگا۔ تیس منٹ کے اندر ہی سمیرا گھر چھوڑنے کے لیے تیار تھی۔ روحیل نے ایک ہاتھ میں صوٹ کیس لیا اور دوسرے ہاتھ سے سمیرا کا ہاتھ تھاما۔

بالاج صاحب اور زین نیچے بیٹھے باتیں کر رہے تھے ایسے میں اُن کی نظر سمیرا اور روحیل پر پڑی۔ اُس کے ہاتھ میں صوٹ کیس دیکھ کر بالاج صاحب چونکے۔

"روحیل؟ یہ صوٹ کیس کیسا؟"

"بابا میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔" سمیرا نے پیار سے جواب دیا۔

"تم اپنے گھر میں ہی ہو سمیرا۔" بالاج صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔

"نہیں بابا، جس گھر میں میں بربادی لے آئی وہ گھر میرا ہونا بھی نہیں چاہیے میرے قدم منحوس ہیں بابا مجھے جانے دیجیے۔" سمیرا نے دھیرے سے کہا۔

"فضول باتیں نہیں کرو سمیرا۔" بالاج صاحب غصے میں آ گئے۔

"ہاں بھابھی، آج تک آپ نے جو کہا میں سر جھکاتا آیا لیکن اب نہیں آپ ایسے ہمیں چھوڑ کر

نہیں جاسکتیں۔''

زین نے جزباتی ہو کر کہا اور آگے بڑھ کر روحیل کے ہاتھ سے سوٹ کیس لیا۔

''میں دیکھتا ہوں کہ آپ کس طرح جاتی ہیں گھر سے۔''

یہ کہ کر وہ سوٹ کیس لے کر اوپر چلا۔

''زین؟ اپنی ماں کا کہنا نہیں مانو گے؟''

سمیرا کے جملے سُن کر زین ٹھٹک کر رُک گیا۔ ایک یتیم کے لیے یہ جملے کیا ہوتے ہیں کوئی یتیم سے ہی پوچھے۔ زین کے قدم جم گئے۔ زین سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔

سمیرا نے روتے ہوئے پلٹ کر بالاج صاحب کی طرف دیکھا۔

''بابا میری صورت میں شاید آپ کو زہرا بالاج کا چہرا نظر آتا ہے لیکن میرا نصیب اُن جیسا بالکل نہیں وہ آپ کے گھر آئیں آپ کو کامیابی ہی کامیابی عطا ہوئی لیکن میں روحیل کی زندگی میں کیا لے کر آئی؟ غصہ؟ غم؟ شراب؟...... مایوسی؟...... قتل؟''

سمیرا نے روتے ہوئے کہا اور بالاج صاحب الجھ گئے۔ روحیل کا سر اس لمحے جھکا ہوا تھا۔ زین بھی خاموش کھڑا تھا۔

''آج آپ کا بیٹا اس لٹی پٹی لڑکی کی خاطر قاتل ہوتا کیا یہ بالاج علی اس بات کو منظور کرتا؟ کیا زہرا بالاج اس بات کو قبول کرتیں؟ جواب دیجیے؟''

سمیرا نے انھیں دیکھ کر پوچھا اور بالاج صاحب خاموش ہو گئے۔ ان کے پاس سمیرا کے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔

''جس پیار اور محبت سے آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کی پرورش کی میں کہاں وہ پیار دے پای؟ پوچھیے روحیل سے؟ کہاں میں وہ محبت دے سکی...... آپ کا گھر تو ایک جنّت ہے میں کہاں جہنم سے نکل کر یہاں آ گئی؟ یہ گھر بہت خوبصورت ہے پر میرے لیے نہیں ہے''

سمیرا نے روتے ہوئے کہتی چلی گئی اور وہ تینوں اس کی سسکیاں سُننے لگے۔ کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

''روحیل سمجھایں بابا کو سمجھایں زین کو...... کڑوے گھونٹ پینا کس قدر ضروری ہوتا ہےکس قدر ضروری ہوتا ہے۔''

سمیرا نے روتے ہوئے کہا اور روحیل نے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ وہ انتہای الجھن کا شکار نظر آئے۔ روحیل نے گہرا سانس لیا اور چلتا ہوا اپنے باپ کے پاس آیا۔ بالاج صاحب اس کی صورت دیکھنے

لگے۔اس نے اپنے والد کو دیکھا۔

''پوپس جانے دیں اسے۔''

''بھائی! یہ کیا کہہ رہے ہو!'' زین نے تڑپ کر کہا۔

''زین جانے دو سمیرا کو۔''

روحیل نے دھیرے سے کہا اور زین وہیں ساکت رہ گیا۔روحیل نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو وہ اُس کا چہرا تکتے ہوئے نظر آئے۔

''یہ تم کہہ رہے ہو روحیل؟ وہ روحیل جو کبھی ہار نہیں مانتا؟ آج ہار مان رہے ہو۔'' بالاج صاحب نے بھرّا کر پوچھا۔

''ہاں پوپس......آج ہار مان لی۔''

روحیل نے اطمینان سے جواب دیا اور بالاج صاحب سر جھکا گئے۔سمیرا بھی سر جھکا کر رونے لگی۔ ایک پل کے لیے بالاج صاحب نے سمیرا کو دیکھا اور سر جھکا کر ہال سے نکلتے چلے گئے۔سمیرا اپنے بابا کو اس طرح ناراض دیکھ کر ٹوٹ گئی۔اس نے پلٹ کر زین کی طرف دیکھا۔زین چلتا ہوا آیا اور سمیرا کا سوٹ کیس اُس کے پیروں کے پاس رکھا۔بے حد ناراضی اپنے دل میں لے کر پلٹا اور اوپر چلا گیا۔سمیرا رو پڑی! اُس کا گھر اُس سے ناراض ہو گیا تھا۔اپنے چھوٹے بھائی کو اس قدر ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر روحیل کا دل بھی رو پڑا لیکن اس نے کچھ نہیں کہا۔اس نے قریب آ کر سمیرا کا سوٹ کیس اٹھایا اور اُسے سہارا دیتے ہوئے گھر سے باہر لے گیا۔

گھر کے نوکر حیران ہو کر یہ منظر دیکھنے لگے۔خان بابا، سلطان سب ہاتھ جوڑ کھڑے تھے۔سمیرا نے سب کو الوداع کیا اور گھر سے باہر قدم رکھ دیے۔جس گھر میں وہ شان و شوکت سے داخل ہوئی تھی آج وہی گھر اُس کے لیے پرایا ہو گیا۔سمیرا اس گھر میں خالی دل لے کر آئی تھی لیکن محبتیں سمیٹ کر جا رہی تھی۔اس نے جھک کر گھر کی خاک اٹھائی اور اپنے سر پر ڈالی۔ایک الوداعی نظر اپنے گھر پر ڈال کر وہ گاڑی کی طرف چلی۔روحیل پہلے سے ہی گاڑی میں موجود اُس کا انتظار کر رہا تھا۔سمیرا بیٹھی اور وہ گھر سے نکلتے چلے گئے۔ کھڑکی سے بالاج صاحب سمیرا کو جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔دوسری طرف زین بھی اپنے کمرے کی کھڑکی سے بھابھی کو جُدا ہوتے ہوئے تکتا رہا۔

☆......☆

گاڑی میں بیٹھی ہوئی سمیرا کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف زندگی بسر کر رہے تھے۔کوئی خاندان اپنوں سے ملنے جا رہا تھا، تو کوئی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ موٹر سائکل پر

بیٹھی تھی۔لیکن وہ وہ اپنا گھر توڑ کر آج واپس جا رہی تھی۔ سمیرا کا دل ڈوبے جا رہا تھا اور روحیل خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔جلد ہی وہ اشرف صاحب کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ روحیل نے گاڑی روکی اور اُتر کر سمیرا کا سوٹ کیس نکال کر باہر رکھا۔سمیرا اُتر کر اپنے صوٹ کیس کے پاس آئی۔

''چلتی ہوں۔'' سمیرا نے دھیرے سے کہا۔

''اب تم کیا کرو گی؟ کیا سوچا ہے تم نے؟'' روحیل نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''دوبارہ سے کالج شروع کروں گی مجھے اپنا کام پُورا کرنا ہے۔'' سمیرا نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا میں پہلے کی طرح تمھیں کالج سے پک کر سکتا ہوں؟'' روحیل نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''مجھے پک کریں گے تو بھولیں گے کیسے؟'' سمیرا نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں تمھیں بھول جاؤں یہ ہو نہیں سکتا......''

روحیل نے اُسے دیکھ کر جواب دیا اور سمیرا اُسے دیکھنے لگی۔ روحیل نے اپنی آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ لگایا اور گاڑی میں بیٹھ کر چل دیا۔سمیرا اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔تب ہی وہ پلٹ کر واپس اپنی آنی کے گھر آئی۔ سمیرا نے گھر کی بیل بجای۔ دروازہ تہمینہ بیگم نے کھولا اور سمیرا کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ سمیرا روتی ہوئی آنکھوں سے مسکرا کر انھیں دیکھ رہی تھی۔تہمینہ بیگم نے اُس کے ہاتھ میں سوٹ کیس دیکھا۔

''میں واپس آ گئی ہوں آنی۔''

سمیرا نے پیار سے یہ جملے کہے اور وہ حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگیں۔

''جب لاہور سے آئی تھی تو کمزور لڑکی تھی ......آج مضبوط ہوں کیا میں دوبارہ آپ کے گھر میں رہ سکتی ہوں؟''

سمیرا نے روتے ہوئے پوچھا اور تہمینہ بیگم کی آنکھیں چھلک پڑیں۔انھوں نے سمیرا کا چہرا تھاما۔

''میرا در ہمیشہ تیرے لیے کھلا ہے سمیرا......''

یہ کہ کر انھوں نے اپنی بچّی کو گلے سے لگا لیا۔اشرف صاحب، کوثر اور ثمینہ بھی چلتے ہوئے اُس کے پاس آ گئے۔کوثر نے اُس کا سوٹ کیس اٹھایا۔سمیرا اُن سب سے مل کر نجانے کتنی دیر روتی رہی۔

☆......☆

سمیرا کے گھر سے گئے ہوئے ہفتہ گزر گیا۔جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا سمیرا کا دل گھبرایا جا رہا تھا۔وہ ہر لمحہ اپنے گھر کو یاد کرتی رہتی۔آنی کا گھر اب پہلے جیسا نا رہا تھا۔اُسے ایسا لگتا جیسے وہ یہاں مہمان ہے۔ اُس کا گھر تو وہ تھا جہاں وہ راج کیا کرتی تھی۔

☆......☆

دوسری طرف روحیل، بالاج صاحب اور زین بھی خاموشی سے کھانا کھاتے اور اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے۔ گھر میں ایک عجیب سی اُداسی، ایک عجیب سی خاموشی دوڑ گئی تھی جسکا کوئی نعم و بدل نہیں تھا۔

☆......☆

ایک صبح سمیرا گھبرا کر اٹھی اور اپنا سر پکڑ کر کہنے لگی۔

''اوہ! مجھے دیر ہوگئی ناشتہ تیار کرنا ہے۔''

''کیا ہوا باجی؟'' ثمینہ کی آنکھ کھلی اور اپنی باجی کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

''بابا اور روحیل کو دفتر جانا ہے، ان کے لیے چائے بنانی ہے۔'' سمیرا نے گھبرا کر کہا۔

''بابا اور روحیل بھائی نہیں، خالو جان کے لیے، وہ بھی نزرل بنا چُکا ہوگا۔''

ثمینہ نے سوتے ہوئے یہ جملے کہے اور سمیرا بُری طرح چونکی۔ اس نے کمرے کو دیکھا تو خیال آیا کہ وہ اب اپنی آنی کے گھر ہے۔

''حد ہوتی ہے باجی! سو جاؤ ابھی بہت دیر ہے۔'' ثمینہ نے سوتے ہوئے کہا۔

''اوہ......اوہ۔''

سمیرا نے حقیقت کو سمجھا اور دوبارہ اُداس ہو کر بستر پر لیٹ گئی۔ ثمینہ نے اپنی باہیں سمیرا کے اردگرد ڈالیں اور سو گئی۔ سمیرا اپنے گھر کو شدّت سے یاد کرنے لگی۔ اُسے رہ رہ کر اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔ وہ ثمینہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنا گھر یاد کرنے لگی۔

☆......☆

صبح ہی صبح زین ہاتھوں میں چائے کا مگ لیے روحیل کے کمرے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کے روحیل بستر کے بجائے کاوچ پر سو رہا ہے۔

''بھائی کاوچ پر کیوں سو رہے ہیں؟ بیڈ پر کھٹمل ہو گئے ہیں کیا؟''

زین اپنے آپ سے کہنے لگا اور چلتا ہوا اندر آیا۔ روحیل کاوچ پر پڑا بے سُدھ سویا ہوا تھا۔ اس نے منھ بنایا اور کھڑکے پر سے پردے ہٹائے۔ پردوں کا ہٹنا تھا کہ روحیل کی روشنی سے آنکھ کھلی۔

''گڈ مارننگ بھائی جان! یہ آپ اپنے ہی کمرے میں کاوچ پر کیوں سو رہے ہیں؟''

زین نے روحیل کو اٹھا کر پوچھا اور روحیل چونک کر اٹھا۔

''کیا ہوا؟ بستر میں کھٹمل ہیں کیا؟'' زین نے جل کر پوچھا۔

''ابے یار اسپتال میں بھی کاوچ پر سوتا تھا اب نیند نہیں آتی بستر پر......''

روحیل نے انگڑائی لے کر کہا۔

''سمجھ نہیں آ رہا یہ سُن کر دکھی ہوں یا سر پکڑوں خیر چلیے اٹھیے دفتر نہیں جانا؟''۔ زین نے اُسے دیکھ کر کہا اور چائے کا مگ اس کو تھمایا۔

''تم نے بنائی ہے؟'' روحیل نے بُرا سا منھ بنا کر پوچھا۔

''اب بھابھی والی چائے تو ملنے سے رہی۔'' زین نے منھ بنا کر کہا اور روحیل مسکرانے لگا۔

''آپ نے تیار نہیں ہونا؟'' زین نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں، میں کہیں اور جا رہا ہوں۔'' روحیل نے سر پکڑ کر کہا۔

''کدھر؟'' زین نے حیران ہو کر پوچھا۔

''سارہ سے ملنے۔'' روحیل نے جواب دیا۔

''سارہ؟......سارہ؟'' زین نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''ہاں ہاں سارہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''یہ وہ سارہ وہی نا؟ میلی؟'' زین نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''میلی تو نا کہو۔'' روحیل بُرا مان کر بولا۔

''سوری۔ پر آپ اُس سے کس خوشی میں مل رہے ہیں؟'' زین نے جل کر پوچھا۔

''یار اس نے ملنے کے لیے بولا ہے تو مل رہا ہوں۔'' روحیل نے اُسے دیکھ کر جواب دیا۔

''بھابھی کو پتا چلے گا تو اُن کا کتنا دل ٹوٹے گا۔'' زین نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں، جس دن وہ اپنے دل کو خود جوڑنا سیکھ جائے گی اُس دن سب صحیح ہو جائے گا۔'' روحیل نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''سمجھ نہیں آتا کہ بھابھی کو کس طرح سمجھائیں۔''

زین بڑبڑایا اور بستر پر بیٹھا۔ روحیل نے اُداس مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھا اور چلتا ہوا اپنے بھائی کے پاس آیا۔ وہ اُس کے برابر آ کر بیٹھا۔

''زین......ہم سب نے ایک غلطی کی سمیرا کے ساتھ اُسے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے اور یہی ہماری غلطی تھی وہ بار بار اپنے رستے پر چلنا چاہتی تھی اور خاص طور سے میں اُسے بار بار دھکیل کر خوشیوں کی طرف لے جاتا رہا اپنا رستہ اُس کے رستے پر مسلط کرتا رہا......اسلیے وہ کبھی بھی من سے اس رستے پر چل نا پائی......ایک بار اُسے اس کی مرضی کرنے دو، اگر پلٹ کر آئی تو ہمیشہ سے ہماری تھی اگر نہیں آئی تو ہماری کبھی تھی ہی نہیں۔''

روحیل نے اُسے دیکھ کر کہا۔

"Seems like a loss-loss situation"۔زین نے منہ بنا کر کہا۔

"It's actually a win-loss situation"۔

روحیل نے مسکرا کر کہا اور زین ہنسنے لگا۔اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے وہ سمیرا کو یاد کرتے رہے۔

☆......☆

سمیرا،ثمینہ کو تیار کر رہی تھی اور اُسے اپنا زین یاد آ رہا تھا۔وہ مسلسل یہی سوچ رہ تھی کہ زین نے ناشتہ کیا ہوگا کہ نہیں؟ بالاج صاحب نے دوالی ہوگی یا نہیں اور روحیل؟ روحیل کی ٹائی کون باندھ رہا ہوگا؟ وہ یہ سب سوچتی اور اُس کا دل ڈوبنے لگتا۔

☆......☆

روحیل سوئمنگ پول پر سارہ کے ساتھ بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا لیکن اُس کے دل و دماغ پر صرف سمیرا تھی۔ وہ یاد کر رہا تھا جب پہلی بار وہ سمیرا کو لے کر یہاں آیا تھا۔کس قدر خوش تھی وہ،کس قدر خوبصورت تھا وہ لمحہ۔ روحیل سمیرا کو یاد کرتا چلا گیا۔

سارہ نے یہ بات نوٹ کی اور مسکرا کر اس نے روحیل کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔روحیل اُسے تکنے لگا۔

"Everything is gonna be fine"۔سارہ نے پیار سے کہا اور روحیل مسکرا کر سر جھکا گیا۔

☆......☆

سمیرا اپنی بالکونی میں بیٹھی باہر بوندا باندی کو دیکھ رہی تھی۔ ہر بوند کے ساتھ اُسے روحیل یاد آئے جا رہا تھا۔اُس کے ساتھ بِتائے ہوئے ایک ایک پل یاد آ رہے تھے۔روحیل کا اُسے بانہوں میں لینا،اُس کے پاوں دھلانا، جب کبھی وہ سو جاتی تو پیار سے اُسے کمبل اوڑھانا۔ سچ تھا جتنی محبت اُسے روحیل سے ملی تھی شاید ہی کوئی اتنی محبت اُس سے اب کرے۔سمیرا بوند بوند تکتی رہی اور روتی رہی......

☆......☆

ایک صبح روحیل ناشتے کی ٹیبل پر آیا۔

''گڈ مارننگ پوپس۔''

''گڈ مارننگ۔''

بالاج صاحب نے جواب دیا۔دوسری طرف زین بیٹھا ہوا کانٹے سے اپنے انڈے کا قتل کر رہا تھا۔

''زین ٹوسٹ پاس کرو۔'' روحیل نے بیٹھتے ہوئے کہا اور اس نے ٹوسٹ آگے کیے۔

''روحیل میں ایک بات سوچ رہا تھا۔'' بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''جی پوپس؟'' روحیل نے جام لگاتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے بتایا کہ سمیرا نے تم سے طلاق کی بات کی ہے...... ہے نا؟''

بالاج صاحب نے سوچتے ہوئے پوچھا اور روحیل نے اُن کا چہرا دیکھا۔ ایک پل رُک کر اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

''تو......تو تم اُسے طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟''

بالاج صاحب کی بات سُن کر روحیل اور زین دھک سے رہ گئے۔ وہ دونوں اُن کا چہرا تکنے لگے۔ روحیل اس وقت بالاج صاحب کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ جب کہ زین بُری طرح بوکھلا گیا۔

''پوپس! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مطلب بھابھی کا دماغ خراب ہو گیا ہے تو کیا ہم سب کا بھی ہو جائے؟''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں پوپس۔'' روحیل نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو آپ دونوں!'' زین بوکھلا کر بولا۔

''دیکھو زین۔'' بالاج صاحب نے اطمینان کے ساتھ کہا اور کہنے لگے۔

''سمیرا ایک خوددار لڑکی ہے اور یہ خودداری اُسے اس کی ماں سے ملی ہے۔ وہ اب کبھی پلٹ کر ہمارے گھر نہیں آئے گی۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد وہ تہمینہ کے گھر کو بھی چھوڑ دے گی اور کہیں نوکری کی تلاش میں نکل کھڑی ہوگی۔ ہم نے سمیرا کا حق مہر بیس لاکھ روپے رکھا تھا۔ اگر ہم اس کو یوں ہی پیسے دیں گے وہ کبھی قبول نہیں کرے گی۔ لیکن اگر روحیل اس کو طلاق دیدے تو وہ اپنے حق محر کے پیسوں سے اپنے لیے کچھ کر سکتی ہے۔ شاید اتنی مدد ہم اس کی کر سکتے ہیں۔''

بالاج صاحب کہتے گئے اور زین حیران ہو کر اپنے بھائی کو دیکھنے لگا۔ روحیل اس لمحیں اطمینان سے چائے پی رہا تھا۔

''روحیل سمیرا ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو ہم زبردستی نہیں کر سکتے لیکن اس کی مدد تو کر ہی سکتے ہیں۔ اس نے جتنا بھی وقت اس گھر میں بتایا وہ بہت یادگار ہے اس کی یادوں کے بدلے ہم اس کو حق محر دے سکتے ہیں۔'' بالاج صاحب نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر تجویز پیش کی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پوپس۔ ہم آج رات ہی چل کر طلاق کی بات کریں گے۔'' روحیل نے سوچ کر جواب دیا۔

"I seriously cannot believe what I am hearing"۔

زین نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ دونوں اُسے دیکھنے لگے۔

''بھابھی کو ہم رانی بنا کر لائی تھے اس گھر میں وہ بنا کچھ لیے ہم سے چلی گئی اور آج آپ لوگ اُن کی طلاق کی بات کر رہے ہیں؟ رشتے ایسے ہی ٹوٹ جاتے ہیں کیا؟ کیا دلوں کے رشتوں کا کوئی مول نہیں؟ کیا محبت کی بس یہی قیمت ہے؟'' زین نے غمزدہ ہو کر کہا۔

''زین وہ ہم سے محبت کر کے گئی۔ مجھے ایک باپ کے روپ میں اس نے چاہا تمھیں بیٹا سمجھا لیکن وہ روحیل کے بیوی نہ بن سکی کبھی ہم دونوں جانتے ہیں کہ ہم تمھارے بھائی سے کتنی محبت کرتے ہیں ہم خود غرض تو نہیں بن سکتے نا بیٹا اب آگے چل کر تمھارے بھائی کا گھر پھر سے بسانا ہے اس کی دوسری شادی کرنی ہے......''

بالاج صاحب نے روحیل کو دیکھ کر کہا اور روحیل ہنسنے لگا۔ زین اور بالاج صاحب حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔

''اچھا لطیفہ تھا پوپس دوبارہ سنایے گا۔'' روحیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''روحیل شاد نہ کرنا تمھارا عین حق ہے۔'' بالاج صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔

''اور یہ حق میں استعمال کر چکا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''پاگلوں والی باتیں مت کرو، وہ غلطی مت دوہراؤ! جو میں نے اپنی زندگی میں کی۔'' بالاج صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''امی کے بعد آپ نے شادی نا کر کے غلطی کی ہے؟'' روحیل نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' بالاج صاحب گڑبڑا گئے۔

''پھر کیا مطلب ہے آپ کا پوپس؟'' روحیل نے اطمینان سے پوچھا۔

''تنہا رہنا آسان نہیں ہے روحیل تنہائی اُس ناگن کی طرح ڈستی ہے جسکا زہر جسم کے انگ انگ کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے میں اس زہر کو برداشت کر گیا لیکن میں نہیں چاہوں گا کہ میری اولاد بھی اس زہر کو پیے۔'' بالاج صاحب نے اُسے سمجھایا۔

''بہت دیر ہو چکی ہے پوپس! میں وہ زہر کب کا پی چکا ہوں۔''

روحیل نے سر جھکا کر یہ جملے کہے اور بالاج صاحب نفی میں سر ہلانے لگے۔

''ہم آج شام طلاق کی بات کرنے چلیں گے، رہی بات شادی کی تو میں سمیرا کے علاوہ اب کسی سے شادی نہیں کر سکتا چاہے مجھے امی ہی آ کر کیوں نا کہہ دیں۔''

روحیل ایک بہت بڑی بات کہہ کر اٹھ کر چلا گیا اور بالاج صاحب بیزار ہو کر اُسے دیکھنے لگے۔ زین بھی سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر ہو کیا رہا ہے۔ شام کو قیامت کا وقت تھا اور نجانے

سمیرا کے اوپر یہ قیامت کیسے ٹوٹے گی وہ پریشان ہو گیا بے حد پریشان۔

☆......☆

آخر اُس شام کی شروعات ہوئی جب اس کہانی کا آخر باب بند ہونے والا تھا۔سمیرا ہال میں موجود صوفے پر بیٹھی اپنے گھر کو یاد کر رہی تھی۔ اُس کے بابا کیا کر رہے ہونگے، زین کیا کر رہا ہوگا، روحیل اس وقت کہاں ہونگے، یہ بات اُسے ہر پل ستا رہی تھی۔ جب سے وہ تہمینہ بیگم کے گھر آئی تھی تب سے وہ چُپ چُپ سی تھی۔سب گھر والوں نے بھی اُسے اُس کے خیالوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا تھا۔

ایسے میں گھر کی بیل بجی اور سمیرا چونکی۔ گورے گورے پیروں میں اس نے چپّل کو پہنا اور دروازہ کھولنے کے لیے بڑھی۔ جیسے ہی دروازہ کھولا اور وہ دھک سے رہ گئی۔اُس کے سامنے بالاج صاحب اور زین موجود تھے۔سمیرا کے لبوں پر خوشی سے مسکراہٹ آئی مگر وہ جلد حقیقت سمجھ کر کہنے لگی۔

''السلام علیکم بالاج صاحب......''

سمیرا کا اُن کا اس طرح نام لینا بالاج صاحب کا دل چھلنی کر گیا۔وہ غم زدہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگے۔

زین بھی خاموش کھڑا اپنی بھابھی کو دیکھنے لگا۔

''اشرف گھر پر موجود ہے؟'' بالاج صاحب نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''جی آیئے......''

سمیرا نے بااخلاق ہو کر جواب دیا اور انھیں راستہ دیا۔ بالاج صاحب اندر کی طرف چلے۔زین بھی سر جھکائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ایسے میں سمیرا کی نظر روحیل پر پڑی۔وہ گاڑی لاک کر کے گھر کی طرف ہی آرہا تھا کہ سمیرا کو دیکھ کر ٹھٹک کر رُکا۔سمیرا نے اپنا سر جھکایا اور اندر کی طرف چلی۔روحیل بھی حقیقت کو سمجھ کر سر جھکا گیا اور اندر کی طرف آیا۔

''ارے بالاج صاحب! آپ؟''

اشرف صاحب تڑپ کر اُن کی طرف آئے۔ان کے ساتھ کوثر بھی موجود تھا۔

''آپ نے کیسے یاد کیا؟ مجھ غریب کو بلا لیا ہوتا۔'' اشرف صاحب نے پیار سے کہا۔

''بس کچھ بات کرنی تھی اس لیے چلا آیا۔'' بالاج صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔

''آپ تشریف رکھیے پلیز۔''

اشرف صاحب نے گھبرا کر یہ جملے کہے اور بالاج صاحب صوفے پر بیٹھے۔زین ان کے سامنے جب کہ روحیل سنگل صوفے پر بیٹھا۔اشرف صاحب بالاج صاحب کے برابر بیٹھے ہوئے تھے جب کہ کوثر ان

کے برابر سنگل صوفے پر۔ دومنٹ اسی خاموشی میں بیت گئے تو بالاج صاحب نے اشرف صاحب کو دیکھ کر پوچھا۔

''تہمینہ گھر پر ہے؟''

''جی؟ جی بالکل میں بُلاتا ہوں۔''

اشرف صاحب نے گھبرا کر کہا اور اٹھ کر تہمینہ بیگم کو بُلانے لگے۔ بالاج صاحب نے ایک نظر روحیل کی طرف دیکھا، وہ اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ زندگی میں پہلی بار بالاج صاحب گھبرا گئے اور سوچنے لگے کہ کیا اُن کا فیصلہ دُرست ہے؟ لیکن پھر سوچا کہ اگر اس فیصلے سے سمیرا کی مدد ہو جائے تو کیا بُرا ہے۔ انھوں نے اپنے دل کو سمجھایا اور سوچنے لگے کے بات کا آغاز کس طرح کریں۔

جلد ہی اشرف صاحب تہمینہ بیگم کو بلا کر لائی ان کے ساتھ ثمینہ بھی نیچے آئی۔

ثمینہ نے ایک نظر زین کو دیکھا تو وہ سر جھکائے نظر آیا۔ زین کی صورت پر اس قدر پریشانی تھی کہ ثمینہ کا دل بیٹھنے لگا۔

''السلام علیکم بھائی صاحب۔'' تہمینہ بیگم نے آکر سلام کیا۔

''جیتی رہو کیسی ہو تہمینہ؟'' انھوں نے انھیں دیکھ کر پوچھا۔

''بالکل ٹھیک۔''

تہمینہ بیگم نے مختصر جواب دیا اور ایک بار پھر ہال میں خاموشی چھا گئی۔

بالاج صاحب فرش کو تک رہے تھے۔ کچھ کہنے کی اُن سے ہمّت نہیں بن پا رآیا تھی۔ روحیل بھی اس لمحے مکمل خاموش تھا۔ ثمینہ اور زین بھی چُپ تھے۔

''میں چائے کا کہہ کر آتا ہوں۔''

کوثر نے جلدی سے کہا اور اٹھنے لگا لیکن تب ہی سمیرا ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لیے ہوئی آئی۔

روحیل نے سمیرا کو دیکھا، آج بھی سمیرا اُتنی ہی حسین تھی جس دن اس نے سمیرا کو پسند کیا تھا۔ لیکن وہ یہ بات جان گیا تھا سمیرا اس کی محبت نہیں تھی شاید اس جنم میں تو نہیں۔

سمیرا نے ٹیبل پر چائے کی ٹرے رکھی اور چائے کا کپ اٹھا کر بالاج صاحب کو دیا۔

''لیجیے بالاج صاحب۔'' سمیرا نے دھیرے سے کہا۔

''شکریہ بیٹی! شاید تمھیں پتا نہیں لیکن میں چائے کے ساتھ ایک مخصوص چینی لیتا ہوں، اس لیے مجھے تمھاری چائے کی ضرورت نہیں۔''

بالاج صاحب نے جل کر کہا۔

’’میں نے آپ کی Canderal کی چار گولیاں اس میں ڈالی ہیں، جیسے آپ کو ہمیشہ سے پسند ہے۔‘‘
سمیرا کی بات سُن کر بالاج صاحب حیرت زدہ رہ گئے اور سمیرا کا چہرا دیکھا۔
سمیرا کی آنکھوں میں آنسو موتی کی طرح ٹکے ہوئے تھے۔
بالاج صاحب نے بے جان ہاتھوں سے چائے لی اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔
سمیرا نے ایک اور چائے کا کپ اٹھایا اور روحیل کے آگے کیا۔
’’آپ کی چائے۔‘‘
سمیرا نے دھیرے سے کہا اور روحیل نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا تو سمیرا نے نظریں کہیں اور کی ہوئی تھیں۔ وہ روحیل سے نظر نہیں ملا پا رہی تھی۔ روحیل نے گہرا سانس لے کر چائے کا کپ لے لیا۔
’’ثمینہ! زین کو جوس لا کر دو، زین شام کو چائے نہیں پیتے۔‘‘
سمیرا نے دھیرے سے یہ جملے کہے اور زین حیران ہو کر اپنی بھابھی کو دیکھنے لگا۔
اُسے سب کے ذوق پتا تھے، آخر کار سمیرا ان کے گھر کی بڑی بہو تھی۔
ثمینہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھی اور کچن کی طرف چلی، جب کہ سمیرا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔
’’اب کیسی طبیعت ہے سمیرا کی؟‘‘ بالاج صاحب نے اشرف صاحب سے پوچھا۔
’’جی پہلے سے کافی بہتر ہے۔‘‘
اشرف صاحب نے جواب دیا اور ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ بالاج صاحب کے ماتھے پر پسینہ آ گیا، وہ نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ طلاق کی بات کریں تو کیسے کریں۔ روحیل نے اُن کی یہ کیفیت دیکھی اور سمجھ گیا کے بالاج صاحب بات نہیں کر پا رہے۔ وہ اُداس مسکراہٹ لبوں پر لایا اور بولا:
’’انکل؟...... پوپس آپ سے کچھ کہنے آئی ہے۔‘‘
روحیل کی بات سُن کر بالاج صاحب نے گھور کر اُسے دیکھا۔ روحیل اطمینان سے اپنے والد کو دیکھنے لگا۔
’’مجھ سے؟ کہیے بالاج صاحب! کیا بات ہے؟‘‘
اشرف صاحب نے عاجزی سے پوچھا پر بالاج صاحب روحیل کو گھورے جا رہے تھے۔
’’بالاج صاحب! کہیے؟‘‘ اشرف صاحب نے پھر پوچھا۔
’’میں میں......‘‘ بالاج صاحب گھبرانے لگے اور ایک دم سے اٹھے۔
’’میں چلتا ہوں کچھ ضروری کام ہے پھر کبھی آؤں گا۔‘‘
اُن کی دیکھا دیکھی زین اور روحیل بھی اٹھ کھڑے ہوے۔ اشرف صاحب، کوثر اور تہمینہ بیگم نے بھی

اٹھنے میں دیر نہ لگائی۔

''روحیل چلو۔''

بالاج صاحب نے جلدی سے کہا اور مرکزی دروازے کی طرف بڑھے۔ روحیل اور زین سر جھکا کر ان کے ساتھ چلے۔

''بالاج صاحب؟''

سمیرا کی آواز نیا نھیں چونکا دیا۔ پلٹ کرانھوں نے اُسے دیکھا۔

''آپ اپنا موبائل بھول گئے۔سمیرا نے موبائل لاکر دیا۔

''موبائل بھول گیا؟ واہ! بڑا یاد ہے تمھیں میرا موبائل؟ اس گھر میں میری ایک بیٹی بھی موجود ہے، میں تو اُسے بھی بھول چکا ہوں!''

بالاج صاحب نے بھرائے ہوئے لہجے میں یہ جملے کہے۔اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔سب حیران ہوکرانھیں دیکھنے لگے۔زین کا بھی منھ حیرت سے کھل گیا۔سمیرا پتھر کی بت کے مانند کھڑی انھیں دیکھنے لگی۔اتنی بڑی شخصیت ان کے سامنے ٹوٹ کر بکھر گئی تھی یہ سب کے لیے ہی حیرت کا لمحہ تھا۔بالاج صاحب پلٹے اور سمیرا کو دیکھ کر چلائے!:

''آخر کس بات کا بدلا لے رہی ہے تُو مجھ سے۔کس بات کا بدلا؟ تجھے بیٹی کہا تھا اور تُو نے مجھے بابا کہنا تک چھوڑ دیا۔اتنی نفرت اس بڈھے سے۔''

''بابا!''

سمیرا تڑپ کر بالاج صاحب کی طرف بڑھی اور اُن کے سینے سے لگی۔

''نہیں۔دُور ہٹ جا مجھ سے، دُور ہٹ جا!'' بالاج صاحب چلائے۔

''بابا نہیں۔ایسا مت کہو، میں مرجاؤں گی۔''سمیرا روتے ہوئے چلائی۔

''میں تجھ سے آخری بار پوچھتا ہوں سمیرا؟ گھر چلے گی یا نہیں؟'' بالاج صاحب نے چلّا کر پوچھا اور سمیرا نفی میں سر ہلا کر رونے لگی۔

''سمیرا میری بات کا جواب دو! گھر چلو گی یا نہیں؟'' بالاج صاحب نے پوچھا اور سمیرا ہچکیوں سے رونے لگی۔

''سمیرا! تجھے میرے سر کی قسم! مجھے بتا تُو گھر چلے گی یا نہیں؟'' بالاج صاحب چلائے۔

''لے چلو مجھے بابا! لے چلو مجھے! میرا دم گھٹ رہا ہے۔میں مرجاؤں گی۔میں مرجاؤں گی۔''

سمیرا تڑپ کر کر بالاج صاحب کے گلے لگی اور بالاج صاحب اُسے اپنی بانہوں میں لیکر رونے لگے۔اشرف صاحب، تہمینہ بیگم اور کوثر حیران ہو کر یہ منظر دیکھنے لگے۔ثمینہ اور زین کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔شفیق صاحب، شکیلہ بیگم، آصف، زارا اور نتاشہ بھی یہ ہنگامہ دیکھ کر چلے۔سمیرا کو بالاج صاحب سے لپٹے دیکھ کر وہ بھی حیرت زدہ رہ گئے۔روحیل کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے اور وہ مسکرا کر اُن دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''میری بچّی! تجھے کوئی مجھ سے جُدا نہیں کر سکتا کوئی بھی نہیں۔''

بالاج صاحب نے سمیرا کو لپٹاے ہوئے کہا اور سمیرا ان کے سینے سے لگ کر روتی رہی۔

''بھئی واہ! یہ ہوتا ہے فلمی سین!'' زین نے خوش ہو کر کہا اور سب ہنسنے لگے۔

''چلو جی معاملہ مکمل ہوا! سمیرا اپنے گھر کی ہوئی!''

کوثر نے خوش ہو کر کہا اور سب نے قہقہہ لگایا۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔''

تہمینہ بیگم نے روتے ہوئے کہا اور شکیلہ بیگم نیانھیں گلے سے لگایا۔

''بھائی آپ کتنے چلاک ہو! آپ جانتے تھے کہ پوپس بھابھی کو منالیں گے۔'' زین نے انگلی دکھا کر روحیل کو کہا اور اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

''مزہ آ گیا بھئی اسی بات پر سب تالیاں بجاو!''

زین چلّا کر کہا اور سب تالیاں بجانے لگے۔آصف اور زارا کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔سب کے سب شکر خدا ادا کر رہے تھے۔

''بابا کیا میں آپ سے کچھ مانگ سکتی ہوں؟'' سمیرا نے پیار سے بالاج صاحب سے پوچھا۔

''مانگو بیٹا! تم جو کہو گی سب قربان۔'' بالاج صاحب نے پیار سے کہا۔

''تو میں اکیلے نہیں اس بار میرے ساتھ ثمینہ بھی چلے گی۔'' سمیرا نے مسکرا کر کہا اور زین کی جان نکل گئی۔ثمینہ ادھر اُدھر ہونے لگی۔

''کیا مطلب؟'' اشرف صاحب نے چونک کر پوچھا۔

''میں پانی بھر کر آتی ہوں۔'' ثمینہ جلدی سے کہا اور پلٹی۔

''جی آپ کہیں نہیں جا رہیں۔یہیں کھڑی ہوں!'' زارا نے اُسے روکا اور سب ہنسنے لگے۔

''بلکہ اس غنڈے کو بھی آگے کرو!''

آصف نے زین کی طرف اشارہ کیا اور زین معافیاں مانگنے لگا۔

''بابا زین اور ثمینہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں کیا ہم خالو جان سے ثمینہ کا ہاتھ مانگ سکتے ہیں؟......''

سمیرا نے پیار سے کہا اور بالاج صاحب کا چہرا کھل اٹھا۔ سب ہنسنے لگے۔

''سمیرا تم نہ بھی کہتیں تو بھی میں اس باؤلے کے لیے ثمینہ کو ہی پسند کرتا۔'' بالاج صاحب نے مسکرا کر کہا پھر اعلان کیا۔

''اگلے ہفتے ثمینہ اور زین کی شادی کی تاریخیں رکھی جائیں گی۔''

بالاج صاحب کے اعلان پر سب نے ایک بار پھر تالیاں بجائیں۔

''چلو بھی اشرف تمھاری تینوں بچّیوں کا گھر بس گیا۔'' شفیق صاحب نے مسکرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میں خدا کا جتنا شکر کروں کم ہے، زارا، سمیرا، ثمینہ میرے پاس آؤ۔''

اشرف صاحب نے انھیں بُلایا، تینوں چلتی ہوئیں ان کے سامنے آئیں۔

''تم لوگ جب اس گھر میں آئے تھے تو میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ اب تم تینوں اپنے گھروں کی ہو گئی ہو تو دنیا کی ہر دولت ہر خوشی میرے پاس ہے ہم بے اولاد تھے لیکن آج فخر سے کہ سکتے ہیں ہماری ایک نہیں تین تین بیٹیاں ہیں۔''

اشرف صاحب نے روتے ہوئے یہ جملے کہے اور وہ تینوں ان کے گلے لگیں۔ تہمینہ بیگم بھی آ کر اپنی بچّیوں کی بانہوں میں سما گئی ں۔ سب مسکرا کر انھیں دیکھنے لگے۔

''سمیرا روحیل میاں انتظار کر رہے ہیں؟''

زارا نے مسکرا کر کہا اور سمیرا نے پلٹ کر روحیل کی طرف دیکھا۔ روحیل آنکھوں میں آنسوں لیے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سمیرا سر پر دوپٹہ اوڑھ کر روحیل کے سامنے اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

''ہو سکے تو اپنی نادان سمیرا کی غلطیوں کو معاف کر دیجیے گا۔''

یہ کہہ کر وہ رو پڑی۔ روحیل نے اُس کے ہاتھوں کو تھاما اور نفی میں سر ہلا کر اُسے گلے سے لگا لیا۔ سمیرا جی بھر کے روحیل کی بانہوں میں آ گئی۔ سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر کوثر اور زین مستیاں کرنے لگے۔ اُن کی دیکھا دیکھی سب روتے ہوئے بھی ہنس پڑے، مگر روحیل اس نے سمیرا کو اپنے سینے سے لگائی رکھا اُسے اُس کے خیالوں کی ملکہ مل چکی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

☆......☆

روحیل یہ بات جان گیا تھا کہ جس قدر وہ سمیرا کو روشنی کی طرف مائل کرے گا۔ سمیرا اُتنا ہی اندھیرے میں ڈوبتی چلی جائے گی، اسلیے اس نے سمیرا کو اندھیروں میں چھوڑ دیا۔ سمیرا خود گھبرا کر روشنی کی طرف

بڑھی جہاں وہ پہلے سے اسے تھامنے کے لیے موجود تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اُس کا پلان کامیاب رہا اور سمیرا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہوگئی۔ سمیرا جب واپس آئی تو کافی دیر تک وہ بالاج صاحب کے سینے سے لگ کر روتی رہی اور بالاج صاحب اپنی بیٹی کو سینے سے لگائے روحیل اور زین مسکرا کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ جلد ہی روحیل اُسے آرام سے اپنے کمرے میں لے کر گیا اور اُسے اس کی دوا دی۔ مگر سمیرا نے دوا کو ہٹایا اور اپنے شوہر کی بانہوں میں سما گئی۔ روحیل نے مسکرا کر اُسے اپنی بانہوں میں لیا اور وہ دونوں پیار کی دُنیا میں کھو گئے۔ دونوں کے درمیاں محبت اب عروج پر تھی۔ ثمینہ اور زین کی شادی کے فنکشن شروع ہوئے اور تینوں گھرانوں میں دوبارہ رونق دوڑ گئی۔ زارا کی بیٹا بہت گول مٹول ہوگیا تھا اور سب اُسے گود میں لینے کے لیے تڑپتے رہنے لگے۔ ثمینہ اور زین کی شادی والے دن چھوٹے میاں زین کے ساتھ ساتھ دولھا بنے اور تہمینہ بیگم، اشرف صاحب اس کی نظر اُتارتے رہ گئے۔ زین اور ثمینہ کی نوک جھونک شادی والے دن بھی جاری تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو کہنیاں مار رہے تھے۔

سمیرا اور زارا لڑکے والوں کی طرف سے شرکت کر رہے تھے جب کہ تہمینہ بیگم اکیلی ثمینہ کی طرف سے شامل تھیں۔ شفیق صاحب تو اپنے بھانجے کی شادی پر بھنگڑا کر رہے تھے لیکن شکیلہ بیگم نے تہمینہ بیگم کا ساتھ دینا مناسب سمجھا اور وہ لڑکی والوں کی طرف سے شریک ہوئیں۔ ثمینہ جب رخصت ہوکر بالاج صاحب کے گھر آئی تو اس نے بھی سب سے پہلے سمیرا کے ساتھ زہرا بیگم کو سلام کیا۔ بالاج صاحب اپنی بہوؤں کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ثمینہ اور سمیرا نے مل کر بالاج صاحب کے گھر کو سنبھال لیا تھا اور ان کے گھر میں ایک الگ ہی سماں بن گیا۔

زین اب مستقل دفتر آنے لگا تھا اور اپنے بھائی کے ساتھ مل کر کام سیکھنے لگا۔ رات کو جب وہ دونوں تھک کر آتے تو کھانے کی میز پر دونوں شوہر اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ ہنسی، مذاق اور باتوں میں کھو جاتے۔ بالاج صاحب اُن لوگوں کی نوک جھونک دیکھ کر سر پکڑ کر رہ جاتے مگر دل سے دعا کرتے کہ اس رونق کو کسی کی نظر نہ لگے۔ ایک دن بالاج صاحب نے ثمینہ کو اپنے پاس بُلایا اور سمیرا کے ساتھ ساتھ اُسے بھی تجوری کی ذمے داری سونپی۔ ثمینہ اتنی بڑی ذمے داری لے کر خوشی سے پھولی نہ سمائی اور ان کے سینے سے لگی۔ اس دوران دونوں بھائیوں نے اپنی بیگمات کے ساتھ یورپ کا سفر بھی کیا۔ ایک ہنی مون جو ادھورا رہ گیا تھا، روحیل نے اُسے مکمل کیا اور سمیرا کو دُنیا گھمائی۔ سمیرا کو اب پُرانی باتیں یاد نہیں آتی تھیں، نہ ہی اسے اٹیکس آتے تھے۔ وہ اب ہنستی تھی، مسکراتی تھی اور یہی ہنسی اور مسکراہٹ اُس کے دل کے لیے مفید تھی۔ روحیل کی محبت نے اُسے بدل کر رکھ دیا تھا۔ سمیرا کا دوسرا جنم ہوا تھا۔ نہ اب اُسے ڈراونے خواب

آتے اور نا ہی کسی قسم کی کوئی یاد۔ وہ رات میں اپنے شوہر کے سینے پر سر رکھ کر چین کی نیند سوتی اور روحیل اُسے گھنٹوں اپنی بانہوں میں لیے رہتا۔

ایک سال پلک جھپکتے گزر گیا اور ثمینہ سمیرا نے ایک ساتھ دو بچّوں کو جنم دیا۔ سمیرا نے ایک پیاری سی بیٹی کو جنم دیا جب کہ ثمینہ کے ہاں بیٹے نے جنم لیا۔ بالاج صاحب خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تھے، ایک ساتھ پوتا اور پوتی کی خوشی نے ان کے سارے غم بھلا دیے تھے۔ بالاج صاحب نے نئی فیملی کی تصویر بھی بنوائی۔ وہ کرسی پر گود میں دونوں بچّوں کو لے کر بیٹھے جب کہ ان کے دائیں جانب روحیل اور سمیرا تھے اور بائیں جانب ثمینہ اور زینا اور ان کے اوپر زہرا بیگم کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس طرح مکمل ہوا بالاج صاحب کا گھرانہ۔ خدا کرے کہ ان کے گھرانے کو اب کسی کی نظر نہ لگے، آمین۔

ختم شُد

Ali's

Mere Khayalon…

everything… is not enough…

My novels are not for sale or fame, they are straight from my heart. In this book I have tried to convey my imaginations to my readers. I believe if you want to convey your thoughts to your readers then do not hesitate neither wait for a right time. As long it comes from your heart, then all you must do is to deliver. I am sure that words will find their destination. Just like I have found mine.

Ali

Published by Aiena Publications.